سیرتِ طیبہ پر ایک لاجواب کتاب

الشفاء

بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ

جلد اوّل، دوم

ترجمہ بنام

نعیم العطائی فی حدیث المجتبیٰ مع تخریج احادیث

مصنف
ابو الفضل قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم
الحاج سید مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ممتاز اکیڈمی
فضل الٰہی مارکیٹ ، چوک اردو بازار ، لاہور
Ph:37223506-37230718

سیرتِ طیبہ پر ایک لاجواب کتاب

الشفاء

بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ

ترجمہ بنام

نسیم الصبا فی حدیث المجتبیٰ مع تخریج احادیث

مصنف:

ابو الفضل قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم:

الحاج سید مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

طابع

شکیل ممتاز

ممتاز اکیڈمی

فضل الٰہی مارکیٹ ◦ چوک اردو بازار ◦ لاہور

Ph:37223506-37230718

صحتِ متن، کتابت، تصحیح، طباعت اور جلد بندی میں انتہائی احتیاط کے باوجود بہ تقاضائے بشریت سہو کے امکانات موجود رہتے ہیں۔ غلطی کی نشاندہی پر ادارہ مشکور ہوگا۔

جزاک اللہ خیراً — اراکین ادارہ

فہرست حصہ اوّل

فہرست حصہ دوم

تذکرۂ مصنف

نام ونسب

آپ کا نام عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی المالکی رحمۃ اللہ علیہ اور کنیت ابوالفضل ہے۔ آپ کی ولادت ۴۷۶ھ بمطابق ۱۰۸۳ء میں سبتہ کے مقام پر ہوئی۔

آباؤ اجداد

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ ''اندلس'' کے رہنے والے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا مرحوم وہاں سے نقل مکانی کر کے ''فارس'' آ گئے پھر وہاں سے ''سبتہ'' تشریف لے گئے۔

تعلیم وتربیت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن اور جوانی کا ابتدائی حصہ ''سبتہ'' ہی میں گزرا اور یہاں کے اکابر علماء و مشائخ رحمہم اللہ سے علم حاصل کیا۔ بیس سال کی عمر میں حافظ الحدیث ابوعلی غسانی صدفی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو روایت حدیث کی اجازت دے دی تھی۔ حضرت ابوعلی غسانی صدفی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ ''اندلس'' تشریف لے گئے۔

رسالہ ''نگار'' لکھنؤ کے علماء نمبر میں ہے کہ ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ ''قرطبہ'' (اندلس) تشریف لے گئے وہاں سینکڑوں اساتذہ سے علوم وفنون حاصل فرمائے۔

ابوالقاسم بن بشکوال رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب الصلہ'' میں فرماتے ہیں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ طلب علم کیلئے 'اندلس' تشریف لے گئے تو انہوں نے ''قرطبہ'' میں علماء کی ایک بڑی جماعت سے علم حاصل کیا اور حدیث کا بڑا ذخیرہ جمع کیا۔ حدیث شریف کی طرف ان کی توجہ زیادہ تھی اور وہ اس کے جمع کرنے میں بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ درجے کی ذہانت وفطانت اور بلند فہم وفراست کے مالک تھے۔ مسائل فقہ

ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار مذہب مالکی کے اساطین میں ہوتا ہے۔

عہدۂ قضا

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کافی عرصہ ''سبتہ'' میں قضا کا کام کیا اور اپنے حسن سیرت سے لوگوں کے دلوں کو گرویدہ کرلیا۔ پھر وہاں سے ''غرناطہ'' چلے گئے وہاں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کو قضا کا کام سپرد کیا گیا لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ''غرناطہ'' میں زیادہ دیر قیام نہ فرمایا اور واپس ''قرطبہ'' آگئے جہاں ۵۳۱ھ بمطابق ۱۱۳۲ء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''قرطبہ'' میں عہد قضاء سپرد کیا گیا۔

محمد بن حماد سبتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ ۲۱ سال کی عمر میں مناظرہ کرنے لگے اور ۳۵ سال کی عمر میں عہدہ قضاء پر فائز ہوئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ اور تلامذہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کیا جن کے نام درجنوں تک پہنچتے ہیں جب کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہونے والے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی بھی ایک بڑی تعداد ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں بھی بڑے بڑے علماء شامل ہیں۔

خصوصیات

آپ رحمۃ اللہ علیہ حدیث، علوم حدیث، لغت، نحو، کلام عرب اور ان کے ایام و انساب میں اپنے وقت کے امام تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ شاعری بھی فرمایا کرتے تھے اور کثیر التصانیف بزرگ تھے۔

حضرت محمد بن حماد سبتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سبتہ میں ان سے زیادہ کوئی کثیر التصانیف نہ تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شہر میں وہ بلندی اور برتری حاصل کی کہ جہاں تک ان کے شہر والوں میں سے کوئی بھی نہ پہنچا مگر علم و فضیلت نے ان میں تواضع اور خوف الٰہی ہی کو زیادہ کیا۔

یوں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۲۲ کے قریب ہے اور وہ تمام کی تمام علوم کا بیش بہا خزانہ ہیں اور تمام علماء ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

امام علامہ محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ''شرح مسلم'' میں جگہ جگہ ان کا حوالہ دیتے ہیں۔ امام بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ ''عمدۃ القاری'' میں اور حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ''فتح الباری'' میں جابجا ان سے فوائد و نکات احادیث میں خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں۔ شارحین حدیث میں جہاں ''قال القاضی'' کہتے ہیں وہاں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہی مراد ہوتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصانیف میں سے سب سے زیادہ مقبولیت الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی بلکہ دیگر تصانیف اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی بقاء کا سبب بھی یہی کتاب ہے۔

بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں الشفاء کی مقبولیت

تذکرہ الحفاظ میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خواب میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے نے دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سونے کے تخت پر تشریف فرما ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر اس پر ہیبت طاری ہوگئی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے بھتیجے ''کتاب الشفاء'' کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اسے اپنے لئے دلیل راہ بناؤ۔

گویا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا کہ جو آج میرا یہ مقام تم دیکھ رہے ہو یہ ''الشفاء'' تحریر کرنے کے سبب ہے۔

الشفاء کا مقام

بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبولیت پانے کے بعد ہر زمانے کے علماء وصلحا کی نظر میں یہ کتاب ایک خصوصی مقام کی حامل ہوگئی اور انہوں نے نظم ونثر میں اس کی تعریف فرمائی ہے۔

اس کتاب کی آج تک تقریباً ۲۶ کے قرب شروحات و تلخیصات ہو چکیں تھیں جن میں ''شرح ملا علی قاری'' اور ''نسیم الریاض'' حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ مقبول ہیں۔

الشفاء پڑھنے کی فضیلت

حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''شفاء شریف'' کا اسم اس کے مسمیٰ کے موافق ہے کیونکہ سلف صالحین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا پڑھنا بیماریوں سے شفاء اور مشکلات کے حل کیلئے بہترین اور مجرب عمل ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کی برکت سے اس کتاب کے پڑھنے سے ڈوبنے' جلنے اور طاعون کی بیماریوں سے نجات رہتی ہے۔ غالبًا اسی کتاب کے بارے میں فرمایا گیا کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو وہاں جادو اثر نہ کرے گا۔

وصال

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ۹ جماری الثانی ۵۴۴ھ بمطابق ۱۱۴۵ء شب جمعہ کو وصال فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ مراکش میں مدفون ہیں۔ آپ کی عمر مبارک تقریباً ۶۹ برس تھی۔

تذکرۂ مترجم

حسب ونسب

آپ کا نام غلام معین الدین ہے اور آپ کے والد ماجد کا نام صابر اللہ شاہ چشتی صابری اشرف نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۲۳ دسمبر ۱۹۲۳ء بمطابق ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ میں محلہ شہری سرائے' مراد آباد' انڈیا کے مقام پر ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق گھرانۂ سادات سے ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ مولانا حکیم سیّد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

تعلیم وتربیت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم والد ماجد کے زیر سایہ شروع ہوئی پھر ۱۹۳۲ء میں مراد آباد انڈیا کی مشہور دینی درس گاہ ''جامعہ نعیمیہ'' میں تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی اور صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی رحمہما اللہ کے زیر سایہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علوم دینیہ کی تحصیل وتکمیل فرماء۔ جب کہ اس دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فن طب بھی پڑھا اور ۱۹۴۳ء کو وہاجیہ کالج لکھنؤ سے ''الحکیم الفاضل'' کی سند حاصل ہوئی اور اس کے ساتھ ہی علوم دینیہ کی تمام درسی کتب بھی اساتذہ سے پڑھ لیں۔

پھر ساتھ ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ شدید بیمار ہوگئے اور بیماری کا یہ سلسلہ ایسا چلا کہ سات مرتبہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے موتی جھارہ نکلی بعد میں فالج گرا جس کا حملہ شدید تھا۔ مرض کی شدت اور دیرینہ علالت کے بعد کیفیت یہ تھی کہ ہڈیوں کے سواء کچھ نظر نہ آتا تھا مگر زندگی باقی تھی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ شفا یاب ہوئے۔ اس طرح دو سال کے وقفے کے بعد ۱۹۴۵ء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی ہوئی۔

صدر الافاضل کی آپ رحمۃ اللہ علیہ پر عنایات

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد مکرم آپ رحمۃ اللہ علیہ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دینی خدمات میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں جب صدر الافاضل نے اپنی تفسیر ''خزائن العرفان''

کو دوبارہ شائع کرانے کا ارادہ فرمایا تو ترجمہ وتفسیر کے مسودات کی تصحیح کے کام میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا شریک بنایا۔

پھر ۱۹۴۱ء میں جب ''صدر الافاضل'' کو دوسری دفعہ حبس بول کا مرض لاحق ہوا تو دو تین دن سعی کرنے کے بعد جب تمام اطباء مایوس ہوگئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شدت مرض کے دوران مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے بڑے صاحبزادے حکیم سید ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ قرآن پاک کی طباعت کا کام مکمل نہیں ہوا۔ تصحیح کا کام شاہ جی (مولانا غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو پیار سے اس نام سے مخاطب فرماتے تھے) سے کرانا اور شاہ جی کے ساتھ گجرات سے مفتی احمد یار خان (رحمۃ اللہ علیہ) کو بلا لینا۔ یہ دونوں طباعت کی تصحیح کریں۔

دوران تعلیم آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر نشر و اشاعت کا کام کیا۔

مزید عنایت وشفقت ملاحظہ فرمایئے کہ جب صدر الافاضل کا وصال ہونے لگا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد و شیخ کے سر کو دبا رہے تھے اور ان کا سر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں تھا کہ اسی اثناء میں صدر الافاضل نے فرمایا شاہ جی میرے کمرے میں سے سب کو باہر جانے کیلئے کہہ دیجئے سوائے آپ کے میرے نزدیک کوئی نہ بیٹھے۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹوں کو بھی باہر جانے کیلئے کہہ دیا پھر کچھ لمحوں کے بعد آپ کا وصال ہوا تو غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت موصوف کی وصیت کے مطابق ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے بعد ان کے بیٹوں اور عزیز و اقارب کو اندر بلا لیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ پر صدر الافاضل کی شفقتیں بعد از وصال بھی جاری رہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ جب ''الشفاء'' کا ترجمہ فرما رہے تھے تو صدر الافاضل مسکراتے ہوئے آپ کے خواب میں تشریف لائے۔ یقیناً یہ آپ کے کام سے خوش ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

تحریک پاکستان میں کردار

۱۹۴۵ء میں ''تحریک پاکستان'' زوروں پر تھی چونکہ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک کے بانی اور ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے روح رواں تھے۔ جب انہوں نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں اپنی کوششوں کو تیز کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو آل انڈیا سنی کانفرنس کے مرکزی دفتر کا منصرم مقرر فرمایا تو تمام تر مراسلات، مواصلات، تحصیل وترسیل وغیرہ کا نظام آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے سپرد

تھا پھر جب مولانا صدر الافاضل قیام پاکستان کیلئے دورے پر تشریف لے گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے۔

بنارس کانفرنس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات

۱۹۴۶ء کی آل انڈیا سنی کانفرنس کو ''تحریک پاکستان'' میں وہی اہمیت حاصل ہے جو قرار داد لاہور ۱۹۴۰ء کو حاصل ہے۔ ۱۹۴۶ء میں متحدہ ہندوستان میں جو جنرل الیکشن ہو رہے تھے اس میں مسلم لیگ کی مخالفت پر کانگریس کی حلیف جماعتیں جمعیت علمائے اسلام (ہند) جمعیت احرار، جمعیت خاکسار، خدائی خدمت گار اور نیشنلسٹ علماء جن کو خاص گاندھی کی آشیر باد حاصل تھی مسلم لیگ کے مقابلہ پر آ گئیں۔ اگر خدانخواستہ اس الیکشن میں مسلم لیگ کو بھاری اکثریت حاصل نہ ہوتی تو پاکستان کے قیام میں مزید پانچ سال تاخیر ہو جاتی۔

بنارس سنی کانفرنس میں برصغیر پاک و ہند کے پانچ سو مشائخ سات ہزار علمائے حق اہلسنّت و جماعت اور دو لاکھ سے زائد عام حاضرین نے حصہ لیا۔ اس کانفرنس میں برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے سے اسلامیان پاکستان کے نمائندے شامل ہوئے۔ جنہوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ امیر ملت حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب، حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی، حضرت سید محمد محدث جیلانی کچھوچھوی اور پیر صاحب مانکی شریف رحمہم اللہ کی شرکت سے یہ کانفرنس بے حد مقبول ہوئی۔

افسوس کہ پاکستان کے قیام کے بعد مسلمانوں کی تحریک پاکستان کے حق میں اس قسم کی گراں قدر قربانیوں کو صفحہ تاریخ پر جگہ نہ دی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس ان تحریکوں کو ہماری نصابی کتب میں شامل کیا جا رہا ہے جنہوں نے دل کھول کر پاکستان کی مخالفت کی۔

اس کانفرنس کی کامیابی میں حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مثالی کردار روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کانفرنس کے نائب ناظم تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحریک میں علماء و مشائخ کے دوش بدوش کام کیا۔ جس نے مسلمانوں کو تحریک آزادی کی صف میں لا کھڑا کیا۔ بلاشبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے ایک عظیم رہنما تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اسلامیان برصغیر کی مذہبی، سیاسی، ثقافتی، ادبی اور تعلیمی مشکلات کا حل تھے اور مسلمانوں کو جادۂ حق پر گامزن کرنے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نمایاں کردار ادا فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کانفرنس کی مکمل روداد بعنوان ''خطبہ

صدارت جمہوریہ اسلامیہ'' مرتب کر کے شائع کروائی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بیشتر کارہائے نمایاں میں سے یہ کارنامہ بھی ہمیشہ روز روشن کی طرح عیاں رہے گا۔

مرشد و استاد کی آپ رحمۃ اللہ علیہ سے محبت

حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور مرشد بھی تھے اسی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کا اندازہ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ صدر الافاضل کا وصال آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت خدمت شیخ پر معمور تھے۔ یعنی اپنے مرشد کے سر کو دبا کر فیض یاب ہو رہے تھے کہ حضرت صدر الافاضل کی روح پرواز کر گئی۔

پاکستان میں آمد

تقسیم ملک کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۵۰ء میں پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں آنے کے بعد دوست احباب و اقارب اثاثۂ بیت و دیگر ضروریات زندگی کا فقدان ہونے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ دل برداشتہ نہیں ہوئے بلکہ اپنے مشائخ کے مشن کو جاری رکھنے اور اسے کامیاب بنانے کیلئے کوشاں رہے۔

جمعیت علماء پاکستان کیلئے خدمات

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاکستان آنے کے بعد غازی کشمیر حضرت مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو جمعیت کا نائب ناظم اعلیٰ مقرر کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۷۔۱۹۵۶ء تک جمعیت کا ترجمان رسالہ ہفت روزہ ''جمعیت'' نکالا اور اس کیلئے بڑی محنت اور جدوجہد فرمائی پھر بعض وجوہات کی بناء پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت سے استعفیٰ دے دیا۔

رسالہ سوادِ اعظم کا اجراء

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ و استاد حضرت صدر الافاضل کی یاد میں ہفتہ وار ''سواد اعظم'' لال کھوہ اندرون موچی دروازہ لاہور سے نکالا اور بڑی استقامت کے ساتھ جب تک زندہ رہے اس کو شائع کرتے رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی مولانا غلام قطب الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر ادارت جاری رہا اور پھر غلام قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بند ہوا۔

اس رسالے کی خصوصیات یہ تھیں کہ مسلک اہلسنّت و جمیعت کے تحفظ کیلئے حتیٰ الامکان کوشش فرماتے اور اسی کے ذریعے مخالفین کی فتنہ سازیوں کا سختی سے نوٹس لیتے۔

تصانیف

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ۴۵ کے قریب تصانیف و تالیفات اور عربی کتب کا ترجمہ انتہائی مشکل اور کٹھن حالات میں فرمایا اور اکثر کتابیں ایسی تھیں کہ اپنے علم و موضوع کے اعتبار سے وہ انتہائی اہم تھیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ اس خوش اسلوبی سے فرماتے کہ بجائے ترجمہ کے یوں محسوس ہوتا جیسے اصل کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔فن ترجمہ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک زبان کو دوسری زبان کا جامہ پہنانا کس قدر مشکل امر ہے۔مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ اس فن کے استاد تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے جو فہرست میسر ہو سکی وہ ذیل میں درج کی جا رہی۔

۱	مدارج النبوت (دو جلد)	شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۲	الخصائص الکبریٰ (دو جلد)	امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
۳	الشفاء (دو جلد)	قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ
۴	ما ثبت من السنۃ	شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۵	کشف المحجوب	حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
۶	بشری الکتب بلقاء الحبیب	امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
۷	(اُردو ترجمہ بنام دیدار حبیب)	
۸	الدور المنتشرہ فی احادیث المشتہرہ	امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
۹	الصواعق الٰہیہ الرد علی الوہابیہ	علامہ الشیخ محمد سلمان رحمۃ اللہ علیہ
۱۰	نعیم العرفان (اُردو ترجمہ بنام تکمیل الایمان)	شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱	نعیم رسالت	سیّد غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
۱۲	فتاویٰ صدر الافاضل	سیّد غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
۱۳	نعیم البیان پہلا پارہ (تفسیر قرآن پاک)	سیّد غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
۱۴	احقاق حق	مرتبہ سیّد غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
۱۵	حیات صدر الافاضل	سیّد غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

۱۶	فتوح الغیب (ترجمہ بنام شروح الغیب)	شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۷	مسالک الحنفاء (ترجمہ بنام والدین مصطفیٰ)	امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
۱۸	مناقب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ	امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
۱۹	قرۃ العیون (ترجمہ بنام سرور خاطر)	فقیہ ابولیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ
۲۰	مواعظ حسنہ	حضرت علامہ امام صفوری رحمۃ اللہ علیہ
۲۱	المیلاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ
۲۲	شواہد النبوۃ	حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ
۲۳	اصول السماع (ترجمہ بنام مسئلۃ السماع)	حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
۲۴	العقائد (ترجمہ فقہ اکبر)	
۲۵	ترجمہ وصایا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ	
۲۶	ترجمہ قصیدہ بدء الامالی	

وصال

انتقال سے چار ماہ قبل آپ رحمۃ اللہ علیہ پر سحر کا حملہ ہوا بس اس وقت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ دن بدن علیل سے علیل تر ہوتے گئے اور ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق کوئی دوا موثر ثابت نہ ہوئی۔ بڑے بڑے نامور معالج آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علاج کیلئے آئے ہر کسی نے یہی کہا کہ مرض کا کچھ پتہ نہیں چلتا بالآخر ۱۳ اگست کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو میو ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے دن ۱۴ اگست ۱۹۷۱ء کو اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ آخری وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر یہ شعر تھا۔

چل دیئے باغ سے چمن پیرا
گل و گلزار کا خدا حافظ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ مفتی اعجاز ولی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا غلام محمد ترنم رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں میانی صاحب کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

مقدمہ کتاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلِّمْ

فقیہہ قاضی امام حافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُنْفَرِدِ بِاِسْمِہِ الْاَسْمٰی○ اَلْمُخْتَصِّ بِالْمُلْکِ الْاَعِزِّ الْاَحْمٰی○ اَلَّذِیْ لَیْسَ دُوْنَہٗ مُنْتَھًی وَلَا وَرَاءَہٗ مَرْمٰی ○ اَلظَّاھِرُ یَقِیْنًا لَا تَخَیُّلًا وَلَا وَھْمًا○ اَلْبَاطِنُ تَقَدُّسًا لَا عَدَمًا○ وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ رَحْمَۃً وَّعِلْمًا○ وَاَسْبَغَ عَلٰی اَوْلِیَآئِہٖ نِعَمًا عُمًّا○ وَبَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ عَرَبًا وَّعَجَمًا○ وَاَزْکَاھُمْ مَحْتِدًا وَمَنْمًی ○ وَاَرْجَحَھُمْ عَقْلًا وَّحِلْمًا○ وَاَوْفَرَاھُمْ عِلْمًا وفَھْمًا وَاَقْوَاھُمْ یَقِیْنًا وَّعَزْمًا ○ وَاَشَدَّھُمْ بِھِمْ رَأْفَۃً وَّرَحْمًا زَکَّاہُ رُوْحًا وَّجِسْمًا ○ وَحَاشَاہُ عَیْبًا وَّوَصْمًا○ وَاٰتَاہُ حِکْمَۃً وَّحُکْمًا○ وَفَتَحَ بِہٖ اَعْیُنًا عُمْیًا وَقُلُوْبًا غُلْفًا وَاٰذَانًا صُمًّا○ فَاٰمَنَ بِہٖ وَعَزَّرَہٗ وَنَصَرَہٗ مَنْ جَعَلَ اللّٰہُ لَہٗ فِیْ مَغْنَمِ السَّعَادَۃِ قِسْمًا○ وَکَذَّبَ بِہٖ وَصَدَفَ عَنْ اٰیَاتِہٖ مَنْ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الشَّقَاءُ حَتْمًا ○ وَمَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً تَنْمُوْ وَتَنْمٰی○ وَعَلٰی اٰلِہٖ تَسْلِیْمًا۔

ترجمہ: اللہ ہی کیلئے تمام تعریفیں ہیں جو اپنے بلند نام میں یکتا، جو بلند نام کے ساتھ مخصوص ہے، وہی ہے جس کے سوا اور کوئی منتہی نہیں اور اس کے سوا کوئی مطلوب نہیں وہ حقیقتاً ظاہر ہے، وہمی و خیالی نہیں۔ وہ باطن ہے تقدس کے اعتبار سے، معدوم ہونے کے اعتبار سے نہیں۔ رحمت و علم سے تمام کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اپنے محبوبوں کو غایت کرم سے اپنی وافر نعمتوں سے نوازا۔ اس نے انہیں میں سے ان کی جانب ایسا بہترین رسول بھیجا، جو عرب و عجم میں بے مثل اور اصل و نسل، حسب و نسب اور اصالت میں ان میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ عقل و فراست و دانائی اور بردباری میں ان سے فزوں تر، علم و بصیرت میں ان سے زیادہ یقین محکم اور عزم راسخ میں ان سے قوی تر، رحم و کرم میں ان پر سب سے زیادہ رحیم و شفیق۔ (اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی بشری آلودگیوں سے) ان کے روح و جسم کو مصفیٰ اور عیب و نقص سے ان کو منزہ رکھا۔ ایسی حکمت و دانائی سے ان کو

نوازا کہ جس نے اندھی آنکھوں، غافل دلوں اور بہرے کانوں کو کھول دیا۔

وہی شخص آپ پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی عزت و نصرت کرتا ہے جس کے نصیب میں اللہ تعالیٰ نے نیک بختی رکھی ہے اور وہی آپ کی تکذیب اور آپ کے معجزات سے روگردانی کرتا ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے بدبختی لازم کر دی ہے کیونکہ جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر صلوٰۃ و سلام ہو اور ایسی رحمتیں ہوں جو ہمیشہ بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہیں اور ان کے آل و اصحاب پر بھی پورا سلام ہو۔

امابعد! اللہ تعالیٰ نور یقین کے ساتھ میرے اور آپ کے دل کو منور کرے اور ہمارے اوپر ایسی مہربانی کرے جیسی اپنے ان برگزیدہ محبوبوں پر فرماتا ہے جن کو اس نے اپنی مقدس مہمانی سے مشرف فرمایا اور اپنی محبت میں ایسا وارفتہ کیا کہ وہ مخلوق سے بیزار ہو گئے اور اپنی معرفت، ملکوت کے عجائب اور اپنی قدرت کے آثار کے مشاہدہ کیلئے ان کو مخصوص کر دیا۔ ان کے قلوب صافیہ کو مسرور کیا، ان کی عقلوں کو اپنی عظمت شان سے حیرت زدہ کر دیا۔ پس ان محبوبوں نے صرف ایک غم ہی لازم کیا ہے، وہ تیری ذات ہے۔ اور دین و دنیا میں تیرے جلوؤں کے نظارے کے سوا کسی سے سروکار نہیں رکھا۔ صرف اسی کے جمال و جلال کے مشاہدہ میں مگن ہیں۔ اسی کے آثار قدرت، عجائب عظمت میں سرگرداں ہیں۔ اسی (ذات) سے لو اور اسی پر توکل کرنے میں معزز ہیں۔ اس کے اس سچے ارشاد کے شیدا ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔ (الانعام ۹۱)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے اللہ! پھر چھوڑ دیجیے انہیں (تاکہ) وہ اپنی بیہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں۔

پس تم نے مجھ سے بار بار یہ سوال کیا ہے کہ میں ایک ایسا مجموعہ مرتب کردوں جو حضور سید عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے حقوق اور آپ کی عزت و تکریم کے وجوب پر مشتمل ہو اور ان لوگوں کے حکم میں جو (بسبب غفلت کے) اس واجب التعظیم مرتبت کی معرفت سے غافل یا آپ کے منصب جلیل کے حقوق کی ادائیگی میں تراشۂ ناخن کے برابر قاصر ہیں۔

اور یہ کہ اس مجموعہ میں اپنے بزرگوں اور اماموں کے اقوال جمع کر کے ان کو صورتوں اور مثالوں میں بیان کروں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو (اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنائے) کہ جو کام میرے سپرد کیا ہے سخت مشکل کام ہے اور دشوار تر ہے، وہ ایسی خطرناک مرتفع گھاٹی (بلند) ہے کہ میرا دل اس سے (انجام برآری میں) خوف زدہ ہے کیونکہ مقتضائے کلام متدعی ہے کہ اصولی گفتگو ہو اور انداز بیان

جامع مانع ہو جس میں حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق علم الحقائق کے رموز و کنایات اور اس کے غوامض و دقائق واضح طریقہ پر بیان کئے گئے ہوں، خواہ وہ آپ کی طرف منسوب کرنا جائز ہو یا اس کی نسبت شرعاً ممنوع ہو۔ (واضح کرنا ضروری ہے) اور یہ کہ نبی، رسول، رسالت، نبوت، محبت، خلت (دوستی) اور اس مرتبہ عالیہ کی خصوصیات کیا ہیں ان کی معرفت بھی کرا دی جائے۔ یہ وہ دشوار گزار وادی ہے کہ قطاد جیسا پرندہ جو نہایت تیز بین اور سبک رفتار ہے، وہ بھی پرواز سے متحیر ہے، قدم ڈگمگاتے ہیں۔ وہ عقلیں پراگندہ و گمراہ ہوتی ہیں جو نشان علم اور درست فکر و نظر سے راہ یاب نہ ہوں۔ یہاں وہ مزاج الاقدام ہیں کہ اگر توفیق و تائید الٰہی پر اعتماد و بھروسہ نہ ہو تو قدم پھسل جائیں۔

لیکن میں اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش و ثواب کا امیدوار ہوں کیونکہ یہ مقام مدح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رتبۂ عالی کے بیان اور خلق عظیم کی تعریف گاہ ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خصوصیات و حقوق کا بیان ہے جو اس سے پہلے کسی مخلوق میں جمع نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی معرفت اللہ تعالیٰ کی ایسی اطاعت ہے جو تمام حقوق سے بلند تر ہے تاکہ اہل کتاب بھی یقین کریں اور اس کو لوگوں میں واضح طور پر بیان کر کے کتمان حق نہ کریں۔ (جیسا کہ ان سے یوم الست، روز میثاق عہد لیا گیا تھا)

اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص سے کوئی علمی بات پوچھی گئی اور اس نے اس کو چھپایا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالے گا۔ (سنن ابوداؤد ۲/ ۱۲۴، سنن ترمذی ۴/ ۱۳۹، سنن ابن ماجہ ۱/ ۹۸)

پس میں نے (بخوف وعید حدیث بالا کے) ایسے نکات کی جلدی کی جو مطلب و مقصد کیلئے ضروری ہیں اور اس لئے بھی تعجیل کی کہ مرد اپنے ان گھریلو معاملات سے جو اس پر لازم کئے گئے ہیں کبھی بھی اپنے دل و دماغ کو فارغ نہیں پاتا۔ ہمیشہ ان کی انجام دہی میں سرگرداں رہتا ہے۔ اسی میں وہ اپنے فرض و نفل سے اکثر غافل رہتا ہے جس کے نتیجہ میں احسن تقویم سے بے پرواہ ہو کر ادنیٰ درجہ میں گر پڑتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمائے تو اللہ اس کے تمام شغل اور غم پورے (ختم) کر دیتا ہے اور کل قیامت کے دن ایسوں کی تعریف کی جائے گی اور ان کو کوئی برائی نہ پہنچے گی جبکہ وہاں سوائے جنت کی تر و تازگی یا عذاب دوزخ کے کچھ نہ ہو گا۔ انسان کو لازم ہے کہ اپنے نفس کا بچاؤ کرے، اس کو برائی سے محفوظ رکھے اور عمل صالح کر کے اس کا درجہ بڑھائے۔ وہی علم کارآمد

ہے جس کے ذریعہ خود بھی منتفع ہو اور دوسروں کو بھی نفع پہنچے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کی شکستگی دور کرے، کبیرہ گناہوں کو بخشے، ہماری تمام کدوکاوش کو آخرت میں ہمارا عمدہ توشہ بنائے، ہمارے مشاغل کو ہماری نجات کا ذریعہ بنائے، قرب خاص سے ہم کو نوازے اور اپنے رحم و کرم کے پردے میں ہمیں ڈھانپ لے۔ (امین)

جب میں نے اس مجموعہ کو مرتب کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے بابوں کی ترتیب دی، اصولوں کو مقرر کیا اور تفصیلات معین کیں اور اس کے حصر و تحصیل کی طرف مشغول ہوا تو میں نے اس مجموعہ کا نام ''اَلشِّفَاءُ بِتَعْرِیْفِ حُقُوْقِ الْمُصْطَفٰی ﷺ'' رکھا۔

اس کو میں نے چار قسموں پر منحصر کیا ہے۔

قسم اول: ان ارشادات الٰہیہ کے بیان میں جن میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے قول و فعل میں اپنے نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کی ہے۔ اس میں چار باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تعریف کی ہے اور آپ ﷺ کی قدر و منزلت جو اس کی بارگاہ میں ہے اس کا اظہار کیا ہے۔ اس میں دس فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی پیدائش اور اخلاق کے بارے میں مناقب بیان کئے ہیں اور آپ ﷺ میں تمام دینی و دنیاوی فضائل جمع کر دیئے ہیں۔ اس میں چھبیس فصلیں ہیں۔

باب سوم: اس میں وہ صحیح اور مشہور حدیثیں ہیں جن میں آپ ﷺ کی قدر و منزلت جو بارگاہ الٰہی میں پائی جاتی ہے کا ذکر ہے اور آپ ﷺ کو دارین کے فضائل میں جو خصوصیات مرحمت فرمائیں، ان کا بیان ہے۔ اس میں پندرہ فصلیں ہیں۔

باب چہارم: اس میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ہاتھ سے جو معجزات اور نشانیاں ظاہر فرمائیں اور وہ کہ جو آپ ﷺ کو خاص طور پر بزرگیاں عنایت فرمائیں ان کا بیان ہے۔ اس میں انتیس فصلیں ہیں۔

قسم دوم: اس میں حضور ﷺ کے ان حقوق کا بیان ہے جن کی بجا آوری ہر ایک پر واجب کی گئی ہے۔ اس میں چار باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع لازم ہے۔ اس میں چار فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کی محبت لازم ہے اور آپ ﷺ سے عقیدت ضروری ہے۔ اس میں پانچ فصلیں ہیں۔

باب سوم: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کے حکم کی عظمت کی جائے اور آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور خیر خواہی لازم ہے۔ اس میں چھ فصلیں ہیں۔

باب چہارم: اس میں آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام اور درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے، کے بارے میں بیان ہے۔ اس میں نو فصلیں ہیں۔

قسم سوم: اس میں ان امور کا بیان ہے کہ جو حضور ﷺ کے حق میں محال ہیں اور وہ امور جو حضور ﷺ کیلئے جائز ہیں اور وہ امور جو حضور ﷺ پر ممنوع ہیں اور وہ امور بشریہ جن کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا صحیح ہے۔

اور یہ "قسم سوم" اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے اس کتاب کا راز اور ان تمام ابواب کے پھلوں کا مغز ہے اور اس سے پہلے کی دونوں قسمیں دراصل ان (امور) کیلئے تمہید و دلائل کے مرتبہ میں ہیں جو ہم اس قسم میں واضح و روشن نکات بیان کریں گے اور یہی قسم مابعد کیلئے بھی حاکم ہوگی اور اس کتاب کی تالیف وتصنیف کا اصل سبب ووعدہ بھی یہی قسم ہے۔ جب ہم اس وعدہ کو پورا کریں گے تو ملعون دشمنوں کے سینے تنگ ہوں گے اور مؤمن مخلص کا دل یقین وعرفان سے روشن ہوگا اور رفضائے صدر اس سے گنجینۂ انوار بنے گا اور ہوشمند دانا حضور سید عالم ﷺ کی قدر ومنزلت کما حقہ بجا لائے گا۔ اس میں دو باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے جو امور دینیہ میں مخصوص ہیں۔ اور جس میں عصمت رسول ﷺ کو خوب ثابت کیا جائے گا۔ اس کی سولہ فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں حضور ﷺ کے دنیوی حالات کا بیان ہے یعنی بشریت کی کیفیت کی بناء پر جو امور آپ ﷺ پر واقع ہوتے رہے۔ اس میں آٹھ فصلیں ہیں۔

قسم چہارم: اس میں ان احکام کی وجوہات کا بیان ہے جو (معاذ اللہ) سب وتنقیص کرکے شان ارفع واعلیٰ کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں تین باب ہیں۔

باب اول: اس میں وہ امور ہیں جن کی نسبت (اگر معاذ اللہ حضور ﷺ کی طرف کردی جائے تو وہ) سب ونقص ہیں، خواہ وہ اشارتاً ہوں یا صراحتاً (نعوذ باللہ) اس میں نو فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں آپ ﷺ کے شاتم (گالی دینے والا) موذی اور تنقیص کرنے والے کی

سزا کا حکم ہے اور اس کی توبہ قبول کرنے، نماز جنازہ پڑھنے اور اس کی وراثت کے بارے میں بیان ہے۔ اس مین نو فصلیں ہیں۔

باب سوم: ہم نے اس کتاب کو باب سوم پر ختم کیا ہے۔ جس کو ہم نے اس مسئلہ کا ضمیمہ اور تکملہ قرار دیا ہے۔ جو اس کے پہلے دو بابوں میں ذکر ہے۔ یعنی اس شخص کے بارے میں حکم لگایا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور حضور سید عالم ﷺ کی آل و اصحاب کو (معاذ اللہ) برا بھلا کہتا ہے۔ ان امور کو اختصار کے ساتھ نو فصلوں میں بیان کیا ہے۔ اس پر کتاب کے ابواب و اقسام کا خاتمہ ہے جو اہل ایمان کی پیشانی کو ایمان سے پرانوار کر کے تراجم کے تاج پر چمکتا دُرِ شہسوار بنے گا اور ہر قسم کے شکوک و اوہام، تخمین و تخیل کو دور کر کے مومنین کے سینہ کو شفاء اور حق کو ظاہر کرے گا۔ بے وقوف ہٹ دھرم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابو الفضل محمد عیاض مالکی غفرلہ

قسم اوّل

آیات قرآنیہ، ارشادات الٰہیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور عظمت و شان کا ثبوت

فقیہہ قاضی امام ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو توفیق عطا فرمائے اور سیدھے راستہ پر گامزن رکھے۔ اس شخص پر کچھ پوشیدہ نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑا سا بھی علم دیا ہے یا تھوڑی سی سمجھ بوجھ دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی قدر و منزلت فرمائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے فضائل و محاسن اور مناقب کے ساتھ مخصوص کیا ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں اور آپ کے مرتبۂ جلیلہ کو اتنا بڑھایا ہے کہ لوگوں کی زبان و قلم تھکتے ہیں۔

ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کی تصریح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں فرما دی اور آپ کے مراتب عالیہ پر لوگوں کو خبر دار کیا اور انہیں آپ کے اخلاق و آداب کی تعلیم دی اور بندوں کو ان پر اعتصام و التزام کے وجوب کی تلقین کی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد و غایت فضل و کرم فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طیب و طاہر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء کی پھر اس پر پوری پوری آپ کو جزا دی۔ شروع و انجام میں اسی کی برتری ہے اور اللہ تعالیٰ کی اول و آخر میں تعریف و تحمید ہے۔

ان میں سے بعض وہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخلوق میں علیٰ وجہ الکمال جاہ و جلال کے ساتھ ظاہر فرمایا اور محاسن جمیلہ، اخلاق حمیدہ، مناصب کریمہ، فضائل حمیدہ سے ممتاز فرمایا اور براہین واضحہ، معجزات باہرہ اور ان کرامات بینہ سے تائید کی جن کو معاصرین نے مشاہدہ کیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اس نے دیکھا اور بعد والوں کیلئے ان کا علم علم الیقین ہے۔ یہاں تک کہ حقیقت واقعہ کا علم ہم کو حاصل ہوا۔ ہم پر آپ کے انوار کی بارش ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں شب اسریٰ (شب معراج) براق پیش کیا گیا کہ جو لگام اور زین سے مزین تھا۔ براق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سوار کرنے میں پس و پیش کیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کیا تو (احمد مجتبیٰ) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے شوخی کرتا ہے (خبردار) تجھ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مکرم ذات کوئی سوار نہیں ہوئی۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر براق شرم و ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا اور گردن جھکا دی۔

(سنن ترمذی ۴/ ۳۶۳، مستدرک ۲/ ۲۴۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۳۸۲، مسند امام احمد ۳/ ۱۴۸، ۴/ ۲۰۸-۲۰۷)

پہلا باب

حضور ﷺ کی ثناء بزبان باری تعالیٰ

جان لو! کہ قرآن مجید میں بے شمار ایسی آیتیں ہیں جو حضور سید عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذکر جمیل کو بیان کرتی ہیں اور آپ کی خوبیوں کا شمار کراتی ہیں۔آپ کے حکم کی تعظیم بیان کرتی ہیں، آپ کی عزت کو بلند کرتی ہیں۔ہم نے یہاں صرف انہیں آیات کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جن کے معانی ظاہر و باطن ہیں اور ان کی مراد و مفہوم واضح ہے۔ ہم نے ان کو دس فصلوں میں بیان کیا ہے۔

پہلی فصل

حضور ﷺ کی شان میں نازل شدہ آیات قرآنی کا بیان

اس فصل میں ان آیتوں کا ذکر ہے جو حضور ﷺ کی مدح و ثناء اور خوبیوں میں وارد ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ (التوبہ ۱۲۸)

ترجمہ بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے۔

(حضرت فقیہہ ابواللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت بالا میں لفظ مِنْ اَنْفُسِكُمْ کو فتح (زبر) فا کے ساتھ بعض قراء نے پڑھا ہے (یعنی مِنْ اَنْفَسِكُمْ تم میں سب سے زیادہ نفیس ذات) لیکن جمہور قراء نے ضم (پیش) فا سے پڑھا ہے۔ (مستدرک ۲/ ۲۴۰)

فقیہہ قاضی ابوالفضل فرماتے ہیں: اس کو اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

جانو! کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو یا تمام عرب کو یا اہل مکہ کو یا تمام لوگوں کو باختلاف مفسرین آیت بالا میں خطاب فرما کر آگاہ کیا ہے کہ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران ۱۶۴) ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ جس کو وہ اچھی طرح پہچانتے ہیں اور اس کے مرتبہ و مقام، صدق و امانت کو خوب جانتے ہیں اور (کسی حال میں بھی) کذب و عدم خیر خواہی سے متہم نہیں کر سکتے۔ عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس میں حضور ﷺ کی قرابت اور رشتہ داری نہ ہو۔ (درمنثور ۴/ ۳۲۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اللہ کے اس ارشاد اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ''مگر قرابت کی محبت'' کے معنی ہی یہ ہیں۔ (کہ سارا عرب حضور ﷺ کو خوب اچھی طرح جانتا پہچانتا ہے)

(صحیح بخاری ۳/ ۱۰۷، طبرانی ۱۱/ ۴۳۵۔۴۱۶)

اور فتح فاء کی قرأت کی بناء پر معنی یہ ہیں کہ آپ ان میں سب سے زیادہ اشرف، ارفع اور افضل ہیں۔ یہ حضور ﷺ کی انتہائی مدح و تعریف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو دیگر اوصاف حمیدہ اور محامد کثیرہ سے یاد فرمایا اور ان (لوگوں) کے اسلام لانے، ہدایت پانے میں حضور ﷺ کے حرص و خواہش میں مبالغہ کی تعریف کی اور جو دنیا میں ان کو تکالیف پہنچتی ہیں یا آخرت میں پہنچیں گی اس پر حضور ﷺ کا دل تنگ ہونا ظاہر فرمایا ہے اور مومنین صادقین کیلئے حضور ﷺ کی مہربانی، کرم نوازی اور عزت افزائی فرمانا، اللہ تعالیٰ نے اس کی ثناء کی ہے۔

بعض علماء رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنے ناموں سے دو نام رؤف، رحیم خاص طور پر عنایت فرمائے ہیں۔

اسی طرح دوسری آیتوں میں حضور ﷺ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (ال عمران ۱۶۴)

ترجمہ یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ (الجمعہ ۲)

ترجمہ وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں سے ایک رسول انہیں میں سے۔

حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے بارے میں دریافت کیا؟ حضور ﷺ نے فرمایا نَسَبًا وَّصِهْرًا وَّحَسَبًا لَيْسَ فِىْ اٰبَائِىْ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ سَفَاحٌ كُلُّهَا نِكَاحٌ یعنی تمہارے حسب و نسب اور سسرال میں مبعوث فرمانا مراد ہے، میرے آباؤ اجداد میں آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک زنا نہیں ہوا بلکہ سب کے سب نکاح سے پیدا ہوئے۔

(ابن ابی عمر رضی اللہ عنہ فی مسندہ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی / ۳۱)

ابن الکلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی پانچ سو امہات (کے حسب و نسب) کے حالات لکھے ہیں لیکن ان میں میں نے نہ زنا پایا اور نہ زمانہ جاہلیت کی رسمیں دیکھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمان الٰہی تَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ (الشعراء ۲۱۹) ''نمازیوں میں تمہارے دورے کو'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مِنْ نَّبِيٍّ اِلٰى نَبِيٍّ حَتّٰى اَخْرَجْتُكَ نَبِيًّا۔ نبی سے نبی تک یہاں تک کہ میں نے اے محبوب، تم کو نبی پیدا کیا۔

(طبقات ابن سعد ۱/ ۲۵، مسند بزار ۳/ ۱۱۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم / ۵۸)

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس کی اطاعت میں عاجز ہونا جان لیا پھر ان کو اس کی معرفت کرائی تا کہ وہ جان لیں کہ وہ اس کی خدمت وعبادت صفائی قلب کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ بس اللہ نے اپنے اور ان کے درمیان صورتاً مماثلت کر کے ان کی جنس میں سے ایک ایسی مخلوق (انبیاء کرام علیہم السلام) پیدا فرمائی کہ جن کا وصف ہی یہ ہے کہ وہ ان پر لطف وکرم کریں اور اس مخلوق (انبیاء کرام علیہم السلام) کو ان لوگوں کیلئے سفیر و واسطہ اور پیامبر بنایا اور ان کی فرمانبرداری کو اپنی اطاعت اور ان کی پیروی کو اپنی موافقت کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء ۸۰)

ترجمہ جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی۔

اور ارشاد ہوا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (الانبیاء ۱۰۷)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کیلئے۔

ابوبکر محمد بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ''رحمت'' کے ساتھ مزین کیا۔ آپ سراپا رحمت ہیں اور آپ کے تمام خصائل وصفات مخلوق پر رحمت فرمانا ہے۔ جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت (عامہ) سے حصہ پایا وہی (درحقیقت) دین و دنیا میں ہر برائی سے نجات یافتہ اور دونوں جہان میں بامراد ہے۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں دیکھتے کہ وہ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (الانبیاء ۱۰۷)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کیلئے۔

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری بھی رحمت ہے اور حیات باطنی (وفات) بھی رحمت۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں:

حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَوْتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (بزار ۱/ ۳۹۷)

میری یہ زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور یہاں سے کوچ کر جانا (وصال) بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ رَحْمَةً بِاُمَّةٍ قَبَضَ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا فَجَعَلَهٗ لَهَا فَرَطًا وَّسَلَفًا۔ (صحیح مسلم ۴/ ۱۷۹۲)

ترجمہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اس امت کے نبی کی روح قبض کرتا ہے اس کے بعد ان پر حال و مستقبل میں مہربانی فرماتا ہے۔

(حضرت فقیہہ ابواللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین میں عام جن و انس پر رحمت کرنا مراد ہے۔ ایک روایت میں اس سے تمام کائنات ومخلوقات پر رحمت فرمانا ہے۔

مومنین کیلئے رحمت، ہدایت کرنا ہے اور منافقین کیلئے رحمت، قتل سے محفوظ رکھنا ہے اور کافرین پر رحمت یہ ہے کہ ان پر عذاب میں تاخیر کی جائے۔ (کہ اب وہ دنیا میں عذاب عام سے محفوظ ہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مومنین و کافرین کیلئے رحمت ہیں کیونکہ پچھلی ان امتوں کی طرح جنہوں نے اپنے نبیوں کی تکذیب کی تھی، دنیا میں عذاب عام سے بچا لئے گئے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر ۱۷/ ۸۳، طبرانی ۱۱/ ۳۵۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۵/ ۴۸۶)

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت فرمایا: کیا میری رحمت سے تم کو بھی کچھ حصہ ملا ہے؟ عرض کرتے ہیں: ہاں۔

كُنْتُ اَخشٰى الْعَاقِبَةَ فَاَمِنْتُ لِثَنَاءِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى بِقَوْلِهٖ "ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ" (التکویر ۲۰-۲۱)

ترجمہ میں اپنے انجام و آخرت سے ڈرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری مدح میں یہ آیہ کریمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی "جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا ہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تو اب بے خوف ہوں۔

حضرت جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ (الواقعہ ۹۱) "تمہیں سلام ہوا صحاب یمین کی طرف سے" کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کے سبب سے اصحاب یمین کی سلامتی ہے، بلاشک وتر ددان پر یہ سلامتی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و مہربانی کی وجہ سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ۔ (النور ۳۵)

ترجمہ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو اس میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشہ کے (ایک فانوس) میں ہو وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح

چمک رہا ہے جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے۔

کعب احبار اور ابن جبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آیت بالا میں دوسرے لفظ ''نور'' سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ

مَثَلُ نُوْرِہٖ اَیْ نُوْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَھْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ الْمَعْنَی اللّٰہُ ھَادِیْ اَھْلِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ قَالَ مَثَلُ نُوْرِ مُحَمَّدٍ اِذَا کَانَ مُسْتَوْدَعًا فِی الْاَصْلَابِ کَمِشْکٰوۃٍ صِفَتُھَا کَذَا وَاَرَادَ بِالْمِصْبَاحِ قَلْبَہٗ وَالزُّجَاجَۃِ صَدْرَہٗ اَیْ کَاَنَّہٗ کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ لِمَا فِیْہِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْحِکْمَۃِ یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ اَیْ مِنْ نُوْرِ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَضُرِبَ الْمَثَلُ بِالشَّجَرَۃِ الْمُبَارَکَۃِ وَقَوْلُہٗ یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ اَیْ تَکَادُ نُبُوَّۃُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَبَیَّنُ لِلنَّاسِ قَبْلَ کَلَامِہٖ کَھٰذَا الزَّیْتِ وَقَدْ قِیْلَ فِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ غَیْرُ ھٰذَا وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

ترجمہ اس کے نور کی مثال یعنی نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال اس کے بارے سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ معنیٰ اس کے یہ ہیں کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں اور زمین والوں کا ہادی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آباؤ اجداد کی پشتوں میں تھے ''طاقچہ'' (طاق) کی طرح جس کا حال یہ ہے اور ''مصباح'' یعنی چراغ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک ہے۔ ''زجاجہ'' یعنی شیشہ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ انور ہے گویا کہ وہ ایک روشن ستارہ ہے کیونکہ اس میں ایمان و حکمت ہے۔ مبارک درخت سے مراد روشن کیا جانا ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے نور سے اور درخت مبارک کی مثال دی گئی۔ اللہ کا فرمان یَکَادُ زَیْتُھَا سے مراد یہ ہے کہ عنقریب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ان کے کلام سے پہلے ظاہر ہوگی جیسا کہ یہ زیتون۔ اس آیت مبارکہ کے اس کے سوا اور بھی معنی بیان کئے ہیں۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کے علاوہ دوسرے مقامات میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ''نور'' اور ''روشن چراغ'' نام رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

- قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ۔ (المائدہ ۱۵)

ترجمہ بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذۡنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیۡرًا۔

(الاحزاب ۴۶۔۴۵)

ترجمہ ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ۔ (الم نشرح ۱)

ترجمہ کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارکہ کو کھول دیا اور وسیع کر دیا۔ صدر سے یہاں مراد قلب مبارک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ کے سینہ مبارک کو نور اسلام کیلئے کھول دیا۔

(تفسیر درمنثور ۸/۵۴۷)

سہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نور رسالت کے ساتھ کھول دیا۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو علم و حکمت سے بھر دیا۔

بعض مفسرین نے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ ''کیا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو پاک نہیں کیا؟ یہاں تک کہ وہ اب وسوسوں کو قبول ہی نہیں کرتا''۔

وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۝ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَھۡرَکَ۔ (الم نشرح ۳۔۲)

اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو۔

ایک (مجروح) روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لغزشیں قبل اظہار نبوت ہوئی ہیں ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل پاک کر دیا ہے۔ بعض زمانہ جاہلیت کا بوجھ مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں اس سے وہ بوجھ مراد ہے جو اظہار رسالت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر، وحی رسالت کے بوجھ سے دب گئی تھی یہاں تک کہ آپ نے اس کو ادا فرمایا یعنی تبلیغ رسالت فرمادی۔ اسے ماوردی اور سلمی رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معصوم بنایا۔ اگر معصوم نہ کرتے تو یقیناً لغزشوں کے بوجھ سے کمر بھاری ہو جاتی۔ اس کو (فقیہہ ابواللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ۔ (الم نشرح ۴)

ترجمہ اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔

یحییٰ ابن آدم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت سے) مراد نبوت (کا اعلان) ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اے محبوب جب (بندہ) مجھے یاد کرے گا تو میرے ساتھ تمہیں بھی یاد کرے گا۔ (جس طرح) کلمہ طیبہ میں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور بعض اذان و اقامت میں (حضور ﷺ کا ذکر) مراد لیتے ہیں۔

فقیہ قاضی (عیاض) ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان حضور ﷺ کیلئے اس کی بارگاہ میں عزت و عظمت، شرافت و منزلت اور آپ ﷺ کی بزرگی پر بڑی حجت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے قلب مبارک کو ایمان و ہدایت کیلئے کھول دیا، علم و حکمت کی صیانت و حفاظت کیلئے وسیع کر دیا اور جاہلیت کے بوجھ کو آپ ﷺ سے دور کر دیا اور جاہلیت کی عادات و خصائل کو جس پر یہ لوگ تھے، ان کا دشمن بنا دیا۔ آپ ﷺ کے دین کو ان کے دینوں پر تبلیغ رسالت و نبوت فرما کر غالب کر دیا، اور آپ ﷺ کے اوپر سے رسالت و نبوت شدائد کو جو تبلیغ رسالت کی صورت میں پیش آتی تھیں محفوظ کیا اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا۔ آپ نے ان سب کو پہنچا دیا اور آپ کو اعلیٰ مرتبہ عنایت فرمایا۔ آپ ﷺ کے نام کے ذکر کو اتنا بلند کیا کہ اپنے نام کے ساتھ آپ ﷺ کا نام ملا دیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے ذکر کو دنیا و آخرت میں اتنا بلند کیا کہ کوئی خطیب یا کلمہ شہادت کہنے والا یا نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہ کہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۷/۶۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے آ کر کہا:

اِنَّ رَبِّیْ وَرَبَّكَ يَقُوْلُ تَدْرِیْ كَيْفَ رَفَعْتُ ذِكْرَكَ؟ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِیْ۔ (ابن حبان ۵/۶۲، مسند ابی یعلیٰ ۲/۵۲۲، ۵۳۳)

ترجمہ میرا اور تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے محبوب جانتے ہو کس طرح تمہارے ذکر کو بلند کیا؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: جب میں یاد کیا جاتا ہوں تو میرے ساتھ آپ بھی یاد کیے جاتے ہیں۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایمان کی تکمیل ہی میرے ساتھ آپ ﷺ کے ذکر سے ہوتی ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ذکر ہی کو اپنا ذکر قرار دیا ہے۔ لہٰذا جس نے آپ ﷺ

کا ذکر کیا، اس نے میرا ہی ذکر کیا۔

حضرت جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَایَذْکُرُکَ اَحَدٌ بِالرِّسَالَۃِ اِلَّا ذَکَرَنِیْ بِالرَّبُوْبِیَّۃِ۔

ترجمہ جو شخص تمہاری رسالت کا اقرار کرے گا اس نے میری ربوبیت کا اقرار کیا۔

بعض نے وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ سے مقام شفاعت بھی مراد لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے قبیل سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ حضور کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ملا کر بیان کرنا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ۔ (ال عمران ۱۳۲)

ترجمہ اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (کریم) کی۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ (النسآء ۱۳۶)

ترجمہ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

ان دونوں کو واؤ عطف کے ساتھ جو مشترک ہوتی ہے جمع کیا ہے۔ کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

بالاسناد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں:

لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ مَاشَآءَ اللّٰہُ وَشَآءَ فُلَانٌ وَلٰکِنْ مَاشَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ

(سنن ابوداؤد ۲/ ۳۳۱ عمل الیوم والیلہ / ۵۴۴)

ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے: ''اللہ اور فلاں شخص چاہے'' بلکہ یوں کہو: ''اللہ چاہے پھر فلاں چاہے''۔

خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادب سکھایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو دوسروں پر مقدم کیا کرو۔ (اگر کسی کو ملانا ہی چاہو تو پھر) دوسروں کو ثُمَّ کے ساتھ ملا سکتے ہو کیونکہ ثُمَّ ترتیب و تراخی کیلئے آتا ہے بخلاف واؤ عطف کے کہ وہ اشتراک کیلئے آتا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک خطیب نے کہا:

مَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ بِئْسَ خَطِيْبُ الْقَوْمِ اَنْتَ قُمْ اَوْقَالَ اِذْهَبْ۔ (صحیح مسلم کتاب الجمعہ ۲/۵۹۴)

ترجمہ جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ راہ یاب ہے اور جس نے دونوں کی نافرمانی کی (اس پر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو قوم کا برا خطیب ہے، کھڑا ہو جایا فرمایا چلا جا۔

ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دونوں اسموں کو حرف کنایہ (ضمیر، ھما) کے ساتھ جمع کرنے کو ناپسند فرمایا چونکہ اس میں مساوات کا ابہام ہے اور دوسرے یہ کہتے ہیں کہ يَعْصِهِمَا پر وقف ناپسند کیا لیکن ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اس نے وقوف نہیں کیا بلکہ يَعْصِهِمَا کے ساتھ فَقَدْ غَوٰى کہا تھا۔

مفسرین اور اہل معانی کا اس آیہ کریمہ

اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔ (الاحزاب ۵۶)

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر۔

میں اختلاف ہے کہ آیا "يُصَلُّوْنَ" اللہ تعالیٰ اور فرشتوں دونوں کیطرف راجع ہے یا نہیں۔ بعض نے تو اس کو جائز رکھا ہے اور دوسروں نے شرکت کی وجہ سے منع کیا اور ضمیر جمع "يُصَلُّوْنَ" کو ملائکہ کے ساتھ خاص کر کے "يُصَلِّيْ" محذوف مان کر اِنَّ اللهَ يُصَلِّيْ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ تقدیر عبارت کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی ایک یہ بھی شان ہے کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ۔ (النساء ۸۰)

ترجمہ جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی۔

ایک اور جگہ فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ۔ (ال عمران ۳۱)

ترجمہ (اے محبوب!) آپ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ۔

چنانچہ ایک روایت کے مطابق جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار کہنے لگے کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ ہم ان کو رب (خدا) بنالیں۔ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا لیا

ہے (اخرجہ ابن المنذر عن مجاہد وقتادہ رضی اللہ عنہما کمافی مناہل الصفاء للسیوطی ۳۳/۱) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا کرنے کیلئے یہ آیہ کریمہ

قُلْ اَطِيْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ۔ (ال عمران ۳۲)

ترجمہ آپ فرمایئے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی۔

نازل فرما کر اپنی فرمانبرداری کو رسول کی فرمانبرداری کے ساتھ ملا دیا۔

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم اس آیہ کریمہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (فاتحہ ۶۔۵)

ترجمہ چلا ہم کو سیدھے راستے پر راستہ ان کا جن پر تو نے انعام فرمایا۔

کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ ابو العالیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم نے "صراط مستقیم" سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے خیار (پسندیدہ) اور کبار اہل بیت لیے ہیں۔ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد لیے ہیں۔ (حکاہ عنہما ابو الحسن الماوردی رحمۃ اللہ علیہ) اور انہیں دونوں سے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت نقل کرتے ہوئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دونوں صحابہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔

حضرت ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کے بارے میں اسی کی مثل روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

(تفسیر ابن جریر ۵۸/۱، تفسیر درمنثور ۴۰/۱، مستدرک ۲۵۹/۲)

جب اس کی اطلاع حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو فرمایا: خدا کی قسم ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل ٹھیک کہا اور خیر خواہی کی بات کی۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں عبد الرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض علماء آیہ کریمہ

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔ (البقرہ ۲۵۶)

ترجمہ تو اس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ۔

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ عروہ وثقی (مضبوط گرہ) سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بعض نے "اسلام" بعض نے "توحید" کی شہادت بھی مراد لی ہے۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ آیہ کریمہ

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (النحل ۱۸)

ترجمہ اور اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم انہیں گن نہیں سکو گے۔

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ''نعمة الله'' سے مراد حضور ﷺ ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ (الزمر۳۳)

ترجمہ اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین رحمۃ اللہ علیہم ''جَآءَ بِالصِّدْقِ'' سے حضور ﷺ مراد لیتے ہیں اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جس نے تصدیق کی وہ بھی وہی ہیں۔

صَدَّقَ کو غیر مشدد یعنی تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور دوسروں نے کہا کہ اس سے حق کی تصدیق کرنے والے مومنین مراد ہیں اور ایک روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال مروی ہیں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ آیہ کریمہ

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (الرعد۲۸)

ترجمہ دھیان سے سنو! اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

کی تفسیر میں کہتے ہیں ''ذکر اللہ'' سے مراد حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

(تفسیر درمنثور ۴/ ۶۴۲، تفسیر ابن جریر ۱۳/۹۸)

دوسری فصل

اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کو شاہد بنانا اور آپ ﷺ کی تعریف وثناء بیان کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يٰاَيُّهَا النبی اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا ○ وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ (الاحزاب ۴۵، ۴۶)

ترجمہ اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ کریمہ میں قسم قسم کے مراتب جلیلہ، اوصاف حمیدہ آپ ﷺ کی مدح میں بیان فرمائے۔ منجملہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شاہد (حاضر و ناظر) اپنی امت پر اپنی طرف سے تبلیغ رسالت کی بناء پر بنایا۔ یہ حضور ﷺ کی ہی خصوصیت ہے اور مبشر (بشارت وخوشخبری دینے والا) فرمانبرداروں کیلئے اور نذیر (ڈر سنانے والا) نافرمانوں کو اور داعی (بلانے والا) توحید الٰہی اور اس کی عبادت کی طرف اور سراج منیر (چمکا دینے والا آفتاب) کہ حق کی (حق کیلئے) آپ ﷺ سے ہدایت لے، ان اوصاف حمیدہ سے یاد کیا۔

ابن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے بالا سناد مروی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے ایک ملاقات میں دریافت کیا کہ مجھے حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ کی خبر دیجئے۔

انہوں نے کہا: ضرور! خدا کی قسم تورات میں حضور ﷺ کی بعض ایسی صفتیں بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر قرآن میں بھی ہے کہ اے نبی بیشک ہم نے آپ ﷺ کو شاہد، مبشر نذیر اور بے پڑھوں کا محافظ بھیجا۔ آپ ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے تمہارا نام متوکل (اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا۔ نہ آپ ﷺ بدخلق، سخت دل، بازاروں میں چلانے والے اور نہ برائی کے بدلے برائی کرنے والے ہیں بلکہ عفو و درگزر اور بخشنے والے ہیں۔ اللہ آپ ﷺ کی اس وقت تک ہرگز روح قبض نہ فرمائے گا جب تک آپ ﷺ کی وجہ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ذریعہ باطل دین وملت کی درستگی

نہ فرمادے۔ آپ کے سبب سے اللہ اندھے، بہرے اور غافل دلوں کو کھولے گا۔ (صحیح بخاری ۱۱۳/۶)

اسی طرح عبداللہ بن سلام (صحیح بخاری ۵۹/۳، سنن دارمی ۵/۱) وکعب احبار (سنن دارمی ۴/۱) سے بھی منقول ہے۔ بعض سندوں (تفسیر ابن حاتم سورۃ الفتح عن وھب بن منبہ کمانی مناہل الصفاء السیوطی/۳۴) سے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی آیا ہے۔ اور نہ بازاروں میں چلائیں گے اور نہ بے حیائی کو اپنا لباس بنائیں گے اور نہ یاوہ گوئی کریں گے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر خوبی سے آراستہ کرلوں گا اور ہر کمال و خوبی عطا کروں گا۔ تسکین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس، نیکی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شعار بناؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں تقویٰ رکھوں گا اور حکمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل، صدق و وفا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت۔ عفو و خیر خواہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عدل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت، ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امام، اسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت اور احمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے (لوگوں کو) گمراہی سے ہدایت دوں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب جہالت کے بعد علم سکھاؤں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے گمنامی سے نکال کر بلند کروں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے غیر معروف کو مشہور کروں گا اور آپ کی وجہ سے کمی کے بعد زیادتی کروں گا، تنگی کے بعد فراخی دوں گا، جدائی کے بعد جمع کروں گا۔ باہم مختلف قلوب، منتشر خواہشوں اور بکھری ہوئی امتوں کے درمیان محبت و وداد (ملاپ) پیدا کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بہتر امت بناؤں گا جو ان لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ان صفات و تعریف کی خبر دی جو توریت میں مذکورہ ہیں۔ (توریت میں مذکور ہے کہ) میرا بندہ احمد مختار ہوگا، جس کی پیدائش کی جگہ (مولد) مکہ مکرمہ اور ہجرت کا مقام مدینہ منورہ یا طیبہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اللہ تعالیٰ کی ہر حال میں بہت حمد کرنے والی ہوگی۔ (سنن دارمی ۵/۱، طبرانی کبیر ۱۰۹/۱۰، مجمع الزوائد ۲۷۱/۸)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ۔ (الاعراف ۱۵۷)

ترجمہ (یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے۔

نیز فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ (ال عمران ۱۵۹)

ترجمہ پس (صرف) اللہ کی رحمت سے آپ نرم ہو گئے ہیں ان کیلئے۔

حضرت فقیہہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ نے لوگوں پر اپنے اس احسان کو یاد دلایا

کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو مومنین پر رحیم (مہربان) رؤف (کرم فرما) ہر ایک سے نرمی کرنے والا بنایا ہے۔ اگر ہم حضور ﷺ کو بدخلق اور سخت گو بناتے تو یقیناً یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس سے نکل جاتے لیکن اللہ نے حضور ﷺ کو درگزر کرنے والا، سخی، نرم دل، خوش رو، نیکو کار اور بڑا مہربان بنایا۔ ایسا ہی ضحاک رضی اللہ عنہ کا بھی قول ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرہ ۱۴۳)

ترجمہ اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین امت تا کہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو۔

ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہمارے نبی ﷺ کی فضیلت اور آپ ﷺ کی امت کی فضیلت ظاہر فرمائی ہے اور دوسری آیت میں مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ۔ (الحج ۷۸)

ترجمہ اسی نے تمہارا نام مسلم (سر اطاعت خم کرنے والا) رکھا ہے۔

اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور (اے امت محمد ﷺ) تم لوگوں پر گواہ بنو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔

ترجمہ تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب ﷺ) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ۔ (النساء ۴۱)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "وَسَطًا" کے معنی عادل و پسندیدہ کے ہیں۔ اس طرح اس آیت کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جس طرح ہم نے تمہیں ہدایت کی ہے۔ اسی طرح ہم نے تم کو خاص کر کے فضیلت دی ہے۔ بایں طور کہ ہم نے تم کو عادل و پسندیدہ امت بنایا تا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کیلئے ان کی امت پر تم گواہی دو اور یہ رسول تمہاری سچائی (صدق) کی گواہی دیں۔

ایک روایت میں ہے۔ اللہ (روز محشر) جب انبیاء کرام علیہم السلام سے پوچھے گا کہ کیا تم نے تبلیغ کی؟ (میرا پیغام پہنچایا) انبیاء علیہم السلام جواب میں عرض کریں گے: ہاں۔ پھر ان کی اُمتیں کہیں گی۔ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا۔ تو اس وقت حضور ﷺ کی امت پیش ہو کر انبیاء علیہم السلام کی گواہی

دے گی اور حضور ﷺ ان کو اس (الزام عدم بشیر و نذیر) سے پاک کریں گے۔ (صحیح بخاری ۱۸/۶)

بعض مفسرین یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ تم ہر اس شخص پر حجت ہو، جو تمہاری مخالفت کرے اور یہ رسول اللہ ﷺ تم پر حجت ہیں۔ اس کو سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ (یونس ۲)

ترجمہ اور خوش خبری دو انہیں جو ایمان لائے کہ ان کیلئے مرتبہ بلند ہے ان کے رب کے ہاں۔

قَدَمَ صِدْقٍ کی تفسیر میں حضرت قتادہ اور حضرت حسن اور حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ھُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ یَشْفَعُ لَهُمْ یعنی اس سے مراد حضور ﷺ ہیں کہ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ (ابن جریر طبری ۵۹/۱۱)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد ان کی وہ مصیبت ہے جو ان کے نبی کے سبب سے دور ہوتی ہے۔ (یعنی نبی کا وجود قدم صدق اور خوشی کا سبب ہوتا ہے کہ مصیبتیں ان کے وجود کی برکت سے دور ہوتی ہیں)۔ (تفسیر درمنثور ۳۴۲/۴)

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے۔

(عن ابی مردویہ عن ابی سعید کمافی تفسیر درمنثور ۳۴۲/۴)

هِیَ شَفَاعَةُ نَبِیِّهِمْ مُحَمَّدٍ ﷺ هُوَ شَفِیْعُ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔

ترجمہ وہ ان کے نبی محمد ﷺ کی شفاعت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سچے سفارشی ہیں۔

سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ وہ پہلی رحمت ہے جو حضور ﷺ کے وجود گرامی میں ودیعت کی ہے اور محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صادقین و صدیقین کے امام، شفیع، مطاع اور ایسے سائل کہ جن کی بات مانی گئی، محمد ﷺ ہیں۔ اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے سلمی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

تیسری فصل

اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کو کمال دلجوئی اور بڑے احسان کے ساتھ یاد کرنا

اللہ تعالیٰ کے حضور ﷺ پر لطف و مہربانی میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ (التوبہ ۴۳)

ترجمہ درگزر فرمایا ہے اللہ نے آپ سے (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی انہیں۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (اس آیت کی تفسیر میں) یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کا عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ سے کلام کی ابتداء کرنا اس کا قائم مقام ہے کہ اللہ نے اصلاح کرتے ہوئے عزت عطا فرمائی۔

عون بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو پہلے اس سے کہ لغزش کی خبر دیں عفو کی خبر دی ہے۔ (تفسیر در منثور ۴/۲۱۱)

حضرت ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء سے نقل کرتے ہوئے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اے سلیم القلب اللہ نے آپ ﷺ کو عافیت دی ہے کیونکہ تم نے ان کو اذن دے دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ کو خطاب میں ابتدا کلام لِمَ اَذِنْتَ سے کیا جاتا تو یقیناً یہ اندیشہ تھا کہ ہیبت کلام سے آپ ﷺ کا قلب مبارک شق ہو جاتا ہے لیکن اللہ نے اپنی رحمت سے حضور ﷺ کو پہلے ہی عفو کی خبر دے دی حتیٰ کہ آپ ﷺ کو سکون قلب حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ کیوں آپ ﷺ نے انہیں تخلف (پیچھے رہنے) کی اجازت دے دی یہاں تک کہ عذر خواہی میں پتہ چل جاتا کہ کون صادق ہے اور کون کاذب۔

اس انداز خطاب میں اشارہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ جو اہل بصیرت ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ منجملہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قدر و منزلت کی ہو اور آپ ﷺ کو بھلائی سے یاد کیا ہو، یہ ہے کہ اس کی کنہ کی معرفت سے پہلے ہی آپ ﷺ کے قلب مبارک کی رگیں شق ہو جائیں۔ نفطویہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (فافہم) لوگ یہ گمان کرنے لگے ہیں کہ اس آیت میں (معاذ اللہ) اللہ نے عتاب فرمایا ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ اس سے بری ہیں بلکہ حضور ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا۔ پس جب حضور ﷺ نے ان کو اذن دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا کہ اگر آپ ﷺ ان کو اذن نہ دیتے تو یقیناً یہ لوگ اپنے نفاق کی وجہ

سے گھر میں ہی بیٹھے رہتے۔ اس کے علاوہ اس بات کی بھی خبر دے دینا ہے کہ ان کو اذن دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ (البتہ اگر اذن نہ دیتے تو نفاق علی الاعلان آشکارا ہو جاتا۔ (مترجم غفرلہ)

فقہیہ قاضی (ابوالفضل عیاض ''اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے) فرماتے ہیں کہ اس مسلمان پر جو اپنے نفس پر مجاہدہ کرتا ہے اور اس کے اخلاق (عادات) زمام شریعت کے تابع ہیں واجب ہے کہ قرآنی آداب سے اپنے قول وفعل، معاملات اور محاورات میں ادب سیکھے کیونکہ ادب ہی معرفت حقیقی کی کنہ ہے اور ادب ہی دینی و دنیاوی گلدستہ ہے۔ اس بے مثال مہربانی پر خوب غور وفکر کرے۔ جو سوال میں اس رب الارباب (مالک الملک اللہ) جو کائنات پر بے شمار انعام کرتا ہے اور ہر ایک سے بے نیاز ہے کہ جانب سے ہے اور ان فوائد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جو اس میں پنہاں ہیں اور سمجھے کہ کس طرح اظہار ناپسندیگی (عتاب) سے پہلے لطف و کرم کے ساتھ کلام کی ابتداء فرماتا ہے۔ اگر یہاں بالفرض (معاذ اللہ) کوئی گناہ ہو بھی تو گناہ کے ذکر سے پہلے عفوو بخشش کا ذکر کر کے محبت و انسیت کی باتیں کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا۔ (بنی اسرائیل ۷۴)

ترجمہ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہو جاتے ان کی طرف کچھ نہ کچھ۔

بعض متکلمین کہتے ہیں۔ انبیاء (سابقین) علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ان کی لغزشوں کے بعد اللہ نے عتاب فرمایا ہے لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لغزش کے واقعہ ہونے سے پہلے عتاب کیا ہے تاکہ اس کے صدور میں سخت رکاوٹ ہو جائے اور شرائط محبت کی حفاظت بھی ہو۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا) یہ انتہائی لطف و کرم ہے۔

اس کے بعد اس پر نظر وفکر کرو کہ عتاب اور اس کے خوف کے ذکر سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مائل ہوں، کس طرح اللہ تعالیٰ نے ثبات و سلامتی کا ذکر کیا ہے۔ دوران عتاب ہی میں برأت اور تخویف کے مابین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مومون و محفوظ ہونا آپ کی بڑی بزرگی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ۔ (الانعام ۳۳)

ترجمہ (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی ہے آپ کو وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو

وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو۔

اس کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوجہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ''ہم تم کو تو نہیں جھٹلاتے لیکن جو تم لائے ہو اس کی ہم تکذیب کرتے ہیں۔'' اس پر اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (الترمذی فی سننہ ۳۲۶/۴)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حزن و ملال ہوا۔ اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز کا غم کرتے ہیں؟

فرمایا: مجھ کو میری قوم نے جھٹلایا ہے:

جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یہ کفار دل میں خوب جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی۔ اس آیہ کریمہ میں یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تسلی دیتا ہے اور خطاب میں یہ مہربانی فرماتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات ثابت کروں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک سچے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے نہیں۔ قول و اعتقاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کے اقراری ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''امین'' کہا کرتے تھے۔ اس کلام کے ذریعہ اللہ نے آپ کے اس غبار خاطر کا ازالہ فرمایا ہے، جو قوم کے انکار و تکذیب سے پیدا ہوگیا تھا۔ پھر کفار کی برائی بیان کی اور ان کو منکر، ظالم قرار دیا۔ (یہ مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لطف و کرم ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ (الانعام ۳۳)

ترجمہ بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بری کر دیا اور آیات الٰہیہ کی تکذیب اور اس سے دشمن و عناد کا طوق ان (کفار) کو پہنا دیا۔ درحقیقت جحد و انکار اسی طرح ہوتا ہے کہ معلوم شے سے انکار کر دیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّاؕ (النمل ۱۴)

ترجمہ اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (انکا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحشت اس طرح دور کی کہ پہلے

لوگوں کا حال بیان کیا، پھر ان پر غلبہ ونصرت کا وعدہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ۔ (الانعام ۳۴)

ترجمہ اور بیشک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے۔

بعض قاریوں نے گزشتہ آیہ کریمہ میں ''لَا يُكَذِّبُوْنَ'' کو تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔اس طرح اس کے یہ معنی ہوتے ہیں: ''تم کو جھوٹا نہیں پاتے''۔فراء وکسائی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ ''کفاریہ نہیں کہتے کہ تم جھوٹے ہو''۔

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کذب پر دلیل نہیں لاتے اور نہ اس کو ثابت ہی کرتے ہیں''۔اور جن قاریوں نے اس کو مشدد پڑھا ہے ان کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ ''تم کو جھوٹ کی نسبت نہیں کرتے''۔بعض کہتے ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کذب کی نسبت کا ان کو اعتقاد نہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات اور اللہ تعالیٰ کا بھلائی سے یاد فرمانے کے بارے میں سے ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کو ان کے ناموں سے مخاطب کیا اور ان کو ''یَاآدَمُ'' ''یَانُوْحُ'' ''یَااِبْرَاهِیْمُ'' ''یَامُوْسٰی'' ''یَاداؤد'' ''یَاعِیْسٰی'' ''یَازَکَرِیَّا'' ''یَایَحْیٰی'' کہہ کر پکارا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''یَاأَیُّهَا الرَّسُوْلُ'' ''یَاأَیُّهَا النَّبِیُّ'' ''یَاأَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ'' ''یَاأَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ'' سے خطاب کیا، نام لے کر مخاطب نہ فرمایا۔

چوتھی فصل

اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب عالیہ کی قسم یاد فرمانا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ (الحجر ۷۲)

ترجمہ (اے محبوب!) آپ کی زندگی کی قسم یہ (اپنی طاقت کے نشہ میں) مست ہیں (اور) بھکے بھکے پھر رہے ہیں۔

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک (حیات شریف) کی قسم کھائی ہے۔ ''عمر'' اصل میں عین کے ضمہ (پیش) سے ہے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے فتح (زبر) دیا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ

وَبَقَائِكَ يَامُحَمَّد (صلی اللہ علیک وسلم)۔

ترجمہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بقاء کی قسم۔

اور ایک روایت میں وَعَيْشِكَ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم) اور وَحَيَاتِكَ بھی آیا ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی تعظیم اور بے حد و غایت اکرام و شرف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

مَاخَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا ذَرَأَوَمَابَرَأَنَفْسًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنْ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَا سَمِعْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى اَقْسِمُ بِحَيَاتِ اَحَدٍ غَيْرِهٖ۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم / ۶۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ۵ / ۴۸۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اپنی بارگاہ میں مکرم پیدا نہیں کیا اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی زندگی کی قسم کھائی ہو۔

ابوالجوزاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی حیات کی قسم نہ کھائی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں ساری مخلوق سے زیادہ مکرم ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۔ (یٰسین ۱-۲)

ترجمہ اے سید (عرب و عجم) قسم ہے قرآن حکیم کی۔

کلمہ ''یٰسٓ'' کے معنی میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی بارگاہ میں میرے دس نام ہیں۔ ان میں طٰہٰ اور یٰسٓ بھی ہیں۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم / ۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱ / ۴۵۷)

ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یٰسٓ سے مراد

یَاسَیِّدُ ہے جس کے ساتھ حضور ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یٰس سے "یَااِنْسَانُ" مراد لیتے ہیں (تفسیر درمنثور ۷/۴۱) اور اس سے حضور ﷺ (مراد نہیں)۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ قسم ہے اور اسماء الٰہی میں سے یٰس بھی ایک نام ہے۔
(تفسیر ابن جریر ۲۳/۹۷)

زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بعض نے کہا کہ اس کے معنی یَامُحَمَّدُ صلی اللہ علیک وسلم ہیں اور بعض نے یَارَجُلُ (اے مرد) بھی کہا ہے اور ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یَامُحَمَّدُ مراد لی ہے۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/۱۵۸)

کعب احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یٰس قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے آپ کی قسم کھائی۔ یعنی:

یَامُحَمَّدُ صلی اللہ علیک وسلم اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔

ترجمہ اے محبوب بیشک تم رسولوں میں سے ہو۔

پھر فرمایا: وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ o اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ o (یٰس ۲-۳)

ترجمہ قسم ہے قرآن حکیم کی بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں۔

اگر یہ تقدیر لی جائے کہ یٰس آپ کے ناموں میں سے ہے اور یہ کہ یٰس آپ کی قسم ہے تو اس میں آپ کی گزشتہ زمانہ کی تعظیم ہو گی اور دوسری قسم پہلی قسم پر عطف کر کے تاکید مزید ہو جائے گی۔

اور اگر یہ تقدیر لی جائے کہ یٰس کے معنی نداء کے ہیں تو اس صورت میں دوسری قسم آپ ﷺ کی رسالت کی تحقیق میں ہو جائے گی جو کہ آپ کی ہدایت کی شہادت میں وارد ہے۔

خلاصہ مراد یہ کہ اللہ نے حضور ﷺ کے نام و کتاب کی قسم کھا کر فرمایا: بے شک آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں کہ بندوں کی طرف پیام الٰہی پہنچاتے ہیں۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (یٰس ۴)

ترجمہ (یقیناً) آپ راہ راست پر ہیں۔

نقاش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کتاب مجید میں اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی رسالت کی قسم نہیں کھائی سوائے حضور ﷺ کے۔ اس میں حضور ﷺ کی بڑی تعظیم و توقیر ہے۔ یہ تکریم اس تقدیر (تاویل) کی بناء پر ہے جس نے یٰس سے "یَاسَیِّدُ" مراد لیا ہے۔

اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدَ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ (صحیح مسلم ۱۷۸۲/۴)

ترجمہ واقعتاً میں اولاد آدم کا سردار ہوں، یہ میں فخر سے نہیں کہتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ۔ (البلد ۲۱)

ترجمہ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی دراں حالیکہ آپ بس رہے اس شہر میں۔

بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کے باہر تشریف لے جانے کے بعد میں اس شہر کی قسم نہیں کھاتا ہوں۔ اس کو مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ لَا زائد ہے۔ یعنی میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی کہ آپ ﷺ اس میں رونق افروز ہیں۔ آپ ﷺ کیلئے حلال ہے جو کچھ آپ ﷺ نے اس میں کیا ہے۔ ان سب کے نزدیک اَلْبَلَدُ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یعنی ہم اس شہر کی قسم کھاتے ہیں جس میں زندگی (حیات ظاہری) میں قیام فرما کر اس کو مشرف کیا اور بعد وصال (حیات باطنی) اپنی برکتوں سے اس کو نوازا یعنی مدینہ منورہ۔

اول توجیح زیادہ درست ہے کیونکہ یہ سورۂ مبارکہ مکی ہے اور مابعد کی دوسری توجیح کو اللہ کا فرمان ''حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ'' اس کی تصحیح کرتا ہے۔

اسی طرح اللہ کا فرمان ''بِھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ'' (التین ۳) کی تفسیر میں ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کے قیام کی وجہ سے اس شہر کو مامون بنایا کیونکہ آپ ﷺ کا ہونا ہی امن ہے، جہاں بھی آپ ﷺ رونق افروز ہوں۔ اس کے بعد اللہ فرماتا ہے:

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَO (البلد ۳)

ترجمہ اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی۔

جو شخص یہ مراد لیتا ہے کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں تو یہ ایک عام بات ہے اور بعض حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد لیتے ہیں۔

(لیکن بات یہ ہے کہ) انشاء اللہ یہ آیت حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر رہی ہے کیونکہ یہ سورۂ مبارکہ دو مقامات پر حضور ﷺ کی قسم پر مشتمل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: المO ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔ (البقرہ ۲)

ترجمہ الف لام میم یہ ذی شان کتاب ذرا شک نہیں اس میں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ حروف قسم کے ہیں کہ اللہ نے ان سے قسم کھائی ہے۔
(تفسیر ابن جریر ۱/۶۷، تفسیر در منثور ۱/۵۶)

ان سے اور ان کے علاوہ دوسروں سے اور بھی اقوال مروی ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ الف سے اللہ تعالیٰ لام سے جبریل علیہ السلام میم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اسی روایت کو سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ مگر اس کی نسبت حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نہیں کی ہے۔ اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ نے جبریل علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قرآن کے ساتھ اتارا جس میں کوئی شک نہیں۔

پہلی توجیہ احتمال قسم پر معنی یہ ہوں گے۔ بے شک یہ کتاب حق ہے کوئی شک کی گنجائش نہیں۔
پھر اس میں یہ فضیلت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

ق قف ج وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ (ق۱)

ترجمہ قاف۔ قسم ہے قرآن مجید کی (کہ میرا رسول سچا ہے)۔

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی قوت کی قسم اس لئے کھائی کہ وہ خطاب اور مشاہدہ کے برداشت کی طاقت رکھتا ہے۔ درانحالیکہ یہ امر اپنے علوشان کے لحاظ سے مشکل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ق قرآن کا نام ہے۔ بعض اللہ تعالیٰ کا نام کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک ایسا پہاڑ ہے جو کل زمین کو محیط ہے اور اس کے سوا اور بہت سے اقوال ہیں۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی۔ (النجم۱)

ترجمہ قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وَالنَّجْمِ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور فرمایا کہ نجم (ستارہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک ہے۔ هَوٰی (کی تفسیر میں کہا) کہ انوار الٰہی سے کھل گیا اور کہا کہ غیر اللہ سے (آپ کا دل) جدا ہوگیا۔ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے فرمان۔

وَالْفَجْرِ ○ وَلَیَالٍ عَشْرٍ۔ (الفجر۱،۲)

ترجمہ قسم ہے اس صبح کی اور ان (مقدس) دس راتوں کی

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ فجر سے مراد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ ہی سے ایمان (کا اجالا) پھوٹ کر نکلتا ہے۔

پانچویں فصل

اللہ تعالیٰ کا اس مقام و مرتبہ کی قسم یاد فرمانا جو بارگاہ الٰہی میں حضور ﷺ کو حاصل ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالضُّحٰیo وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰیo مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰیo وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰیo وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰیo اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰیo وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰیo وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰیo فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْo وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْo وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْo (سورہ الضحیٰ)

اس سورۂ مبارکہ کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ حضور ﷺ نے کسی عذر کی بناء پر رات کے قیام کو ترک کر دیا تھا۔ اس پر ایک عورت (نازیبا) باتیں کہنے لگی تھی۔
(صحیح بخاری ۱۴۲/۶)

بعض نے کہا کہ مشرکین نے تاخیر نزول وحی پر طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دی تھیں۔
اس پر یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی۔ (ترمذی ۱۱۲/۵)

فقیہہ قاضی ابوالفضل (عیاض) "اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے" نے فرمایا: یہ سورۂ مبارکہ حضور ﷺ کی خاص قدر و منزلت اور عظمت و شان پر جو بارگاہ الٰہی سے عنایت ہوئی تھیں، چھ وجوہ پر مشتمل ہے۔

اوّل: یہ کہ اللہ نے قسم کے ساتھ آپ ﷺ کے حال کو بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا:

وَالضُّحٰیo وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی۔ (الضحیٰ ۱،۲)

ترجمہ قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔

یعنی رب ضحیٰ کی قسم۔ یہ بزرگی کے اعظم درجات میں سے ہے۔

دوم: یہ کہ بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کی بڑی قدر و منزلت ہے۔

مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰی۔ (الضحیٰ ۳)

ترجمہ نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا۔

یعنی نہ آپ کو ترک کیا اور نہ مبغوض جانا۔

اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کو پسند کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نہ چھوڑا۔

سوم: یہ فرمایا: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ ۴) اور یقینا ہر آنے والی گھڑی پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے۔

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انجام کار میں اللہ کے نزدیک اس سے بڑا ہے جو دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت وکرامت مرحمت فرمائی ہے۔

سہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو کچھ شفاعت اور مقام محمود کا ہم نے آخرت میں ذخیرہ رکھا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس سے بہتر ہے جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں عطا فرمایا۔

چہارم: میں یہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ (الضحیٰ ۵)

ترجمہ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جائیں گے۔

یہ آیہ کریمہ دونوں جہان میں بہت سی بزرگیوں، قسم قسم کی نیک بختیوں اور طرح طرح کے انعام واکرام کیلئے جامع ومکمل ہے۔

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں فراخی اور آخرت میں ثواب سے راضی کرے گا۔ بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوض کوثر اور شفاعت عطا فرمائے گا۔

اہل بیت نبوت علی جدہم الصلوٰۃ والسلام سے بعض علماء نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس سے زیادہ امید افزا کوئی آیت ہے ہی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے راضی ہوں گے ہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتی بھی دوزخ میں رہ جائے۔

(الحلیۃ لابی نعیم، مسند الفردوس لدیلمی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی ۳/۷)

پنجم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو انعام واکرام فرمائے ہیں ان کو شمار کرایا ہے اور آخر سورت تک اپنی جانب سے اپنی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت دی۔ بر بنائے اختلاف تفاسیر۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال نہ تھا، مال دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غنی کر دیا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں قناعت پیدا کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں غنا ڈال دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو مہربان کر کے ان کے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وسکونت کرا دی۔

بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رجوع کرا دیا۔ بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے مثل پایا تو اپنا بنا لیا۔ بعض اس طرح تفسیر بیان کرتے ہیں کہ "کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب گمراہوں کو ہدایت دی اور فقیر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب غنی کیا اور یتیم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب جائے پناہ ملی۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں''۔

اور معروف و مشہور تفسیروں کے مطابق یہ ہے کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی حال میں نہ چھوڑا۔ خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صغر سنی (بچپنا) ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افلاس و یتیمی کی حالت ہو۔ قبل اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو پہچانیں۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن بنایا۔ تو بھلا اب جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبہ خصوصی مرحمت فرمایا اور اپنا پسندیدہ بنالیا۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔

ششم: یہ کہ اللہ نے جو نعمتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کی ہیں، ان کے اظہار کا حکم دیا اور جو بزرگیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت ہوئی ہیں ان کے شکر پذیر ہونے اور اعلان کرنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اس آیت سے مشہور کیا۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ (الضحیٰ ۱۱)

ترجمہ اور اپنے رب کریم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجئے۔

نعمت کا شکر یہی ہے کہ اس کی تحدیث یعنی چرچا کیا جائے کہ یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تو خاص ہے لیکن امت کیلئے عام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى) لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ (النجم ۱تا۱۸)

ترجمہ قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا یقیناً انہوں نے اپنے رب کی نشانیاں دیکھیں۔

النجم کی تفسیر میں مفسرین کے بکثرت اقوال مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ ''النجم'' اپنے ظاہری معنی پر ہے اور یہ کہ اس سے مراد قرآن ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ (الطارق ۱۔۲۔۳)

ترجمہ قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی اور آپ کو کیا معلوم یہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ ایک تارا نہایت تاباں۔

اس میں بھی النجم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا۔

یہ آیات کریمہ حضور ﷺ کے فضل و شرف میں اس حد تک پہنچتی ہیں کہ کوئی عدد اس کو گھیر نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ہدایت اور خواہشات نفسانی کے اتباع سے بچنے، سچائی اور تلاوت قرآن اور یہ کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی ایسی وحی ہے جو آپ ﷺ کی طرف جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے جو مضبوط طاقت والا ہے، کی قسم کھائی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی فضیلت میں واقعہ معراج اور سدرۃ المنتھی تک پہنچنے اور جو کچھ قدرت الٰہی کی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں ان کی خبر دیکر آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے اور سورۂ اسریٰ کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کیا ہے اور جو کچھ حضور ﷺ پر عالم جبروت کا مکاشفہ اور عجائب ملکوت کا مشاہدہ ہوا ہے، ایسا ہے کہ جس کو نہ کوئی عبارت احاطہ کر سکتی ہے اور نہ ادنیٰ سماع کی عقول عامہ طاقت رکھتی ہیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے اشارہ و کنایہ سے بیان کیا ہے جو تعظیم پر دلالت کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی۔ (النجم ۱۰)

ترجمہ　پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی۔

اس قسم کے کلام کو پرکھنے والے بُلَغَاءِ وحی واشارہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایجاز کا یہ اعلیٰ درجہ ہے اور اللہ فرماتا ہے:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی۔ (النجم ۱۸)

ترجمہ　یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

جو وحی فرمائی گئی اس کی تفصیل سمجھنے سے عقلیں ماند، ان آیات کبریٰ کی تعین میں فہمیں عاجز۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں اس پر مشتمل ہیں کہ حضور ﷺ کی ذات و صفات پاک و منزہ ہے اور شب معراج میں آپ ﷺ کی ذات کو ہر آفت سے محفوظ رکھا۔ آپ ﷺ کے قلب مبارک، آپ ﷺ کی زبان اقدس اور آپ ﷺ کے اعضاء کو پاک کر دیا۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (جو آنکھ نے دیکھا اس کو دل نے نہ جھٹلایا) سے آپ کا قلب مبارک اور وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی (وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں) سے آپ ﷺ کی زبان اقدس اور مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (آنکھ نہ کسی طرف پھیری اور نہ حد سے بڑھی) سے آپ ﷺ کی چشم انور کی حالت و کیفیت اللہ نے بیان فرمائی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ۝ (الی قوله تعالی) وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ۝ (التکویر ۱۵ تا ۲۵)

ترجمہ پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی (اور قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے والے، رک کے رہنے والے تاروں کی (تا) اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں۔

لَآ اُقْسِمُ اَیْ اُقْسِمُ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یعنی لَآ اُقْسِمُ سے مطلب یہ ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں، بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھا ہوا ہے جو بھیجنے والے (اللہ) تعالیٰ کے نزدیک کریم ہیں۔ ذِیْ قُوَّةٍ قوت والے ہیں اس پہنچانے میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ بار ڈالا جائے۔ مَكِيْنٍ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے درجہ والے بلند مقام ہیں مُطَاعٍ ثَمَّ یعنی آسمان پر مطاع و تبوع ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اَمِيْنٍ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے امانت دار ہیں۔

علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ سے اس جگہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور بعد کی تمام صفتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہیں۔ دوسروں نے کہا اس سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں، اس بناء پر بعد کی تمام صفتیں ان کی ہوں گی۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ (بیشک انہوں نے اس کو دیکھا) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۔ (التکویر ۲۴)

ترجمہ اور یہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں۔

ظَنِيْنٍ کو اگر ظاء سے پڑھا جائے تو اس کے معنی متہم کے ہوں گے اور ضاد سے پڑھا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دعوت و تذکیر اور علم و حکمت کی باتوں کے بتانے میں بخیل نہیں ہیں"۔ یہ صفت بالاتفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نٓ۔ وَالْقَلَمِ۔ (القلم ۱)

ترجمہ نٓ قسم ہے قلم کی۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں جو بھی بڑی قسم کھائی ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکی بیان کی جائے جس کو کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں اور آپ کی وہ تکذیب کرتے ہیں۔ اللہ

تعالیٰ نے محبت کی باتیں کر کے مسرور کیا اور آپ کی امیدوں کو فراخ کیا۔ اپنے اس خطاب میں یہ فرمایا:

مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ (القلم۲)

ترجمہ آپ ﷺ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔

یہ آیتیں آپ ﷺ کے خطاب میں انتہائی لطف و مہربانی کی حامل ہیں اور بولنے میں اعلیٰ درجہ کے آداب کا لحاظ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دائمی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی جو آپ ﷺ پر اس کی بارگاہ میں ہے اور وہ غیر منقطع ثواب بتائے جس کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ احسان جتلانے کیلئے نہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ۔ (القلم۳)

ترجمہ اور یقیناً آپ کیلئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

پھر آپ ﷺ کی ان باتوں سے تعریف کی جو آپ ﷺ کو مرحمت فرمائی اور بتلائی ہیں اور آپ ﷺ کی عظمت کو دوبالا کرنے کیلئے دو حروف تاکید سے کلام کو مستحکم کیا اور فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ۔ (القلم۴)

ترجمہ اور بیشک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔

''خُلُقٍ عَظِيۡمٍ'' کی تفسیر میں بعض نے کہا قرآن اور بعض نے اسلام اور بعض نے آپ ﷺ کی عادت کریمہ مراد لی ہے اور بعض نے کہا کہ آپ کا ارادہ ہی نہیں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔

واسطی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے حسن قبول کی تعریف کی ہے کہ آپ ﷺ کی طرف نعمتیں ارسال کر کے آپ ﷺ کو وہ فضیلت مرحمت فرمائی جو آپ ﷺ کے سوا کسی کو میسر نہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی فطرت میں ہی مہربانی ہے۔ پس پاکی ہے اس مہربان بخشش کرنے والے، احسان کرنے والے بہت سخی (خدا) کی جس نے بھلائی اور ہدایت آپ ﷺ کی خوبی کر دی۔ پھر اس کے کرنے والے کی تعریف کی اور اس پر اس کو جزا دی۔ پاکی ہے خدا کی، اس کی بخشش کیا ہی عام ہے اور اس کی مہربانیاں کس قدر وسیع ہیں۔

اس کے بعد حضور ﷺ کو کفار کی بدگوئیوں پر تسلی دی کہ اس پر ان کو عذاب کا وعدہ دیا اور اس طرح ان کو ڈرایا۔

فَسَتُبۡصِرُ وَيُبۡصِرُوۡنَ۝ بِاَيِّكُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ وَهُوَ

اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ (القلم۷)

ترجمہ عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو اس کی راہ سے بہک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی مذمت کو عطف کر کے ان کی بری خصلتوں کو بیان کیا، ان کے معائب شمار کئے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پیوست کی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت فرمائی اور ان کی دس سے زائد برائیاں بیان کیں اور یہ فرمایا:

فَلَا تُطِعِ الۡمُكَذِّبِيۡنَ o وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُوۡنَ o وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍ o هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيۡمٍ o مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ o عُتُلٍّۢ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِيۡمٍ o اَنۡ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيۡنَ ط اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ o (القلم ۸ تا ۱۵)

ترجمہ پس آپ بات نہ مانیں (ان) جھٹلانے والوں کی۔ وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔ اور نہ بات مانیے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی جو بہت نکتہ چین چغلیاں کھاتا پھرتا ہے سخت منع کرنے والا بھلائی سے حد سے بڑھا ہوا، بڑا بدکار ہے۔ اکھڑ مزاج ہے، اس کے علاوہ بداصل ہے (یہ غرور سرکشی) اس لیے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے۔ جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سچی وعید کو بیان کرنے کے بعد اس پر ختم کیا کہ:

سَنَسِمُهٗ عَلَى الۡخُرۡطُوۡمِ o (القلم ۱۶)

ترجمہ ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے۔

پس اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خود اپنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مدد کرنے کی نسبت سے بڑھ کر پوری مدد ہے اور اللہ تعالیٰ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں بدگوؤں کا رد کرنا بہ نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رد کرنے کے بعد زیادہ سخت ہے اور یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں بہت زیادہ ثابت ہے۔

چھٹی فصل

اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کو مورد شفقت و کرم بنانا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

طٰهٰ٥ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى٥ (طٰہٰ ۲)

ترجمہ طٰہٰ۔ نہیں اتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔

طٰہٰ کی تفسیر میں بعض نے کہا کہ یہ حضور ﷺ کے ناموں سے ایک نام ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اور بعض نے اس کے معنی یَارَجُلُ (اے مرد) اور یَااِنْسَان کہے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ حروف مقطعات ہیں جو چند معنی میں ہیں۔

چنانچہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یَاطَاهِرُ یَاهَادِیُ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ (وطء) اور (ھا) سے کنایہ ہے یعنی زمین پر اپنے دونوں قدموں سے کھڑے ہو جائیے اور ایک قدم پر اعتماد کر کے اپنی جان کو مشقت میں نہ ڈالیے۔ (واللہ اعلم) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب ہم نے یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑیں۔

یہ آیہ کریمہ اس وقت اتری جب کہ حضور ﷺ بیداری اور قیام لیل میں بڑی مشقت اٹھاتے تھے، جیسا کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد یہ حدیث مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب نماز پڑھتے تو ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر دوسرا پاؤں اٹھالیتے تھے۔ اس پر اللہ نے طٰہٰ نازل فرمائی۔

یعنی اے محبوب آپ ﷺ زمین پر پاؤں رکھئے ہم نے یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑ جائیں۔ یہ بات پوشیدہ نہیں، یہ سب کچھ آپ ﷺ کے اعزاز و اکرام اور خیر خواہی میں ہے۔

اگر ہم طٰہٰ کو حضور ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام مانیں، جیسا کہ منقول ہے یا اس کو قسم گردانیں تو یہ فعل ماقبل سے ملحق ہوگا۔

اسی طرح آپ ﷺ پر شفقت وعنایت میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔ (الکہف ۶)

ترجمہ تو کیا آپ (فرط غم سے) تلف کر دیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے۔

یعنی اے محبوب کیا آپ ﷺ اپنی جان کو غضب، غصہ یا گھبراہٹ سے ہلاکت میں ڈال دیں گے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعراء ۳)

ترجمہ (اے جان عالم) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں۔ کہ وہ ایمان نہیں لا رہے۔ پھر ارشاد فرمایا:

اِنْ نَّشَا نُنَزِّلُ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَآءِ آيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَا قُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ○ (الشعراء ۴)

ترجمہ اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی۔

یہ بھی اسی قبیل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ○ (الحجر ۹۴ تا ۹۹)

ترجمہ سو آپ ﷺ علان کر دیجیے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے: ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کیلئے جو بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا سو یہ (حقیقت حال کو) ابھی جان لیں گے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ سو آپ پاکی بیان کیجیے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جایئے سجدہ کرنے والوں سے اور عبادت کیجئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس یقین۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ۔ (الانعام ۱۰)

ترجمہ اور بلاشبہ مذاق اڑایا گیا رسولوں کا آپ سے پہلے۔

مکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس ذکر سے آپ ﷺ کو تسلی دی اور مشرکوں کی سختیوں پر آپ ﷺ کو قوت برداشت مرحمت فرما دی اور آپ ﷺ کو خبر دار کر دیا کہ جو (بدنصیب) شخص آپ ﷺ پر زیادتی کرے گا اس پر ایسا ہی عذاب ہوگا جیسا آپ ﷺ سے پہلے رسولوں کے مکذبین (جھٹلانے والوں) پر ہوا ہے اور اسی تسلی و تشفی کی مثل اللہ کا یہ فرمان ہے:

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ۔ (فاطر ۴)

ترجمہ اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں (تو کوئی نئی بات نہیں) آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا۔
اور اسی باب میں یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ۔ (الذریت ۵۲)
ترجمہ اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو گزشتہ امتوں کے احوال کی خبر دے کر عزت افزائی فرمائی کہ آپ ﷺ سے پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ماجرا ہوا اور نبیوں کو بھی اسی طرح آزمایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بھی کفار مکہ کی آزمائشوں پر اس طرح تسلی دی اور یہ کہ یہ آزمائشیں آپ ﷺ ہی کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خوش کر کے اس کا سبب بتا دیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ۔ (الذریت ۵۴)
ترجمہ پس آپ ﷺ ان سے رخ پھیر لیجئے۔
فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ۔ (الذریت ۵۴)
ترجمہ آپ پر کوئی الزام نہیں۔

یعنی ادائے رسالت اور اپنی تبلیغ میں جو آپ ﷺ کے سپرد کی گئی ہے اب آپ ﷺ پر کوئی ملامت نہیں۔ اسی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ۝ (الطور ۴۸)
ترجمہ اور آپ صبر فرمایئے اپنے رب کے حکم سے پس آپ بلاشبہ ہماری نظروں میں ہیں۔

یعنی آپ ﷺ ان کی ایذا پر صبر کریں کیونکہ آپ ﷺ تو ہماری نگہداشت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس طرح بکثرت آیات میں تسلی دی ہے۔

ساتویں فصل

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور فضائل کی خبر دی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ O (ال عمران ۸۱)

ترجمہ اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد) فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی فضیلت کے ساتھ خاص کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو مرحمت نہ فرمائی اور اس کو اس آیت میں ظاہر بھی فرما دیا۔

مفسرین رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ عہد لیا اور کوئی نبی علیہ السلام ایسا نہ بھیجا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف نہ کی ہو۔ ان سے عہد لیا کہ اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاؤ تو بالضرور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس عہد کو اپنی قوم پر بیان کر کے ان سے بھی یہ عہد لیں کہ وہ اپنے بعد والوں کو اس کو بیان کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ثُمَّ جَآءَ کُمْ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمانہ اہل کتاب کو خطاب ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لیکر ان کے بعد والے کسی نبی علیہ السلام کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان سے یہ عہد لیا گیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں تشریف لائیں کہ تم زندہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرور

مدد کرنا اور فرمایا یہی عہد اپنی قوم سے بھی لینا۔ (تفسیر ابن جریر ۲۳۶/۳)

اسی طرح سدی اور قتادہ رضی اللہ عنہما سے بھی آیتوں کی تفسیر میں مروی ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر مشتمل ہے۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۲۳۶/۳)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ ○ (الاحزاب ۷)

ترجمہ اور (اے حبیب) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد اور آپ سے بھی اور نوح (آخر آیت تک)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

بیشک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو آپ نے روتے ہوئے اپنے کلام میں کہا تھا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ یہاں تک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر الانبیاء کر کے بھیجا اور پہلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس طرح فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دوزخی تمنا کریں گے کہ کاش آپ کی اطاعت کرتے اور جب جہنم کے طبقوں میں ان پر عذاب ہو رہا ہوگا تو کہیں گے:

يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَ۔ (الاحزاب ٦٦)

ترجمہ اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُنْتُ اَوَّلَ الْاَنْبِيَآءِ فِى الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِى الْبَعْثِ خلق میں تو میں اول الانبیاء ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم / ۴۲، فضیلۃ مقاصد الحسنہ لابی حاتم / ۵۲۰)

اسی لئے تو آیت بالا میں اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام وغیرہ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے ذکر سے پہلے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی فضیلت پر دلیل ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے لحاظ سے ان کے آخر

میں ہیں۔ غرضیکہ اللہ نے صلب آدم علیہ السلام سے ذریات انبیاء علیہم السلام کو نکال کر ان سے یہ عہد لیا۔

اور فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ (البقرہ ۲۵۳)

ترجمہ یہ سب رسول، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ" (کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ کیونکہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ و سیاہ (عرب و عجم) کی طرف بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے غنیمتیں حلال کی گئیں اور آپ کے ہاتھوں معجزات کا ظہور ہوا اور نبیوں میں کوئی ایسا نہیں کہ اس کو جو فضیلت اور بزرگی دی گئی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعینہٖ نہ ملی ہو۔

اور بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو تو ان کے ناموں سے خطاب فرمایا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں منصب نبوت و رسالت سے مخاطب فرمایا اور ارشاد فرمایا: **یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ** اور **یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ**۔

فقیہہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ

وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرَاهِیْمَ۔ (الصفت ۸۳)

ترجمہ اور ان کی جماعت میں سے ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے۔

کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ ھا ضمیر کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام گروہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین و مذہب پر ہیں اور فراء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو جائز رکھا اور مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی سے روایت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس سے حضرت نوح علیہ السلام مراد ہیں۔

آٹھویں فصل

اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ پر درود بھیجنا، آپ ﷺ کی مدد کرنا اور آپ ﷺ کے سبب سے عذاب کو رفع کرنا

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو اس کی خبر دیتا ہے کہ ہم آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور آپ ﷺ کی مدد کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے سبب سے ان پر سے عذاب کو دور کرتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ (الانفال ۳۳)

ترجمہ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں۔

یعنی جب تک آپ ﷺ مکہ میں تشریف فرما ہیں اور جب آپ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر تشریف لے آئے اور مکہ میں مسلمان کم رہ گئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (الانفال ۳۳)

ترجمہ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انہیں حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

اور یہ اس کے اسی فرمان کی طرح ہے:

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا۔ (الفتح ۲۵)

ترجمہ اگر یہ (کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) ہم انہیں عذاب دیتے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ۔ (الفتح ۲۵)

ترجمہ اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد۔

اور جب مسلمان بھی ہجرت کر کے نکل گئے تو یہ آیت اتری:

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ (الانفال ۳۴)

ترجمہ (مکہ سے آپ کی ہجرت کے بعد) اب کیا وجہ ہے ان کیلئے کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ۔

یہ حضور ﷺ کی رفعت و مرتبت کے اظہار میں انتہائی بات ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ کے سبب اور آپ ﷺ کے تشریف لے آنے کے بعد مسلمانوں کے سبب اہل مکہ پر نزول عذاب نہیں ہے۔ جب سب کے سب مکہ سے ہجرت کر گئے تو اللہ نے ان پر مسلمانوں کو مسلط کر کے اور ان پر غلبہ دے کر عذاب دیا اور تلواروں نے ان کا فیصلہ کیا۔ ان کی زمینوں، شہروں اور مالوں

پر مسلمانوں کو وارث بنایا۔ اس آیت کی اور بہت سی تفسیریں ہیں۔

ابوبردہ رضی اللہ عنہ کے والد سے بالاسناد مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کیلئے اللہ نے مجھ پر دو امانتیں اتاری ہیں۔ ایک یہ کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ (جب تک اے محبوب آپ تشریف فرما ہیں اللہ عذاب نہ کرے گا) اور دوسری یہ کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (جب تک بخشش مانگنے والے (مسلمان) موجود ہیں اللہ عذاب دینے والا نہیں) اور جب میں وصال فرما جاؤں گا تو تم میں استغفار چھوڑ جاؤں گا۔ (ترمذی ۴/ ۳۴۴، تفسیر درمنثور ۳/ ۵۷-۵۶)

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (الانبیاء ۱۰۷)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کیلئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کیلئے امان ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ ''بدعت'' سے امان ہوں۔ بعض نے اختلاف اور فتنوں سے (امان میں ہونا) مراد لیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں (حیات ظاہری سے) موجود رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود با مسعود بڑا امان تھا۔ اب جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زندہ و باقی رہے گی تو امان بھی باقی ہے اور جب سنت مردہ ہو جائے گی تو بلا اور فتنہ کا انتظار کرنا۔ (صحیح مسلم ۴/ ۱۹۶۱)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝

(الاحزاب ۵۶)

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خود درود بھیج کر، پھر فرشتوں کے ذریعہ درود بھیج کر اور مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا حکم دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی فضیلت ظاہر کی ہے۔

ابوبکر بن خورک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ بعض علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ (نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی) کی یہی تاویل کی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی قیامت تک درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کی نسبت جب فرشتہ یا ہماری طرف سے ہو تو اس کے معنی درود اور دعا کے ہیں اور جب اللہ کی طرف سے ہو تو اس کے معنی رحمت کے ہیں اور ایک روایت میں ''صلوٰۃ''

کے معنی برکت کے ہیں۔

بلاشبہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب خود پر درود بھیجنے کی تعلیم دی تب صلوٰۃ و برکت کے معنی کا فرق بھی بتا دیا تھا۔ عنقریب ہم آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے احکام بیان کریں گے۔

بعض متکلمین کھٰیٰعص کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں کہ کاف سے حضور ﷺ پر اللہ کی جانب سے کفایت مراد ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ (الزمر ۳۶)

ترجمہ کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لیے (یقیناً کافی ہے)۔

اور ''ھا'' سے مراد اس کی ہدایت جو آپ ﷺ پر ہے۔ فرمایا:

وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔ (الفتح ۲)

ترجمہ اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر۔

اور ''یا'' سے مراد آپ ﷺ کی تائید ہے۔ فرمایا:

وَاَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ۔ (الانفال ۶۲)

ترجمہ آپ کی تائید کی اپنی نصرت سے۔

اور ''عین'' سے مراد آپ کی عصمت ہے۔ فرمایا:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ ۶۷)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) کے۔

اور ''صاد'' سے مراد آپ پر درود بھیجنا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔ (الاحزاب ۵۶)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَظَاھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (التحریم ۴)

ترجمہ (توبہ کی طرف) مائل ہو چکے ہیں (تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) اور اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو (خوب جان لو) کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے۔ جبرائیل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں۔

''صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' کی تفسیر میں بعض نے کہا کہ اس سے انبیاء علیہم السلام ملائکہ مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما یا حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ اور یہ بھی ایک روایت ہے کہ مومنین اپنے ظاہر معنی پر ہے۔

نویں فصل

سورۂ فتح میں حضور ﷺ کی بزرگیاں

سورۂ فتح میں جس قدر کرامتیں اور بزرگیاں حضور ﷺ کی بیان کی گئی ہیں ان کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى) يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ (الفتح ۱ تا ۱۰)

ترجمہ یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے...... اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

یہ آیتیں حضور ﷺ کی مدحت و ثناء اور اس مرتبہ و مقام کی آئینہ دار ہیں جو بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور جو قرب و منزلت آپ ﷺ کو اللہ کے نزدیک ہے اس کے انتہاء وصف کے بیان سے (قلم و زبان) قاصر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فیصلہ کی جو آپ ﷺ کیلئے اس نے مقرر کیا ہے آپ ﷺ کو خبر دی کہ میں آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دشمنوں پر غلبہ دوں گا اور آپ ﷺ کا بول بالا کر کے آپ ﷺ کی شریعت کو بلند کروں گا اور یہ کہ آپ ﷺ ایسے بخشے ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ کے سبب آپ ﷺ کے اگلوں اور پچھلوں کو بخش دوں گا۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے کردنی وناکردنی امور سب مغفور ہیں۔

مکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احسان کو سبب مغفرت بنایا ہے اور ہر وہ چیز جو اس خدا کی طرف سے ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ احسان پر احسان اور فضل پر فضل ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے:

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ۔ (یوسف ۶)

ترجمہ اور پورا فرمائے گا اپنا انعام تجھ پر۔

بعض نے کہا کہ جو آپ ﷺ سے اکڑ کر (تکبر سے) پیش آئے گا، اس کو عاجز کردوں گا اور بعض نے کہا کہ مکہ و طائف کو فتح کرا کے غلبہ دوں گا اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کے ذکر کو دنیا میں بلند کروں گا اور آپ ﷺ کی مدد کروں گا اور آپ ﷺ کے سبب بخشوں گا۔

پھر آپ ﷺ کو خبردار کیا کہ آپ ﷺ پر اپنی تمام نعمتیں اس طرح پوری کی ہیں کہ آپ ﷺ کے منکروں کو اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کیا اور آپ ﷺ پر ان بڑے بڑے شہروں کو

فتح کرایا جو آپ ﷺ کو محبوب تھے اور آپ ﷺ کے ذکر کو رفعت دی اور آپ ﷺ کو اس صراط مستقیم (سیدھے راستہ) کی ہدایت دی جو جنت وسعادت تک پہنچا ہے اور آپ کی مدد غالب نصرت سے کی اور آپ ﷺ کی امت مسلمہ کے دلوں میں تسلی وطمانیت پیدا کر کے ان پر احسان کا اظہار فرمایا اور بڑی کامیابی کے بعد اللہ کے نزدیک جوان کا انجام ہے اس کی بشارت دی، ان کو معاف کر کے ان کے گناہوں کی پردہ پوشی کی، دنیا وآخرت میں ان کے دشمنوں کو ہلاک کیا اور ان دشمنوں کو اپنی رحمت سے دور کر کے ان پر لعنت مسلط کی اور ان کو بری حالت میں بدل دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا۔ (الفتح ۸)

ترجمہ بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے والا اور (عذاب) سے بروقت ڈرانے والا۔

پھر آپ ﷺ کے محاسن وخصائص شمار کرائے۔ آپ ﷺ کی شہادت اپنے لئے اور اپنی امت کیلئے ان پر تبلیغ رسالت کر کے بیان کی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ''شَاهِدًا'' یعنی امت کیلئے توحید کا گواہ بنایا اور مُبَشِّرًا یعنی امت کیلئے ثواب آخرت کی خوشخبری دینے والا کیا۔ ایک روایت میں امت کے مغفور ہونے کا نَذِيْرًا یعنی آپ ﷺ کے دشمنوں کو عذاب سے ڈرانے والا بھیجا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گمراہیوں سے بچانے والا بھیجا تاکہ اللہ پر ایمان لائیں پھر اس ایمان پر وہ شخص سبقت کرے گا جس کو اللہ کی طرف سے بہتری ملے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتُعَزِّرُوْهُ ''آپ ﷺ کی تعظیم کرو'' بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مدد کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرو۔ وَتُوَقِّرُوْهُ ''آپ ﷺ کی توقیر کرو''۔ بعض قراء نے وَتُعَزِّزُوْهُ (بالزاء) عزت سے پڑھا ہے یعنی آپ ﷺ کا خوب احترام کرو اور حضور ﷺ کے حق میں تعظیم وتوقیر بہت زیادہ کرنا بالکل ظاہر ہے۔ پھر فرمایا: وَتُسَبِّحُوْهُ ''اس کی پاکی بیان کرو''۔ ھا کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس سورت میں حضور ﷺ کیلئے مختلف نعمتیں جمع کر دی ہیں۔ منجملہ (ان میں سے) فتح مبین ہے کہ یہ قبولیت کی خبر دینا ہے اور مغفرت ہے، یہ محبت کا اظہار ہے اور نعمتوں کو پورا کرنا ہے، یہ خصوصیت کی علامت ہے اور ہدایت ہے کہ یہ آپ ﷺ کی بزرگی کی علامت ہے۔

مغفرت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو تمام عیب ونقص سے منزہ کر دیا اور اتمام نعمت یہ ہے کہ آپ

ﷺ کو درجات کاملہ تک پہنچا دیا اور ہدایت یہ ہے کہ یہ ہدایت مشاہدہ کی طرف ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اتمام نعمت" یہ ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو حبیب بنا کر آپ ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی اور آپ ﷺ کے ذریعہ دوسری شریعتوں کو منسوخ کیا اور آپ ﷺ کو مقام ارفع کی طرف عروج مرحمت فرمایا اور آپ ﷺ کی معراج میں یہاں تک نگہداشت فرمائی کہ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی (النجم ۵) سے آپ ﷺ کی تعریف فرمائی اور آپ ﷺ کو سرخ و سیاہ (عرب و عجم) کی طرف مبعوث کیا۔ آپ ﷺ کیلئے اور آپ ﷺ کی امت کیلئے غنیمتوں کو حلال فرمایا اور آپ ﷺ کو شفیع (سفارش کرنے والا) و مُشَفَّعٌ (جن کی شفاعت قبول کی گئی وہ) بنایا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ، آپ ﷺ کی رضا کو اپنی رضا کے ساتھ ملا دیا اور آپ ﷺ کو توحید کا ایک رکن بنایا۔

پھر فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ٥ (الفتح ۱۰)

ترجمہ (اے جان عالم) بیشک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔

یعنی بیعت رضوان کے وقت وہ خاص اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ (الفتح ۱۰)

ترجمہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

یعنی اسی کے ارادہ سے بیعت تھی۔ ایک روایت میں "یَدُاللّٰہِ" سے مراد اللہ کی طاقت ہے۔ بعض نے "اس کا ثواب" کہا اور بعض نے "اس کا احسان" اور بعض نے "اس کا عہد" کہا۔ یہ سب تاویلات مرادف المعنی (یک جنس) اور ان کی بیعت کی تاکید اور بیعت لینے والے حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔ اسی قبیل سے یہ فرماتا ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی٥ (الانفال ۱۷)

ترجمہ پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں اور (اے محبوب) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

اگرچہ اول باب مجاز سے ہے اور یہ حقیقت ہے کیونکہ قتل کرنے والا اور پھینکنے والا حقیقتاً اللہ

تعالیٰ ہی ہے، وہی آپ ﷺ کے فعل قتل اور خاک پھینکنے اور اس کے اوپر قدرت کا خالق (پیدا کرنے والا) ہے اور یہ اس کی مشیت ہی ہے کیونکہ یہ انسان کی قدرت میں ہے ہی نہیں کہ جہاں وہ پہنچانا چاہے پہنچا دے۔ یہاں تک کہ ایک کافر بھی ایسا نہ رہا کہ اس کی آنکھیں اس خاک سے نہ بھر گئی ہوں۔ اسی طرح فرشتوں کا ان کو قتل کرنا حقیقتاً ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آخری آیت میں جو مجاز ہے وہ لغت عرب کی بناء پر ہے جو لفظوں کے مقابلہ اور مناسبت کی بناء پر استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی مَاقَتَلْتُمُوْهُمْ ان کو تم نے قتل نہیں کیا وَمَا رَمَیْتَهُمْ جب تم نے ان کے چہروں پر کنکریاں اور خاک پھینکی تھی، تو تم نے نہ پھینکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا یعنی پھینکنے کا فائدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، پس معنی وہی قاتل (مارنے والا) اور رامی ہے، آپ برائے نام تھے۔

دسویں فصل

کتاب مجید میں حضور ﷺ کا ذکر مبارک

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حضور ﷺ کی وہ رفعت ومنزلت جو اس کی بارگاہ میں ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے، بیان فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں ذکر کی جاتی ہے جو نظم کتاب میں گزر چکی ہے۔ منجملہ (ان سے) فضائل وخصائص میں واقعہ معراج ہے جس کو اللہ نے سورۂ اسریٰ (سورۂ والنجم) میں بیان فرمایا۔

اس واقعہ معراج میں آپ ﷺ کی عظیم منزلت، قرب ومشاہدۂ عجائبات اور اللہ کا لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔

چنانچہ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ ۶۷)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے۔

اور فرماتا ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (الانفال ۳۰)

ترجمہ اور یاد کرو جب خفیہ تدبریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا۔

اور فرماتا ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْنَصَرَهُ اللّٰهُ۔ (التوبہ ۴۰)

ترجمہ اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کی تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے۔

اور جو کچھ اس واقعہ میں کفار نے حضور ﷺ کو ایذا پہنچانے اور حضور ﷺ کو ہلاک کرنے کا قصد کیا تھا اور خفیہ مجلسیں کیا کرتے تھے، اللہ نے آپ ﷺ کی مدد کر کے ان کو دور کر دیا اور جب حضور ﷺ نے بوقت ہجرت کا شانۂ اقدس سے باہر تشریف لانے کا ارادہ فرمایا تو اللہ نے ان کی آنکھوں کی بصارت سلب کر لی اور حضور ﷺ کی غار ثور میں ان کفار کی تلاش کو ناکام بنا دیا۔ اس سلسلہ میں اور بھی نشانیاں ظاہر ہوئیں، منجملہ (ان میں سے) آپ ﷺ پر تسلی کا نازل ہونا اور سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جس کو محدثین واہل سیر واقعہ غار میں بیان کرتے ہیں اور ہجرت کی تفصیل وغیرہ میں۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ۞ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ ۞ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ۞ (الکوثر ۱ تا ۳)

ترجمہ بیشک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حدو بحساب عطا کیا پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کیلئے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر) یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام (ونشان) ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس میں اس کی خبر دی جو کچھ کہ آپ ﷺ کو مرحمت فرمایا۔

اَلۡكَوۡثَرَ یعنی کوثر ایک حوض ہے یا وہ نہر ہے جو جنت میں جاری ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد خیر کثیر ہے یا شفاعت ہے۔ بعض نے کہا کہ کثیر معجزات، یا عطائے نبوت، یا معرفت الٰہی مراد ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے دشمنوں کو جواب دے کر ان کی تردید فرمائی اور کہا: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ یعنی آپ کا دشمن اور آپ سے بغض وعداوت رکھنے والا اَبۡتَرُ یعنی حقیر وذلیل ہے یا منقطع النسل ہے یا وہ ایسا (بدبخت) ہے کہ اس کیلئے کوئی خیر ہے ہی نہیں اور فرماتا ہے:

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِيۡمَ ۞ (الحجر ۸۷)

ترجمہ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی ہیں آپ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی۔

اس کی تفسیر میں مفسرین کہتے کہ "سبع مثانی" سے وہ پہلی سات لمبی سورتیں مراد ہیں اور "قرآن عظیم" ام القرآن ہے اور یہ بھی کہا کہ سبع مثانی ام القرآن (سورۂ فاتحہ) ہے اور قرآن عظیم سے اس کی تمام سورتیں مراد ہیں اور یہ بھی ایک روایت میں ہے کہ سبع مثانی وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو قرآن میں امر، نہی، بشارت، انداز، مثالیں اور نعمتوں کے شمار کا ذکر ہے اور ہم نے آپ ﷺ کو قرآن کریم میں اصول عنایت فرمائے۔

بعض کہتے ہیں کہ ام القرآن (سورۂ فاتحہ) کو مثانی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اور بعض نے یہ کہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حضور ﷺ کیلئے مستثنیٰ کر کے دوسرے نبیوں کے سوا آپ ﷺ کو رحمت فرمایا ہے اور قرآن کا نام مثانی اس لئے رکھا کہ اس میں واقعات وقصص دوبارہ (مکرر) آتے ہیں۔

بعض اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ "سبع مثانی" یعنی ہم نے آپ ﷺ کو سات کرامتوں سے بزرگی عنایت فرمائی یعنی ہدایت، نبوت، رحمت، شفاعت، ولایت، تعظیم، تسلی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ۔ (النحل ۴۴)

ترجمہ اور (اسی طرح) ہم نے نازل کیا آپ پر یہ ذکر۔

اور فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ (سبا ۲۸)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر۔

اور فرماتا ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (الاعراف ۱۵۸)

ترجمہ آپ فرمایئے اے لوگو! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ۔ (ابراہیم ۴)

ترجمہ اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ تا کہ وہ کھول کر بیان کرے ان کیلئے (احکام الٰہی کو)۔

پس ان انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کیلئے خاص کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق کی طرف بھیجا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں: بُعِثْتُ اِلَى الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ یعنی مجھ کو سرخ سیاہ (عرب وعجم) کی طرف بھیجا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلنَّبِىُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب ۶)

ترجمہ نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔

اور فرماتا ہے:

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ۔ (الاحزاب ۶)

ترجمہ اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حکم دیں، وہ اسی طرح ان پر جاری ہے جس طرح سردار اپنے غلام کو دیتا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا اتباع اپنے نفس کی رائے سے بہتر ہے۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ سب بیویاں حرمت میں مثل ماؤں کے ہیں

حضور ﷺ کے بعد ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یہ حضور ﷺ کی خاص تکریم ہے اور اس لئے بھی (ان سے نکاح حرام ہے) کہ وہ جنت میں بھی آپ ﷺ کی بیویاں ہوں گی اور ایک قرآت (شاذہ) میں وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ (یعنی حضور مسلمانوں کے باپ ہیں) وارد ہے مگر یہ قرآت متروک ہے کیونکہ قرآن کے نسخوں کے خلاف ہے۔ (تفسیر درمنثور ۶/۵۶۷)

اور اللہ تعالیٰ (حضور ﷺ کی مدحت میں) فرماتا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (النساء ۱۱۳)

ترجمہ اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور سکھادیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

فَضْلُ اللّٰهِ کی تفسیر میں کہا گیا کہ آپ ﷺ کی نبوت کے ساتھ فضل عظیم مراد ہے۔ بعض نے کہا جو کچھ ازل میں آپ ﷺ کیلئے فضیلت مقرر ہو چکی ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ اس روایت الٰہی کی برداشت رکھتے ہیں جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکتے تھے

دوسرا باب

حضور ﷺ خلق عظیم اور مجموعہ فضائل دینی و دنیوی میں کامل ہیں

اس باب میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے محاسن کو خلقت اور عادت کے اعتبار سے مکمل کر کے آپ میں تمام فضائل دینیہ و دنیویہ ترتیب وار جمع فرمائے۔

اے وہ شخص جو حضور ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور حضور ﷺ کے فضائل جلیلہ کی تفصیل کا خواہاں ہے، خبردار ہو کہ انسان میں جمال و کمال کی عادتوں کی دو قسمیں ہیں۔

ایک ضرورت دنیوی ہے جو انسان کی فطرت اور دنیاوی حیات کیلئے ضروری ہے اور دوسری مکتسب (کسب) دینی ہے، وہ یہ ہے کہ اسکے کرنے سے اسکی تعریف ہو اور اللہ تعالیٰ کا قرب خاص میسر ہو۔

پھر اس کے بھی دو فن ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ کسی میں دو وصفوں میں سے ایک خالص (محض) ہو اور دوسرا یہ کہ دونوں وصف متمازج ومتداخل (ملے جلے) ہوں لیکن ضروری محض یہ ہے کہ کسی مرد کو ان میں اختیار وکسب کی مجال نہ ہو، جیسے امور عادی وفطری یعنی پیدائشی کمال حسن، قوت عقل، صحت فہم، فصاحت زبان، قوت حواس اور اعضاء، معتدل حرکات، شرافت نسب، عزت قومی، وطنی کرامت اور ہر وہ چیز جو زندگی سے ملحق اور اس کے ضروریات کی مقتضی ہیں، جیسے غذا، نیند، لباس، مکان، تزویج، مال و جاہ وغیرہ (کہ یہ سب ضروریات محضہ میں شامل ہیں) اور کبھی یہ آخری خصلتیں آخرت کے ساتھ بھی ملحق ہو جاتی ہیں جبکہ ان سے مقصود تقویٰ اور بدن کی ایسی مدد ہو جو آخرت کے (پیش نظر) طریقہ پر ہو اور وہ ضرورت، حدود وقواعد شریعت پر ہوں۔

لیکن اخروی اعمال یہ ہیں کہ تمام اخلاق عالیہ اور آداب شریعہ دینیہ، علم، بردباری، صبر، شکر، انصاف، زہد، تواضع، عفو، عفت، سخاوت، شجاعت، حیاء، مروت، خاموشی، سکون، وقار، مہربانی، حسن آداب و معاشرت وغیرہ۔ یہی وہ خصائل ہیں جن کے مجموعہ کو حسن خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض خصلتیں تو کسی کی فطری عادت و جبلت ہوتی ہیں اور بعض میں نہیں ہوتیں، ان کو حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات لازمی ہے کہ اصل پیدائشی شعبہ سے متعلق ہو، جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ ہم بیان کریں گے اور یہی اخلاق و خصائل جب ان سے اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح مقصود و مراد نہ ہو تو دنیاوی بن جاتے ہیں لیکن بایں ہمہ عقل سلیم کے نزدیک بالاتفاق یہ سب کے سب محاسن و خوبیاں ہی ہیں، اگرچہ حسن وفضیلت کے موجبات و اسباب کے بیان میں اختلاف کرتے ہوں۔

پہلی فصل

حضور ﷺ تمام اوصاف کے جامع تھے

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب خصائل کے کمال و جلال اس طرح پر ہیں جیسا کہ ہم نے (اوپر) بیان کیا ہے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اگر اتفاق سے زمانہ میں کوئی شخص ایک یا دو وصف کا حامل مل گیا تو اس کو مشرف و معزز مانا جاتا ہے۔ یہ شرافت یا تو نسب کی وجہ سے یا جمال سے یا قوت یا علم یا بردباری یا شجاعت یا سخاوت سے ہوگی، مگر اس کی قدر اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس کے نام کو تمثیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور اس وصف کی وجہ سے دلوں میں اس کے اثر وعظمت کا سکہ جم جاتا ہے اور یہ بات گزشتہ دیرینہ زمانہ سے چلی آتی ہے۔

پھر اس ذات اقدس کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جس میں یہ تمام کے تمام محاسن و خصائل علیٰ وجہ الکمال اس طرح پر مجتمع ہوں کہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو اور نہ احاطۂ بیان میں لائی جا سکتی ہوں اور نہ کسب و حیلہ کی گنجائش۔ صرف اللہ ہی کسی کو یہ خاص طور پر مرحمت فرما دے۔ فضیلت نبوت، رسالت، خلت (محبوبیت) محبت، برگزیدگی، اسریٰ (سیر ملکوت)، رویت و قرب و نزدیکی رب تبارک و تعالیٰ، وحی، شفاعت، وسیلہ، بزرگی، بلند درجہ، مقام محمود، براق، معراج، عرب و عجم (سرخ و سیاہ) کی طرف بعثت، انبیاء کے ساتھ نماز پڑھنا، امم سابقہ اور انبیاء کرام علیہم السلام پر گواہی دینا، اولاد آدم علیہ السلام کی سرداری، لواء الحمد، خوشخبری دینا، ڈر سنانا، اللہ تعالیٰ صاحب عرش کی بارگاہ میں تمکن و طاعت، امانت، ہدایت، رحمۃ للعلمین، مقام رضا کا پانا، سوال کا قبول ہونا، کوثر، سماع قبول، اتمام نعمت، عفو گزشتہ و آئندہ، وضع وزر (بوجھ کا اٹھانا)، ذکر کی بلندی، مدد سے سرفراز کرنا، نزول سکینہ، ملائکہ سے تائید، کتاب و حکمت، سبع مثانی اور قرآن عظیم کو دینا، تزکیہ امت، اللہ کی طرف بلانا، اللہ اور فرشتوں کی جانب سے درود بھیجنا، لوگوں کو اس کا حکم دینا جس کا اللہ نے مشاہدہ کرایا، ان سے تکلیف اور سخت و شدید عبادت کو دور کرنا، آپ کے نام کی قسم کھانا، آپ ﷺ کی دعاؤں کا قبول فرمانا، پتھروں اور گونگوں کا کلام کرنا، مردوں کا زندہ کرنا، گونگوں کو سنانا، آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، کم کو زیادہ کرنا، چاند کو ٹکڑے کرنا، سورج کو واپس لوٹانا، اشیاء کو منقلب کرنا و بدلنا، رعب و ہیبت سے مدد دیا جانا، غیب پر اطلاع دینا، بادلوں کا سایہ کرنا، کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، تکلیفوں سے نجات دینا، لوگوں کے شر سے بچانا، یہاں تک کہ کوئی عقل ان کو نہیں گھیر سکتی اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا علم عطا فرمانا کہ اس کو سوائے اس علم کے عطا کرنے والے اور اس سے فضیلت دینے والے (اللہ) کے کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہی ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آخرت میں بڑے بڑے مرتبے اور مقدس درجے، سعادت حسنیٰ کے مرتبے میں وہ زیادتی مرحمت فرمائی کہ عقلیں ان کے نیچے ہی ٹھہر جاتی ہیں اور ان کے ادراک سے وہم و خیال تک متحیر ہو جاتے ہیں۔

دوسری فصل

آپ ﷺ کا حلیہ مبارک

اللہ تعالیٰ تم کو عزت دے، اگر تم یہ کہو کہ اس بیان سے مجملاً اتنا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ لوگوں میں سب سے بلند، عزت اور مرتبہ میں سب سے بڑے اور خوبیوں میں سب سے زیادہ کامل ہیں اور کمال خصائل کی تفصیل میں مذہب حسن کی طرف گئے ہو، تو مجھے اس بات نے شوق دلایا کہ میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف و فضائل کی تفصیلات پر بھی مطلع ہو جاؤں۔

تو جان لو! اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے دلوں کو نور ایماں سے منور کرے اور نبی کریم ﷺ کی محبت مجھ میں اور تم میں اور دوگنی ہو۔ جب تم نے ان خوبیوں اور کامل خصلتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا، جو کسی انسان کے کسب و اختیار سے باہر ہیں اور وہ پیدائشی ہیں تو تم نے حضور ﷺ کو ضرور ایسا پایا ہو گا کہ وہ ان تمام خصائل و محاسن کے جامع ہیں اور مختلف اقسام کی نیکیوں کے احاطہ کرنے والے ہیں اور یہ کہ تمام ناقلین اخبار واحادیث کا اس بارے میں اتفاق ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ بعض تو ان میں قطعی اور یقینی درجہ تک پہنچ چکے ہیں۔ اب قدرے تفصیل سراپا ملاحظہ ہو۔

آپ ﷺ کی صورت اور اس کا جمال، اور آپ ﷺ کا اعضاء وقویٰ کے متناسب ہونے میں تو بہت سی احادیث صحیحہ ومشہورہ منقول و مروی ہیں، منجملہ (ان میں سے) ان کے ان صحابہ کرام یعنی حضرت علی، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ، حضرت براء بن عازب، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابن ابی ہالہ، حضرت ابن ابی جحیفہ، حضرت جابر ابن سمرہ، حضرت اُم معبد، حضرت ابن عباس، حضرت معرض بن معیقیب، حضرت ابی طفیل، حضرت عداء بن خالد، حضرت خریم ابن فاتک، حضرت حکیم بن حزام وغیرہم رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث مروی ہے کہ

حضور ﷺ کا گورا رنگ، سیاہ وکشادہ آنکھیں، سرخ ڈورے والی لمبی پلکیں، روشن چہرہ، باریک ابرو، اونچی بینی (ناک)، چوڑے دانت، گول چہرہ، فراخ پیشانی، گھنی ریش مبارک جو سینہ کو ڈھانک لے، شکم و سینہ ہموار، چوڑا سینہ، بڑے کاندھے بھری ہوئی ہڈی، موٹے بازو، کلائیاں و پنڈلیاں ہتھیلیاں فراخ، قدم چوڑے، ہاتھ پاؤں لمبے بدن مبارک جب برہنہ ہو (جب کرتا وغیرہ اوپر سے اٹھا ہوتا) تو خوب چمکتا، سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر، میانہ قد نہ زیادہ طویل نہ زیادہ قصیر، باوجود اس کے جو سب سے زیادہ لمبا شخص ہوتا اگر آپ کے برابر کھڑا ہوتا تو اس سے بلند معلوم

ہوتے۔ (یہ آپ کا معجزہ تھا)۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۹۸/۱)

آپ ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے نہ بلدار، جب آپ ﷺ ہنستے تو دندان مبارک مثل بجلی کے چمکتے، بارش کے اولے کی طرح سفید و شفاف۔ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ نور کی جھڑیاں آپ ﷺ کے دندان مبارک سے جھڑ رہی ہیں، گردن نہایت خوبصورت، نہ آپ ﷺ کا چہرہ بہت بھرا ہوا تھا نہ بہت لاغر، بلکہ بدن کے متناسب ہلکا گوشت تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲۹۸/۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی بالوں والے کو، کہ اس کے بال کندھوں تک لٹکتے ہوں، سرخ لباس میں حضور ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہ دیکھا۔

(مسلم فی الفضائل ۱۸۱۸/۴ بخاری شریف ۱۳۸/۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہ دیکھا، گویا آپ ﷺ کے رخسار مبارک میں سورج تیر رہا ہے۔ جب آپ ﷺ مسکراتے تھے تو دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی۔ (شمائل ترمذی ۱۱۵/۱، مسند امام احمد ۳۵۰/۲، ابن حبان ۴۲/۸)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ آپ کا چہرہ تلوار کی طرح چمکتا تھا۔ آپ نے کہا: نہیں بلکہ چاند و سورج کی طرح چمکتا تھا اور آپ کا چہرہ گول تھا۔ (صحیح مسلم ۱۸۲۳/۴)

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی تعریف کی رفعت میں کہا کہ آپ ﷺ دور سے بہت خوبصورت اور قریب سے نہایت شریں اور حسین معلوم ہوتے تھے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۷۹/۱)

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مثل چمکتا تھا۔ (شمائل ترمذی ۲۱)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور کی تعریف میں یہ آخری الفاظ بیان فرمائے کہ جو شخص اچانک آپ کو دیکھتا، وہ خوفزدہ ہو جاتا جو آپ ﷺ سے ملاقات کرتا وہ حضور سے محبت کرتا تھا۔ (شمائل ترمذی ۲۱)

ہر وہ شخص جو حضور ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان ہے، کہتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے مماثل ہو۔

غرضیکہ حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کتب احادیث میں شرح وسط کے ساتھ مذکور ہے۔ ہم ان سب کو لکھنے سے عاجز ہیں بلکہ ہم آپ ﷺ کی تعریف میں چند نکتوں پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ مجملاً وہ حدیث مقصد میں کفایت کر سکتی ہے جو ذکر کی ہے اور ان فصلوں کو ایک حدیث جامع پر ختم کر دیا جس پر تم انشاء اللہ واقف ہو جاؤ گے۔

تیسری فصل

آپ ﷺ کی نظافت و پاکیزگی

حضور ﷺ کے جسم مبارک کی نظافت اور بدن اقدس اور اس کے پسینہ کی خوشبو اور اس کا میل کچیل اور عیوبات جسمانیہ سے پاک و صاف ہونا یہ ہے کہ اس بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کے سوا کسی میں پائی ہی نہیں جاتی۔

مزید برآں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شرعی نفاست و پاکیزگی اور دس فطری خصلتوں سے بھی مزین کیا۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: بُنِیَ الدِّیْنُ عَلی النَّظَافَةِ دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔ (سنن ترمذی ۱۹۸/۴)

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے جسم مبارک کی خوشبو سے بڑھ کر کسی عنبر، کستوری اور کسی چیز کی خوشبو کو نہ پایا۔ (صحیح مسلم ۱۸۱۴/۴)

حدیث: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان کے رخسار کو چھوا تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے دست اقدس میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو پائی کہ گویا ابھی آپ نے عطار کے ڈبہ سے اپنے ہاتھ کو باہر نکالا ہے۔ (صحیح مسلم ۱۸۱۴/۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی مروی ہے کہ خواہ آپ نے خوشبو لگائی ہوتی یا نہیں لیکن آپ ﷺ جس سے بھی مصافحہ فرماتے تو وہ شخص سارا دن اس کی خوشبو سے معطر رہتا۔

اگر آپ ﷺ کسی بچہ کے سر پر (شفقت سے) اپنے دست اقدس کو پھیرتے تو وہ بچہ خوشبو سے پہچانا جاتا۔ (کہ اس پر حضور نے دست شفقت پھیرا ہے)۔ (صحیح مسلم ۱۸۱۴/۴)

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ آپ ﷺ کو پسینہ آ گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ایک شیشی لائیں اور حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کو جمع کرنے لگیں۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو عرض کیا: میں اس کو اپنی خوشبوؤں میں رکھوں گی کہ یہ سب سے عمدہ اور طیب خوشبو ہے۔ (صحیح مسلم ۱۸۱۵/۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''تاریخ کبیر'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ جس کوچہ و بازار سے گزر فرماتے پھر کوئی شخص اس طرف سے گزرتا تو وہ خوشبو سے پہچان جاتا کہ آپ ﷺ ادھر سے گزرے ہیں۔ (مجمع زوائد ۲۸۲/۸، سنن دارمی ۳۲/۱)

اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو بلاخوشبو لگائے ہوتی تھی۔ (یعنی آپ کے جسم کی ذاتی خوشبو ہوتی تھی)

حدیث: مزنی اور حربی رحمہما اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کے پیچھے مجھ کو بٹھا لیا۔ اس وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کو اپنے منہ میں لے لیا تو کستوری کی خوشبو مجھے معلوم ہوئی۔ (مختصر تاریخ ابن عساکر ۳۶۱/۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و اخبار میں بعض محدثین نے بیان کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین شق ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بول و براز نگل جاتی۔ صرف وہاں خوشبو ہی خوشبو معلوم ہوتی۔

محمد بن سعد کاتب واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء جاتے ہیں لیکن وہاں پر ہم رفع حاجت کا کوئی نشان نہیں پاتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تم کو معلوم نہیں کہ زمین ان فضلات کو نگل جاتی ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام سے نکلتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی ایسی چیز ہرگز نہ دیکھو گی۔ (حاکم ۷۰/۴)

گو یہ حدیث مشہور نہیں لیکن اہل عالم کا ایک طبقہ یہ ضرور مانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بول و براز پاک تھا اور یہی بعض شوافع کا قول ہے۔ جس کو امام ابونصر بن صباغ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''شامل'' میں نقل فرمایا اور دونوں قولوں کو علماء سے نقل کرکے ابوبکر بن سابق المالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''البدیع فی فروع المالکیہ اور اس سے قبل میں ان کی تخریج کو بھی بیان کیا جن مسائل میں مذہب مالکی پر شوافع کی تفریعات نہیں ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اقدس میں کوئی ایسی چیز ہے ہی نہیں جو مکروہ ناپسندیدہ ہو۔

حدیث: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا۔ پس میں دیکھنے لگا کہ کوئی ایسی چیز تو نہیں نکلی جو میت میں سے نکلتی ہے۔ میں نے وہاں کچھ نہ پایا۔ تب میں نے کہا (یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم) آپ کی زندگی بھی طیب و طاہر اور آپ کی ممات (بعد وصال) بھی پاک و صاف۔ فرماتے ہیں کہ بدن اقدس سے ایسی خوشبو نکلی کہ میں نے اس سے قبل کبھی نہ پائی تھی۔ (سنن ابن ماجہ ۱/۱۴۷، حاکم ۳۶۲/۳)

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ جب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد پیشانی کا بوسہ دیا تھا۔ (البزار ۴۰۲/۱)

اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ مالک ابن سنان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں (آپ کے زخم سے) خون پی لیا تھا اور اس کو چوسا تھا اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے جائز قرار رکھتے ہوئے فرمایا: اس کو آگ ہرگز نہ پہنچے گی۔ (طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد ۸/۲۸۰)

اسی طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے (حجامت، سینگی) کا خون پی لیا تھا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: وَيْلٌ لَكَ مِنَ النَّاس وَوَيْلٌ لَهُمْ مِنْكَ افسوس ہے لوگوں پر تم سے اور افسوس ہے تم پر لوگوں سے اور اس پر انکار نہ فرمایا۔ (حاکم ۳/ ۵۵۳، بزار ۳/ ۱۴۵ مجمع زوائد ۸/ ۲۷۰)

اسی طرح ایک عورت کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک (پیشاب) پی لیا تھا۔ اس پر آپ نے اس عورت سے فرمایا: لَنْ تَشْتَكِي وَجْعَ بَطْنِكَ اَبَدًا یعنی کبھی تجھ کو پیٹ کی بیماری نہ ہوگی اور ان میں سے کسی کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ دھونے کا حکم نہ فرمایا نہ دوبارہ ایسا کرنے سے منع فرمایا اور وہ حدیث جس میں عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک پی لیا تھا، صحیح ہے۔

(الطبرانی فی الکبیر ۲۴/۱۸۹)

دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم و بخاری رحمہما اللہ کی طرح صحت میں التزام کیا ہے اور اس عورت کا نام ''برکتہ'' ہے اس کے حسب و نسب میں اختلاف ہے۔

ایک روایت میں وہ عورت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی تھی۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو چار پائی (سراہنے) کے نیچے رکھا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اس میں بول کیا کرتے تھے۔ پس ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں بول کیا۔ پھر (صبح کو) پیالہ دیکھا تو اس میں کچھ نہ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت سے اس بارے میں دریافت فرمایا۔ تو برکت نے عرض کیا: میں رات کو اٹھی تو پیاس لگ رہی تھی میں نے اس کو لاعلمی میں پی لیا۔ اس حدیث کو ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سوا دوسروں نے بھی روایت کیا۔

(ابوداؤد کتاب الطہارت ۱/ ۲۸، نسائی فی البول ولا نا ۱/ ۳۱، ابن حبان ۲/ ۳۴۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں پیدا ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختون (ختنہ شدہ) اور ناف بریدہ تھے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/ ۱۵۳ مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی صغیر واوسط ۸/ ۲۲۴)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا والدہ ماجدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پاک وصاف جنا کہ (عموماً پیدائش کے وقت جو آلائش نکلتی ہے) کسی قسم کی ناپاکی نہ تھی۔

(طبقات ابن سعد ۱/ ۱۰۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر نہ دیکھا۔ (شمائل ترمذی / ۲۸۳، سنن ابن ماجہ ۱/ ۱۲۷)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے سوا اور کوئی غسل نہ دے کیونکہ جو بھی میرے ستر پر نظر ڈالے گا وہ اندھا ہو جائے گا۔
(بزاز ۱/ ۴۰۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۷/ ۲۴۴)

عکرمہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے یہاں تک کہ نیند کی آواز معلوم ہونے لگی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کر دی اور وضو نہیں کیا اس پر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ تھے (یعنی حضور کی نیند غفلت کی نہ تھی جو ناقص وضو ہوتی) (صحیح بخاری ۱/ ۲۹۔ ۱۱۷، صحیح مسلم ۴/ ۱۸۷۵)

چوتھی فصل

آپ ﷺ کا فہم و ذکا، عقل و خرد

حضور ﷺ کی عقل کامل اور اس کی ذکاوت اور آپ ﷺ کے حواس مبارکہ کی قوت اور زبان کی فصاحت اور افعال و حرکات میں میانہ روی و مناسبت اور حسن و جمال میں ملاحت یہ ہے کہ یقیناً آپ تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند، ان میں سب سے زیادہ ذکی تھے۔

جو شخص حضور ﷺ کی تدابیر پر غور کرے گا خواہ وہ تدابیر آپ ﷺ کے باطنی یا ظاہری اخلاق کریمہ سے متعلق ہوں یا عام و خاص سیاست سے وابستہ ہوں وہ سب کے سب آپ ﷺ کے حالات عجیبہ اور خصائل حمیدہ کے علاوہ آپ ﷺ کے ان علم و فضل پر جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ پر علم کا اضافہ ہوا ہے جس کو شریعت مطہرہ نے ثابت کیا ہے جن کو نہ کبھی آپ ﷺ نے کسی سے سیکھا اور نہ کبھی پہلے سے اس کی مشق کی اور نہ ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ آپ ﷺ کے مرتبہ وفضیلت پر دلالت کرنے والی پائے گا اور آپ ﷺ کے کمال عقل و بصیرت کا بالضرور قائل ہو کر رہے گا۔

اور یہ بات بالکل بدیہی ہی ہے اس کیلئے کسی ثبوت و دلیل یا بیان وتقریر کی قطعاً حاجت نہیں۔

وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اکہتر پچھلی کتابوں میں پڑھا ہے ان سب میں یہی پایا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ عقل میں اعلیٰ اور رائے میں افضل ہوں گے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ میں نے ان سب میں یہی پایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے دنیا پیدا کی ہے اس وقت سے دنیا کے خاتمہ تک جس قدر عقل تمام لوگوں کو ملی ہے وہ حضور ﷺ کی عقل کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تمام دنیا کے ریت کے ذرات کے مقابلہ میں ریت کا ایک ذرہ ہوتا ہے۔

مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنے پیچھے مقتدیوں کی حالت بھی اس طرح ملاحظہ فرماتے جس طرح کوئی سامنے ہو اور یہی تفسیر تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (النمل ۲۱۹) کے فرمان میں انہوں نے کی ہے۔ (صحیح بخاری ۲/ ۳۵۰، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۳۲۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۷۴)

مؤطا (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ بیشک میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ (مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کمانی مناہل الصفاء للسیوطی ۱/ ۴۵)

اسی طرح صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ یہ وہ زیادتی ہے جس کو اللہ نے آپ ﷺ کی (صحت نبوت

کی) حجت کیلئے زیادہ فرمایا۔

بعض روایات میں یہ ہے کہ اِنِّیْ لَاَنْظُرُ مِنْ وَّرَائِیْ کَمَا اَنْظُرُ مِنْ بَیْنَ یَدَیَّ (بلاشبہ یقیناً میں اپنے پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے کوئی میرے سامنے ہو)

(مصنف عبدالرزاق، حاکم ۲۳۶/۱، مجمع الزوائد ۸۹/۲)

دوسری روایت میں یہ ہے کہ اِنِّی لَاُبْصِرُ مِنْ قَفَایَ کَمَا اُبْصِرُ مِنْ بَیْنَ یَدَیَّ میں اپنی گردن کے پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے کوئی میرے سامنے ہو۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ۳۱۹/۱)

بقی بن مخلد رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں اس طرح دیکھتے جس طرح روشنی میں (دلائل النبوۃ للبیہقی/۷۵، الکامل لابن عدی ۴/ ۱۵۳۴) اور بہت سی روایتوں میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کو اور شیطانوں کو دیکھا ہے اور نجاشی (بادشاہ حبش) کا جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر کیا گیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی (مسند ابی یعلی ۷ / ۲۵۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ۵ /۲۴۶) اور بیت المقدس اس وقت پیش نظر کیا گیا جب قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی توصیف بیان کرنے کی خواہش کی (صحیح بخاری ۲ / ۶۱، صحیح مسلم ۱/ ۱۵۷) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد شریف کی تعمیر فرمائی تو کعبہ سامنے لایا گیا (اخبار مدینہ ابن بکار رحمۃ اللہ کمافی مناہل الصفاء /۴۶) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثریا میں گیارہ ستارے دیکھ لیا کرتے تھے۔

یہ تمام روایتیں چشم مبارک سے ملاحظہ فرمانے پر محمول ہیں۔ یہی قول حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسروں کا ہے لیکن بعض نے ان کو علم کی طرف پھیرا ہے حالانکہ ظاہر عبارات اس کے مخالف ہیں اور اس میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کے خصوصی فضائل ہیں۔

جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی فرمائی تو آپ چیونٹی کو اندھیری رات میں سات فرسخ سے صاف دیکھ لیتے تھے۔ (معجم صغیر طبرانی / ۶۲)

یہ کچھ دشوار نہیں ہے کہ یہ ہمارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے بعد ان باتوں اور فائدوں کے ساتھ خاص کر دیا ہو جو اس باب میں ہم نے ذکر کی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی نشانیوں کو دیکھا۔

یہ تو حدیثوں میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ (پہلوان) جو اپنے وقت کا مانا ہوا قوی پہلوان تھا کو زیر کیا اور آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور یہ کہ رکانہ کے باپ (ابو رکانہ) کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمان جاہلیت میں زیر کیا حالانکہ وہ بہت قوی اور بہادر تھا لیکن تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو

پچھاڑا۔ (سنن ابوداؤد ۴/۳۴۱ سنن ترمذی ۳/۱۵۸۔۱۵۷)

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ چلنے میں تیز کسی کو نہ دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے زمین لپیٹی جاتی تھی۔ ہم چلنے میں دشواری محسوس کرتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سبک ونرم رفتار میں چلتے جاتے تھے۔ (شمائل ترمذی /۱۱۵، دلائل نبوۃ للبیہقی ۱/۲۰۹)

اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص صفت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی (صرف) تبسم ہوتی تھی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی طرف نظر التفات (توجہ) فرماتے تو پوری طرح توجہ فرماتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو اچھی رفتار چلتے۔ گویا کہ اوپر سے نیچے ڈھلوان پر چل رہے ہیں۔

پانچویں فصل

آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت

آپ ﷺ کی زبان کی فصاحت اور کلام کی بلاغت کا یہ حال تھا کہ حضور ﷺ اس صفت میں سب سے افضل مقام پر ہیں اور ایسا ہر موقع پر ہوتا کہ کوئی غافل آپ ﷺ کی طبعی سلاست پر محمول کئے بغیر نہ رہتا۔ آپ ﷺ کا کلام نکتہ رس الخیف اور مختصر مگر جامع (بلاغت) سے بھرپور، زوائد سے معری اور معانی میں صحیح ہوتا۔ بلاتکلف جوامع الکلم آپ ﷺ کو مرحمت ہوئے جو حکمت کے عجائبات سے پر ہوتے اور آپ ﷺ کو محاورات عرب پر پورا عبور حاصل تھا۔ عرب کے ہر قبیلہ سے اس کی زبان، اس کے محاورات، ان کی بولی میں ان پر (معارضہ) فرماتے یہاں تک کہ بسا اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی دشواری ہوتی اور آپ ﷺ سے اس کی شرح دریافت کرتے۔

جو شخص بھی آپ ﷺ کے ارشادات (احادیث کریمہ) پر غور و فکر کرے گا وہ اس کو جان لے گا اور اس کو متحقق ہو جائے گا کہ آپ ﷺ جس طرح قریش وانصار سے کلام فرماتے تھے ویسا اہل حجاز ونجد سے نہ فرماتے تھے۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے ذی المشعار ہمدانی، طہفۃ النہدی، قطن بن حارثہ علیمی، (طبقات ابن سعد ۱/۳۳۵) اشعث بن قیس، وائل بن حجر کندی وغیرہ جو حضر موت کے سردار اور یمن کے بادشاہ سے کلام فرمایا۔

آپ ﷺ کے اس خط پر غور کرو جو ہمدان کی طرف لکھ کر بھیجا تھا۔ اس میں آپ ﷺ نے لکھا کہ تمہارے لئے چوٹیاں، پست زمین اور سخت زمین ہے۔ اس کی لاوارث زمین میں تم اپنے جانور چراؤ۔ ہمارے لئے ان کے جانوروں اور کھجوروں میں اتنا ہے جو وہ معاہدہ اور امانت سے دیں اور ان کیلئے زکوٰۃ میں وہ معاف ہے جو بوڑھے اونٹ اور اونٹ کے بچے اور بوڑھی گائے جو کہ چرنے کیلئے نہ جائیں اور سرخ رنگ کے مینڈھے ہیں اور ان سے اس کی زکوٰۃ لی جائے گی جو گائے اور اونٹ چھ سالہ ہو اور وہ گھوڑے جو پانچ سالہ ہوں۔ (غریب الحدیث ۱/۲۸۰)

اسی طرح آپ ﷺ کے اس فرمان پر غور کریں "جو نہد" سے فرمایا۔ اے اللہ تعالیٰ ان کے خالص دودھ، لسی اور مکھن میں برکت دے۔ ان کے بادشاہ کو بہت سا مال دے اور ان کے تھوڑے پانی کو بہت سا کر دے۔ اے اللہ ان کے مال واولاد میں برکت دے وہ مسلمان ہے جو نماز کو قائم کرے اور وہ نیکو

کار ہے جو زکوٰۃ ادا کرے اور وہ مخلص ہے جو گواہی دے کہ خدا کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں۔

اے اولاد ہند! حالت شرک کی امانتیں اور بادشاہوں کے وظیفے (تمہارے ہیں) زکوٰۃ کو نہ روکو، زندگی میں حق سے تجاوز نہ کرو اور نمازوں میں سستی نہ کرو۔ حضور ﷺ نے نصاب زکوٰۃ میں لکھا کہ تمہارے لئے بوڑھے اونٹ اور گائے اور وہ جانور جو ابھی بچے ہیں اور وہ گھوڑا سواری کے لگام والا (جوا ڑتا) ان کو تمہاری چراگاہ سے نہ روکا جائے گا۔ بڑے درخت نہ کاٹے جائیں گے دودھ والے جانور کو نہ روکا جائے گا اور جب تک تم دل میں نفاق نہ پیدا کرو اور بدعہدی کا اظہار نہ کرو گے۔ اس وقت تک بقیہ کھاؤ جو اقرار کرے اس پر عہد کی وفا اور ذمہ لازم ہے اور جو انکار کرے اس پر زیادتی (یعنی جزیہ) ہے۔ (حاکم ۴/۳۲۷)

اور آپ ﷺ کے اس خط پر بھی غور کرو جو وائل بن حجر، سرداران یمن اور ان کے خوبصورت نوجوانوں کو لکھا۔ اس میں تھا کہ چالیس بکریوں میں سے ایک ایسی بکری جو دبلی ہو نہ موٹی بلکہ درمیانی دیا کرو۔ اگر دفینہ برآمد ہو تو اس میں پانچواں حصہ دو، جو کنوارہ شخص زنا کرے اس پر سو (۱۰۰) درے لگاؤ اور ایک سال کیلئے شہر بدر کر دو (شہر بدر کا حکم مذہب حنفی میں منسوخ ہے مترجم) اور جو شادی شدہ زنا کرے اسے رجم کر دو (پتھروں سے مار ڈالو) دین میں سستی نہ کرو اور خدا کے فرائض میں لا پرواہی نہ برتو۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (غریب الحدیث ۱/۱۴۷، معجم صغیر ۱۳۱)

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سرداران یمن کے امیر تھے غور کرو۔ یہ خطوط اس خط سے کہاں ملتے ہیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لکھ کر دیا تھا اور وہ فرائض میں مشہور ہے۔ چونکہ ان لوگوں کی بول چال ہی ایسی تھی اور ان کی بلاغت ہی یہ تھی اور ان کے محاورات ہی یہ تھے۔ اس لئے حضور ﷺ نے ان کیلئے ان ہی کا طرز خطاب روا کیا تاکہ لوگوں پر وہ باتیں ظاہر کریں جو آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور یہ کہ لوگوں کو آپ ﷺ اسی طرح تعلیم دیں جس طرح ان کی بول چال ہے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم کمافی مناہل الصفاء للسیوطی /۴۸)

جیسا کہ عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ **فَإِنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْطِيَةُ وَالْيَدُ السُّفْلَى هِيَ الْمُنْطَاةُ** اوپر کا ہاتھ دینے والا اور نیچے کا ہاتھ لینے والا ہے۔ عطیہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری لغت میں کلام فرمایا۔ (مستدرک ۴/۳۲۷، سنن بیہقی کتاب الزکوۃ ۴/۱۹۸)

اسی طرح حدیث عامری رضی اللہ عنہ میں ہے جب انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے سے سوال کر یعنی جو چاہے سوال کر۔ یہ بنی عامر کی بول چال ہے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم کمانی مناہل الصفاء للسیوطی / ۴۸)

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عام ارشادات وہ فصاحت کے شاہکار جوامع الکلم اور حکمتوں سے بھرپور ہیں اور وہ زبان استعمال فرمائی ہے جس میں شاعروں کے بالعموم دیوان ہیں اور وہ عام کتب میں جاری وساری ہیں، ان میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات تو ایسے ہیں کہ ان کا فصاحت و بلاغت میں کوئی موازنہ ہی نہیں کرسکتا۔ جیسے اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَکَافَؤُا دِمَاءُ هُمْ وَيَسْعٰی بِذِمَّتِهِمْ اَدْ نَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰی عَنْ سِوَاهُمْ تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں ان میں سے ادنیٰ شخص کے ذمہ لینے سے سب پر وفا ہو جاتی ہے وہ سب ایک ہاتھ ہیں ان پر جو ان کا مخالف ہے۔ یعنی وہ سب متحد و متفق ہیں اور یہ اتفاق ان کی زبردست طاقت ہے۔ (سنن ابن ماجہ ۲/ ۸۹۵، سنن ابوداؤد ۳/ ۱۸۳۰، سنن نسائی ۸/ ۲۴)

اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "اَلنَّاسُ کَاَ سنانِ الْمُشْطِ (مکارم الاخلاق لابن لال عن سھل بن سعد رضی اللہ عنہ کمانی مناہل الصفاء للسیوطی /۴۹) وَالْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (بخاری شریف ۸ / ۳۳، مسلم شریف ۴ / ۲۰۳۴، ترمذی شریف ۴/ ۲۲) وَلَا خَيْرَ فِي صُحْبَةِ مَنْ لَّا يَرَی لَكَ مَا تَرٰی لَهٗ (الکامل لابن عدی ۳/ ۱۰۹۷) وَالنَّاسُ مَعَادِنٌ (صحیح بخاری ۴ / ۱۴۲ - ۱۴۳، صحیح مسلم ۴/ ۲۰۳۱) وَمَاهَلَكَ اِمْرُؤٌ عَرَفَ قَدَرَهٗ (تاریخ ابن سمعانی کمانی مناہل الصفاء للسیوطی / ۴۹) وَالْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ وَهُوَ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَكَلَّمْ (ابوداؤد شریف ۲ / ۱۲۳۳، ابن ماجہ ۲ / ۱۲۲۳، دارمی ۲/ ۲۱۹) وَرَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا (مسند الفردوس للدیلمی ۲/ ۲۵۹، الاحیاء ۳/ ۷، والفیض القدیر ۴/ ۲۴) قَالَ خَيْرًا فَغَنِمَ اَوْسَكَتَ فَسَلِمَ"۔

ترجمہ یعنی لوگ کنگھی کے دانتوں کی طرح ہیں اور آدمی اس کے زمرہ میں ہے۔ جس سے وہ محبت رکھتا ہے، اس شخص کی صحبت میں بھلائی نہیں جو تیرے لئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور لوگ کانیں (معدن) ہیں اور وہ آدمی ہلاک نہیں ہوتا جو اپنی قدر پہچانتا ہے جس سے مشورہ طلب کیا جاتا، وہ امانت دار ہوتا ہے۔ وہ جب تک کلام نہ کرے مختار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو اچھی بات کہے تو وہ غنیمت ہے یا خاموش رہا تو سلامتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اَسْلِمْ وَتَسْلَمْ اسلام لا۔ سلامتی میں رہے گا۔ وَاَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ اور اسلام لا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو دوگنا ثواب رحمت فرمائے گا۔

(بخاری شریف ۲/ ۳۰، مسلم شریف ۳۱/ ۱۳۹۶)

وَاِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبَكُمْ مِنِّیْ مَجَالِسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَاسِنُكُمْ اِخْلَاقًا۔

ترجمہ اور بیشک تم میں وہ شخص مجھے زیادہ محبوب ہے اور قیامت کے دن وہ میرے زیادہ قریب ہو

گا جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ (سنن ترمذی شریف ۳/۳۴۹)

اَلْمُوَطَّئُوْنَ اَكْنَافًا الَّذِيْنَ يَاْلَفُوْنَ وَيُؤْلَفُوْنَ۔

ترجمہ متواضع اور خاکسار وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے لَعَلَّهٗ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِمَالَا يَعْنِيْهِ شاید کے وہ لایعنی اور لغو باتیں کرتا رہا اور بے فائدہ کنجوسی کرتا رہا ہو۔ (سنن ترمذی ۳/۳۸۲)

اور حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ذُوْالْوَجْهَيْنِ (دورخی) باتیں کرنے والا اللہ کے نزدیک اچھا نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد شریف ۵/۱۹۱۔۱۹۰)

اور حضور ﷺ نے قِيْلَ وَّقَالَ (کج بحثی) اور کثرت سوال، اضاعت مال اور (جائز و ناجائز) جمع مال اور والدین کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری شریف ۸/ ۸۴، مسلم شریف ۳/ ۱۳۴۰۔۱۳۴۱)

اور حضور ﷺ فرماتے ہیں: جہاں کہیں ہو اللہ سے ڈرتا رہ، برائی کے بدلے نیکی کر کیونکہ نیکی برائی کو مٹا دیتی ہے، لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آ (سنن ترمذی ۳/ ۲۳۹، حاکم ۱/ ۵۴) بہترین کام میانہ روی ہے۔ (تاریخ ابن سمعانی ۵۱) اپنے دوست کو کم راز دار بنا ممکن ہے کہ وہ کسی وقت تیرا دشمن ہو جائے۔ (البخاری الادب المفرد ۴۴۴، سنن ترمذی ۴/ ۲۴۳)

ارشاد ہے سب سے بری اندھیری قیامت کی تاریکی ہے۔

(بخاری شریف ۳/ ۱۱۳، مسلم شریف ۴/ ۱۹۹۶، ترمذی ۳/ ۲۵۵)

حضور ﷺ نے بعض دعائیں اس طرح کی ہیں ۔ اے اللہ میں تجھ سے اس رحمت کا سوال کرتا ہوں جو تیرے نزدیک میرے دل کی ہدایت کرنے والی ہو اور میرے کام مجھ پر آسان کر دے، میری پراگندگی کو دور کر دے ۔ میرے دل کی اصلاح فرما دے اور میرے ظاہر کو اس سے بلند کر دے اور میرے عمل سنوار دے۔ میری درستگی کو بتلا دے اور اس سے میری محبت وابستہ کر دے اور مجھ کو ہر برائی سے محفوظ رکھ۔

اے اللہ! قضا وقت صحت و درستگی، شہیدوں کا مرتبہ، نیکوں کی زندگی اور دشمنوں پر فتح یابی کی دعا مانگتا ہوں۔ (سنن ترمذی کتاب الدعوات ۵/ ۱۴۷)

محدثین کی ایک جماعت نے محدثین کے کثیر افراد سے حضور ﷺ کے مراتب و مقامات، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ان میں کسی کو اختلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس مرتبہ کے فصیح و بلیغ ہیں کہ کسی کے کلام کو ان پر قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا اور وہ اس قدر لائق ہیں کہ کوئی اس کے ہم مثل لانے پر قادر ہی نہیں۔

بلاشبہ محدثین نے جو کلمات جمع کئے ان پر کوئی قدرت رکھتا ہی نہیں کہ ان کو دل میں سمو کر اپنے الفاظ میں ہم معنی و مطلب ڈھال کر بیان کر سکے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ حَمِيَ الْوَطِيْس (مسلم شریف ۳/۱۳۹۹، دلائل النبوۃ ۵/۱۲۷) (تنور گرم ہوا) یعنی لڑائی بھڑ کی مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهٖ (الشعب للبیہقی رحمۃ اللہ علیہ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی/۵۲) وہ اپنی موت مرا یعنی بغیر مار پیٹ اور قتل وغیرہ کے مرا اور فرمایا: وَلَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَيْنِ (بخاری شریف ۸/۲۷) مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ وَالسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ (الدیلمی عن عقبہ بن عامر رحمہ اللہ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی/۵۲) نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کریں۔

اس قسم کے دوسرے ارشادات ہیں جن کے دیکھنے والے کو اس کے مضامین محو حیرت بنا دیتے ہیں اور وہ الفاظ کے مختصر ہونے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔

بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ ہم نے کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر فصیح نہیں دیکھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کون روک سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم صاف عربی میں میری زبان پر نازل ہوا۔ (البیہقی فی الشعب من طریق عباد من العوام کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ۵۲)

ایک اور مرتبہ فرمایا: میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں مگر یہ کہ میں قریشی ہوں اور بنی سعد میں پرورش ہوئی۔ (النھایہ ۱/۱۷۱)

اسی سبب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بدری فصاحت، شیریں کلامی، دیرینہ خالص عربی بولی اور اس کی مضبوطی جمع کر دی گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں جلا (رونق) تائید الٰہی سے بھی ہوئی جو اس وحی کی مدد کے ذریعہ جس کے علم تک انسان کے علم کی رسائی اور اس کا احاطہ ممکن نہیں۔

ام معبد رضی اللہ عنہا نے آپ کے کلام میں فصاحت و بلاغت کی تعریف میں کہا کہ آپ شیرین کلام تھے نہ زیادہ بولتے (کہ سننے والے کو گراں گزرے) اور نہ کم بولتے (کہ سننے والا مفہوم ہی نہ سمجھے) آپ کا کلام ایک موتیوں کی لڑی ہوتا کہ موتی پر ودیئے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز اور خوش گلو تھے۔ (دلائل النبوۃ فی البیہقی ۱/۲۷۹)

چھٹی فصل

آپ ﷺ کی نسبی شرافت، آپ ﷺ کے شہر کی بزرگی اور آپ ﷺ کی نشو ونما

ان کے ثبوت کیلئے کسی دلیل کی حاجت نہیں اور نہ ان کا بیان مشکل ہے۔ یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ آپ ﷺ قبیلہ بنی ہاشم کے منتخب اور خالص نسل قریش میں سے ہیں۔ سارے عرب میں آپ ﷺ اشرف اور والدین کے لحاظ سے آپ ﷺ سب میں معزز ہیں اور آپ ﷺ اس شہر مکہ کے رہنے والے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے نزدیک تمام شہروں میں سب سے زیادہ مکرم ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بالاسناد مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیشک میں اولاد آدم علیہ السلام کے پے در پے بہتر زمانوں میں بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ میں اس قرن میں ہوا جس میں کہ ہوں۔ (بخاری شریف کتاب المناقب ۴/۱۵۱، مسند امام احمد ۲/۴۱۷، ۲/۳۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرما کر مجھے ان کے بہتر زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ میں پیدا فرمایا، پھر قبیلوں کو پسند کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں کیا۔ پھر گھروں کو پسند کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں بنایا۔ اس لئے میں ان کے بہترین افراد اور بہترین گھروں میں سے ہوں۔ (سنن ترمذی ۵/۲۴۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/۱۷۴)

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قبیلہ بنی کنانہ کو منتخب کیا، پھر قبیلہ بنی کنانہ میں سے قریش کو فضیلت دی، پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو اشرف کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو پسند کیا۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن ترمذی ۵/۲۴۳، صحیح مسلم ۵/۱۷۸۲)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بنی آدم کو پسند کیا، پھر بنی آدم میں سے اہل عرب کو، پھر عرب میں سے قریش کو، پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو، پھر بنی ہاشم میں مجھے پسند فرمایا۔ اس لئے میں بہتروں میں سب سے بہتر، ہمیشہ رہا ہوں۔ پس جو عرب سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت کی بنا پر محبت کرتا

ہے اور جوان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھتا ہے۔

(طبرانی ۱۲/۴۰۰، حاکم ۴/۸۷۔۸۶، دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/۶۷ مجمع الزوائد ۸/۲۱۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نور تھی۔ وہ نور اقدس اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول تھا اور فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو وہ نور اقدس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلب میں رکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرف صلب آدم علیہ السلام میں اتارا۔ پھر مجھ کو صلب حضرت نوح علیہ السلام میں منتقل کیا۔ پھر صلب ابراہیم علیہ السلام میں مجھ کو (نار نمرود میں) ڈالا، اسی طرح ہمیشہ اللہ مجھ کو معزز و مکرم پشتوں (اصلاب) اور طیب و پاکیزہ رحموں (رحم مادر) میں منتقل فرماتا رہا۔ حتیٰ کہ مجھ کو ان والدین سے پیدا فرمایا جو کبھی زنا کے قریب تک نہ گئے تھے۔

(ابن عمر العدنی فی مسندہ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی/۵۳)

اس حدیث کی صحت پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ شعر گواہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں مشہور ہے۔

ساتویں فصل

ضروریات زندگی کی اقسام سے پہلی قسم

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زندگی کی ضروریات جس چیز کی خواستگار ہوتی ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں۔

1- کمی کی فضیلت۔
2- کثرت کی فضیلت۔
3- مختلف حالتیں۔

لیکن کمی کی مدح وکمال شرعاً اور عادتاً ہرطرح بالا تفاق محمود ہے جیسے غذا اور نیند (کہ کم غذا کھانا اور کم سونا تعریف کے لائق ہے) اہل عرب اور تمام حکماء اس میں کمی کی ہمیشہ تعریف کرتے رہے ہیں اور ان میں زیادتی و کثرت کی برائی بیان کرتے رہے ہیں کیونکہ زیادہ کھانا پینا، نیند اور حرص وشہوت پر دلالت کرتا ہے اور شہوت کا غلبہ دنیا و آخرت میں نقصان دہ ہے اور جسم کی بیماریاں، سانس کی تنگی اور امتلاء دماغ کا موجب ہوتا ہے۔

اور کم کھانا پینا، قناعت، نفس پر بھروسہ، قاطع شہوت، موجب صحت، صفائے قلب اور ذہن کی تیزی پر دلالت کرتا ہے۔ جس طرح نیند کی زیادتی سستی، کمزوری، کند ذہنی، ضعف اعصاب، کسلمندی، عاجزی کی عادت، بے فائدہ عمر کی اضاعت، قساوت قلب اور اس کی غفلت وموت پر شاہد ہے اور یہ بالکل بدیہی بات ہے اور ہمارے مشاہدے میں ہے اور گزشتہ امتوں اور حکیموں اور شعرائے عرب کے کلاموں میں اور اخبار و احادیث صحیحہ آثار سلف و خلف میں بتواتر منقول ہے جس پر کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ ہم نے اس کو یہاں اختصاراً اور (اس کی) شہرت کی بناء پر اسی پر اکتفا کیا۔

حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں (غذا و نیند کی) قسموں میں بہت ہی کم حصہ لیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی وہ عادت کریمہ ہے جس پر کسی کو مجال انکار نہیں اور یہ وہی عات ہے جس کا حکم حضور ﷺ نے دیا ہے اور اس کی ترغیب دلائی ہے۔ خصوصاً ان دونوں میں باہمی ربط ہے۔

حدیث: مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بالا سناد مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اولاد آدم علیہ السلام نے پیٹ سے بڑھ کر برا کوئی برتن نہیں پر کیا حالانکہ اولاد آدم علیہ السلام کیلئے چند لقمے کافی تھے جو اس کی زندگی باقی رکھ سکتے تھے اور اگر وہ کھانے پر اتنا ہی مجبور ہے تو (بھوک کے تین حصے

کرے) ایک ثلث غذا، ایک ثلث پانی اور ایک ثلث سانس کیلئے رکھے اور نیند کی زیادتی دراصل کھانے پینے کی کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (سنن ترمذی ۴/۱۸، سنن ابن ماجہ ۲/۱۱۱۱، حاکم ۴/۳۳۱)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تھوڑا کھانا رات کی بیداری کا مالک بنا دیتا ہے۔ سلف کے بعض علماء فرماتے ہیں کہ زیادہ نہ کھاؤ اور نہ زیادہ پانی پیو اور نہ زیادہ سوؤ ورنہ تم زیادہ نقصان اور خسارہ اٹھاؤ گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ سب سے زیادہ محبوب کھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ ہے جو مل کر کھایا جائے یعنی اس کھانے پر زیادہ ہاتھ پڑیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھانا شکم سیر ہو کر نہ ملاحظہ فرمایا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ اقدس میں جلوہ فرما ہوتے تو کبھی ان سے کھانا طلب نہ فرماتے اور نہ خواہش ہی ظاہر فرماتے۔ اگر وہ لوگ کھانا پیش کر دیتے تو ملاحظہ کر لیتے اور جو کچھ بھی وہ کھانا لاتے قبول فرما لیتے اور جو وہ پلاتے پی لیتے۔

اس پر حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری ۳/۶۲) سے معارضہ نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا بات ہے میں ہنڈیا میں گوشت نہیں دیکھتا۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال کا مقصد ان کے اس گمان کا دور کرنا تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ (صدقے کا) گوشت بطور ہدیہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حلال نہیں ہے۔ یہ سنت کی تعلیم کیلئے سوال تھا۔ جب ان کو دیکھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش نہیں کرتے باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی طرح ترجیح نہیں دیتے تھے تو ان کے گمان کی تصدیق فرماتے ہوئے ان کو مسئلہ کی ناواقفیت پر آگاہ فرمایا اور یہ فرما دیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیلئے تو یہ صدقہ ہے لیکن ان کی طرف سے ہمارے لئے یہ ہدیہ ہے۔

حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی حکمت میں ہے کہ اے میرے بیٹے جب تو معدہ کو بھرے گا تو تیری فکر سو جائے گی اور تیری حکمت گونگی ہو جائے گی اور تیرے خدا کی بندگی سے بیٹھ جائیں گی۔

سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس شخص کو علم فائدہ نہیں پہنچاتا جو اتنا کھائے کہ پیٹ بھر جائے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

(صحیح بخاری ۷/۶۲، سنن ابو داؤد ۳/۱۴۰، سنن ابن ماجہ ۱/۸۹)

ٹیک لگانا یہ ہے کہ کھاتے وقت سہارا لے اور بیٹھنے میں مکمل ٹیک لگانا یہ ہے کہ چوکڑی مار کر

بیٹھے اور اسی کے مشابہ وہ نشست ہے جو بیٹھنے والا کسی پر تکیہ لگائے۔ ان صورتوں میں کھانے والا بہت کھا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کھانا اس طرح تناول فرماتے کہ آپ پاؤں کے بل بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے رکھتے۔ (صحیح مسلم ۲/۱۶۱۶)

اور فرماتے ہیں کہ میں بندہ ہوں، اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح غلام بیٹھتا ہے۔

(مسند الفردوس ۳۴۱۱، طبقات ابن سعد ۱/۳۸۱ مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۱۱۵، تاریخ ابن عدی ۵/ ۱۹۷۱)

اور محققین کے نزدیک ٹیک لگانے کے یہ معنی نہیں کہ کسی پہلو پر جھک جائے۔

اسی طرح حضور ﷺ بہت کم سوتے تھے۔ اس پر بکثرت آثار صحیحہ شاہد ہیں۔ پھر بھی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ۔ بیشک میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ (صحیح مسلم جلد۴/۱۵۲، صحیح مسلم ۱/۵۰۹)

اور حضور ﷺ کی نیند داہنے پہلو پر ہوتی تھی۔ اس سے کم سونے پر مدد لیتے تھے۔

(شمائل ترمذی/ ۲۱۹، عمل الیوم والیلہ/ ۴۶۰)

کیونکہ بائیں طرف دل ہے اور وہ باطنی اعضاء ہیں (جن پر) بائیں طرف لیٹنے سے نیند میں ناخوشگوار اس کا دل معلق اور بے چین رہتا ہے تو جلدی وہ بیدار ہو جاتا ہے اور گہری نیند اس کو مستغرق نہیں کرتی۔

آٹھویں فصل

ضروریات زندگی کی دوسری قسم

ضروریات زندگی کی دوسری قسم جس کی زیادتی و کثرت پر بالا تفاق تعریف کی جاتی ہے اور اس کی کثرت پر فخر کیا جاتا ہے جیسے نکاح اور بلند مرتبہ لیکن نکاح یہ تو شرعاً بالا تفاق محمود ہے کہ یہ کمال وصحت مردانگی کی دلیل ہے۔ اس کی کثرت پر عادتاً ہمیشہ فخر کیا جاتا ہے اس پر مدح کرنا پرانی خصلت ہے لیکن شریعت مطہرہ میں تو یہ سنت ماثورہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس بات میں وہ شخص افضل ہے جس کی زیادہ بیبیاں ہیں۔ (صحیح بخاری ۷/۴)

اس سے ان کا اشارہ حضور کی طرف ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نکاح کیا کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تم سے اور امتوں پر فخر کروں گا۔ (مجمع الزوائد ۴/۲۵۳)

نهيه عن تبتّلِ یعنی نکاح کر کے معلق چھوڑ دینے کو منع فرمایا۔ باوجود یکہ اس میں قطع شہوات اور غض بصر (آنکھوں کا پست کانا) ہے۔ حالانکہ دونوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں تنبیہہ فرمائی ہے۔ (صحیح بخاری ۷/۵ صحیح مسلم ۲/۱۰۲۰)

کہ جب استطاعت ہو تو چاہئے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو پست کر دیتا ہے اور نظر و نگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ علماء کرام نے نکاح کرنے کو زہد کے خلاف نہیں دیکھا۔
(صحیح بخاری ۷/۴، صحیح مسلم ۲/۱۰۱۸، طبرانی کبیر ۱۰/۱۴۹)

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور سید المرسلین کو بیویاں محبوب تھیں تو پھر اس میں زہد کیا ہوسکتا ہے۔ (یعنی یہ زہد کے خلاف نہیں)۔

اس طرح ابن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو زاہد ہیں وہ بیویاں اور لونڈیاں رکھتے تھے یعنی وہ کثیر الزواج تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کثیر الازواج معروف ہیں۔

اکثر علماء نے اس کو مکروہ جانا ہے کہ انسان خدا کے دربار میں اس حال میں پہنچے کہ وہ ناکتخدا (غیر شادی شدہ) ہو اگر یہ سوال کیا جائے کہ نکاح اور کثرت ازواج کیونکر فضیلت کا موجب بن سکتی ہے حالانکہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے ان کے غیر شادی شدہ (حصوراً) ہونے کے

باوجود تعریف کی ہے پس وہ کیونکہ ثنائے باری اللہ تعالیٰ کے مستحق ہو سکتے تھے جبکہ وہ اس فضیلت سے عاجز تھے اور یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ وہ عورتوں سے الگ رہے اگر یہ امر ایسا ہی ہوتا جیسا کہ بیان کرتے ہو تو ضرور وہ نکاح کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حضور (غیر شادی شدہ) کی تعریف کی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نامرد تھے یا ان کا سرمرد (مردانہ شرم گاہ) تھا ہی نہیں بلکہ اس پر بڑے بڑے مفسرین اور علماء ناقدین کا انکار منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو نقص وعیب ہے جو انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں۔ بلکہ حصوراً کے معنی یہ ہیں کہ وہ گناہوں سے معصوم تھے اور وہ گناہ نہ کرتے تھے بعض کہتے ہیں وہ گناہ (زنا) سے رکے ہوئے تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ نفسانی خواہشات سے مجتنب (الگ) تھے اور بعض نے کہا کہ ان کا عورتوں کی طرف میلان تھا ہی نہیں۔

اب تم کو یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ نکاح پر قدرت نہ ہونا عیب ونقص ہے اور فضیلت یہ ہے کہ نکاح پر قدرت ہو پھر (نفسانی شہوات کا) قلع قمع کرے یا تو مجاہدہ کے ساتھ جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا یا خدا کی طرف سے کفایت ہو جیسا حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حال تھا۔ یہ ایک زائد فضیلت ہے کیونکہ بسا اوقات شہوت مشغول کر دیتی ہے اور اس کو دنیا میں ڈال دیتی ہے۔ پھر وہ شخص جس کو یہ قدرت بھی دی گئی ہو اور اس کا مالک بھی بنایا گیا ہو اور اس میں امور ضروریہ کو قائم بھی کرے پھر وہ اپنے رب سے غافل نہ رہے، اس کا بڑا درجہ ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال ومرتبہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیویوں کی کثرت اپنے رب کی عبادت سے نہ روکتی تھی بلکہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادتی میں اور زیادتی کی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیبیوں کو پاک دامن عفیفہ بنا دیا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیویوں کے حقوق قائم فرماتے، ان کے معاش کی جستجو کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ صراحت کے ساتھ بتا دیا تھا کہ اگرچہ بیویوں کی کثرت اہل دنیا کیلئے حظ (لذت) میں سے ہے مگر میرے لئے یہ دنیا کا حظ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ تمہاری دنیا میں سے مجھے یہ چیز پسند ہے۔ (نسائی ۶۱۷، احمد ۳/۱۲۸، ۱۹۹۷، ۲۸۵، حاکم ۲/۱۶۰)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عورتوں اور خوشبو کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا یہ دونوں اگرچہ اوروں کیلئے دنیاوی لذت ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ دنیا کیلئے نہیں ہے بلکہ اخروی فوائد کیلئے ہیں۔ بسبب اس کے کہ ہم نے تزویج کے سلسلہ میں ذکر کیا اور خوشبو کا استعمال فرشتوں کی ملاقات کیلئے تھا اور ایسے بھی کہ خوشبو کا استعمال جماع پر برانگیختہ کرتا ہے اور اس کا مددگار ہے اور سبب جماع

کا مہیج و محرک ہے لیکن ان دونوں یعنی عورتوں اور خوشبو سے محبت ان کے مذکورہ فوائد کیلئے نہ تھی بلکہ کسی اور سبب کیلئے تھی نہ کہ قطع شہوت کیلئے۔

آپ ﷺ کی خالص محبت ذات الٰہی اور اپنے مولا کے مشاہدۂ قدرت اور اس سے مناجات میں تھی۔ اس لئے حضور ﷺ نے دونوں محبتوں کو جدا جدا بیان کر کے دونوں کی حالتوں کا فرق بتا دیا۔ پس فرمایا: نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دی گئی۔ سواب حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عورتوں کی آزمائش میں مبتلا ہونے سے باز رہنے میں برابر ہو گئے اور عورتوں کے ساتھ قیام فرمانے سے فضیلت میں ان سے بڑھ گئے۔ اسی لئے حضور ﷺ ان میں سے ہیں جن کو طاقت دی گئی اور بہت ہی دی گئی۔ اسی لئے حضور ﷺ کو آزاد عورتوں کو نکاح میں لانے کی تعداد مباح کر دی گئی۔ جو آپ ﷺ کے سوا کسی کیلئے مباح نہیں۔

ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضور ﷺ ایک ہی وقت میں دن یا رات میں گیارہ عورتوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم باتیں کیا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔ نسائی نے اس کی تخریج کی ہے۔

(بخاری ۷/۴ کتاب النکاح: ۱۲۹/۲، النسائی ۱۴۳/۱)

اسی طرح ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ طاؤس سے مروی کہ حضور ﷺ کو جماع میں چالیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔ اسی کے مثل صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (سنن ابوداؤد ۳۴۳/۱)

حضور ﷺ کی آزاد شدہ لونڈی سلمیٰ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک رات نو بیویوں پر دورہ فرمایا اور دوسری کے پاس جانے سے قبل آپ ﷺ نے غسل کیا اور فرمایا: یہ بہت اچھا اور پاکیزہ طریقہ ہے۔ (سنن ابوداؤد ۳۴/۱)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات سو عورتوں کے یا ننانوے عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ انہوں نے ایسا کیا۔ (مسلم ۱۲۷۵/۳، البخاری ۱۲۹/۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پیٹھ میں سو آدمیوں کی طاقت تھی۔ حالانکہ ان کے حبالہ عقد میں تین سو بیبیاں یا ان کی تحویل میں تین سو باندیاں تھیں (شک راوی ہے) نقاش رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سوا دوسروں نے نقل کیا سات سو بیبیاں اور تین سو باندیاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام باوجود کمال زہد اور اپنے ہاتھ سے کسب معاش کے آپ علیہ السلام کی ننانوے بیبیاں تھیں اور جب ایک اور عورت سے نکاح کر کے سو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ نے اس پر خبردار

کرتے ہوئے فرمایا: (تفسیر ابن جریر ۲۳/۱۰۴)

اِنَّ هٰذَا اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً۔ (ص ۲۳)

بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ مجھ کو لوگوں پر چار باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ (۱) سخاوت (۲) شجاعت (۳) کثرت جماع (۴) قوت گرفت۔

(طبرانی اوسط بسند جید کمافی مناہل الصفاء للسیوطی /۵۶)

لیکن جاہ و مرتبہ۔ سو عقلاء کے نزدیک یہ عادتاً محمود ہے۔ اس کے جاہ و جلال کے موافق ہی لوگوں کے دلوں میں عظمت ہوتی ہے۔ بیشک اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توصیف میں ارشاد فرمایا:

وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (ال عمران ۴۵) باعزت ہوگا دنیا و آخرت میں۔

لیکن اسکی آفتیں بہت ہیں۔ پس وہ بعض لوگوں کیلئے آخرت کے فائدہ کے لحاظ سے مضر ہے۔ اسی وجہ سے بعض نے اسکی مذمت کی ہے اور اس کو برا کہا ہے اور اس کی ضد (گمنامی) کی مدح کی ہے۔

اور شریعت میں گمنامی کی مدح اور زمین پر اترانے کی مذمت آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے وہ مرتبہ عنایت فرمایا تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں یعنی قبل اظہار نبوت اور بعد اظہار نبوت لوگوں کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عظمت و ہیبت تھی۔ حالانکہ کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذائیں پہنچاتے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔

مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوتے تو آپ کی تعظیم کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ اس بارے میں بکثرت خبریں مشہور ہیں۔ عنقریب بعض حدیثیں آنے والی ہیں۔

بلاشبہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے نہ دیکھا ہوتا وہ آپ کو دیکھ کر ہیبت زدہ، ترسیدہ ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ قیلہ نامی عورت سے مروی ہے کہ جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ لرزہ براندام ہوگئی۔ آپ نے فرمایا: اے مسکین عورت تو تسلی رکھ۔ (سنن ابوداؤد ۵/۱۷۶ شمائل ترمذی ص ۱۱۸، طبقات ابن سعد)

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک مرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا تو وہ لرزنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اطمینان رکھ میں بادشاہ (یا فرشتہ) نہیں ہوں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶۹/۵)

لیکن نبوت و شرافت، منزلت و رسالت اور اصطفاء ذکرامت میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم مرتبہ دنیا میں ہے وہ تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ پھر آخرت میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد آدم کے سردار ہیں۔ اسی فصل کے معنی و مطلب کیلئے تو ہم نے اس تمام قسم کو تحریر کیا ہے۔

نویں فصل

ضروریات و مقتضیات حیات کی قسموں کے بیان میں

ضروریات زندگی کی تیسری قسم یہ ہے کہ وہ مختلف حالات جن کے ساتھ تعریف و توصیف کی جاتی ہے اور ان کو سبب فخر جانا جاتا ہے اور ان کی وجہ سے فضیلت دی جاتی ہے ۔ (ان میں سے ایک) مال کی زیادتی ہے۔فی الجملہ مالدار عام لوگوں کے اعتقاد میں بڑا ہوتا ہے۔ کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی حاجتیں پوری کر لیتا ہے اور اس کے سبب اس کے اغراض و مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں ورنہ فی نفسہ (مالدار میں) کوئی فضیلت نہیں ہوتی پس جب مال کی یہ صورت ہو اور مالدار جب اپنے مقاصد کے حصول اور ان لوگوں کی اغراض پر جو اس کے پاس امیدیں لے کر آئیں۔ ان پر مال خرچ کرلے اور اس کے ذریعہ مرتبت، تعریف اور نیک دل لوگوں میں عزت کا خریدار ہو تو وہ مالدار اہل دنیا کے نزدیک فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔

اور وہ مالدار جب اپنے مال کو نیکی کی راہوں میں خرچ کرے اور آخرت کی بھلائی کیلئے اس کو صرف کرے اور اس انفاق (خرچ کرنے) سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی بھلائی ہو تو یہ ہر حال میں سب کے نزدیک فضیلت رکھتا ہے اور جب مالدار بخیل و کنجوس ہو اس کے مصارف میں اور اس کے جمع کرنے کا حریص ہو تو مال کی کثرت نہ ہونے کے برابر ہوئی، یہ مالدار کیلئے عیب و نقص ہوگا اور وہ مال اس کو سلامتی کی راہ پر گامزن نہیں رکھے گا بلکہ اس کو بخالت کے رذیل گڑھے اور کمینگی کی برائی میں ڈال دے گا۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ فی نفسہ مال میں کوئی تعریف اور فضیلت نہیں ہے بلکہ صرف اس لئے اس کی تعریف ہے ۔ وہ دوسرے کو دیتا ہے اور اس کے مصارف پہ خرچ کرتا ہے۔لہٰذا مال کا جمع کرنے والا اگر اس کی جگہ پر خرچ نہ کرے اور اس کو اس کے راستوں پر صرف نہ کرے تو وہ در حقیقت غنی (مالدار) نہیں اور نہ وہ مال کو بے پرواہ بناتا ہے اور نہ یہ بات کسی عقلمند کے نزدیک تعریف کے لائق ہے بلکہ وہ دائمی فقیر ہے (کہ ہر وقت مال کے حرص میں محتاج ہے) اور وہ اپنی کسی غرض تک نہ پہنچے گا کیونکہ جو مال اب اس کے ہاتھ میں ہے جو اس کو اغراض تک پہنچانے والا تھا وہ اس پر تسلط و غلبہ نہیں رکھتا (کہ وہ اس کو خرچ کرے) وہ ایسا شخص ہو گیا جو کسی غیر کے خزانہ کا محافظ و نگہبان ہو اور وہ مال و خزانہ اس کا اپنا نہ ہو۔ گویا کہ اس کے ہاتھ میں اس سے کچھ بھی نہیں ہے اور

مال کا خرچ کرنے والا بھرپور غنی ہے کیونکہ اس نے مال کے فوائد حاصل کئے ہیں۔ اگرچہ اس کے ہاتھ میں مال میں سے کچھ نہ بچے۔

اب ذرا ہمارے نبی حضور ﷺ کی عادت کریمہ اور سیرت مبارکہ پر نظر ڈالو اور مال میں آپ کے اخلاق حسنہ پر غور کرو تو تم حضور ﷺ کو اس حال میں پاؤ گے کہ آپ ﷺ کو زمین کے خزانے دیئے گئے، شہروں کی کنجیاں دی گئیں اور مال غنیمت آپ ﷺ کیلئے حلال کیا گیا۔ جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی پر حلال نہ تھا۔ حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں ملک حجاز، یمن اور تمام جزیرۂ عرب اور جو اس کے قریب شام و عراق وغیرہ تھا فتح ہوئے۔ ان کا خمس (پانچواں حصہ) اور جزیہ اور صدقہ اتنا لایا گیا کہ اور بادشاہوں کیلئے اس سے بہت تھوڑا آتا تھا۔ پھر مختلف ملکوں کے بادشاہ آپ ﷺ کی خدمت میں تحفہ جات بھیجتے لیکن ان میں سے کسی پر بھی آپ ﷺ نے اپنے آپ کو ترجیح نہ دی اور نہ ان میں سے ایک درہم بھی اپنے لئے روکا بلکہ ان تمام کو ان کے مصارف کی جگہوں پر خرچ فرما دیتے اور دوسروں کو غنی بنا دیتے اور مسلمانوں کی طاقت اس سے بناتے۔

اور فرماتے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور رات کو اس میں سے ایک دینار بھی رہے۔ مگر وہ دینار جو قرض کے طور پر لیا ہو۔ (صحیح مسلم ۱/۶۸۷، صحیح بخاری ۲/۹۳)

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں بہت سی اشرفیاں آئیں آپ ﷺ نے ان کو تقسیم فرما دیا۔ ان میں سے چھ اشرفیاں باقی بچ گئیں۔ تو وہ ایک بیوی کو دے دیں۔ آپ ﷺ کو نیند نہ ائی یہاں تک کہ ان کو بھی تقسیم فرما دیا اور فرمایا: اب مجھے چین وسکون ملا۔

(ابن سعد عن عائشہ بھذا اللفظ کمافی مناہل الصفا/۵۷)

آپ ﷺ نے دنیا سے اس حال میں کوچ فرمایا کہ آپ کی زرہ آپ ﷺ کے عیال کے خرچ میں گروی پڑی ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری ۳/ ۱۲۴، سنن ترمذی ۲/ ۳۴۴، سنن نسائی ۷/ ۲۸۸)

آپ ﷺ نے اپنے خرچ لباس اور رہائش میں اسی قدر پر اکتفا کیا ہوا تھا۔ جتنے سے آپ ﷺ کی ضرورت پوری ہو سکے۔ ماسوا میں آپ ﷺ زاہد تھے۔ جو بھی آپ ﷺ کو لباس مل جاتا اسی کو پہن لیتے۔ اکثر آپ ﷺ کا لباس عمامہ اور گاڑھے کپڑے کی چادر اور گھنا تہبند ہوتا اور دیباج کی سنہری قبائیں حاضرین پر تقسیم فرما دیتے اور جو موجود نہ ہوتا اس کیلئے اٹھا رکھتے۔

کیونکہ لباس میں اور زیب و زینت میں کوئی شرافت اور جاہ و جلال نہیں ہے۔ یہ تو عورتوں کی زینت ہے اور بہتر وہ لباس ہے جو کہ پاک و صاف اور درمیانہ ہو اور وہ لباس ایسا ہو کہ اس کے ہم

جنس پہنتے ہوں۔ اپنے ہم جنسوں کی مروت کو نہ توڑے اور نہ اعلیٰ وادنیٰ کے کناروں کی شہرت تک پہنچے اور بیشک شریعت نے اس کی مذمت کی ہے۔ لوگوں کے نزدیک عادتاً لباس میں فخر کرنا یہ ہے کہ اپنے آپ میں یہ فخر کرے کہ میرے پاس بہت کچھ ہے اور میں خوشحال ہوں۔

یہی حال عمدہ مکان، کشادہ منزل، زیادتی سامان و خدمتگار اور سواریوں پر فخر کرنے کا ہے۔

جو شخص زمین کا مالک ہو اور اس کی طرف ہر جانب سے مال غنیمت، جزیہ اور صدقات وغیرہ آتے ہوں پھر وہ ان سب کو زہد کی بناء پر چھوڑ دے وہی شخص مال کی فضیلت کا جائز حقدار ہے۔ اس خصلت کی بنا پر وہ مالک فخر ہے اگرچہ فضیلت اس پر فخر کو زیادہ کر سکے (حالانکہ حضور ﷺ کا مرتبہ اس سے کہیں بلند و بالا ہے) مال میں فی نفسہ کیا فضیلت ہے۔

اور حضور ﷺ کی ذات اقدس تو مدح و توصیف کی قسموں میں فضائل کا نچوڑ ہیں اور آپ ﷺ کا زہد تو فانی ہونے والی چیزوں میں ہے اور جہاں لوگ بخل کرتے ہیں وہاں حضور ﷺ خرچ کرتے ہیں۔

دسویں فصل

آپ ﷺ کے خصائل مکتسبہ

اخلاق حمیدہ اور آداب شریفہ کی وہ خصلتیں جو حاصل کی جاسکتی ہوں اور ایسے خلیق کی فضیلت پر تمام عقلمند متفق ہوں اور ان میں سے کسی ایک وصف کا بھی وہ متصف ہو، اس کی عزت و تکریم کرتے ہوں تو اس کا کیا مرتبہ جو ایک سے زائد فضائل کا مجموعہ ہو۔

شریعت نے ان تمام اخلاق کی تعریف کی ہے اور ان کا حکم دیا ہے اور جو ان اخلاق کا پیکر ہو اس کو ہمیشگی کی سعادت کا مژدہ دیا ہے اور بعض کی تو یوں تعریف کی ہے کہ وہ نبوت کے جزو میں سے ہے۔ اس کا نام ''حسن خلق'' ہے۔ وہ قوائے نفسانی میں معتدل اور اس کے اوصاف میں متوسط ہو کہ اس میں نہ کسی طرف سے جھکاؤ ہو اور نہ کسی طرف سے انحراف، یہ تمام اخلاق حمیدہ ہمارے نبی مکرم ﷺ میں انتہائے کمال پر اور توسط و اعتدال کی آخری حد تک موجود تھے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی یوں تعریف فرمائی ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ۔ (القلم۴)

ترجمہ اور بیشک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ اس کی رضا پر راضی اور اس کی ناراضگی پر ناراض رہتے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/۳۱۰)

حضرت سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

بُعِثۡتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الۡاَخۡلَاقِ۔ (موطا امام مالک/۷۸۸، مسند امام احمد ۲/۳۸۱)

ترجمہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کروں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خلق میں سب سے زیادہ بہتر تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی اسی کے مثل کہتے ہیں۔ (صحیح مسلم ۳/۱۲۹۲، ۴/۱۸۰۵)

محققین نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کی خلقت میں ہی اس طرح (کے) جبلی اور فطری اخلاق تھے جو کسب و ریاضت سے بغیر عطیۂ الٰہی اور خصوصیات ربانی حاصل ہی نہیں ہوسکتے۔ یہی حال باقی تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ جس نے ان کے بچپن سے لے کر مبعوث ہونے تک کے حالات دیکھے ہوں اس پر یہ حقیقت واشگاف ہو جائے گی۔ جس طرح حضرت عیسیٰ و موسیٰ و یحییٰ و سلیمان وغیرہ علیہم السلام کے

حالات سے معلوم ہوئے ہیں بلکہ یہ اخلاق جبلی طور پر پیدائشی تھے اور ان میں فطری طور پر علم وحکمت ودیعت وامانت تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا○ (مریم ۱۲)

اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت دی۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کتاب الٰہی کا علم ان کے بچپن میں ہی دے دیا گیا تھا۔ معمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کی عمر ابھی دو یا تین سال کی تھی کہ بچوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ کیوں نہیں کھیلتے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں کھیل کود کیلئے پیدا کیا گیا ہوں۔

(مسند امام احمد فی الزہد ص ۹۰/)

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللهِ۔ (ال عمران ۳۹)

تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

کی تفسیر میں مروی ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے اس حال میں تصدیق کی کہ وہ ابھی تین سال کے بچے تھے اور فرمایا کہ ہم اس کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس حال میں تصدیق کی کہ وہ شکم مادر میں تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا سے فرماتی تھیں کہ میں ایسا پاتی ہوں کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے، وہ سجدۂ تحیت کر رہا ہو۔ اس کی جو تمہارے پیٹ میں بچہ ہے۔ بلاشبہ یہ تو اللہ کی نص ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ (مریم) سے پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا اور کہا کہ لَاتَحْزَنِيْ (مریم ۲۴) ''غم نہ کھا''۔ اس قرأت پر جس میں کہ مِنْ تَحْتِهَا ہے۔ یعنی اس نے جو اس کے نیچے تھا اور اس روایت کی بنا پر کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پکارنے والے تھے۔ اس میں مہد (جھولے) میں آپ علیہ السلام کے کلام فرمانے پر نص ہے۔ پس آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّيْ عَبْدُ اللهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا۔ (مریم ۳۰)

ترجمہ (اچانک) وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ (الانبیاء ۷۹)

ترجمہ　سو ہم نے سمجھا دیا معاملہ سلیمان کو اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم۔

اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس حکم کا ذکر ہے جب کہ آپ علیہ السلام بچے تھے اور ایک سنگسار عورت اور بچے کا مقدمہ پیش آیا تھا اور آپ علیہ السلام کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی پیروی کی تھی۔ (تاریخ ابن عساکر، صحیح مسلم ۳ / ۱۳۴۴، صحیح بخاری ۴ / ۱۳۰)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب آپ علیہ السلام کو ملک عطا فرمایا گیا اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر بارہ سال کی تھی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ قصہ ہوا۔ آپ علیہ السلام نے بچپن میں اس کی داڑھی پکڑی تھی۔ مفسرین اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرَاهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ۔ (الانبیاء ۵۱)

ترجمہ　یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی اس سے پہلے۔

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مطلب یہ کہ آپ کو صغر سنی میں ہی ہدایت دے دی تھی۔ اس کو مجاہد صاور اس کے سوا دوسروں نے نقل کیا۔

ابن عطا رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو پیدا ہونے سے پہلے ہی چن لیا تھا۔

بعض نے کہا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ایک فرشتہ آپ علیہ السلام کی خدمت میں اللہ نے بھیجا کہ وہ اللہ کا حکم سناتا، دل میں اس کی معرفت کراتا اور آپ علیہ السلام کی زبان پر اس کا ذکر جاری کراتا۔ اس وقت آپ علیہ السلام نے کہا کہ میں نے کیا اور یہ نہ فرمایا کہ میں اسے کروں گا۔ یہ آپ علیہ السلام کا رشد تھا۔

بعض نے کہا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اور آپ علیہ السلام کی آزمائش کی، اس وقت آپ سولہ سال کی عمر کے تھے اور جب حضرت اسحاق علیہ السلام (بقول صاحب شفاء ورنہ یہ واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ہے مترجم) ذبح کی آزمائش میں ڈالے گئے تو اس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کواکب اور چاند سورج سے استدلال کیا تو اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر پندرہ مہینے تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب ان کے بچپن کی حالت میں ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا۔ (یوسف ۱۵)

ترجمہ اور (عین اس وقت) ہم نے اس کی طرف وحی کی (گھبراؤ نہیں) تم ضرور انہیں آگاہ کرو گے ان کے اس فعل پر۔

اس کے علاوہ اور بھی احادیث میں اس قسم کے ذکر ہیں۔

اہل سیر رحمۃ اللہ علیہم حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے سنایا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو پیدا ہوتے ہی آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ زمین پر پھیلائے اور سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ابتداء ہی سے بتوں کی پرستش اور شعر گوئی سے نفرت و دشمنی تھی اور میں نے جاہلیت کی باتوں کا جو جاہلیت کے زمانہ کے لوگ کرتے تھے۔ سوائے دو دفعہ کے کبھی ارادہ نہیں کیا۔ سو خدا نے مجھے ان دونوں سے بھی بچا لیا پھر وہ کام نہ کیا۔

(مجمع الزوائد ۸/۲۲۶، دلائل النبوۃ الابی نعیم عن شداد بن اوس کمافی مناہل الصفاء للسیوطی ۵۹/)

پھر یہ امر ان کیلئے مضبوط ہو جاتا ہے اور پے درپے ان پر خدا کی مہربانیاں ہونے لگتی ہیں اور ان کے قلوب میں انوار عرفانیہ تاباں ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ انتہا تک پہنچ جاتے ہیں۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ ان کو نبوت کے ساتھ ان خصائل شریفہ کے انتہائی مقام تک بغیر مزاولت و مشقت کے پسند کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ (یوسف ۲۲)

ترجمہ اور جب وہ پہنچے اپنے پورے جوبن کو تو ہم نے عطا فرمائی اپنی نبوت اور علم۔

ہم ان انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کو پاتے ہیں کہ وہ ان اخلاق میں سے بعض پر پیدا ہوئے نہ کہ تمام اخلاق پر اور بعض ان اخلاق پر پیدا کئے جاتے ہیں تو ایسوں کو تمام اخلاق کا حصول و اکتساب خدا کی عنایت سے آسان ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ خدا کی مخلوق میں سے بعض بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ذہین، فطین، راست گو اور جواں مرد ہوتے ہیں اور بعض اس کے برعکس، پس کسب کے ذریعہ ناقص کامل ہو سکتا ہے اور ریاضت و مجاہدہ سے امر معدوم کو حاصل کر لیتا ہے اور اس کا منحرف (ادنیٰ و اعلیٰ کا) معتدل بن جاتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں حالتوں کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کی حالتیں جداگانہ ہوتی ہیں۔ ہر ایک کو اس کی توفیق دی گئی ہے جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا۔ اسی لئے سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ خلق پیدائشی ہے یا

کسبی۔

بعض علماء سلف نے طبری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ خلق حسن بندہ میں جبلی اور پیدائشی ہے۔ اس کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ صحیح وہی بات ہے جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر خصلت پر مومن کی تخلیق ہوتی ہے۔ مگر خیانت و کذب پر (کہ یہ انسان کا خود کسبی عمل ہے)

(مصنف ابن ابی شیبۃ کمانی مناہل الصفاء للسیوطی /۵۹)

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ شجاعت اور بزدلی یہ دونوں پیدائشی ہیں۔ ان کو اللہ جہاں چاہتا ہے رکھتا ہے۔ (تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن حاتم کمانی مناہل الصفاء للسیوطی /۵۹)

یہ اخلاق محمودہ اور خصائل جمیلہ و شریفہ بہت ہیں لیکن ہم اس جگہ اصولی تذکرہ اور جمیع اخلاق کی طرف صرف اشارہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کی تحقیق کریں گے۔ انشاء اللہ۔

گیارہویں فصل

آپ ﷺ کے مختلف فضائل

اخلاق و خصائل کے فروغ کی اصل، ان کے چشموں کا عنصر اور ان کے دائروں کا مرکز وہ عقل ہے جس سے علم و معرفت پیدا ہوتے ہیں اور اسی سے اصابت رائے تیزیٔ ذہن، درستگی، حسن ظن، عاقبت اندیشی، مصالح نفس، مجاہدۂ خواہشات، حسن سیاست و تدبیر، فضائل کی طلب، رذائل سے احتراز وغیرہ اور اوصاف حمیدہ متفرع ہوتے ہیں اور ہم نے اس کا اشارہ کر دیا ہے کہ یہ تمام خوبیاں حضور ﷺ میں موجود ہیں۔

اور علم میں حضور ﷺ کی رستگاہ اس انتہائی بلند مقام تک ہے کہ کوئی بشر آپ ﷺ کے سوا وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے آپ ﷺ کی جلالت شان معلوم ہوتی ہے اور جتنی بھی اس سے شاخیں نکل سکتی ہیں اس شخص پر ثابت ہو جائیں گی جو آپ ﷺ کے حالات و سیرت کا متلاشی ہے اور جو آپ ﷺ کے جوامع کلمات کا مطالعہ کرے۔ آپ ﷺ کی خو و بو اور آپ ﷺ کی نرالی سیرت اور آپ ﷺ کے کلام کی حکمتیں اور آپ کے اس علم کو جو تورات و انجیل اور کتب سماویہ میں موجود ہیں۔

عقلمندوں کی حکمتوں اور گزشتہ امتوں کی تاریخوں اور ان کے واقعات و حوادث اور ضرب الامثال اور لوگوں کی سیاست، شریعتوں کے احکام، نفیس آداب کے اصول اور پسندیدہ خصائل اور مختلف علوم وغیرہ میں موجود ہیں۔

تو ان علماء نے حضور ﷺ کے کلام کو ان میں پیشوا پایا اور آپ ﷺ کے ارشادات کو حجت بنایا۔ جیسے خواب میں آپ ﷺ کی تعبیر بتانا، طب، حساب، فرائض اور نسب وغیرہ کا جاننا۔ اب سب کو انشاء اللہ ہم آپ ﷺ کے معجزات میں بیان کریں گے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے نہ کہیں (متداول طریقہ پر) تعلیم پائی اور نہ کسی مدرسہ میں پڑھا اور نہ گزشتہ کتابوں کا مطالعہ کیا نہ انُ کے علماء کی مجلسوں میں بیٹھے بلکہ آپ ﷺ ایسے نبی و امی تھے کہ ان میں سے کسی علم میں مشہور و معروف نہ تھے یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کے سینہ اقدس کو کھول دیا، اپنے امور ظاہر کیے، آپ ﷺ کو علم سکھایا، پڑھایا اور یہ بات بدیہی طور پر بحث و مطالعہ کے بعد سمجھی جاتی ہے اور اگر غور کیا جائے تو یہ بات آپ ﷺ کی نبوت پر برہان قاطع ہے۔

پس ہم تمام قصوں کے بیان اور بعض قضیوں کے ذکر سے طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ ان کا مجموعہ اس قدر ہے کہ کوئی اس کو حصر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کے جمع کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ آپ کی عقل کے موافق ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معارف تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم مَا کَانَ وَمَایَکُوْن یعنی گزشتہ و آئندہ کے حالات اور خدا کے عجائبات قدرت وملکوت اعلیٰ پر اطلاع بخشی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النساء ۱۱۳)

ترجمہ اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل کے اندازہ کرنے میں عقلیں متحیر ہیں اور زبانیں گنگ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا احاطہ کر سکیں یا وہاں تک ان کی رسائی ہو سکے۔

بارہویں فصل

آپ ﷺ کا حلم اور بردباری

حضور ﷺ کا حلم، بردباری اور باوجود قدرت کے عفو وکرم اور ناگوار امور پر آپ ﷺ کے صبر فرمانے کے بیان میں۔ان لقبوں میں باہم فرق ہے۔

کیونکہ ''حلم'' ایک ایسی حالت کا نام ہے جو اسباب محرکہ یعنی برانگیختہ کرنے والے اسباب کی موجودگی میں ثابت و برقرار رہے۔

اور ''تحمل'' یعنی بردباری ایسی حالت کا نام ہے جو مصائب و آلام کے وقت اپنی جان کو روک لے اور ان کو برداشت کرے اور اسی کے ہم معنی و مطلب ''صبر'' ہے۔

اور ''عفو'' اس حالت کو کہتے ہیں جو (بدلہ لینے کے وقت) بدلہ کو ترک کر دے یعنی معاف کر دے۔

یہ وہ اوصاف ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اپنے نبی ﷺ کو متصف کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (الاعراف ۱۹۹)

ترجمہ قبول کیجئے معذرت (خطا کاروں سے) اور حکم دیجئے نیک کاموں کا۔

مروی ہے کہ جب یہ آیت حضور ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے اس کا مطلب دریافت کیا۔عرض کیا: میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر عرض کروں گا۔

چنانچہ وہ گئے اور آئے۔پھر عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! آپ کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ آپ ﷺ اس سے ملیں جو آپ کو چھوڑتا ہے اور اس کو عطا فرمائیں جو آپ کو محروم رکھتا ہے اور اس کو معاف فرما دیں جو آپ پر ظلم کرتا ہے۔(تفسیر ابن جریر ۹/ ۱۰۵، تفسیر درمنثور ۳/ ۶۲۸، اخلاق النبی ۶/)

اور یہ ارشاد فرمایا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ۔ (لقمان ۱۷)

اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے۔

اور فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوْ الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ (الاحقاف ۳۵)

ترجمہ پس (اے محبوب!) آپ صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا تھا۔

اوز فرمایا: وَلْيَعْفُوْا وَالْيَصْفَعُوْا۔ (النور ۲۲)

اور چاہے کہ (یہ لوگ) معاف کر دیں اور درگزر کریں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (الشوریٰ ۴۳)

ترجمہ اور جو شخص (ان مظالم پر) صبر کرے اور (طاقت کے باوجود) معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اس میں خفا نہیں کہ آپ ﷺ کا حلم وتحمل بکثرت منقول ہے۔ ہر حلیم میں کوئی غلطی اور کوئی بے فائدہ بات معلوم ہوتی ہے لیکن حضور ﷺ کا یہ حال ہے کہ کثرت ایذا کے باوجود آپ ﷺ کا صبر ہی بڑھتا اور بیوقوفوں کی زیادتیوں پر آپ ﷺ کا حلم ہی زیادہ ہوتا رہتا۔

حدیث: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بالا سناد مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کبھی حضور ﷺ کو دو باتوں میں سے کسی ایک بات پر اختیار دیا جاتا تو ان میں سے آسان کو پسند فرماتے جب تک گناہ نہ ہو، مگر گناہ کی بات ہوتی تو اس سے لوگوں کی نسبت بہت دور رہتے۔ آپ ﷺ نے اپنے لئے کبھی انتقام نہ لیا۔ سوائے اس کے کہ وہ حدود الٰہی کی بے حرمتی کرے تب آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی حدود کیلئے بدلہ لیتے۔ (صحیح بخاری ۸/ ۲۶، صحیح مسلم ۴/ ۱۸۱۳، موطا امام مالک/ ۷۸۷)

مروی ہے کہ غزوۂ احد میں جب آپ ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ کا چہرۂ انور لہولہان ہو گیا۔ یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سخت گراں گزری۔ سب نے عرض کیا کہ حضور ﷺ ان پر بددعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنِّي لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَلٰكِنِّي بُعِثْتُ دَاعِيًا وَرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ میں لعن کرنے والا نہیں بھیجا گیا لیکن مجھے اللہ کی طرف بلانے والا اور رحمت فرمانے والا بھیجا ہے۔ اے خدا میری قوم کو ہدایت دے، وہ مجھ کو نہیں جانتے۔

(مندرجہ بالا حدیث شعب الایمان میں کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ نقل ہے۔ جیسا کہ مناہل الصفاء امام سیوطی / ۶۰ پر فرماتے ہیں۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کیلئے یوں دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا۔ (نوح ۲۶)

ترجمہ اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا
اگر آپ ﷺ بھی اسی طرح ہم پر بددعا فرماتے تو ہم آخر تک ہلاک ہو جاتے کیونکہ آپ ﷺ کی کمر دوہری کی گئی اور آپ کا چہرۂ انور زخمی کیا گیا اور آپ ﷺ کے اگلے چاروں دانت شہید کئے گئے۔ باوجود اس کے آپ ﷺ نے کلمہ خیر کے سوا بدعا سے انکار ہی فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اے خدا میری قوم کو معاف فرما دے۔ یہ نا سمجھ ہیں۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے۔ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد پر غور کرو کہ اس میں کس قدر فضیلت، درجات، احسان، حسن خلق، کرم نفس، غایت صبر اور حلم جمع ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے صرف ان سے سکوت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ معاف بھی فرما دیا۔ پھر شفقت و محبت فرماتے ہوئے ان کیلئے دعا اور سفارش بھی فرمائی۔

پس فرمایا:

اے خدا ان کو بخش دے یا فرمایا کہ ان کو ہدایت دے۔ پھر اس شفقت و رحمت کا سبب بھی بیان فرما دیا کہ لِقَوْمِی کہ یہ میری قوم ہے۔ پھر ان کی عذرخواہی کے طور پر ان کی جہالت کی وجہ میں فرمایا:

فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یہ نا سمجھ ہیں۔

اور اس پر بھی غور کرو کہ جب ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا کہ انصاف فرمایئے۔ یہ تقسیم خدا کی خوشنودی کیلئے نہیں ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے اس کے سوا کچھ نہ فرمایا اور اس کو اس کی جہالت و نافہمی پر خبردار کیا اور اس کو نصیحت کی۔ فرمایا:

تجھ پر افسوس ہے۔ اگر میں انصاف نہ کروں گا تو اور کون کرے گا۔ اگر میں نے ہی انصاف نہ کیا تو میں ناکام و ناقص رہوں گا اور جو صحابی اس کے قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو منع فرمایا۔ (صحیح بخاری ۴/ ۷۵، صحیح مسلم ۲/ ۷۳۹)

اور (یہ بھی مقام فکر ہے) کہ جب غوث بن حارث نے حضور ﷺ کو بے خبری میں قتل کرنے کا قصد کیا۔ درآنحالیکہ حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے تنہا آرام فرما تھے۔

ناقلین واقعات غزوات میں سے ایک شخص نقل کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے کچھ نہ کہا اور آپ ﷺ اس وقت بیدار ہوئے جب وہ تلوار سونت کر آپ کے سر پر کھڑا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ اب کون تم کو میری تلوار سے بچائے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تب اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے تلوار پکڑ

کر فرمایا: بتا کون اب تجھ کو میرے وار سے رو کے گا؟ اس نے کہا:
آپ ﷺ اچھے پکڑنے والے بنیں۔ پس آپ ﷺ نے چھوڑ دیا اور اس کو معاف کر دیا۔ پھر وہ اپنی قوم میں آیا اور کہا: میں تمہارے پاس ایسے شخص سے مل کر آیا ہوں جو تمام لوگوں سے بہتر ہے۔
(صحیح مسلم ۴/ ۱۷۸۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۲۷۳،۲۷۶)

آپ ﷺ کی بڑی مہربانیوں اور عفوودرگزر کے واقعات میں سے اس یہودیہ کا قصہ ہے جس نے آپ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر دیا تھا۔ صحیح روایت میں ہے کہ اس نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الھبۃ العبۃ ۳/ ۱۴۳، صحیح مسلم ۴/ ۱۷۲۱)

آپ ﷺ نے لبید بن الاعظم پر جبکہ اس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا، کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ تمام حالات کا علم ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس پر عتاب تک نہ فرمایا چہ جائیکہ سزا دیتے۔ (سنن نسائی ۷/ ۱۱۳، مسند امام ۴/ ۳۶۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۳۱۹)

ایسے ہی عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین پر باوجودیکہ ان کے قول وعمل سے بڑی زیادتیاں پہنچیں۔ آپ ﷺ نے مواخذہ نہیں فرمایا حتی کہ بعض نے ان کے قتل کا بھی اشارہ کیا تھا۔ ان کو بھی منع کر دیا اور فرمایا: ایسا نہ ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد (ﷺ) تو اپنے اصحاب ہی کو قتل کرنے لگے۔
(کتاب مناقب، صحیح بخاری ۴/ ۱۴۷ صحیح مسلم ۴/ ۱۹۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ پر ایک گاڑھے کی چادر حاشیہ دار تھی۔ اس کو ایک اعرابی نے شدت وسختی سے کھینچا۔ یہاں تک کہ چادر کے حاشیہ کا اثر آپ ﷺ کی گردن پر نمودار ہو گیا۔

پھر اس نے کہا: اے محمد (ﷺ) میرے ان دونوں اونٹوں پر وہ مال جس کو خدا نے تمہیں دیا ہے لاد دو، کیونکہ تم مجھے نہ اپنے مال اور نہ اپنے باپ کے مال میں سے دیتے ہو۔

نبی کریم ﷺ خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ مال تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ میں تو اس کا بندہ ہوں۔ پھر فرمایا:

اے اعرابی تم سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ جو تم نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کس سبب سے؟

اعرابی نے کہا: اس لئے کہ آپ ﷺ کی یہ عادت کریمہ ہے ہی نہیں کہ آپ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے لیں۔ تب حضور ﷺ اس پر مسکرا دیئے۔ پھر حکم دیا کہ اس کے ایک اونٹ کو جو سے اور

دوسرے کو کھجور سے بھر دو۔ (صحیح بخاری ۷/۱۲۶، صحیح مسلم ۲/۷۳۱، ادب للبیہقی ص۱۲۶، ۱۲۵)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ظلم کا بدلہ لیتے نہیں دیکھا۔ جب تک کہ وہ اللہ کے محرمات کی بے حرمتی نہ کرے اور کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہ مارا۔ سوائے اس صورت کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد فی سبیل اللہ فرما رہے ہوں۔ نہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خادم کو مارا اور نہ کسی بیوی کو۔ (صحیح بخاری فی المناقب ۴/۲۳۰ الادب ۸/۳۶ مسلم شریف ۴/۱۸۱۲ شمائل ترمذی ۲۷۵)

ایک شخص گھسیٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اور اس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تو مت ڈر، تو مت ڈر۔ اگر تیرا یہ ارادہ ہے تو ہرگز اس پر قادر نہ ہوگا۔ (طبرانی و مسند امام احمد عن جعدۃ کمافی الصفاء للسیوطی / ۶۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زید بن سعنہ اسلام لانے سے قبل آیا اور اپنے قرض کا تقاضا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں سے کھینچ لیا اور کپڑے کو اکٹھا کر کے پکڑ لیا اور سختی کے ساتھ کلام کیا۔ پھر کہا کہ اے عبدالمطلب کے فرزند تم دیر کرنے والے وعدہ خلاف ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جھڑکا اور سختی سے جواب دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! ہم اس سے سوا اور بات کرنے کے خواہشمند تھے۔ یعنی یہ کہ مجھ کو اچھی طرح ادا کرنے کو کہتے اور اس کو اچھے تقاضے کی نصیحت کرتے۔ پھر فرمایا: اس کی مدت میں ابھی ایک تہائی وقت باقی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا مال ادا کر دو اور اس کو بیس صاع مزید دے دو کیونکہ تم نے اس کو خوفزدہ کیا ہے۔

پس یہی سبب زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا بنا۔ کیونکہ وہ کہتا تھا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے تمام علامات نبوت معلوم کر لی تھیں۔ صرف دو باقی تھیں کہ میں نے ان کا امتحان نہ کیا تھا۔ وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے پر بڑھ جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی (ظاہری) شرف لاعلمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم ہی کو اور زیادہ کرے گی۔ سو میں نے اس کو بھی آزما لیا اور ویسا ہی پایا جیسا کتب سابقہ سماویہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف لکھی تھی۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم /۹۱، مجمع الزوائد ۸/۲۳۲۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۲۷۸)

احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باوجود قدرت و طاقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و صبر اور عفو کے واقعات اس کثرت سے ہیں جو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ہم نے تصنیفات معتبرہ سے صحیح حالات کا ذکر کیا ہے جو تواتر اور یقین کی حد تک ہیں۔

آپ ﷺ کو قریش کی ایذاؤں اور جاہلوں کی تکالیف اور مصیبتوں کا ہر وقت سامنا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کو ان پر مظفر و فتح یاب کیا اور ان پر حاکم کر دیا۔ حالانکہ وہ اپنی جماعت کے استیصال اور اپنے گروہ کی ہلاکت میں شک نہیں کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے سوائے معافی و درگزر کے کچھ نہ کیا اور فرمایا: تم کیا گمان کرتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟

انہوں نے کہا: آپ ﷺ سے بھلائی کی امید ہے کیونکہ آپ ﷺ سخی بھائی ہیں اور سخی بھائی کے فرزند ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں آج وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ (یوسف ۹۲)

نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن۔

جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (سبحان اللہ) (تحفۃ الاشراف ۱۰/ ۱۳۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۵/ ۸۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقام تنعیم میں صبح کی نماز کے وقت اسی مرد اترے۔ تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے مقاتلہ کریں۔ پس وہ سب کے سب گرفتار کر لئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ (صحیح مسلم ۳/ ۱۴۴۲، سنن ترمذی ۵/ ۶۲، سنن ابوداؤد ۳/ ۱۳۷، تحفۃ الاشراف ۱/ ۱۱۶)

اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ۔ (الفتح ۲۴)

اور اللہ وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے۔

ابوسفیان جب گرفتار کر کے لائے گئے جنہوں نے مختلف قبیلوں کو اکٹھا کر کے آپ ﷺ پر چڑھائی کی تھی اور انہوں نے حضور ﷺ کے چچا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر کے ان کا مثلہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو بھی معاف فرما دیا اور نرمی سے کلام کیا اور یہ فرمایا:

اے ابوسفیان! افسوس کیا ابھی تم پر وہ وقت نہیں آیا کہ تم کہو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ انہوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں آپ ﷺ کتنے حلیم ہیں اور کیسے ملانے والے ہیں اور کس قدر کریم ہیں؟ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۵/ ۴۴)

حضور ﷺ لوگوں کی نسبت غصہ سے بہت دور اور خوشی میں سریع السیر (خوشی کی طرف جلدی کرنے والے) تھے۔ (ابوشیخ فی اخلاقہ ص/ ۷۱)

تیرہویں فصل

آپ ﷺ کا جود و کرم اور سخاوت

جود و کرم، سخاوت و جوانمردی یہ قریب قریب ہم معنی ہیں لیکن بعضوں نے ان میں کچھ فرق بھی کیا ہے۔

کرم کے معنی یہ ہیں کہ خوش دلی سے ان کاموں میں خرچ کرنا جتنی مرتبہ اور نفع ہو۔ اس کو جرأت بھی کہتے ہیں اور یہ خست (کنجوسی) کی ضد ہے۔

اور سماحت یعنی سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ خوش دلی سے اپنے اس حق سے جو دوسرے کے پاس ہے باز رہنا۔ یہ شکاسہ یعنی بخل کی ضد ہے۔

اور سخاوت یہ ہے کہ بسہولت خرچ کرے اور غیر پسندیدہ باتوں سے دور رہے۔ یہ جود ہے جو تنگی کی ضد ہے۔

ان اخلاق کریمہ میں بھی حضور ﷺ کا کوئی برابر نہ تھا اور نہ کوئی ان میں آپ ﷺ کا معارض۔ جو بھی آپ کو پہچانتا تھا وہ تعریف کرتا تھا۔

حدیث: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ حضور ﷺ سے جب کبھی کوئی سوال کرتا تو آپ "لا" یعنی نہیں کبھی نہ فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری ۱/ ۲۳، ۳۱، صحیح مسلم ۴/ ۱۸۰۵، شمائل ترمذی / ۲۷۹۰)

حضرت انس اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ (صحیح مسلم ۴/ ۱۸۰۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر سخی تھے اور رمضان المبارک میں تو بہت ہی سخاوت فرماتے تھے اور جب بھی جبریل علیہ السلام حاضر بارگاہ ہوتے تو آپ تیز ہوا سے زیادہ بھلائی میں سخاوت فرماتے۔ (صحیح بخاری ۱/ ۵، صحیح مسلم ۴/ ۱۸۰۲، ۱۸۰۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان کی برابر بکریاں عنایت فرما دیں۔ جب وہ اپنی قوم میں گیا۔ اس نے کہا: مسلمان ہو جاؤ بیشک محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ کبھی فاقہ کا خوف رہتا ہی نہیں۔ (صحیح مسلم ۴/ ۵۷)

بہت لوگوں کو آپ ﷺ نے سو اونٹ تک دیئے۔ صفوان کو آپ نے سو دیئے پھر سو دیئے۔

(صحیح مسلم ۴/ ۱۸۰۶)

یہ اخلاق تو آپ ﷺ کے بعثت سے پہلے تھے۔آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل نے کہا: آپ ﷺ سب دیتے ہیں اور معدوم یعنی اخروی بھلائی کماتے ہیں۔ (صحیح بخاری ۲/ ۱۴۳، صحیح مسلم ۱/ ۷۳)

آپ نے ہوازن کوان کے قیدی لوٹا دیئے۔ان کی تعداد چھ ہزار تھی۔

(صحیح بخاری کتاب الحکام ۹/ ۵۹، مغازی ۵/ ۱۲۶)

آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اتنا سونا دیا کہ وہ اس کو اٹھانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں نوے ہزار درہم آئے۔آپ ﷺ اس کو بورے پر رکھ کر کھڑے ہو گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا آپ ﷺ نے کسی سائل کو نہ لوٹایا یہاں تک کہ سب تقسیم فرما دیئے۔

(صحیح بخاری باب الصلوۃ ۱/ ۷۶، ابوالحسن بن الضحاک فی الشمائل عن الحسن مرسلا کما فی مناہل الصفاء للسیوطی/ ۶۴)

اس وقت ایک سائل نے حاضر ہو کہ سوال کیا۔آپ نے فرمایا: اب میرے پاس کچھ نہیں لیکن تم میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس آجائیں گے میں ادا کردوں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اتنی تکلیف نہیں دی جس پر آپ ﷺ قادر نہ ہوں۔حضور ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا۔ (شمائل ترمذی/ ۲۸۱)

انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ خرچ کیجئے۔عرش کے مالک اللہ سے کمی کا خوف نہ کیجئے۔حضور ﷺ مسکرا دیئے اور خوشی کے آثار آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر نمودار ہو گئے اور فرمایا: مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک طباق کھجور اور ککڑی لایا تو آپ نے لپ بھر کے زیور اور سونا مرحمت فرمایا۔

(سنن ترمذی ۴/ ۳۵۸، مسند امام احمد ۳/ ۲۶۳، ۱۲۵، ۱۰۸، ۳۷۳، ۲۶۹)

بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کل کیلئے کبھی کوئی چیز جمع کر کے نہ رکھتے تھے۔

(سنن ترمذی ۴/ ۱۰، شمائل ترمذی/ ۲۸۰)

غرضیکہ حضور ﷺ کے جود و کرم کے واقعات بکثرت ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سوال کیا تو اس کو آپ نے نصف وسق یعنی تیس صاع عطا فرمائے۔ایک اور شخص نے آکر تقاضہ کیا۔آپ نے اس کو ایک وسق یعنی ساٹھ صاع دیئے اور فرمایا: نصف تیرے قرضہ میں اور نصف تم کو بخشش میں۔ (مناہل الصفا ص ۶۵)

چودھویں فصل

آپ ﷺ کی شجاعت و بہادری

شجاعت اور نَجْدَہ ایک فضیلت ہے۔

شجاعت یہ ہے کہ غضب کی قوت ہوتے ہوئے اس کو عقل کے تابع کر دیا جائے۔

نجدہ یہ ہے کہ موت کے وقت نفس مطمئن ہو اور اس کے اس فعل کی تعریف کی جائے۔ یہ خوف کی ضد ہے۔

حضور ﷺ کی شجاعت و بہادری اس مرتبہ تک تھی کہ کوئی اس سے ناواقف نہ تھا۔ یعنی مشہور تھی۔ آپ ﷺ کو بہت سے سخت مواقع پیش آئے کہ بڑے بڑے بہادر شجاع نہ ٹھہر سکے۔ مگر آپ ﷺ ثابت قدم رہے اور نہ ہٹے۔ مقابلہ کیا مگر پیٹھ نہ دکھائی۔ نہ وہاں سے ایک انچ ادھر ادھر ہوئے۔ کوئی شجاع ہو مگر وہ بھاگنے پر مجبور ہوتا ہے، وہ دور شمار میں آتا ہے اور اس کے ٹل جانے کی یاد باقی رہتی ہے۔ لیکن حضور ﷺ ہر مقام پر ثابت قدم ہی رہے۔

حدیث: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا: کیا غزوۂ حنین کے دن تم لوگ حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ کہا لیکن رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے تھے پھر کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو سفید دراز گوش پر دیکھا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ درآنحالیکہ حضور ﷺ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبَ، اَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ۔

ترجمہ یعنی میں وہ نبی ہوں جو جھوٹا نہیں اور میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔

پس اس دن حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی بہادر نہ دیکھا گیا۔ ایک راوی کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ اپنے دراز گوش (خچر) سے اتر گئے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی ۱۲۶/۵، صحیح مسلم ۱۴۰۰/۳)

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ جب مسلمان اور کافر گتھم گتھا ہو گئے اور مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تو حضور ﷺ اپنے دراز گوش (خچر) کو ایڑی لگا کر کفار کی طرف بڑھتے تھے اور میں اس کی لگام پکڑے ہوئے تھا اور آپ ﷺ کو روکتا تھا کہ جلدی نہ کریں یہاں تک کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی رکاب پکڑ لی۔ پھر پکارا: اے مسلمانو! (آخر حدیث تک)

(صحیح مسلم ۱۳۹۸/۳)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غصہ فرماتے۔ حالانکہ آپ ﷺ کا غضب صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا۔ تو کوئی چیز آپ ﷺ کے غضب کی تاب نہ لاسکتی تھی۔ (شمائل ترمذی رضی اللہ عنہ ۲۲۴، ۲۲۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے بڑھ کر کسی کو بہادر، صاحب حوصلہ، سخی اور ہر معاملہ میں خوش نہ دیکھا۔ (مقدمہ دارمی ۱/ ۳۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب لڑائی شدت اختیار کر جاتی اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں تو ہم رسول اللہ ﷺ کے بچاؤ کی فکر کرتے۔ لیکن آپ ﷺ سے زیادہ کوئی بھی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔ بدر کے دن بیشک تم نے مجھے دیکھا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں تھے اور آپ ﷺ ہم سے آگے دشمن کے قریب تھے اور اس دن سب سے بڑھ کر آپ ﷺ لڑائی میں تھے اور کہتے ہیں۔ کہ بہادر وہی گنا جاتا تھا جو دشمن کے قریب ہونے کے وقت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نزدیک ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ دشمن کے قریب ہوتے تھے۔ (صحیح مسلم ۳/ ۱۴۰۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۲۵۸، ۵/ ۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے بہتر، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات مدینہ کے لوگ گھبرا گئے اور لوگ آواز کی جانب چل پڑے تو دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس جانب سے واپس آرہے ہیں۔ گویا آپ ﷺ اس آواز کی طرف پہلے ہی پہنچ گئے تھے اور خیر کی خبر لائے تھے۔ آپ ﷺ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر بلا زین و کاٹھی، سوار ہو کر تلوار گلے میں لٹکا کر تشریف لے گئے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے ہرگز خوفزدہ نہ ہو۔

(صحیح مسلم ۴/ ۱۸۰۲، صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/ ۱۵۰)

عمران بن حصین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب کسی لشکر کے مقابل ہوتے تو مسلمانوں میں سے سب سے پہلے حملہ کرتے۔ (مکارم اخلاق/ ۵۴)

اور جب ابی ابن خلف (منافق) نے یوم احد حضور ﷺ کو دیکھا تو وہ کہتا تھا: کہاں ہیں محمد! اگر وہ بچ گئے تو میری خیر نہیں۔ بدر کے دن جب نبی کریم ﷺ آئے اور اس سے فدیہ لیا گیا تو اس نے کہا تھا: میرے پاس ایک گھوڑا ہے اس کو روزانہ ایک رطل بھر چنے کا ٹوکرا کھلا کر پالوں گا تا کہ اس پر سوار ہو کر آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) شہید کردوں۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: (او بدبخت) انشاء اللہ میں ہی تم کو قتل کروں گا۔

پس جب جنگ احد میں اس نے حضور ﷺ کو دیکھا تو تیزی سے گھوڑا بڑھا کر حضور ﷺ پر حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں نے اس کا راستہ روک لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو۔

اسی طرح حضور ﷺ نے حارث بن صمہ سے مبازرت فرمائی۔

تو آپ ﷺ نے اس کو اس طرح جھنجھوڑا کہ کفار ایسے بھاگے جس طرح اونٹ کی کمر سے مکھی بھنبھناتی اڑتی ہے جب اونٹ حرکت کرتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کا مقابلہ فرمایا اور اس کی گردن میں اس شدت سے نیزے کی انی ماری کہ وہ گھوڑے پر قلابازی کھاتا، لڑکھڑاتا گرا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی ایک پسلی توڑ دی۔

جب قریش کی طرف واپس لوٹا تو وہ کہتا تھا: مجھ کو محمد (ﷺ) نے قتل کر دیا اور قریش کہتے تھے: کچھ مضائقہ نہیں۔ اس پر اس نے کہا: اگر وہ لوگ اس درد کا احساس کرتے جو مجھ کو ہوا تھا تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ کیا یہ نہ کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک دیتے تو یقیناً وہ مجھ کو قتل کر دیتے۔ غرضیکہ وہ مقام شرف میں مکہ واپس آتے آتے مر گیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/۲۵۸، طبقات ابن سعد ۲،/۴۶، مصنف عبدالرزاق ۵/۳۵۶، ۳۵۷)

پندرھویں فصل

آپ ﷺ کی حیاء چشم پوشی

حیا وہ ایک ایسی رقت ہے جو انسان کے چہرے پر اس وقت نمودار ہوتی ہے جب وہ کسی مکروہ عمل کو دیکھے جس کا نہ کرنا بہتر ہو۔

اِغْضَاءُ یعنی چشم پوشی ۔ یہ ایک وہ صفت ہے جب انسان کسی ایسی چیز کو دیکھے جس کو اپنی طبیعت سے برا جانتا ہو پھر اس سے منہ پھیرے۔

تو اس میں بھی حضور نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حیا فرمانے والے اور سب سے بڑھ کر غض بصر یعنی چشم پوشی کرنے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ ذَالِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ (الاحزاب ۵۳)

ترجمہ تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کیلئے تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکی سے زیادہ حیا والے تھے۔ جب حضور ﷺ کسی چیز سے کراہت فرماتے تو ہم حضور ﷺ کے چہرہ انور سے پہچان جاتے۔ حضور ﷺ کا چہرۂ انور لطیف تھا۔ ظاہری جلد باریک تھی۔ آپ ﷺ حیا کی وجہ سے جس بات کو مکروہ سمجھتے اس سے رَو دَررُو (بالمشافہ) کلام نہ کرتے۔ یہ آپ ﷺ کی شریف النفسی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ۱۵۱/۴، صحیح مسلم ۱۸۰۹/۴، شمائل ترمذی ۲۸۳/)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کسی کی طرف سے کوئی ناگوار اطلاع ملتی تو آپ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ فلاں کا کیا حال ہے، وہ ایسا کہتا ہے۔ بلکہ آپ یہ فرماتے: فلاں قوم کیا کرتی ہے یا فلاں قوم کیا کہتی ہے ۔ اس سے ان کو باز رہنے کی تلقین فرماتے اور ایسا کرنے والے کا نام نہ لیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد شریف ۱۴۳/۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس سے کچھ نہ فرمایا اور آپ ﷺ کسی کی موجودگی میں ناگوار بات کی نسبت کلام نہ فرماتے تھے۔ پس جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس سے کہہ دیتے کہ اس کو دھوڈالو۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تم اس کو کہہ دیتے کہ اس کو اتار دے۔ (تو وہ اتار دیتا)

(سنن ابوداؤد ۵/۱۴۳، شمائل ترمذی / ۲۷۳)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گو تھے اور نہ عمداً فحش بات کہتے اور نہ بازاروں میں چلا چلا کر باتیں کرتے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے۔ بلکہ اس کو معاف کر دیتے، درگزر فرماتے۔ (شمائل ترمذی / ۲۷۴، سنن ترمذی ۴/ ۲۳۶)

بروایت عبداللہ بن سلام اور عبداللہ بن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہما توریت میں ایسا ہی مروی ہے۔

انہیں سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احیاء کی وجہ سے کسی کے چہرے پر نظر جما کر باتیں نہ فرماتے تھے۔ اور آپ کسی کی مکروہ بات کو اضطراراً کنایتاً فرما دیتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی / ٦٧)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر نہ دیکھا۔

(ابن ماجہ جلد ۱ باب الطہارۃ ۱/ ۲۱۷، شمائل ترمذی / ۲۸۳)

سولھویں فصل

آپ ﷺ کا حسن ادب ومعاشرہ اوراخلاق

حضور اکرم ﷺ کا حسن معاشرہ، آپ ﷺ کا ادب اور لوگوں سے آپ ﷺ کی وسعت اخلاق کے بارے احادیث صحیحہ بکثرت مذکور ہیں۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وصف جمیل میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا اور لوگوں سے زیادہ کشادہ سینہ اور سب سے بڑھ کر صادق القول اور سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے برتر معاشرہ وبرتاؤ تھا۔ (صحیح مسلم ۴/ ۱۸۲، شمائل ترمذی / ۲۸۰، صحیح بخاری فی کتاب بدوحی ۱/ ۵)

حدیث: قیس ابن سعد رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا۔ اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے آخر میں کہا کہ جب آپ ﷺ نے لوٹنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنا دراز گوش (خچر) پیش کر کے اس پر ایک کمبل ڈال دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اس پر سوار ہوئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قیس رضی اللہ عنہ سے کہا: تم حضور ﷺ کی مصاحبت میں ساتھ جاؤ۔ قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سوار ہو جاؤ۔ میں نے انکار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ میں مجبوراً واپس آ گیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم آگے بیٹھ جاؤ کیونکہ سواری کا مالک اس کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ آگے بیٹھے۔ (سنن ابوداؤد ۵/ ۳۷۳، عمل الیوم والیلہ / ۱۱۵)

رسول اللہ ﷺ لوگوں سے الفت فرماتے اور ان سے نفرت نہ کرتے تھے اور آپ ﷺ ہر قوم کے بااخلاق فرد کی تکریم کرتے اور ان کو ان پر حاکم مقرر کرتے (بدخلق) لوگوں کو خوف خدا دلاتے اور ان سے احتراز فرماتے نہ یہ کہ ان سے منہ پھیر لیں یا بدخلقی کریں۔ اپنے اصحاب کی نگرانی فرماتے اور اپنے ہمنشیں کو اس کا حصہ مرحمت فرماتے۔ حاضر مجلس میں کوئی یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی اور بھی اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کے نزدیک مکرم ہے۔ جو شخص بھی آپ کے پاس بیٹھتا یا کسی ضرورت سے زیادہ قریب ہوتا تو حضور ﷺ صبر فرماتے یہاں تک کہ وہ خود ہی اٹھ کر چلا جائے تو چلا جائے اور جو شخص بھی اپنی حاجت کیلئے آپ ﷺ سے سوال کرتا تو اس کو دے کر بھیجتے یا اس سے نرم بات کرتے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کا اخلاق اس قدر وسیع تھا کہ تمام لوگوں پر وہ محیط تھا۔ گویا آپ ﷺ سب کے باپ (بلکہ اس سے بڑھ کر) تھے اور تمام مسلمان آپ ﷺ کے نزدیک حق میں مساوی تھے۔

ابن ابی حالہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کی یہی تعریف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خوش رو، خوش خلق اور نرم دل رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی بدخلقی، بدکلامی، بازار میں چلا کر بولنا، بدگوئی اور عیب چینی صادر نہ ہوئی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ مخواہ کسی کی مدح سرائی کرتے۔ جس چیز کو نہ چاہتے اس سے تغافل کرتے اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مایوس نہ ہوتا۔ (شمائل ترمذی/۲۶۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔

(ال عمران ۱۵۹)

ترجمہ پس (صرف) اللہ کی رحمت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم ہو گئے ان کیلئے اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (حم سجدہ ۳۴)

برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے۔

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی سنتے، جو ہدیہ پیش کرتا قبول فرماتے تھے۔ اگرچہ ایک ٹکڑا گوشت ہی کا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بدلہ دیتے۔

(سنن ترمذی ۳۹۷ شمائل ترمذی ص/۲۶۸ صحیح البخاری فی کتاب الھبۃ ۳/۱۳۷ اسنن ابوداؤد فی البیوع ۳/۸۰۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی مجھ سے اف نہ فرمایا اور نہ کبھی میرے کسی کام کو کہا کہ یہ کیوں کیا اور نہ کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا: یہ کیوں نہ کیا؟

(صحیح مسلم ۴/۱۸۰۴، بخاری فی الادب المفرد/۱۷ صحیح بخاری ۴/۱۰ اسنن ابوداؤد ۵/۱۴۳)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اخلاق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص نہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ یا گھر والوں میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لبیک ہی فرماتے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم کمافی مناہل الصفاء للسیوطی/۶۹)

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی مجھے نہ روکا اور جب بھی مجھے دیکھتے تو آپ مسکرا دیتے۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/۱۳۳، صحیح مسلم ۴/۱۹۲۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے خوش کلامی بھی فرماتے اور ان سے مل کر بیٹھتے اور ان سے باتیں کرتے اور ان کے بچوں کو پیار کرتے، گود میں بٹھاتے اور آزاد مرد، غلام باندی اور غریب کی دعوت

قبول فرماتے اور عیادت (بیمار پرسی) شہر کے آخری کونے تک جا کر کرتے اور کسی معذور کا عذر قبول فرماتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ باب التجارات ۲/ ۷۷۰، شمائل ترمذی/ ۲۶۳، صحیح بخاری باب غزوہ تبوک ۶/ ۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس نے کان میں بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اس کی سماعت فرماتے جب تک وہ خود علیحدہ نہ ہو جاتا اور جو کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ لیتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اس وقت تک ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتا اور کبھی یہ نہ دیکھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمنشین سے آگے گھٹنے کر کے بیٹھے ہوں۔

(سنن ابوداؤد باب الادب ۵/ ۱۴۷، کشف الاستار ۳/ ۱۵۸)

اور جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتا تو اس سے پہلے سلام کرتے اور اپنے صحابہ سے پہلے خود مصافحہ فرماتے۔ (سنن ابوداؤد باب الادب ۵/ ۳۸۹)

اور کبھی یہ نہ دیکھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے سامنے پائے اقدس پھیلا کر بیٹھے ہوں کہ اس سے جگہ میں کسی کیلئے تنگی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عزت کرتے جو بھی حاضر بارگاہ ہوتا اور بسا اوقات اس کیلئے اپنا کپڑا یا اپنے نیچے کا بستر بچھا دیتے اور اس کو اس پر بیٹھنے کی تاکید فرماتے اگرچہ وہ انکار کرتا۔ (دارقطنی کمافی مناہل الصفا للسیوطی/ ۷۰)

اپنے صحابہ کی کنیت مقرر فرماتے اور ان کو ان کے اچھے ناموں سے مخاطب کرتے۔ یہ ان کی عزت افزائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی بات کو قطع نہ فرماتے اگر اس کی بات لمبی ہو جاتی تو یا تو منع کر دیتے یا کھڑے ہو جاتے اور یہ بھی مروی ہے کہ یا تو انتہا تک سماعت فرماتے یا خاموش بیٹھے رہتے۔

یہ بھی مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو مختصر کر کے اس سے آنے کا مطلب پوچھتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر نماز شروع کر دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے زیادہ تبسم فرماتے اور ان سے پاکیزہ تر تھے۔ جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل نہ ہوتا یا وعظ و خطبہ نہ فرماتے۔ (تخریج الاحیاء ۲/ ۳۶۵، ۳۶۶)

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تبسم نہ دیکھا۔ (شمائل ترمذی/ ۱۸۹، مسند امام احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نماز فجر کے بعد مدینہ منورہ کی باندیاں پانی بھرا برتن لاتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے اور بسا اوقات سردی کا موسم بھی ہوتا تھا اور اس سے لوگ تبرک حاصل کرتے تھے۔ (صحیح مسلم ۴/ ۱۸۱۲)

سترھویں فصل

آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی اور رحمت

حضور ﷺ کی شفقت و مہربانی اور رحمت تمام مخلوق پر اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبہ ۱۲۸)
گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت ہی خواہش مند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (الانبیاء ۱۰۷)
ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کیلئے۔
بعض علماء حضور ﷺ کی فضیلت میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں سے دو نام اس آیت کریمہ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ میں عطا فرمائے۔ اور اسی کی مثل ابوبکر بن فواک رضی اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔

حدیث: ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے بالا سناد مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ فرمایا اور غزوۂ حنین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ کو سو اونٹ غنیمت دیئے۔ پھر سو اونٹ پھر سو اونٹ۔

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ نے ہم سے کہا۔ صفوان رضی اللہ عنہ کہتا تھا کہ خدا کی قسم حضور ﷺ نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا بہت عطا فرمایا۔ حالانکہ میں حضور ﷺ کو مخلوق میں سب سے برا سمجھتا تھا لیکن حضور ﷺ مجھے برابر عنایت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اب میرا یہ حال ہے کہ مخلوق میں حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی مجھے محبوب نہیں۔

مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے آ کر حضور ﷺ سے کچھ مانگا۔ حضور ﷺ نے اس کو عنایت فرما دیا۔ پھر فرمایا: کیا میں نے تم پر احسان کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں اور نہ تم نے کچھ احسان کیا۔
اس پر مسلمان غضبناک ہوئے اور اس کے مارنے کو کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو اشارے سے روک دیا۔ پھر حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور اس کی طرف مزید مال بھیجا پھر فرمایا: کیا میں نے تم پر احسان کیا؟ اس نے کہا: ہاں اللہ آپ ﷺ و اہل و عیال کی جانب سے برکت دے۔ پھر اس سے حضور ﷺ نے فرمایا:

تو نے مجھ سے جو کہا کہا لیکن میرے صحابہ کے دل میں تیری طرف سے انقباض ہے اگر تو پسند کرے تو تو ان کے سامنے بھی وہی کہہ دے جو تو نے مجھ سے کہا ہے تاکہ تیری طرف سے ان کے دل بھی صاف ہو جائیں۔

اس نے کہا: بہت اچھا۔

جب دوسرا دن آیا یا شام آئی تو وہ اعرابی آیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک یہ وہی دیہاتی ہے۔ اس نے جو کچھ کہا کہا پس میں نے اس کو کچھ اور دیا۔ اب وہ کہتا ہے کہ میں راضی ہو گیا، کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ اس دیہاتی نے کہا: ہاں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اہل وعیال کی جانب سے برکت دے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: میری اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کی اونٹنی ہو اور وہ بھاگ جائے۔ پھر لوگ اس کے پیچھے دوڑیں مگر وہ اونٹنی قریب ہونے کی بجائے دور ہی بھاگتی جائے۔ اس وقت اس کا مالک ان سے کہے کہ میرے اور اونٹنی کے معاملہ میں تم دخل مت دو۔ میں اس کیلئے تم سے زیادہ نرم ہوں اور وہ خوب جانتی ہے۔ پس وہ اونٹنی کے آگے سے آیا اور زمین کی سبزی دکھا کر اس کو پکڑ لیا اور لوٹا لایا۔ یہاں تک کہ وہ آ گئی اور بیٹھ گئی اور اس کے اوپر کجاوہ باندھ دیا اور اس پر سیدھا بیٹھ گیا اور اگر میں تم کو چھوڑ دیتا جیسا کہ اس نے کہا تھا تو تم اس کو قتل کر دیتے اور وہ جہنم میں جاتا۔ (مجمع الزوائد ۹/ ۱۶۔۱۵، کشف الاستار ۳/ ۱۶۰، ۱۵۹)

حضور ﷺ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تم میں سے کوئی میرے صحابہ کے بارے میں کچھ نہ پہنچائے۔ پس میں اس کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا تمہاری طرف گزر ہو تو میرا دل صاف ہو۔ (سنن ترمذی ۵/ ۳۶۹، سنن ابوداؤد ۵/ ۱۸۳)

حضور ﷺ کو امت پر شفقت، تخفیف اور ان پر آسانی اس قدر منظور تھی کہ بعض وہ باتیں ناپسند فرماتے تھے جس میں یہ خوف ہو کہ کہیں ان پر فرض نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر امت کے بارے میں یہ بات شاق نہ ہوتی تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ ہر وضو کے ساتھ مسواک ضرور کریں (صحیح بخاری کتاب الجمعۃ ۲/ ۴، مسلم ۱/ ۲۲۰) اور رات کی نماز (تہجد) (صحیح بخاری کتاب الوضوا/ ۴۴، صحیح مسلم ۱/ ۵۴۱) اور صوم وصال (پے درپے روزے رکھنا) (صحیح بخاری کتاب الصوم ۳/ ۳۴، صحیح مسلم ۲ صحیح ۷۷۶) سے صحابہ کو منع فرمانا اور عمارت کعبہ میں داخل ہونے کو اس لئے ناپسند فرمایا (سنن ابوداؤد کتاب المناسک ۲/ ۵۲۶، سنن ترمذی کتاب الصلوۃ ۲/ ۱۸۰) کہ کہیں امت دشواری میں نہ پڑ جائے اور اللہ سے اس کی آرزو کرنا

کہ میرا سبب اور لعنت (کفار پر) کرنا امت کیلئے رحمت کر دے اور حضور ﷺ کا یہ حال مبارک کہ جب کسی بچے کے رونے کی آواز کو نماز میں سنا تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتے (یہ سب حضور ﷺ کی شفقتوں میں سے ہے) (صحیح بخاری کتاب الاذان ۱/۱۸۱ صحیح مسلم ۱/۳۴۲)

حضور ﷺ کی شفقتوں میں سے یہ بات بھی تھی کہ اپنے رب سے دعا مانگی اور اس کا عہد لیا کہ میں جس شخص کو بھی برا کہوں یا لعنت بھیجوں تو اے مولا تو اس کو اس شخص کیلئے سبب پاکیزگی، رحمت، دعا، طہارت اور ایسی قربت جو قیامت کے دن مجھ سے نزدیک کر دے، بنا دے۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات ۸/۶۵ صحیح مسلم ۴/۲۰۰۹، ۲۰۰۷، مسند امام احمد ۲/۳۹۰)

اور جب کوئی قوم حضور ﷺ کو جھٹلاتی تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہو کر عرض کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے حق میں آپ کی قوم کی وہ باتیں جو آپ کی تردید کرتی ہیں، سنی ہیں اور بیشک پہاڑوں کے فرشتہ کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کا حکم بجا لائے جو کچھ آپ کی مرضی ہو۔

پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے آپ کو پکارا اور حضور ﷺ پر سلام عرض کیا اور کہا: مجھے جو چاہے حکم دیجئے۔ اگر آپ چاہیں تو دونوں پہاڑ ان پر الٹ دوں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ میں تو اس کی خواہش رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے وہ لوگ پیدا فرمائے جو اللہ کی عبادت کریں اور اس میں وہ کسی کو شریک نہ کریں۔

ابن منکدر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جبریل امین علیہ السلام نے حضور ﷺ سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین اور پہاڑوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اطاعت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت (دعوت) کو ڈھیل دیتا ہوں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ ان کو توبہ نصیب کرے۔

(صحیح بخاری ۲/۹۱، صحیح مسلم ۳/۱۴۲۰)۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کو جب کبھی بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کو پسند فرمایا۔ (صحیح بخاری ۲/۹۱، صحیح مسلم ۳/۱۴۰۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہماری حالت وطبیعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ بخوف اس بات کے کہ ہم اکتا نہ جائیں۔ (صحیح بخاری کتاب العلم ۱/۲۱، صحیح مسلم ۴/۲۱۷۳)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوئیں جو سخت مزاج تھا۔ اس کو آگے پیچھے کرتیں (تاکہ وہ سدھر جائے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نرمی اختیار کرو۔ (صحیح مسلم ۴/۲۰۰۴)

اٹھارہویں فصل

آپ ﷺ کی وفا، حسن عہد اور صلۂ رحمی

حضور ﷺ کے اخلاق کریمہ میں وفا، حسن عہد اور صلۂ رحمی یہ ہے کہ

حدیث: عبداللہ بن حمساء رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعثت یعنی اظہار نبوت سے قبل میں نے حضور ﷺ سے ایک معاملہ خرید و فروخت کا کیا تھا۔ اس کا کچھ روپیہ باقی رہ گیا تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ آ کر آپ ﷺ کو روپیہ ادا کروں گا۔ میں بھول گیا۔ تین دن کے بعد مجھے یاد آیا۔ میں آیا اور دیکھا کہ حضور ﷺ ہنوز اسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اے جوان! تو نے مجھے تکلیف دی تین دن سے اسی جگہ تیرا انتظار کر رہا ہوں۔

(سنن ابوداؤد ۵/ ۲۶۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جب کوئی ہدیہ لاتا تو آپ فرماتے: اس کو فلاں عورت کے گھر لے جاؤ۔ جو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی ہے۔ وہ عورت ان کو بہت محبوب رکھتی تھی۔ (ابن حبان ۹/ ۷۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جس قدر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر غیرت کھائی ہے کسی عورت پر اتنی غیرت نہ کھائی۔ میں نے حضور ﷺ کو ان کا ذکر کرتے سنا ہے۔ جب بھی آپ ﷺ بکری ذبح فرماتے تو ان کی سہیلیوں کو ضرور ہدیہ ارسال فرماتے۔ آپ ﷺ سے ان کی بہن نے اجازت مانگی تو آپ ﷺ ان کے آنے سے خوش ہوئے۔

ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں آئی۔ آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور اچھی طرح خیریت دریافت کی۔ جب وہ چلی گئی تو فرمایا: یہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں آتی تھی۔ ایمان کی خوبیوں میں سے حسن سلوک بھی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الفضائل ۵/ ۳۲، صحیح مسلم ۴/ ۱۸۸۸)

بعض علماء نے آپ ﷺ کی یوں تعریف بیان کی ہے کہ آپ ﷺ اپنے قرابت داروں سے ملتے تھے بغیر اس تخصیص کے کہ کون ان میں افضل ہے۔ (یعنی ہر ایک سے ملتے تھے)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ فلاں کی اولاد میرے ورثاء میں نہیں۔ سوائے اس کے کہ ان سے قرابت ہے۔ سو اس کی برتری سے ان کو ترجیح دیتا ہوں یعنی ملتا ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الاداب ۶/۸، صحیح مسلم ۱/ ۱۹۷)

بیشک حضور ﷺ نے امامہ بنت زینب (نواسی رسول رضی اللہ عنہا) کو اپنے کندھے پر اٹھا کر نماز پڑھی ہے۔ پس جب آپ ﷺ سجدہ فرماتے تو ان کو نیچے اتار کر سجدہ کرتے پھر جب کھڑے ہوتے تو ان کو اٹھا لیتے۔ (صحیح بخاری کتاب الادب ۸/۷ صحیح مسلم ۱/۳۸۶)

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نجاشی (بادشاہ حبش) کی طرف سے ایک وفد بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر استقبال کیا اور ان کی تواضع کی۔ آپ ﷺ کے صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: ہم حضور ﷺ کی طرف سے خدمت کیلئے کافی ہیں۔

فرمایا: یہ ہمارے صحابہ کی (بوقت ہجرت از مکہ تا حبش) خاطر کرتے رہے ہیں۔ اب میری خواہش ہے کہ میں ہی ان کی خاطر کروں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲ /۳۰۷)

اور جب آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء ہوازن کے قیدیوں میں آئی اور اس نے حضور ﷺ کو پہچان لیا تو آپ ﷺ نے اس کیلئے چادر شریف بچھا دی اور فرمایا: اگر تم میرے پاس عزت و محبت سے رہنا چاہو تو رہ سکتی ہو۔ ورنہ میں تمہیں کچھ سامان دے کر تمہاری قوم کی طرف لوٹا دوں۔ تو انہوں نے اپنی قوم میں جانا پسند کیا۔ آپ ﷺ نے سامان دے کر واپس کر دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۵ /۱۹۹، البدایۃ والنھایہ ۴/ ۱۶۳، ۳۶۴)

ابوالطفیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بچپن میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ ایک عورت آئی۔ جب حضور ﷺ کے نزدیک ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کیلئے چادر بچھائی۔ میں نے کہا: یہ عورت کون ہے؟ صحابہ نے کہا کہ یہ حضور ﷺ کی والدہ ہیں جس نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا ہے۔

(سنن ابوداؤد ۵ / ۳۵۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ۵ /۱۹۹)

عمرو بن السائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والد آ گئے۔ آپ نے ان کیلئے چادر کا تھوڑا حصہ بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں آپ ﷺ کی (رضاعی) والدہ آ گئیں تو آپ نے چادر کا دوسرا حصہ بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی آ گئے تو حضور ﷺ کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھالیا۔

(سنن ابوداؤد ۵ / ۳۵۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۵ / ۲۰۰)

حضور ﷺ ثوبیہ باندی ابولہب کو اپنے دودھ پلائی کے صلہ میں کپڑے بھیجا کرتے تھے۔ پھر

جب وہ فوت ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرابت داروں کو دریافت کیا: کہا گیا کہ کوئی باقی نہیں ہے۔

(طبقات ابن سعد ۱/۱۰۹، ۱۰۸)

حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش رہیں خدا کی قسم اللہ ہرگز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی کرتے ہیں اور کل کا بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں کو کھلاتے اور مہمان کی تواضع کرتے ہیں اور مصیبتوں پر حق کی مدد کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم ۱/۱۴۱، ۲، بخاری کتاب التفسیر ۶/۱۴۳)

انیسویں فصل

آپ ﷺ کا تواضع فرمانا

حضور ﷺ کا تواضع کرنا باوجودیکہ آپ ﷺ جلیل المنصب اور رفیع المرتبت ہیں۔ پس لوگوں میں سب سے بڑھ کر متواضع تھے اور تکبر آپ ﷺ سے معدوم تھا۔

اس خصوصیت میں تمہارے لیے صرف یہ حدیث کافی ہے۔ کہ حضور ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ کیا آپ ﷺ نبی بادشاہ ہونا پسند کرتے ہیں یا نبی بندہ؟ تو آپ ﷺ نے نبی بندہ ہونا پسند فرمایا۔ اس وقت آپ ﷺ سے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی اسی تواضع کی بنا پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ ﷺ کو تمام اولاد آدم علیہ السلام کی سرداری مرحمت فرمائے گا اور آپ ﷺ ہی وہ پہلے شخص ہوں گے جو شفاعت کریں گے۔ (مسند امام احمد ۲/۲۳۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/۳۶۹)

حدیث: ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ عصاء مبارک پر ٹیک لگائے جب ہم پر تشریف لائے۔ تو ہم آپ ﷺ کیلئے کھڑے ہوگئے آپ ﷺ نے فرمایا: عجمیوں کی طرح نہ کھڑے ہو کہ وہ ایک دوسرے کی یونہی تعظیم کرتے ہیں اور فرمایا: میں تو ایک بندہ ہوں۔ اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔

(سنن ابوداؤد ۵/۳۹۸، سنن ابن ماجہ ۲/۱۲۶۱)

حضور ﷺ دراز گوش (خچر) پر سوار ہوتے تو کسی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا کرتے تھے اور مسکینوں کے عیادت کرتے اور غریبوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے اور غلاموں کی دعوت قبول کرتے اور اپنے صحابہ میں مل جل کر اس طرح بیٹھ جایا کرتے کہ جہاں جگہ ملتی۔ (شمائل ترمذی/۲۶۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو بڑھایا (کہ انہوں نے خدا کا بیٹا مان لیا معاذ اللہ) میں تو بندہ ہی ہوں تو مجھ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول علیہ السلام کہو۔

(بخاری کتاب الانبیاء ۴/۱۴۴، ابوداؤد کتاب الرقاق، مسند امام احمد ۱/ ۶۰۔۵۵۔۴۷۔۴۴۔۲۴۔۲۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت جس کی عقل میں خلل تھا، آئی۔ اس نے کہا: مجھے آپ ﷺ سے ایک حاجت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام فلاں! تو مدینہ کے جس راستہ پر چاہے بیٹھ جاو ہیں بیٹھ کر تیری ضرورت پوری کروں گا۔ وہ بیٹھ گئی تو حضور ﷺ بھی بیٹھ گئے۔ یہاں

تک کہ اس کی ضرورت پوری ہوگئی۔ (صحیح مسلم ۴/ ۱۸۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش (خچر) پر سوار ہوتے تھے اور غلاموں کی دعوت قبول فرماتے تھے۔ بنی قریظہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار تھے۔ جس کی مہار کھجور سے بٹی ہوئی رسی کی تھی اور اس پر پالان تھا۔ (سنن ترمذی ۲/ ۲۴۱، شمائل ترمذی ۲۶۳ سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۳۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کی روٹی اور باسی سالن پر بلائے جاتے تو بھی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ (سنن ترمذی ۲/ ۳۴۴، سنن ابن ماجہ ۲/ ۸۱۵، شمائل ترمذی/ ۲۶۳)

اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پرانے کجاوہ پر حج فرمایا۔ اس پر جو صوف کی چادر تھی وہ چار درہم سے زیادہ کی نہ تھی۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الحج ۲/ ۹۶۵، شمائل ترمذی/ ۲۶۴، بیہقی ۵/ ۴۴۴)

اسی حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

اے اللہ تعالیٰ اس کو خالص حج بنا جس میں ریا و نمود نہ ہو۔ حالانکہ یہ حج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کیا تھا جب آپ پر زمین کے خزانے کھول دیئے گئے تھے اور اس حج میں سو اونٹ ہدی (قربانی) کیلئے ساتھ لے گئے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲/ ۸۸۶)

اور جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ اس میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حضور میں عاجزی و تواضع سے سر کو پالان پر جھکا دیا تھا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کے اگلے لکڑی کے سرے پر آپ کا سر لگ جائے۔

(دلائل للبیہقی ۵/ ۶۹-۶۸ مستدرک ۳/ ۴۷ مسند ابی یعلی ۶/ ۱۲۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متواضعانہ حالات میں سے ایک آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ مجھ کو یونس ابن متی علیہ السلام (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۴/ ۱۲۶، صحیح مسلم ۴/ ۱۸۴۶) پر فضیلت نہ دو اور نہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت دو اور نہ مجھ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پسند کرو (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۴/ ۱۲۶، صحیح مسلم ۴/ ۱۸۴۴) اور ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے مستحق ہیں۔ جتنی دیر حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں رہے، اتنے دن میں رہتا تو بلانے والے کی پکار کو مان لیتا۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۴/ ۱۱۷، صحیح مسلم ۴/ ۱۸۳۹)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس نے آپ کو یَاخَیْرُ الْبَرِیَّہ کہا تھا۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے۔ (صحیح مسلم ۴/ ۱۸۳۹)

عنقریب ان احادیث پر اس کے بعد انشاء اللہ بحث آئے گی۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حسن اور ابی سعید وغیرہ رضی اللہ عنہما سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں

مروی ہے اور بعضوں نے کچھ زیادہ بھی کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں اپنے اہل خانہ کا کام میں ہاتھ بٹاتے اور اپنے کپڑوں کو صاف فرماتے اور اپنی بکری کا دودھ دوہتے اور اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے، اپنی نعلین گانٹھتے، اپنی خدمت آپ کرتے اور گھر کی صفائی کرتے اور اونٹ کے عقال ڈالتے اور اس کو چارہ دیتے اور خادم کے ساتھ کھانا ملاحظہ فرماتے اور خادمہ کے ساتھ آٹا گندھواتے اور بازار سے اپنا سامان خود لاتے تھے۔ (صحیح بخاری ۸/ ۱۳، شمائل ترمذی/ ۲۷۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۵/ ۳۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کی باندیوں سے کوئی باندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ لیتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں چاہتی لے جاتی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کام کر دیتے۔

ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب سے اس کے بدن پر رعشہ آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوفزدہ نہ ہو، میں بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کی ایک عورت کا فرزند ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔ (صحیح بخاری باب الکبر ۸/ ۱۸، ابن ماجہ ۲/ ۱۳۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بازار گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا خریدی اور تولنے والے سے کہا: اس کو جھکتا تول۔ پورا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ وزن کرنے والا جلدی اٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دینے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: ایسا ہی عجمی اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں، میں تو تم میں سے ایک مرد ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا لے لی۔ میں آگے بڑھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بوجھ لے لوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شے کا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے کہ وہی اس کو اٹھائے۔

(طبرانی اوسط فی مناہل الصفاء للسیوطی / ۷٦)

بیسویں فصل

آپ ﷺ کا عدل، امانت، عفت اور صدق قال (راست گوئی)

حضور ﷺ کا عدل و انصاف، امانت و پاکبازی اور سچائی کا حال یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ امانت دار، سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کا انصاف اور ان میں سب سے زیادہ پاکباز اور راست گو تھے۔ جب سے آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے، ان اوصاف کا آپ ﷺ کے سخت سے سخت تر دشمن اور مخالف کو بھی اعتراف تھا اور اظہار نبوت سے قبل آپ ﷺ کو امین کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو امین اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ ﷺ میں اللہ تعالیٰ نے اخلاق صالحہ جمع فرما دیئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (التکویر۲۱) کی تفسیر میں اکثر مفسرین یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں۔

جب قریش کا خانہ کعبہ کی تعمیر میں اختلاف ہوا کہ کون حجر اسود کو نصب کرے تو انہوں نے فیصلہ کیا صبح جو سب سے پہلے داخل ہو وہ نصب کرے۔ چنانچہ حضور ﷺ داخل ہوئے۔ یہ واقعہ قبل اظہار نبوت کا ہے۔ قریش نے بیک زبان کہا کہ یہ تو محمد ﷺ ہیں، یہ امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں۔

ربیع ابن خثیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مقدمات فیصلے کیلئے حضور ﷺ کے پاس لے جاتے تھے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں آسماں میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین۔ (منایل الصفا للسیوطی ۷۷)

حدیث: حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے ابوجہل نے کہا: ہم آپ ﷺ کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں اس کی تکذیب کرتے ہیں:۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ: لَا يُكَذِّبُوْنَكَ۔ (الانعام ۳۳) (وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو) نازل فرمائی۔ اس کے علاوہ دوسروں نے بھی کہا کہ ہم آپ ﷺ کی تکذیب نہیں کرتے اور نہ ہم میں آپ ﷺ جھوٹے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اخنس بن شریق، ابوجہل سے بدر کے دن ملا۔ اس نے کہا:

اے ابوالحکم! اس وقت میرے اور تمہارے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے جو ہماری باتوں کو سنے مجھے بتلاؤ کہ کیا محمد ﷺ سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے جواب دیا کہ خدا کی قسم بلاشبہ محمد (ﷺ) بالکل سچے ہیں اور انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ (تفسیر ابن جریر ۷/۱۱۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/۲۰۷،۲۰۶)

ہرقل (بادشاہ روم) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا تم ان کو اظہار نبوت سے پہلے جھوٹا پاتے تھے؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان ۵/۱، صحیح مسلم ۱۳۹۳/۲)

نضر بن حارث نے قریش سے کہا: کیا تم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن نہیں گزارا، کیا تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور تم سب سے زیادہ راست گو اور تم میں سب سے بڑھ کر امانت دار نہ تھے۔ یہاں تک کہ جب تم نے ان کی کنپٹی کے بالوں میں سفیدی دیکھی اور تمہارے پاس خدا کا کلام لائے تو تم کہنے لگے کہ وہ ساحر جادوگر ہیں۔ نہیں خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲ /۲۰۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں نے کبھی اس عورت کے ہاتھوں کو نہ چھوا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں نہ ہو۔ (یعنی بیوی یا باندی نہ ہو)

(صحیح بخاری کتاب الاحکام ۶۶/۹)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ہے، ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے بڑھ کر راست گو تھے اور صحیح حدیث میں ہے کہ تجھ پر افسوس ہے کہ اگر میں ہی عدل نہ کروں تو پھر کون عدل کرے گا۔ اگر میں عدل نہ کروں تو میں نقصان و خسارہ میں ہوں۔

(شمائل ترمذی /۲۱)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں میں سے ایک کے اختیار کرنے کو کہا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک اس میں گناہ نہ ہو آسان کو اختیار کیا اور اگر اس میں گناہ ہو تو اور لوگوں سے زیادہ اس سے بچتے تھے۔

ابوالعباس مبرد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسریٰ (ایران کے بادشاہ نوشیرواں) نے اپنے دنوں کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا اور کہتا کہ ہوا کا دن سونے کیلئے، ابر کا دن شکار کیلئے، بارش کا دن پینے کھیلنے کیلئے اور سورج یعنی روشنی کا دن ضروریات کیلئے مناسب ہے۔ ابن خالویہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ (نوشیرواں) ان میں دنیاوی سیاست کا بہترین جاننے والا تھا۔ (جیسا کہ قرآن کریم میں ہے)

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ ○ (الروم ۷)

ترجمہ وہ جانتے ہیں دنیوی زندگی کے ظاہری پہلو کو اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دن کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ اللہ کیلئے اور ایک حصہ اپنے اہل کیلئے اور ایک حصہ اپنے لئے۔ پھر اپنے حصہ کو بھی اپنے اور دوسرے لوگوں میں

تقسیم کر رکھا تھا۔ پس آپ ﷺ خاص لوگوں سے عام لوگوں کی مدد لیا کرتے تھے اور فرماتے کہ تم لوگ ان محتاج و غریب لوگوں کی حاجتیں مجھ تک پہنچاؤ، جو میرے پاس نہیں آسکتے ہیں کیونکہ جو شخص ایسے لوگوں کی حاجت پہنچاتا ہے جو خود نہیں پہنچا سکتا، اللہ تعالیٰ اس کو بڑی گھبراہٹ والے دن (قیامت) میں امن دے گا۔ (شمائل ترمذی/۲۶۵)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کسی کو دوسرے شخص کے گناہ کے بدلے میں نہیں پکڑا کرتے تھے اور نہ کسی کی تصدیق دوسرے کے خلاف کرتے تھے۔ (مراسیل لابی داؤد حدیث ۴۶۸)

ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ میں نے کبھی جاہلیت کے دور میں اہل جاہلیت کے کاموں کے کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ سوائے دو مرتبہ کے پھر ان دونوں کاموں میں اللہ تعالیٰ میرے اور میرے ارادہ میں حائل ہو گیا۔ پھر میں نے کبھی ارادہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رسالت سے مشرف کیا۔ مزید فرمایا

میں نے ایک رات اپنے ساتھی لڑکے سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا، اگر تو میری بکریاں سنبھال لے تو میں مکہ میں جا کر جوانوں کی طرح وہ باتیں کروں جو وہ کرتے ہیں۔ پس میں اس ارادہ میں نکلا یہاں تک کہ میں مکہ کے پہلے مکان میں آیا تو میں نے کسی کی شادی کے سلسلہ میں وہاں دف اور باجہ بجنے کی آواز کو سنا۔ میں وہاں بیٹھ گیا کہ دیکھوں کیا گاتے ہیں؟ میرے کانوں پر غیبی طور پر کسی نے تھپکنا شروع کر دیا اور میں سو گیا۔ پھر میں دن چڑھے ہی بیدار ہوا اور لوٹ آیا اور میں کچھ نہ کر سکا۔ پھر ایک دفعہ ایسا ہی ایک اور واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد پھر کبھی میں نے ایسا ارادہ نہیں کیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲ / ۳۳ دلائل النبوۃ لابی نعیم / ۱۴۳، البدایہ والنہایہ ۲ / ۲۸۷، الخصائص الکبریٰ ۱/ ۸۹)
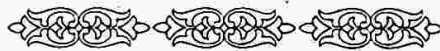
اکیسویں فصل

آپ ﷺ کا وقار، خاموشی، مروت اور نیک سیرتی

حدیث: خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ مجلس میں باوقار تھے۔ آپ کے اعضاء سے کوئی چیز نہ نکلتی (جو وقار کے خلاف ہو)

(مراسیل ابوداؤد باب الادب/۲۴۱)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مجلس میں تشریف رکھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے احتباء کر لیتے تھے۔ (یعنی گھٹنوں کو کھڑا کر کے ان کو ہاتھوں یا کپڑے سے گھیر لینے کو احتباء کہتے ہیں) حضور ﷺ کی اکثر نشست احتباء پر ہوتی۔

(شمائل ترمذی/۱۱۹، سنن ابوداؤد باب الادب ۵/۱۷۵)

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ چہار زانو بیٹھتے اور کبھی بغیر احتباء تشریف رکھتے تھے۔ (صحیح مسلم المساجد ۱/ ۴۶۴-۴۶۳، نسائی ۳/ ۸۰، ابوداؤد ۵/ ۱۷۸)

یہ قیلہ کی حدیث میں ہے۔ (شمائل ترمذی/۱۱۸)

اور آپ ﷺ خاموش طبیعت تھے کہ بلا ضرورت کلام نہ فرماتے تھے۔ جو اچھی بات نہ کہے اس سے پہلو تہی فرماتے تھے اور آپ ﷺ کا ضحک (ہنسنا) صرف مسکرانا ہوتا۔ آپ ﷺ کی مجلس علم و حیاء اور خیر و امانت کی مجلس ہوتی۔ اس میں زور زور سے بولنا نہ ہوتا اور بے پردہ عورتیں نہ بیٹھتیں۔ جب آپ ﷺ کلام فرماتے تو آپ ﷺ کے صحابہ سر جھکا دیتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ کی تعریف میں ہے کہ آپ ﷺ آگے کو جھک کر اور نرمی سے چلتے تھے۔ گویا کہ اوپر سے نیچے کی طرف چل رہے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب آپ ﷺ چلتے تو اپنے تمام اعضاء کو سمیٹ کر چلتے۔ اس شان کے ساتھ کہ نہ اس میں گھبراہٹ ہوتی اور نہ سستی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہتر طریقہ حضور ﷺ کا طریقہ ہے۔

(صحیح بخاری باب الادب ۸/ ۲۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کلام میں ترتیل و ترسیل تھی

یعنی ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب ۲/ ۲۹۳)

ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی چار صفتوں پر مبنی تھی۔ علم، قوت، تقدیر، تفکر۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح باتیں کرتے کہ اگر شمار کرنے والا شمار کرنا چاہے تو کر سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عطر اور عمدہ خوشبو کو پسند فرماتے اور ان دونوں کو اکثر استعمال فرماتے اور دوسروں کو ان کی تلقین کرتے تھے۔ (صحیح مسلم ۴/ ۲۲۹۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے تمہاری دنیا میں سے عطر اور بیوی محبوب ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔ (صحیح مسلم ۴/ ۲۲۹۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مروّت میں سے یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں پھونکنے سے منع فرمایا (مسند امام احمد ۱/ ۳۰۹، طبقات ابن سعد ۳/ ۸۰، ابوداؤد باب الاشربۃ ۲/ ۱۳۵، ترمذی ۳/ ۲۰۳، ابن ماجہ ۲/ ۱۰۹۴۔ ۱۱۳۴) اور اپنے سامنے جو قریب ہو اس کے کھانے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الاطعمۃ ۷/ ۵۹، مسلم شریف ۳/ ۱۵۹۹۔۱۶۰۰) مسواک کرنے اور انگلیوں کے جوڑوں کو صاف کرنے اور خصال فطرت یعنی ختنہ کرنے، موئے زیرناف لینے، مونچھوں کے کترنے، ناخنوں کے کاٹنے، بغلوں کے بال لینے، کلی کرنے، داڑھی بڑھانے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس ۷/ ۱۳۷، صحیح مسلم ۱/ ۲۲۲۔ ۲۲۱، ابوداؤد ۲/ ۱۹۴)

بائیسویں فصل

آپ ﷺ کا زہد وتقویٰ

دنیا میں آپ ﷺ کے زہد وتقویٰ کا حال اخبار و احادیث سے پہلے گزر چکا ہے۔ جو آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے بیان میں اس کتاب میں آچکی ہیں۔ وہ تمہارے لیے بہت کافی ہیں۔ اب یہاں مختصر سا بیان کافی ہے۔

آپ ﷺ دنیا میں تھوڑے پر قناعت کرتے اور اس کی نمود ونمائش سے اجتناب فرماتے تھے۔ حالانکہ تمام دنیا آپ ﷺ کی وجہ سے پیدا کی گئی اور آپ ﷺ پر فتوحات بکثرت ہوئیں۔ باوجود اس کے آپ ﷺ نے جب وصال فرمایا تو آپ ﷺ کی ایک زرہ یہودی کے یہاں گھریلو اخراجات کے سلسلہ میں گروی پڑی ہوئی تھی اور آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔ اے اللہ تعالیٰ رزق کو اولاد محمد (ﷺ) کیلئے توشہ بنا۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق ۸/ ۸۲، صحیح مسلم ۴/ ۲۲۸۱)

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالا سناد مروی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی تین دن متواتر شکم سیر ہو کر گیہوں کی روٹی نہ کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وصال فرمایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو کی روٹی دو دن متواتر شکم سیر ہو کر نہ کھائی اگر چاہتے تو یقیناً اتنا ملتا کہ کسی کے دل میں خطرہ ہی نہ رہتا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی گندم کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے وصال فرمایا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں نہ دینار تھے نہ درہم اور نہ بکری تھی نہ اونٹ۔ (صحیح مسلم ۳/ ۱۲۵۶)

عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ترکہ میں کچھ نہ چھوڑا، سوائے ہتھیاروں اور ایک خچر اور تھوڑی زمین کے وہ بھی صدقہ کر دی گئی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد ۴/ ۲۶)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے میرے گھر میں اس حال میں انتقال فرمایا کہ کوئی چیز ایسی نہ تھی جو کوئی جگر والا کھاتا صرف ایک طاقچہ میں کچھ جو تھے۔ حالانکہ حضور ﷺ نے فوراً مجھ سے فرمایا تھا کہ مجھ پر یہ پیش کش کی گئی تھی کہ مکہ کے میدان کو میرے لئے سونا کر دیا جائے۔

میں نے عرض کیا: نہیں اے میرے اللہ تعالیٰ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں جس

دن میں بھوکا رہوں اس دن تیری بارگاہ میں مناجات کروں اور تجھ سے دعا مانگوں اور جس دن کھاؤں اس دن تیری حمد کروں اور تیرا شکر کروں۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق ۸/۸۱، صحیح مسلم ۴/ ۸۳ ـ ۲۲۸۲)

دوسری حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ ﷺ پسند فرمائیں تو ان پہاڑوں کو سونا کر دوں۔ جہاں آپ ﷺ تشریف لے جائیں، آپ ﷺ کے ساتھ جائیں۔ آپ ﷺ نے تھوڑی دیر سر کو نیچا رکھا پھر فرمایا:

اے جبریل علیہ السلام! دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کہیں مال نہ ہو۔ اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم اللہ تعالیٰ اس قول ثابت پر آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھے۔ (مجمع الزوائد ۱۰/ ۳۱۵، مسند امام احمد ۶/ ۷۱)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم آل محمد ﷺ کا یہ حال تھا کہ ایک ایک مہینہ گھر میں آگ تک روشن نہ ہوتی تھی صرف کھجور اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق ۸/ ۸۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے حال میں وصال فرمایا کہ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اہل خانہ نے جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہ بھرا تھا۔ (شمائل ترمذی ص ۲۸۹)

حضرت عائشہ اور ابوامامہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ ﷺ مع اہل خانہ متواتر کئی کئی راتیں یونہی گزارتے کہ کوئی چیز کھانے کی نہ پاتے تھے۔ (صحیح بخاری ۷/ ۶۵، صحیح مسلم ۴/ ۲۲۸۱، ترمذی ۴/ ۱۰ـ۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی نہ دستر خوان پر کھایا نہ پیالیوں میں اور نہ پتلی روٹی (چپاتی) اور نہ مسلم بکری آپ ﷺ کیلئے کبھی تیار ہوتی۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق ۸/ ۸۲)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا بستر جس پر آپ آرام فرماتے تھے، چمڑے کا ہوتا جس میں کھجور کے ریشہ (جھلڑ) بھرے ہوتے۔

(صحیح بخاری ۸/ ۸۲، شمائل ترمذی/ ۲۶۱، صحیح مسلم ۳/ ۱۶۵۰، ابوداؤد کتاب اللباس)

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا بستر اپنے گھر میں کمبل کا ہوتا جس کو دوہرا کر دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ اس پر آرام فرماتے۔ ایک رات میں نے اس کی چار تہہ کر دی۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا: تم نے رات میرے لئے کیا بستر بچھایا تھا؟

میں نے اس کو بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ اس پر نیند نے مجھے رات کی نماز سے روک دیا (شمائل ترمذی / ۲۶۱) اور آپ ﷺ کبھی کھجور کے چھلکوں سے بنی ہوئی چارپائی پر بھی آرام فرماتے جس سے آپ کے پہلو میں نشان پڑ جاتے۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی ۵ / ۱۲۸، سنن ابن ماجہ ۲ / ۱۳۹۰، صحیح مسلم ۴ / ۱۹۴۴)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا شکم مبارک کبھی بھی نہ بھرا اور نہ کبھی کسی سے اس کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ کو شکم سیر ہونے سے فاقہ زیادہ پسند تھا۔ بلاشبہ آپ ﷺ ساری ساری رات بھوکے رہتے مگر یہ بھوک اگلے دن کے روزہ کو نہ روکتی۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو روئے زمین کے خزانے، پھل، میوے اور فراخ زندگی اپنے رب سے مانگ لیتے اور جب میں آپ ﷺ کے پیٹ پر ہاتھ پھیرتی تو آپ ﷺ کی اس حالت اور بھوک کو دیکھ کر رحم آتا اور رو پڑتی تھی۔

اور میں عرض کرتی: میں آپ ﷺ پر قربان اگر آپ ﷺ دنیا میں سے اتنی غذا لے لیا کریں جو آپ ﷺ کی بھوک کیلئے کافی ہو (تو کیا مضائقہ) آپ ﷺ فرماتے: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھے دنیا سے کیا سروکار! میرے بھائی اولوالعزم رسولوں نے اس سے زیادہ شدائد و مصائب پر صبر کیا ہے۔ وہ اسی حال میں گزر گئے اور اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو عمدہ ٹھکانہ دیا اور بہترین جزا عطا فرمائی اور میں حیا کرتا ہوں کہ اگر یہاں خوشحالی میں رہوں تو کل ان سے کم درجہ میں رہوں۔ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں کہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں (رسولوں) کے ساتھ جا ملوں۔ فرماتی ہیں: اس کے بعد ایک مہینہ بھی قیام نہ فرمایا کہ آپ ﷺ نے اپنی حیات ظاہری پوری کرلی۔

(مناہل الصفا للسیوطی ۲ / ۸۳)

تیئسویں فصل

آپ ﷺ کی خشیت و طاعت اور مشقت و ریاضت

حضور ﷺ کا خوف و طاعت الٰہی کرنا اور اس کیلئے عبادت میں مشقت برداشت کرنا یہ اپنے رب کے علم و معرفت کے موافق تھا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا علم و عرفان حاصل ہے۔ اگر تم جانتے تو یقیناً تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ (بخاری فی الکسوف ۳۱/۱ مسلم ۶۱۸/۲)

ہماری روایت میں ابو عیسیٰ ترمذی نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ زیادہ کیا ہے کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چلاتا ہے اس کو چلانا ہی چاہئے اس میں چار انگلی کی بھی ایسی جگہ نہیں جس میں کوئی فرشتہ اللہ کیلئے سجدہ نہ کرتا ہو۔ خدا کی قسم اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو یقیناً تم ہنستے کم اور روتے زیادہ اور بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرتے اور جنگل میں نکل جاتے اور اللہ سے پناہ مانگتے اور کہتے کہ کاش میں درخت ہوتا جو کاٹا جاتا۔ یہ کلام ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ ہی صحیح ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الزہد ۳۸۱/۳، سنن ابن ماجہ کتاب الزہد ۱۴۰۲/۲)

مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ اتنی نمازیں پڑھا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک پھول گئے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اتنی نمازیں پڑھتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدم متورم ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ سے کہا گیا: آپ ﷺ کیوں اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سبب اگلے پچھلوں کے تمام گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ فرمایا:

کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق ۸۴/۸، صحیح مسلم کتاب المنافقین ۲۱۷۲/۴)

اسی کے مثل حضرت ابو سلمہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر عمل ہمیشگی کا ہوتا تھا۔ تم میں سے کون ہے کہ وہ طاقت رکھے جو حضور ﷺ رکھتے تھے۔ فرماتی ہیں: روزہ رکھتے تھے تو ہم کہتے اب کبھی افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے تھے تو ہم کہتے اب روزہ نہیں رکھیں گے۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم ۴۷/۳ صحیح مسلم صلوٰۃ المسافرین ۵۴۱/۱)

اسی کے مثل ابن عباس، ام سلمہ اور انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم یہ چاہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتا دیکھو تو نماز پڑھتے ملتے۔ اگر تم چاہو کہ حالت خواب میں محو استراحت دیکھو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے ملتے۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم ۳/ ۴۴، صحیح مسلم کتاب الصوم ۲/ ۸۱۱، شمائل ترمذی / ۲۴۵)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔ آپ نے مسواک کی پھر وضو کیا، کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ شروع کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی آیت رحمت کی تلاوت فرماتے تو کچھ وقفہ کرتے اور دعا مانگتے اور جب کسی آیت عذاب کو پڑھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقفہ کرتے اور اس سے پناہ مانگتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کی برابر طویل رکوع کیا۔ اس میں پڑھا: سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْعَظْمَۃِ پاک ہے وہ ذات جو صاحب شوکت و ملک اور عظمت والی ہے۔ پھر سجدہ کیا اور یہی پڑھا۔ دوسری رکعت میں آل عمران پڑھی پھر سورت پھر سورت پڑھی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے رہے۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۱۳۹، شمائل ترمذی / ۲۵۰، نسائی باب الدعاء فی السجود ۲/ ۲۲۲)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور کہا کہ پھر سجدہ کیا قیام کے برابر اور اسی کے برابر دو سجدوں کے درمیان جلسہ کیا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ اور آل عمران اور نساء اور مائدہ پڑھی۔ (صحیح مسلم باب الاستحباب تطویل القراء فی صلوۃ الیل ۱/ ۵۳۶)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور ایک ہی آیت قرآن کو پڑھتے پڑھتے رات تمام کر دی۔ (شمائل ترمذی / ۲۳۲)

عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم پاک سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے ہانڈی پکتی ہے۔

(شمائل ترمذی / ۲۵۵، ابوداؤد کتاب الصلوۃ ۱/ ۴۲۳، سنن نسائی باب البکاء فی الصلوۃ ۳/ ۱۳)

ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غمگین و متفکر رہتے تھے۔ کسی آن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت نہ تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر روز سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔ ایک روایت میں ستر مرتبہ آیا ہے۔ (سنن ابوداؤد باب الوتر ۱/ ۲۳۷، مسند احمد ۲/ ۴۵۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

سنت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معرفت (الٰہی) میری اصل پونجی ہے اور عقل میرے دین کی جڑ ہے اور محبت میری بنیاد ہے اور شوق میری سواری ہے اور ذکر الٰہی میرا غمخوار ہے اور پاکبازی میرا خزانہ ہے اور غم میرا ساتھی ہے اور علم میرا ہتھیار ہے اور صبر میری چادر ہے اور رضا میری غنیمت ہے اور فقر میرا فخر ہے اور زہد میری حرفت ہے اور یقین میری طاقت ہے اور صدق میرا مددگار ہے اور طاعت میرا حسب ہے اور جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ میرے دل کا پھل اس کے ذکر میں ہے اور میرا غم اپنی امت کیلئے ہے اور میرا شوق میرے رب تعالیٰ کی طرف ہے۔ (مناہل الصفاللسیوطی ۸۵)

چوبیسویں فصل

انبیاء علیہم السلام کے کمال خلق اور محاسن جمیلہ

آگاہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیں تمہیں توفیق خیر مرحمت فرمائے کہ بلاشبہ تمام نبی و رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام صفات کے علی وجہ الکمال، ولادت، حسن صورت، نسبی شرافت، پاکیزہ اخلاق اور تمام خوبیوں کے حامل تھے۔ ان صفتوں میں تمام خوبیاں آجاتی ہیں کیونکہ یہ ہی کمال کی صفات ہیں اور انسانی کمال و اکمال اور تمام فضیلتوں کے وہی جامع تھے۔ اس لئے کہ ان کا رتبہ تمام مرتبوں میں بزرگ اور ان کا درجہ تمام درجات میں اعلیٰ و ارفع ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ فرماتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ (البقرہ ۲۵۳)

ترجمہ یہ سب رسول ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر۔

اور فرماتا ہے:

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ○ (الدخان ۳۲)

ترجمہ اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہاں والوں پر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا وہ چودھویں رات کے چاند کی صورت والے ہوں گے۔ پھر آخر حدیث میں فرمایا:

(وہ گروہ) ایک ہی آدمی کی خلقت پر جو ان کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی صورت ہوں گے۔ ان کا طول ستر ہاتھ آسمان میں ہے۔ (صحیح بخاری باب بدء الخلق ۴/ ۹۳، صحیح مسلم ۴/ ۲۱۷۹۔ ۲۱۷۸)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (شب معراج) دیکھا۔ پس وہ ایک ایسے مرد تھے جن کی ناک اونچی باریک اور درمیان میں اٹھی ہوئی تھی۔ گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ میں سے تھے۔

میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو وہ معتدل جوان اور ان کے چہرہ پر جھریاں، سرخ رنگ تھے گویا کہ وہ حمام میں سے نکلے ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام لاغر بدن مثل تلوار کے تھے اور فرمایا: میں اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ان (ابراہیم علیہ السلام) سے زیادہ مشابہ ہوں۔ ایک اور حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا: گندم گوں مردوں میں جن کو تم دیکھتے ہو وہ

سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۵۳، صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۴/ ۱۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد نبیوں کو ان کی قوم کی شریف نسلوں میں سے بھیجتا رہا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ صاحب ثروت یعنی مال و منال میں زیادہ ہوتے تھے۔ (مستدرک ۲/ ۵۶۱)

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ سے اور دار قطنی نے قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت اور خوش آواز پیدا فرمایا اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش آواز ہیں۔ (شمائل ترمذی/ ۲۵۴)

حدیث ہرقل (بادشاہ روم) میں ہے۔ میں نے تم سے ان کے نسب کے بارے میں پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں صاحب نسب (شریف) ہیں اور یونہی ہر رسول علیہ السلام ان کی شریف نسلوں میں تشریف لاتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۴/ ۱۲۵)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ○ (ص ۴۴)

ترجمہ بیشک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا بندہ ہر وقت ہماری طرف متوجہ۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ (الی قولہ) وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ○ (مریم ۱۲ تا ۱۵)

ترجمہ اے یحییٰ پکڑو اس کتاب کو مضبوطی سے ...... جس روز انہیں اٹھایا جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِيْنَ۔

(ال عمران ۳۹)

بیشک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے۔

اور فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ (ال عمران ۳۳)

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

اِنَّهٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ (بنی اسرائیل ۳)
بیشک نوح ایک شکر گزار بندہ تھا۔
اور فرمایا:
اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۝ وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ (ال عمران ۴۶۔۴۵)
ترجمہ اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی اپنے پاس سے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا معزز ہوگا دینا اور آخرت میں اور اللہ کے مقربین سے ہوگا اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی اور نیکو کاروں میں سے ہوگا۔
اور فرماتا ہے:
اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ (مریم ۳۱۔۳۰)
ترجمہ وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے اس نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں۔
اور فرمایا:
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی۔ (الاحزاب ۶۹)
ترجمہ اے ایمان والو! نہ بن جانا ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ کو ستایا۔
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام مرد باحیا اور انتہائی ستر پوش تھے کہ وہ کسی کو اپنے جسم کا کوئی حصہ حیا کی وجہ سے نہ دکھاتے تھے۔
اللہ فرماتا ہے:
فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا۔ (الشعراء ۲۱)
پس بخش دیا مجھے میرے رب نے حکم۔
اور ان میں سے ایک جماعت کی تعریف میں فرمایا:
اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ۔ (الشعراء ۱۴۳)
میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔

اور فرمایا:

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْ جَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ۝ (القصص ۲۶)

ترجمہ بیشک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور بھی ہو۔ دیانتدار بھی ہو۔

اور فرمایا:

فَاصْبِرْ کَمَاصَبَرَ اُولُوْاالْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ (الاحقاف ۳۵)

ترجمہ پس (اے محبوب) آپ صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔

اور فرمایا:

وَوَهَبْنَالَهٗ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ کُلًّا هَدَیْنَا (الی) فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔ (الانعام ۸۴ تا ۹۰)

ترجمہ اور ہم نے عطا فرمائے انہیں اسحاق، اور یعقوب ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔ انہیں کے طریقہ کی پیروی کرو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی اصلاح، ہدایت، اجتباء (پسندیدگی) حکم اور نبوت کے اوصاف کی بڑی تعریف فرمائی۔ فرمایا:

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلَامٍ عَلِیْمٍ۔ (۱۹ع)

اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی۔

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِیْمٍ۔ (الصفت ۱۰۱)

پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔

اور فرمایا:

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ کَرِیْمٌ۝ اَنْ اَدُّوْا اِلَیَّ عِبَادَاللّٰهِ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ۝ (الذخان ۱۸۔۱۷)

ترجمہ اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس معزز رسول (اس نے فرمایا تھا) کہ میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو میں تمہارے لیے معتبر رسول ہوں۔

اور فرمایا:

سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ۝ (الصفت ۱۰۲)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

اِنَّہٗ کَانَ مُخْلِصًا۔ (مریم۵۱)

بیشک وہ (اللہ کے چنے ہوئے) تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے فرمایا:

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوَّابٌo (ص۳۰)

بڑی خوبیوں والا بندہ بہت رجوع کرنے والا۔

وَاذْکُرْ عِبَادَنَآ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِo اِنَّآ اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِo وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ۔ (ص۴۵ تا ۴۸)

ترجمہ اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم اسحٰق اور یعقوب کو بڑی قوتوں والے روشن دل تھے ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے بہت بہترین لوگ ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّہٗ اَوَّابٌ۔ (ص۳۰)

بہت رجوع کرنے والا۔

وَشَدَدْنَا مُلْکَہٗ وَاٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِo (ص۲۰)

ترجمہ سب ان کے فرمانبردار تھے اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌo (یوسف ۵۵)

ترجمہ آپ نے فرمایا مجھے مقرر کر دے زمین کے خزانوں پر بیشک میں (ان کی) حفاظت کرنے والا اور معاشی مسائل کا ماہر ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا:

سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا۔ (الصفت ۳۷)

ترجمہ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَo (القصص ۲۷)

ترجمہ تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے (جو وعدہ ایفا کرتے ہیں)

اور فرمایا:

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ۔ (ھود ۸۸)

ترجمہ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ خود تمہارے خلاف کرنے لگوں اس امر میں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں (نیز) نہیں چاہتا ہوں مگر تمہاری اصلاح (اور درستی) جہاں تک میرا بس ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

وَلُوْطًا اٰتَيْنَاهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ (الانبیاء ۷۴)

اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم عطا فرمایا۔

اور فرمایا:

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ۔ (الانبیاء ۹۰)

ترجمہ بیشک وہ بہت سبک رو تھے نیکیاں کرنے میں۔

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دائمی علم تھا جن کا ذکر بہت سی آیتوں میں ان کی عادتوں اور خصلتوں اور اخلاق کی نسبت کیا گیا۔ جن سے ان کا کمال معلوم ہوتا ہے اور بہت سی احادیث میں ان کا تذکرہ آچکا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بلا شک وتردد میں کریم ابن کریم ابن کریم ہوں۔ یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں جو نبی ابن نبی ابن نبی ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۴/ ۱۱۹، مستدرک ۲/ ۵۷۱ـ۵۷۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام ہیں جن کی آنکھیں تو سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۴/ ۱۵۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود یکہ ان کو بڑا ملک وسلطنت عطا فرمائی ہوئی تھی مگر اللہ کی جناب میں ان کے خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ وہ آسمان کی طرف نظر نہ اٹھاتے تھے اور لوگوں کو توقسم قسم کے لذیذ کھانے کھلاتے اور خود جو کی روٹی کھاتے تھے۔

(الزھد وامام احمد بن حنبل/ ۹۱)

آپ کی طرف وحی کی گئی کہ اے عابدوں کے سردار! اے زاہدوں کے پیشوا کے فرزند! آپ کا حال یہ تھا کہ ایک بڑھیا اس حالت میں آپ کو روک لیتی تھی کہ آپ ہوا کے دوش پر اپنے لشکر کے ہمراہ پرواز کر رہے ہوں۔ آپ علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے تو ہوا ٹھہر جاتی۔ پھر اس کی ضرورت پر غور

فرماتے پھر روانہ ہو جاتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ علیہ السلام کا کیا حال ہے کہ زمین کے خزانوں کے مالک ہوتے ہوئے پھر بھوکے رہتے ہیں۔ فرمایا: مجھے یہ خوف دامن گیر ہے کہ میں اگر شکم سیر ہو گیا تو کہیں کسی بھوکے کو بھول نہ جاؤں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور کی قرأت آسان کر دی گئی تھی۔ آپ حکم دیتے کہ سواری پر زین کسی جائے۔ قبل زین کسنے کے آپ زبور کی تلاوت کر لیتے تھے۔ آپ علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی ہی کھاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ۔ (سبا ۱۰۔۱۱)

ترجمہ نیز ہم نے لوہے کو اس کے لیے نرم کر دیا (اور حکم دیا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو۔

آپ علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا تھا کہ مجھے اپنے ہاتھ کی کمائی کا اتنا رزق دے کہ وہ بیت المال سے مستغنی کر دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور سب سے زیادہ محبوب روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ تھا۔ وہ آدھی رات کو سوتے اور تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سوتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے، صوف کا لباس پہنتے اور بالوں کا بستر ہوتا اور جو کی روٹی نمک وریتہ ملی ہوئی کھاتے تھے۔ اپنے پانی کو آنسوؤں سے ملاتے۔ بعد لغزش کسی نے ان کو ہنستا ہوا نہ دیکھا۔ اپنے رب کے حیاء کی وجہ سے کسی نے آسمان کی طرف نظر اٹھاتے نہ دیکھا۔ اپنی ساری عمر روتے ہوئے ہی گزاری۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام اتنا روئے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے آنسوؤں سے گھاس اگ آئی تھی۔ حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کے رخساروں پر انہوں نے لکیریں ڈال دی تھیں۔

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۴/ ۱۲۸، صحیح مسلم ۲/ ۸۱۶، کتاب الزھد ۱/ ۷۱)

بعض نے کہا کہ آپ علیہ السلام چھپ کر گھر سے نکلتے اور اپنی عادت وخصلت کی معلومات حاصل کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام اپنی تعریف سنتے تو تواضع وانکسار اور زیادہ کرتے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے کہا: اگر آپ گدھا رکھتے تو اچھا تھا۔

آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے برتر ہوں کہ میں گدھے کے ساتھ وقت گزاروں۔
(مصنف ابی شیبہ کمافی مناہل الصفا للسیوطی /۸۷)

آپ علیہ السلام اون کا لباس پہنتے، درختوں کے پتے کھاتے اور آپ کوئی مکان نہ رکھتے تھے۔ جہاں بھی نیند آجاتی وہیں سو جاتے۔ آپ کے نزدیک سب سے پیارا نام یہ تھا کہ کوئی مسکین کہہ کر یاد کرے۔ (کتاب الزہد/۵۵)

بعض کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنوئیں پر پہنچے تو کمزوری کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے پیٹ سے سبزی کے دانے نظر آتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے تمام نبیوں کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ کسی کو فقر سے، کسی کو جوؤں سے اور یہ ان کیلئے تمہارے تحفے سے زیادہ محبوب تھا۔ (مستدرک کتاب الرقاق ۴/۳۰۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خنزیر (سؤر) سے کہا جب وہ آپ کو ملا۔ ''سلامتی کے ساتھ جا'' اس بارے میں آپ سے کہا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں مکروہ جانتا ہوں کہ اپنی زبان کو بری بات سے آلودہ کروں۔

مجاہد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کھانا تر گھاس تھی اور خشیت الٰہی سے اتنے روتے تھے کہ آنسوؤں سے ان کے رخساروں پر گڑھے پڑ گئے تھے اور آپ علیہ السلام وحشی جانوروں کے ساتھ کھاتے تاکہ آپ علیہ السلام لوگوں سے نہ ملیں۔ (البدایہ والنہایہ ۱/۱۴۹)

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے وہب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تختوں سے سایہ لیتے اور پتھر کے گڑھے میں کھاتے اور جب پینے کی خواہش ہوتی تو پتھر کے گڑھے سے پانی اس طرح پیتے جس طرح دابہ (چوپایہ) پیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں تواضع تھا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے شرف ہم کلامی سے نوازا۔

انبیاء علیہم السلام کی یہ سب خبریں لکھی ہوئی ہیں اور ان کے اوصاف کمالیہ، اخلاق جمیلہ، عادات و شمائل حسنہ مشہور و معروف ہیں۔ ہم ان کے بیان سے کلام کو طویل نہیں کرتے اور ان کی طرف توجہ نہ کرو جو بعض جاہل مورخین و مفسرین کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اور وہ ان کی شان کے مخالف ہے۔

پچیسویں فصل

آپ ﷺ کی مختلف امور میں عادت مبارکہ

اللہ تعالیٰ تم کو عزت دے ہم نے حضور ﷺ کے چند اخلاق حمیدہ، فضائل جلیلہ اور خصائل جمیلہ بتا دیئے ہیں اور ان سب کی صحت وتطابق بھی دکھا دی ہے۔ یہ سب کچھ آثار واحادیث سے ہم نے بیان کیا ہے۔ بروجہ قناعت وکفایت ورنہ حضور ﷺ کا مقام بڑا وسیع ہے۔

حضور ﷺ کے حقوق کا باب تو اتنا دراز ہے کہ اس کے ختم ہونے سے پہلے ہی دلائل منقطع ہو جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی خصوصیات کے علم کا سمندر اتنا وافر ہے کہ کوئی ڈول اسے مکدر کرہی نہیں سکتا۔ لیکن ہم نے ان میں سے صرف وہ چیزیں بیان کی ہیں جو معروف ہیں اور اکثر صحاح اور مشہور کتابوں میں مروی ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں کل میں سے قلیل اور بہت میں سے تھوڑے پر اکتفا کیا ہے۔ اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان فصلوں کو ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کے حدیث حسن ختم کر دیں کیونکہ وہ حدیث حضور ﷺ کے شمائل واوصاف کا وافر مجموعہ ہے اور آپ ﷺ کی سیرت وفضائل پر پورا پورا ذخیرہ ہے۔ ہم اس کے ساتھ آخر میں ایک ایسی تنبیہ بھی جو الفاظ ومعانی کے لطیف نکتوں پر مشتمل ہوگی، ملائیں گے۔

حدیث: بروایات متعددہ بالا سناد حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کے بارے سوال کیا۔

(شمائل ترمذی/ ۲۶۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/۲۸۶)

کیونکہ وہ آپ ﷺ کی بہت تعریفیں کرتے تھے۔ میں نے خواہش کی کہ مجھے بھی وہ کچھ بیان کر دیں تاکہ میں اس کو حفظ کرلوں۔ چنانچہ انہوں نے بیان کرنا شروع کیا اور کہا کہ۔

رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر خوب بھرا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند جگمگاتا تھا۔ آپ ﷺ کا قد نہ زیادہ لمبا تھا نہ پست، آپ ﷺ کا سر مبارک بڑا، آپ ﷺ کے بال متوسط تھے کہ نہ بالکل سیدھے اور نہ خمدار، اگر بالوں کو دو طرفہ نہ کرتے تو مانگ نکل آتی ورنہ نہیں، آپ ﷺ کے بال کانوں کی لو سے بڑھے ہوتے اگر آپ ﷺ ان کو چھوڑتے آپ ﷺ کا رنگ گورا، پیشانی کشادہ، ابرو باریک اور لمبے باہم ملے ہوئے نہ تھے، دونوں ابروؤں کے درمیان

ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت بھر جاتی، آپ ﷺ کی ناک باریک اور اونچی، اس میں نور تھا جو بلند تھا، جو شخص بلا تامل دیکھتا وہ گمان کرتا کہ درمیان میں حصہ اونچا ہے، آپ ﷺ کی داڑھی گھنی، آپ ﷺ کی آنکھیں سیاہ، رخسار پتلے، فراخ دہن، چمکتے ہوئے کھلے دانت، آپ ﷺ کی گردن شفاف گویا صاف چاندی کی خوبصورت صراحی، آپ ﷺ کے اعضاء معتدل بھرے ہوئے گوشت والے باہم ملے ہوئے، پیٹ اور سینہ ہموار، چوڑا، سینہ دونوں کندھوں کے مابین فاصلہ، فربہ جوڑوں والے، برہنہ بدن (برہنہ سے مراد جب ستر کے علاوہ بدن کے کسی حصے سے کپڑا ہٹا ہوتا) کی حالت میں بدن چمکتا۔ گلے سے ناف تک بالوں کی الکیر مثل ایک خط کے نظر آتی، پستان بالوں سے خالی، اس کے سوا کلائی، مونڈھے اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے، بازو لمبے، ہتھیلی چوڑی اور گوشت سے بھری ہوئی، دونوں قدم بھی بھرے ہوئے، انگلیاں لمبی، اعصاب لمبے، آپ ﷺ کے دونوں قدم درمیان سے قدرے بلند صاف و نرم کہ ان دونوں پر سے پانی فورا بہہ جائے جب ان پر پانی ڈالا جائے۔

چلنے میں اطمینان سے قدم اٹھاتے، وقار کے ساتھ جھک کر چلتے، قدم لمبا رکھتے، جب آپ ﷺ چلتے تو گویا آپ ﷺ اوپر سے نیچے اتر رہے ہیں، جب آپ ﷺ کسی طرف متوجہ ہوتے تو پورے انہماک سے متوجہ ہوتے، نگاہ نیچی رکھتے، زمین پر آپ ﷺ کی نظر بہ نسبت آسمان کی طرف نظر کرنے سے زیادہ تھی، آپ ﷺ کی نظر اکثر گوشہ چشم سے ہوتی، اپنے صحابہ کے پیچھے چلتے، جو ملاقات کرتا اس کو اس سے پہلے آپ ﷺ سلام کرتے۔

میں نے کہا: حضور ﷺ کے گفتار کی صفت بیان کیجئے۔

کہا: رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمگین و متفکر رہتے، آپ ﷺ کیلئے کوئی لمحہ چین و راحت کا نہ تھا، بلا ضرورت کلام نہ کرتے، خاموشی طویل ہوتی۔ گفتگو کی ابتداء و اختتام جبڑوں کے ساتھ ہوتی۔ آپ ﷺ جوامع الکلم تھے جس میں وضاحت ہوتی نہ فضول ہوتا نہ کمی، نرمی ہوتی سختی نہ ہوتی، نہ کسی کی تذلیل ہوتی۔ نعمت کو بڑی سمجھتے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ کسی چیز کی برائی نہ کرتے، کسی ذائقہ کی مذمت نہ کرتے اور نہ خواہ مخواہ اس کی تعریف کرتے، آپ ﷺ کے غضب کے سامنے کوئی کھڑا نہیں رہ سکتا۔ جبکہ کسی حق کیلئے کوئی مانع ہوتا یہاں تک کہ اس حق کی مدد کرتے اور اپنے نفس کیلئے کبھی آپ ﷺ غضب نہ کرتے اور نہ اس کی حمایت کرتے۔

جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کا اشارہ فرماتے اور جب تعجب کرتے تو اس کو پلٹتے اور جب

بات کرتے تو اس کو ہتھیلی سے ملا لیتے اور اپنے داہنے انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی پر مارتے اور جب آپ ﷺ خفا ہوتے تو منہ پھیر لیتے اور الگ ہو جاتے جب خوش ہوتے تو نگاہیں نیچی کرتے آپ ﷺ کا ہنسا مسکرانا ہوتا۔ اس حالت میں آپ ﷺ کے دندان مبارک مثل اولے کے شفاف نظر آتے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے بھائی) حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سے ایک عرصہ تک اس حدیث کو بیان نہیں کیا۔ پھر جب میں نے ان کو یہ بیان کی تو وہ مجھ سے پہلے ہی سبقت لئے ہوئے تھے اور ان کو یاد تھی۔ پھر اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضور ﷺ کے حالات معلوم کئے کہ کس طرح آپ ﷺ کا شانہ اقدس میں داخل ہوتے، کس طرح اس سے نکلتے، کس طرح بیٹھتے اور کیا حالت تھی؟ تو بیان میں سب کچھ بتلا دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے والد) علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے حضور ﷺ کے مکان میں داخل ہونے کی کیفیت دریافت کی۔ تو فرمایا:

آپ ﷺ اپنے کاشانہ میں دخول کے مجاز و ماوزن تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ مکان میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو دخول کے تین حصے کرتے۔ ایک حصہ اللہ کیلئے اور ایک حصہ اپنے اہل کیلئے اور ایک حصہ اپنے لئے پھر اپنے حصہ کو اپنے اور دوسرے عام لوگوں میں تقسیم فرما دیتے۔ پس اس کو عام پر خواص کے ذریعہ لوٹا دیتے۔ غرضیکہ کوئی بات عوام سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ آپ ﷺ کی یہ عادت تھی کہ امت کے حصہ میں اپنی مرضی سے اہل فضل کو ترجیح دیتے اور ان کا حصہ دین میں ان کے مرتبہ کے مطابق ملتا۔ ان میں کوئی ایک ضرورت والا کوئی دو ضرورت والے، کوئی کئی ضرورت والے ہوتے آپ ﷺ ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے اور ان کو ان کی اصلاح میں مشغول رکھتے اور امت کا حال معلوم کر کے اصلاح فرماتے اور ان کو وہ خبریں سناتے جو ان کیلئے مفید ہوتیں اور فرماتے:

تم میں ہر ایک موجود و حاضر کو چاہئے کہ وہ تم میں جو غائب ہے اور مجھ تک اپنی حاجت پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا، اس کی حاجت مجھ تک پہنچائے کیونکہ جو شخص بادشاہ تک اس شخص کی حاجت پہنچا دے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دونوں قدموں کو ثابت (قائم) رکھے گا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں اس قسم کی باتیں ہوتیں اور نہ آپ ﷺ اس کے سوا کچھ کسی سے قبول فرماتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سفیان بن وکیع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا: صحابہ آپ ﷺ کی مجلس میں حاجت مند ہوتے اور شکم سیر ہو کر جدا ہوتے اور فقیہہ بن کر نکلتے۔

میں نے کہا: آپ ﷺ کے نکلنے کی مجھ کو حالت بیان فرمائیے آپ ﷺ اور کیا کرتے تھے۔

فرمایا: رسول اللہ ﷺ اپنی زبان مبارک کو قبضہ میں رکھتے۔ وہی فرماتے جو امت کیلئے نفع بخش ہوتا۔ ان سے محبت کرتے ان کو جدا نہ کرتے، ہر قوم کے کریم کی عزت فرماتے اور اس کو ان پر حاکم مقرر کرتے (برے) لوگوں سے حذر (خوف) کرتے اور ان سے بچتے نہ یہ کہ ان سے منہ پھیر لیتے یا بدخلقی کرتے۔ اپنے صحابہ کی خبر گیری کرتے اور لوگوں سے لوگوں کے حال پوچھتے، اچھی چیز کی تعریف و خوبی بیان کرتے اور بری چیز کی برائی اور اس کی رسوائی بیان کرتے۔ آپ ﷺ کا حکم متوسط ہوتا نہ کہ مختلف یعنی زیادہ نرم و سخت نہ ہوتا۔ آپ ﷺ اس خوف سے غافل نہ رہتے کہ لوگ کہیں غافل نہ ہو جائیں یا سست نہ پڑ جائیں۔ آپ ﷺ ہر حالت کیلئے تیار تھے۔ آپ ﷺ حق میں کمی نہ کرتے اور غیر حق کی طرف تجاوز نہ کرتے۔ جو لوگ آپ ﷺ کے قریب ہوتے وہ بہتر لوگوں میں سے ہوتے۔ آپ ﷺ کے نزدیک ان میں وہ افضل تھا جو خیر خواہی کی باتیں زیادہ کرتا اور آپ ﷺ کے نزدیک وہ بڑے مرتبہ والا ہوتا جو لوگوں کیلئے نفع رساں اور موجب تقویت ہوتا۔

اس کے بعد میں نے مجلس کیفیت معلوم کی کہ آپ ﷺ اس میں کیا کرتے تھے؟

فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی نشست و برخاست اللہ کے ذکر کیلئے ہی ہوتی اور کسی جگہ کو اپنے لئے وطن نہ بناتے اور دوسروں کو وطن بنانے سے منع فرماتے۔ جب کسی قوم کی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور اس کا حکم بھی دیتے۔ ہر مصاحب کو اس کا حصہ دیتے یہاں تک کہ کوئی مصاحب یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی بھی اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کے نزدیک مکرم ہے۔ جو شخص بھی کسی ضرورت سے آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ ﷺ رُکے رہتے۔ یہاں تک کہ وہ خود ہی چلا جاتا۔ جو شخص بھی آپ سے اپنی حاجت کیلئے سوال کرتا، آپ ﷺ یا تو اسے کچھ دیتے یا نرم بات کچھ فرما دیتے۔ آپ ﷺ کا دست مبارک اور آپ ﷺ کا خلق کریم لوگوں کیلئے وسیع تھا گویا آپ ﷺ ان کیلئے بمنزلہ باپ کے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک حق میں سب برابر تھے۔ البتہ تقویٰ ان (لوگوں) کو زیادہ قریب اور بڑھانے والا تھا۔

دوسری روایت میں صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک وہ سب حق میں برابر تھے۔ آپ ﷺ کی مجلس حلم و حیاء اور صبر و امانت کی مجلس تھی۔ کوئی شخص اس میں آواز اونچی نہ کرتا اور اس میں عورتیں بے پردہ نہ ہوتیں اور نہ اس میں کوئی یاوہ گوئی ہوتی اور یہ فقرہ ان دونوں روایتوں کے علاوہ

ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم باہم تقویٰ کے بنا پر مہربانی اور انکساری کرتے ۔ بڑوں کی عزت کی جاتی اور چھوٹوں پر لطف و کرم، حاجت مندوں کی مدد کرتے اور مسافروں پر مہربانی۔

پھر میں نے مصاحبوں ، ہم نشینوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سلوک کا حال دریافت کیا۔

فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خندہ رو ، خوش خلق اور متواضع رہتے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بد خلق، نہ سخت طبیعت، نہ چلانے والے، نہ یاوہ گو اور نہ عیب لگانے والے تھے اور نہ خواہ مخواہ کسی کی تعریف کرنے والے، جس کی حاجت نہ ہوتی اسی سے تغافل کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مایوس نہ رہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پر تین چیزیں ترک کر دی تھیں: (۱) ریا (۲) ذخیرہ اندوزی اور (۳) فضول باتیں۔ لوگوں پر تین باتیں ترک کر رکھی تھیں: (۱) کسی کی برائی نہ کرتے (۲) کسی کو عار نہ دلاتے (۳) اس کے عیوب تلاش نہ کرتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی بات کہتے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرمارہے ہوتے تو صحابہ رضی اللہ عنہما سر جھکا دیتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے تب بات کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کبھی جھگڑا نہ کرتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کرتا تو سب خاموش ہو جاتے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جاتا۔ ان کی باتیں ایسی تھیں گویا وہ پہلا ہی شخص ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کی ہنسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکرا دیتے اور ان کے تعجب پر آپ بھی متعجب ہو جاتے۔ کسی مسافر کی سخت کلامی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر فرماتے، اور فرماتے:

جب تم کسی حاجت مند کو دیکھو کہ وہ طلب کرتا ہے تو اس کی مدد کرو اور کسی کی تعریف پسند نہ فرماتے۔ مگر یہ کہ وہ گرویدہ ہو۔ کسی کی بات نہ کاٹتے اگر وہ بات لمبی کر دیتا تو یا تو اشارہ سے روک دیتے یا کھڑے ہو جانے سے قطع فرما دیتے۔ یہاں سفیان بن وکیع رضی اللہ عنہ کی حدیث ختم ہو گئی۔

دوسری حدیث میں اتنا اور ہے کہ میں نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت کی کیا کیفیت تھی؟

فرمایا: آپ کا سکوت چار باتوں پر تھا: (۱) حلم (۲) حذر یعنی خوف (۳) تقدیر (۴) تفکر۔

لیکن تقدیر کے یہ معنی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر نظر کرتے اور ان کے احوال سننے میں برابری کرتے اور تفکر کا یہ مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں پر غور فرماتے جو باقی رہیں اور فنا ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آپ کے صبر میں حلم جمع کر دیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز اتنی غضب میں نہ لاتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلکا کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حذر میں چار باتیں جمع کر دی گئیں:

۱- اچھی بات کو آپ لیتے تاکہ لوگ آپ ﷺ کی پیروی کریں۔

۲- بری بات ترک فرما دیتے تاکہ لوگ اس سے باز رہیں۔

۳- اصلاح امت کیلئے رائے میں کوشش فرماتے اور آپ ﷺ اس پر قائم رہتے۔

۴- جوامت کیلئے دنیا و آخرت میں مفید و کارآمد ہو۔ انْتَهَى الْوَصْفُ بِحَمْدِ اللهِ وَعَوْنِهٖ۔

چھبیسویں فصل

احادیث کے مشکل الفاظ کے معنی میں

اس باب کی آخری فصل میں احادیث کے غریب اور مشکل الفاظ کا ترجمہ صاحب کتاب الشفاء نے کیا ہے۔ چونکہ ترجمہ میں وہ گزر چکی ہیں، اس لئے غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ (مترجم)

تیسرا باب

آپ ﷺ کی قدر و منزلت احادیث کی روشنی میں

یہ باب ان احادیث صحیحہ مشہورہ کے بیان میں ہے جن میں حضور ﷺ کی خدا کی بارگاہ میں عظیم قدر و منزلت ہے اور آپ ﷺ کی ان مکرم خصوصیات کا ذکر ہے جو دونوں جہان میں آپ ﷺ کو حاصل ہیں۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ نوع بشر میں سب سے زیادہ بزرگ، اولاد آدم علیہ السلام کے سردار اور اللہ کے نزدیک مرتبہ میں تمام لوگوں سے افضل اور آپ ﷺ کا درجہ سب سے اعلیٰ اور قرب میں سب سے بلند ہے۔

اس امر کو ملحوظ رکھنا کہ احادیث کریمہ جو آپ ﷺ کے مرتبہ و مقام کے اظہار میں ہیں، بہت زیادہ ہیں۔ ہم نے صرف ان میں سے صحیح و مشہور پر اکتفا کیا ہے اور ہم نے ان کے معانی و مفہوم کو بارہ فصلوں پر منحصر کر دیا ہے۔

پہلی فصل

آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت اور اسم مبارک کی برکت کے بیان میں

اس بارے میں کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جو آپ ﷺ کی منزلت و برگزیدگی اور آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت و بزرگی اور اولاد آدم میں آپ ﷺ کی سرداری ہے اور ان خصوصیات کے ذکر میں جو دنیا میں آپ ﷺ کے مرتبہ کی زیادتی اور آپ ﷺ کے اسم مبارک کی برکت ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/۱۷۰) سے بالا سناد مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو قسموں میں تقسیم کر کے ان میں سے مجھے بہتر قسم میں کیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے کہ

اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ ۝ اَصْحَابُ الشِّمَالِ۔ (الواقعہ ۴۱۔۲۷)

یعنی داہنے ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے پس میں اصحاب یمین میں سے ہوں اور میں ان میں سب سے بہتر۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان دو قسموں کو تین کیا اور مجھ تینوں میں سب سے بہتر میں رکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ

کے اس فرمان میں ہے:

فَاَصْحَابُ الْمَیْمَنَۃِ o مَآ اَصْحَابُ الْمَیْمَنَۃِ o وَاَصْحَابُ الْمَشْئَمَۃِ مَآ اَصْحَابُ الْمَشْئَمَۃِ o وَالسّٰبِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ۔ (الواقعہ ۸ تا ۱۰)

ترجمہ پس (ایک گروہ) دائیں ہاتھ والوں کا ہوگا کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی اور (دوسرا گروہ) بائیں ہاتھ والوں کا کیا (خستہ) حال ہوگا بائیں ہاتھ والوں کا اور (تیسرا گروہ ہر کارِ خیر میں) اگے رہنے والوں کا وہ (اس روز بھی) اگے اگے ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے تینوں کے قبائل بنائے۔ پس مجھے ان میں سے بہتر قبیلہ میں کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ۔ (الحجرات ۱۳)

ترجمہ اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولاد آدم علیہ السلام میں سب سے بڑھ کر متقی و مکرم ہوں یہ فخر نہیں اظہار حال ہے۔ پھر ان قبیلوں کے گھر بنائے تو مجھے ان میں سے بہتر گھر میں کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ۔ (الاحزاب ۳۳)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو!

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیلئے نبوت کب ضروری قرار دی گئی؟

فرمایا: اس حالت میں کہ آدم علیہ السلام ابھی روح و جسد کے مابین تھے۔

(سنن ترمذی، کتاب المناقب ۵ / ۲۴۵)

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ فرمایا۔ (کتاب المناقب مسلم شریف ۴/ ۱۷۸۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میں اولاد آدم علیہ السلام میں سب سے زیادہ مکرم ہوں اور یہ فخر نہیں۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ میں نے زمین کے تمام مشارق و مغرب روند ڈالے، میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی مرد کو افضل نہیں پایا اور کسی باپ کے بیٹوں کو بنی ہاشم سے افضل نہ دیکھا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم، طبرانی اوسط کمافی مناہل الصفاء للسیوطی / ۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں براق لایا گیا۔ تو اس نے شوخی کی۔ جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ حالانکہ تجھ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خدا کا مکرم کوئی سوار نہ ہوا۔ تو وہ شرم سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

(ترمذی تفسیر سورۃ بنی اسرائیل ۴/ ۳۶۳، صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۴۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کے صلب میں رکھ کر زمین پر اتارا اور مجھ کو حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں رکھ کر کشتی کو پار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلب میں مجھ کو رکھ کر آگ میں اتارا۔
پھر ہمیشہ یونہی اصلاب مکرمہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھ کو اپنے والدین سے پیدا فرمایا جو کبھی برائی (زنا) کے قریب تک نہ گئے۔

(الحدیث ابن ابی عمر العدنی مسندہ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی / ۹۰)

اسی طرح حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے اپنے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے:

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَفِي مُسْتَوْدِعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ولادت سے پہلے (صلب آدم میں) سائیوں میں تھے اور استقام (آدم وحوا علیہما السلام) میں تھے۔ جہاں ورق بدن پر لپیٹے جاتے ہیں۔ (یعنی جنت میں)

ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ لَا بَشَرٌ اَنْتَ وَلَا مُضْغَةٌ وَلَا عَلَقُ

پھر آپ شہروں کی طرف اترے درانحالیکہ نہ آپ بشر تھے، نہ مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) اور نہ خون بستہ تھے۔

بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِينَ وَقَدْ اَلْجَمَ نَسْرًا وَاَهْلَهُ الْغَرَقُ

بلکہ ایک نطفہ تھے جو کشتی میں سوار ہوئے اور نسر کو لگام دی درانحالیکہ کشتی کے باہر قوم نوح علیہ السلام غرق تھی۔

تُنْقَلُ مِنْ صَالِبٍ اِلٰى رَحِمٍ اِذَا مَضَى عَالَمٌ بَدَا طَبَقُ

آپ اصلاب (پشت پدر) رحم (مادر) کی طرف منتقل ہوئے۔ جب ایک زمانہ گزر گیا اور دوسرا زمانہ آیا۔

بعض نسخوں میں ان شعروں کا بھی اضافہ ہے۔

ثُمَّ احْتَوٰی بَیْتُكَ الْمُهَیْمِنُ مِنْ خِنْدَفَ عَلْیَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ

پھر آپ کے گھر کو شاہد نسب خندف (ابن مضر کی بیوی کا نام ہے) نے بلندی کو گھیر لیا جس کے پٹکے تھے۔

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ وَضَآءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقُ

اور آپ جب پیدا ہوئے تو تمام زمین روشن ہوگئی اور آپ کے نور سے آفاق جگمگائے۔

نَحْنُ فِی ذَالِكَ الضِّیَآءِ وَفِی النُّوْرِ وَسُبُلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

اب ہم اس روشنی اور نور و ہدایت کے راستہ میں داخل ہو گئے ہیں۔

یَا بَرْدَنَارِ الْخَلِیْلِ یَاسَبَبًا لِعِصْمَةِ النَّارِ وَهِیَ تَحْتَرِقُ

اے حضرت خلیل علیہ السلام کی آگ ٹھنڈی کرنے والے اور آگ سے بچنے کا سبب بحال یہ کہ وہ آگ جل رہی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوذر اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ کو پانچ اور ایک روایت میں چھ چیزیں دی گئیں۔ جو کسی نبی علیہ السلام کو مجھ سے پہلے نہیں ملیں۔

1۔ ایک مہینہ کی مسافت تک رعب ودبدبہ کے ساتھ میری مدد کی گئی۔

2۔ میرے لئے تمام روئے زمین مسجد اور پاک بنا دی گئی۔ اب میری امت کا ہر شخص جہاں بھی ہو نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ سکتا ہے۔

3۔ مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر حلال نہ تھا۔

4۔ مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔

5۔ مجھے منصب شفاعت مرحمت فرمایا گیا۔

اور ایک روایت میں اس عبارت کی جگہ یہ ہے کہ مجھ سے کہا گیا سوال کیجئے دیا جائے گا۔

(صحیح بخاری باب التیمم ۶۲/۱، مسلم باب المساجد ۳۷۰/۱)

اور دوسری روایت میں ہے کہ میری امت مجھ پر پیش کی گئی اب مجھ پر تابع ومتبوع کوئی مخفی نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے احمر و اسود (عرب وعجم) کی طرف بھیجا گیا۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث جابر ۳۷۱/۱)

بعض کہتے ہیں کہ ''اسود'' سے مراد عرب ہے اس لئے کہ ان کے رنگوں پر گندم گوئی رنگ

غالب ہوتا تھا جو سیاہی کی قسم کا ہے اور احمر سے مراد عجم ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے امتوں کی سفیدی وسیاہی مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ احمر سے مراد انسان اور اسود سے مراد جن ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رعب کے ساتھ میری نصرت کی گئی اور جوامع الکلم مجھے دیا گیا اور میں سو رہا تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں اور ایک روایت میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/ ۳۷۲-۳۷۱)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے آگے جانے والا (فرط) ہوں اور میں تمہارا گواہ ہوں اور بیشک میں خدا کی قسم یقیناً اس وقت اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی اور بیشک مجھے خدا کی قسم تم سے اس بات کا خوف نہیں کہ میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن تم سے اس کا خوف ہے کہ کہیں تم دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق ۸/ ۱۰۱ صحیح مسلم کتاب الطہارۃ ۱/ ۲۱۸، سنن نسائی کتاب الطہارۃ ۱/ ۹۴، مسند امام احمد ۱/ ۲۵۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں محمد نبی امی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مجھ کو جوامع الکلم اور اس کی مہریں دی گئیں اور مجھ کو دوزخ کے خزانچی اور حاملین عرش بتائے گئے۔ (مسند احمد ۲/ ۱۷۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے قیامت کے سامنے بھیجا گیا۔ (مسند احمد ۲/ ۹۲،۵۰)

ابن وہب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
سوال کیجئے اے محمد صلی اللہ علیک وسلم میں نے عرض کی:

اے رب تعالیٰ میں کیا سوال کروں۔ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے نوازا، حضرت نوح علیہ السلام کو برگزیدہ کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ ملک عطا فرمایا جو ان کے بعد کسی کو لائق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو چیز اے محبوب تم کو دی ہے وہ ان سے بہتر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کوثر عطا فرمائی۔ آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا کہ اس کے ساتھ آسمان کے درمیان پکارا جاتا ہے اور آپ کیلئے اور آپ کی امت کیلئے زمین کو پاک بنایا اور آپ کے سبب آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کئے۔ آپ تو لوگوں میں مغفور چلتے ہیں۔

یہ باتیں میں نے آپ سے پہلوں کیلئے نہیں کی ہیں۔ آپ کی امت کے دلوں کو مصاحف بنایا (کہ وہ قرآن کو حفظ کرتے ہیں) اور آپ کیلئے آپ کی شفاعت کو پردہ میں رکھا ہے آپ کے سوا کسی نبی علیہ السلام کیلئے میں نے نہیں چھپایا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۴۰۲)

دوسری حدیث میں ہے جس کو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔ مجھ کو رب العزت نے بشارت دی ہے کہ میرے ساتھ جنت میں میری امت میں سے سب سے پہلے جو داخل ہوں گے وہ ستر ہزار ہیں اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے جن کا کوئی حساب کتاب نہ ہوگا اور مجھے یہ عنایت کیا کہ میری امت نہ بھوکی رہے گی اور نہ مغلوب ہوگی اور مجھ کو عطا فرمائی نصرت، عزت، رعب جو کہ میری امت کے سامنے ایک مہینہ کی مسافت تک جاری ہے۔ میرے لئے اور میری امت کیلئے مال غنیمت حلال کیا۔ ہم پر بہت سی وہ چیزیں حلال کیں جو ہم سے پہلوں کیلئے حلال نہ تھیں اور ہم پر دین میں تنگی نہ رکھی گئی۔ (تاریخ ابن عساکر کمانی مناہل الصفاء للسیوطی/۹۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نبیوں میں کوئی نبی ایسا نہیں جس کو ایسی نشانیاں نہ دی گئی ہوں جن کو دیکھ کر ایمان لائے۔ لیکن مجھے جو چیز دی گئی ہے وہ وحی قرآن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے ان سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح بخاری باب الاعتصام ۹/ ۷۵، صحیح مسلم فی کتاب الایمان ۱/ ۱۳۴، مسند احمد ۲/ ۴۵۱، ۳۴۱)

محققین اس حدیث کے معنی میں کہتے ہیں۔ جب تک دنیا باقی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات باقی رہیں گے اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے تمام معجزات اسی وقت جاتے رہے۔ حاضرین کے سوا کسی نے ان کو نہ دیکھا اور قرآن ایسا معجزہ ہے کہ اس پر قیامت تک زمانہ کے بعد زمانہ گزرتا جائے، لوگ کھلے طور پر واقف رہیں گے نہ کہ خبر کے طور پر۔ اس سلسلہ میں بہت طویل بحث ہے۔ یہ صرف خلاصہ ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں آخر میں کتاب کے باب المعجزات میں کچھ مزید بیان کریں گے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر نبی کو سات نجباء یعنی صاحب شرافت وزیر دیئے گئے لیکن تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چودہ نجیب (وزیر) دیئے گئے۔ ان میں سے ابوبکر، عمر، ابن مسعود اور عمار رضی اللہ عنہم ہیں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۳۳۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے ہاتھیوں کو تو روک لیا مگر اہل مکہ پر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور یہ بات میرے بعد کسی کیلئے حلال نہیں اور میرے لئے بھی

صرف دن کی ایک گھڑی کیلئے حلال کیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم ۱/۲۸ صحیح مسلم کتاب الحج ۲ صحیح ۹۸۸)

عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور نبیوں کا آخر (خاتم) اس وقت سے ہوں جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ میں اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وعدہ ہوں اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی بشارت۔

(مسند احمد ۴/ ۱۲۷، ابن حبان ۸/ ۱۰۶، مستدرک ۲/ ۴۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمان والوں اور انبیاء علیہم السلام پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت دی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آسمان والوں پر کیا فضیلت ہے؟ فرمایا: یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمان والوں سے فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ۔ (الانبیاء ۲۹)

ترجمہ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم کی۔

اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ (فتح ۱)

یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: انبیاء علیہم السلام پر کیسے فضیلت ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ (ابراہیم ۴)

ترجمہ اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔ (سبا ۲۸)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم کو اب آپ اپنے بارے میں خبر دیجئے۔

اسی کے مثل ابوذر اور شداد بن اوس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

(دارمی، ابونعیم کما فی مناہل الصفاء للسیوطی ۹۳/)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ہاں میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں کہ انہوں نے کہا ہے۔

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ۔ (البقرہ: ۱۲۹)

ترجمہ اے ہمارے رب! بھیج ان میں سے ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے۔

اور میری بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی۔ میری پیدائش کے وقت میری والدہ ماجدہ نے دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے جس کی روشنی سے بصرہ کے محل اور شام کی زمین روشن ہو گئی اور سعد بن بکر کی اولاد میں مجھے دودھ پلایا گیا۔

انہی ایام میں، میں اپنے (رضاعی) بھائی کے ساتھ اپنے گھروں کے پیچھے بکریاں چرا رہا تھا کہ اچانک دو مرد سفید لباس میں میرے قریب آئے۔ دوسری حدیث میں ہے تین مرد آئے۔ ایک سونے کا طشت برف سے بھرا ہوا لائے اور مجھ کو پکڑ کر میرے پیٹ کو چاک کیا۔ اس حدیث کے علاوہ دوسری حدیث میں ہے کہ گردن سے لے کر پیٹ کے نرم حصہ تک چاک کیا۔ پھر میرا دل نکال کر اس کو چیرا اور اس سے سیاہ خون جما ہوا (علقہ) نکال کر دور کیا۔ اس کے بعد میرے دل اور میرے پیٹ کو اسی سرد پانی (برف) سے دھویا اور صاف کیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ پھر ان دونوں مردوں نے کوئی چیز لی دیکھا تو وہ نور کی انگوٹھی ان کے ہاتھ میں تھی کہ دیکھنے والا حیرت زدہ ہو جائے۔ انہوں نے اس سے میرے دل پر مہر لگائی اور اسے ایمان و حکمت سے پر کیا۔ اس کے بعد اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ دوسرے مرد نے شق شدہ جگہ پر اپنا ہاتھ پھیرا پس وہ درست ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ دل سخت ہے۔ اس میں دو آنکھیں ہیں جو دیکھتی ہیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں۔ (سنن دارمی ۲۹/۱) پھر ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

امت کے دس مردوں کے ساتھ وزن کرو۔ اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بڑھ گیا پھر کہا کہ امت کے سو مردوں کے ساتھ وزن کرو۔ اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بھی وزنی تھا۔ پھر کہا کہ امت کے ہزار مردوں سے وزن کرو۔ اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بھی وزنی تھا۔ پھر کہا کہ آپ کو چھوڑ دو اگر تم ان کو ساری امت کے ساتھ بھی وزن کرو گے تب بھی بھاری ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ پھر انہوں نے مجھے سینہ سے لگا کر میرے سر اور آنکھوں کو بوسہ دیا اور کہا: اے حبیب اللہ آپ ڈریئے نہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسی بھلائی کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔

اس حدیث کے بقیہ میں ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ﷺ کا بڑا اعزاز و اکرام ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اس کے بعد وہ چلے گئے۔ اب میں اس امر کو بخوبی دیکھ رہا ہوں۔

ابومحمد مکی اور فقیہہ ابو اللیث سمرقندی رحمہما اللہ اور دیگر علماء رحمۃ اللہ علیہم نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کے وقت بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَیُرْوَی وَتَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ۔

(طبرانی صغیر ۳۵۵/۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۸۹/۵)

ترجمہ اے خدا حضور ﷺ کے طفیل مجھ کو خطا سے معاف فرما۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میری توبہ قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کہاں سے محمد ﷺ کو جانا؟

عرض کیا: میں نے جنت کے ہر مقام پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ محمد ﷺ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔ اسی سے میں نے جانا کہ تیرے نزدیک تیری تمام مخلوق میں آپ ﷺ ہی سب سے برتر عزت والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا۔ اسی قائل کے نزدیک یہ تفسیر اس آیہ کریمہ کی ہے:

فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ۔ (البقرہ ۳۷)

ترجمہ پھر سیکھ لیئے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے۔

دوسری روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے اپنے سر کو تیرے عرش کی طرف اٹھایا۔ تب میں نے اس میں لکھا دیکھا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اسی وقت میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک آپ کے سوا (ان جیسا) کوئی عظیم المرتبت نہیں ہے جبھی تو تو نے اپنے نام کے ساتھ آپ کا اسم مبارک ملایا۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی فرمائی۔ قسم ہے مجھے اپنی عزت وجلال کی بیشک آپ ﷺ تمہاری اولاد میں سب سے آخری نبی ہیں وَلَوْ لَاهُ مَا خَلَقْتُكَ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو اے آدم علیہ السلام میں تم کو پیدا نہ فرماتا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ابومحمد ﷺ تھی اور ایک روایت میں

ابوالبشر تھی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۵/۴۸۹)

سریج بن یونس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ کے چند فرشتے گشت کرتے ہیں۔ ان کی عبادت یہ ہے کہ جس گھر میں احمد یا محمد نام کا کوئی مرد ہو تو اس سے اسی مناسبت کی بناء پر (اس کا) اعزاز و اکرام کریں۔

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ قاضی، ابی الحمراء رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو عرش پر لکھا دیکھا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس مرتبہ کے ساتھ میری رفعت سے تائید فرمائی گئی۔ (معجم الصحابہ وطبرانی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی)

تفسیر میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیہ کریمہ

وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا۔ (الکہف ۸۲) (شعب الایمان للبیہقی کمافی مناہل الصفا للسیوطی / ۹۴)

ترجمہ اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (دفن) تھا۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ سونے کی تختیاں تھیں جس پر لکھا تھا:

اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے وہ کیونکر رنج اٹھاتا ہے اور اس شخص پر جو جہنم کا یقین رکھتا ہے وہ کیونکر ہنستا ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا اور اہل دنیا کے انقلابات کو دیکھتا ہے وہ کیونکر دنیا میں مطمئن ہے۔

اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدِیْ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے اور میرے رسول علیہ السلام ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر مکتوب ہے اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ "میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں میں اس کو عذاب نہ دوں گا جو اس کا قائل ہو۔

منقول ہے کہ ایک پرانے پتھر پر یہ مکتوب پایا گیا مُحَمَّدٌ تَقِیٌّ مُّصْلِحٌ وَسَیِّدٌ اَمِیْنٌ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پرہیز گار اصلاح کرنے والے اور سردار وامین ہیں۔

سِمِنْطَارِیْ رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ خراسان کے ایک شہر میں ایک بچے کو دیکھا کہ اس کے ایک پہلو میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دوسرے پہلو میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ مکتوب تھا۔

مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔ ہندوستان کے کسی شہر میں ایک سرخ گلاب کا پھول ہے۔ اس پر سفید خط سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ مکتوب ہے۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا کہے گا جسکا نام ''محمد'' ہے وہ کھڑا ہو جائے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت سے جنت میں داخل ہو جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''سماع'' میں اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''جامع'' میں مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ میں نے اہل مکہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس گھر میں ''محمد'' نام کا کوئی شخص ہو وہ ضرور بڑھے گا اور ان کو رزق (وافر) دیا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس گھر میں ''محمد'' نام کے ایک یا دو یا تین شخص ہوں، ان کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔ (مناہل الصفاء للسیوطی / ۹۵)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو ان میں سے دل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند فرمایا اور اپنی بارگاہ میں برگزیدہ کیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ (مجمع الزوائد ۸۔/ ۲۵۳)

نقاش رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ:

وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا۔

(الاحزاب ۵۳)

ترجمہ اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد۔

تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور خطبہ دیا۔ فرمایا: اے گروہ مومنین! بیشک اللہ نے مجھ کو تم پر بہت فضیلت دی اور میری بیویوں کو تمہاری بیویوں پر بہت فضیلت دی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۴۵)

دوسری فصل

آپ ﷺ کے وہ فضائل جو شب معراج عطا فرمائے گئے

حضور ﷺ کے ان فضائل میں جو شب معراج بزرگیاں عطا فرمائی گئیں اور مناجات، رویت الٰہی امامت انبیاء علیہم السلام سدرۃ المنتہٰی تک عروج اور اپنے رب کی بڑی نشانیوں کے ملاحظہ فرمانے میں مرتبہ دیا گیا۔

حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے واقعہ معراج ہے۔ جس میں آپ کی رفعت درجات اور ترقی منازل مضمر ہیں۔ جن کی قرآن کریم نے خبر دی اور احادیث صحیحہ نے ان کی تشریح کی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی (الْمَجِدِ الْحَرَامِ) اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ (بنی اسرائیل ا)

ترجمہ (ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

اور فرمایا:

وَالنَّجْمِ اَذَا ھَوٰی (الی) لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔ (النجم ۱۸تا۱)

ترجمہ قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

صحت واقعہ معراج ﷺ میں مسلمانوں میں اصلاً اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ جو حضور ﷺ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے اور اس کے عجائبات اور ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیات کی تشریح احادیث کثیرہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان میں جو کامل تر ہیں ان کو پہلے بیان کریں۔ اسی ضمن میں اشارتاً ان احادیث کا بھی ذکر کر جائیں جن کا ذکر کرنا محلاً ضروری ہو۔

حدیث: حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے پاس براق لایا گیا۔ جو ایک چوپایہ، سفید رنگ، نسبتاً گدھے سے اونچا خچر سے پست تھا۔ وہ اپنے قدم وہاں رکھتا جہاں نظر کی انتہاء ہے فرمایا: میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آیا اور اس کو اس حلقہ سے

باندھ دیا جہاں انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھتے تھے۔ پھر مسجد میں داخل ہو کر اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔ جب باہر نکلا تو جبریل علیہ السلام نے ایک پیالہ میں شراب اور دوسرے میں دودھ پیش کیا۔ میں نے دودھ کو پسند فرمایا۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرت کو اختیار فرمایا۔ پھر مجھے آسمان پر لے جایا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

پوچھا گیا: تم کون ہو؟ جواب دیا۔ جبریل علیہ السلام۔

پھر پوچھا گیا: کون تمہارے ساتھ ہے؟ کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا کیا ان کو حکم ہوا ہے؟ کہا: انہیں حکم ہوا ہے تو ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔

پھر مجھے دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں بھی جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ سوال ہوا کہ کون؟ کہا: جبریل علیہ السلام۔ سوال ہوا: کون تمہارے ساتھ ہے؟ جواب دیا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر پوچھا: ان کو حکم ملا ہے؟ جواب دیا: انہیں حکم دیا گیا ہے۔ پس دروازہ کھل گیا۔

اس وقت کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں بھی جبریل علیہ السلام سے اسی طرح سوال و جواب ہوئے۔ دروازہ کھلا تو دیکھا کہ میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوں۔ جن کو ساری دنیا کا نصف حسن دیا گیا ہے۔ انہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر چوتھے آسمان پر بھی یونہی سوال و جواب کے بعد دروازہ کھلوایا۔ دیکھا تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔ انہی کی نسبت اللہ نے فرمایا:

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ (مریم ۵۷)

اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک۔

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا اور وہی سوال و جواب ہوئے۔ دروازہ کھلا تو دیکھا وہاں ہارون علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے بھی مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر چھٹے آسمان پر بھی یہی ہوا۔ تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے بھی مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں بھی وہی کچھ ہوا۔ دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے ہیں۔ اس جگہ کا حال یہ ہے کہ ستر ہزار ایسے فرشتے روزانہ آتے ہیں جن کی دوبارہ آنے کی باری نہیں آتی۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہٰی پر لے جایا گیا۔ سدرۃ المنتہٰی (ایک بیری کا درخت اس) کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر تھے اور اس کے پھل (بیر) مٹکوں کے برابر۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: جب اس کو اللہ تعالیٰ نے ڈھانپ لیا تو وہ بدل گیا۔ تو مخلوق میں کسی کی طاقت نہیں کہ اس کے حسن و خوبی کی تعریف کر سکے۔ پس اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ اس کے بعد جب میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف اترا تو انہوں نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟

فرمایا: پچاس نمازیں۔ عرض کیا: آپ اپنے رب کی طرف واپس ہو کر تخفیف (کمی) کی درخواست کیجئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ میں نے اپنی امت بنی اسرائیل کو آزما لیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب کی طرف واپس آیا اور عرض کیا: اے رب میری امت پر کمی کیجئے۔ تو اس اللہ تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا اور ان سے کہا کہ پانچ کی کمی ہو گئی۔ تو عرض کیا: آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر واپس جا کر کمی کی درخواست کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین آنا جانا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دن رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں اور ہر ایک نماز دس کے برابر ہے۔ گویا وہ پچاس نمازیں ہی محسوب ہوں گی اور جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو عمل میں نہ لائے تو ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر عمل کرے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے اور اس کو عمل میں نہ لائے تو کچھ نہ لکھا جائے گا اور اگر وہ اس کا مرتکب ہو ہی گیا تو صرف ایک ہی بدی لکھی جائے گی۔ فرمایا: جب میں نے اتر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر دی۔ تو انہوں نے کہا: اپنے رب کی طرف جائیے اور کمی کی درخواست پھر کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام میں رب کی طرف بار بار جاتا رہا ہوں اب حیا معلوم ہوتی ہے۔

قاضی ابو الفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق خیر دے، فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نہایت عمدہ صحیح بیان کیا ہے اور کوئی دوسرا اس سے بہتر

بیان نہیں کر سکا۔ دوسروں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بہت کچھ خلط ملط کیا ہے۔ خصوصاً شریک ابن نمیر کی روایت ہے کہ انہوں نے اس کے شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فرشتے کا آنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن مبارک کا شق کرنا اور آب زم زم سے اس کا دھونا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ تو وحی سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت کا ہے۔ بلاشبہ شریک ابن نمیر نے اپنی حدیث میں اس کو مانا ہے کہ یہ واقعہ نزول وحی سے پہلے کا ہے اور واقعہ معراج کا تذکرہ کیا ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ نزول وحی کا واقعہ ہے اور بہت سوں نے کہا ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے۔ بعض نے کہا کہ نزول وحی سے پہلے کا ہے۔

ثابت نے ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے، بیان کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ دائی حلیمہ سعدیہ کے یہاں ایام رضاعت میں بچوں کے ساتھ تھے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو شق کیا۔

یہ واقعہ معراج کی حدیث سے بالکل علیحدہ ہے۔ جیسا کہ لوگوں نے روایت کیا ہے اور دونوں قصوں کی تصحیح کی ہے اور واقعہ معراج میں بیت المقدس تک اور سدرۃ المنتہیٰ تک جانا یہ علیحدہ واقعہ بیان کیا ہے۔ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس تک گئے اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھے ہیں۔ اس نے ان تمام اشکال کو دور کر دیا جن کا اوروں نے وہم ڈالا تھا۔

(صحیح بخاری المناقب ۴/ ۱۵۲، کتاب توحید ۹/ ۱۲۰، صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۴۸)

یونس رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب اور شریک بن انس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے گھر کی چھت پھاڑی گئی۔ جبریل علیہ السلام اترے، میرے سینے کو چاک کیا۔ پھر آب زم زم سے اس کو دھویا پھر ایمان وحکمت سے پر ایک سونے کا طشت لائے۔ اس سے میرے سینے کو بھرا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف لے گئے۔ اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ ۱/ ۶۶، صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے، اس میں تقدیم و تاخیر ہے اور کچھ زیادتی و کمی ہے اور آسمانوں میں انبیاء علیہم السلام کی ترتیب میں اختلاف ہے۔

(سنن نسائی کتاب الصلوۃ ۱/ ۱۸۔ ۲۱۷)

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ زیادہ عمدہ اور صحیح ہے۔

واقعات معراج کی احادیث میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن سے مفید نکتے پیدا ہوتے ہیں، ان کو ہم اپنے مقاصد و مطالب میں بیان کریں گے۔

منجملہ ان میں سے حدیث ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ ہے کہ ان میں ہر نبی کا یہ قول ہے کہ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ۔ یعنی مرحبا ہوا ے نبی صالح اور صالح بھائی سوائے آدم وابراہیم علیہم السلام کے کہ انہوں نے کہا: وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ یعنی اے صالح فرزند!

اور اس میں طریق ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ پھر مجھے اوپر لے گئے۔ یہاں تک کہ میں ایک کشادہ ہموار مقام پر پہنچا کہ اس میں قلموں کے چر چرانے کے آواز سنتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا۔ اس کو ایسے رنگوں نے ڈھانپ لیا کہ میں نہیں جانتا وہ کیا ہیں۔ فرمایا: پھر جنت میں داخل کیا گیا۔

مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آگے بڑھا تو وہ روئے۔ ندا کی گئی: کیوں روتے ہو؟ عرض کیا کہ اے میرے رب یہ وہ شخص ہے جس کو میرے بعد تو نے بھیجا اور ان کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہو گی۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۴۸، صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۶۶ صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۴/ ۱۰۱ مسند امام احمد ۵/ ۱۴۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو جماعت انبیاء میں دیکھا کہ نماز کی تیاری کی جا رہی ہے۔ تو میں نے ان کی امامت کی۔ ایک کہنے والے نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ داروغہ دوزخ مالک علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام سے نوازیئے۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے مجھے سلام پیش کیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی بحوالہ درمنثور ۵/ ۱۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر چلے کہ یہاں تک کہ بیت المقدس آئے۔ براق سے اتر کر اس کو ایک پتھر سے باندھ دیا۔ فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب نماز ختم ہو چکی تو کہنے لگے: اے جبریل علیہ السلام یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول خاتم النبیین ہیں۔

انہوں نے کہا: کیا تم ان کی طرف بھیجے گئے ہو؟

کہا: ہاں۔ سب نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حیات دے یہ بھائی اور خلیفہ ہیں۔ کتنے اچھے بھائی اور کتنے اچھے خلیفہ ہیں۔ پھر انہوں نے ارواح انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی اور اپنے رب کی حمد بجا لائے۔ ان میں سے ہر ایک کی گفتگو کا ذکر کیا۔ وہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت

داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام ہیں۔
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا ذکر کیا کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی حمد بجالائے۔
فرمایا: تم سب نے اپنے رب اللہ کی تعریف کی اور میں اپنے رب کی یہ تعریف کرتا ہوں کہ پاکی ہے اس اللہ کی جس نے مجھے رحمۃ اللعالمین اور تمام لوگوں کی طرف بشیر ونذیر کر کے بھیجا اور اس نے مجھ پر وہ قرآن نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو بہتر امت کیا اور میری امت کو درمیانی امت بنایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ وہی اول اور آخر ہے اور میرے سینہ کو کھول دیا اور ہر برائی کو مجھ سے دور کیا اور میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا۔
تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اسی وجہ سے تم پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم فضیلت پا گئے۔ پھر ذکر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جیسا کہ گزرا۔ (صحیح مسلم نسائی، ترمذی بحوالہ تفسیر درمنثور ۵/۲۲۱)
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے۔ وہ چھٹے آسمان پر ہے۔ جو کچھ زمین سے اوپر چڑھتا ہے۔ وہاں اس کی انتہا ہو جاتی ہے اور وہاں روک لئے جاتے ہیں اور جو چیز اوپر سے اترتی ہے وہ بھی وہیں منتہی ہوتی ہے، وہاں سے قبض کر لی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَۃَ مَا یَغۡشٰیO (النجم ۱۶)

جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔
فرمایا کہ وہ سونے کے پتنگے ہیں۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ہے، مروی ہے کہ مجھ سے کہا گیا کہ یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ہر ایک عمل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ پر فوت ہوتا ہے پہنچتے ہیں۔
یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے جس کی جڑ میں سے چار نہریں جاری ہیں۔ ایک نہر صاف پانی کی، دوسری نہر دودھ کی جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا، تیسری نہر شراب کی جو پینے والوں کیلئے لذیذ ہے، چوتھی نہر صاف شہد کی۔
سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار ستر سال تک چل سکتا ہے۔ اس کا ایک پتہ مخلوق کو ڈھانکنے والا ہے۔ اس کو نور اور فرشتوں نے ڈھانک لیا ہے۔ خدا کے فرمان اِذۡ یَغۡشٰی

السِّدْرَةَ مَایَغْشٰی۔ (النجم ١٦) کا یہی مفہوم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: مانگئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا۔

تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنا کر ان کو بڑا ملک دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو نے کلام فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو بڑا ملک دیا، لوہے کو ان کیلئے نرم کیا اور پہاڑوں کو ان کیلئے تابع فرمان بتایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم دے کر جن وانس، شیاطین اور ہوا کو ان کا تابع فرمان بنایا اور ان کو ایسا ملک دیا جو ان کے بعد کسی کو لائق نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توریت وانجیل سکھائی اور ان کو مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو تندرست بنانے والا کیا۔ ان کو اور ان کی والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی اور وہ مردود ان دونوں پر کوئی راہ نہیں پاتا۔

تب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: میں نے تم کو خلیل اور حبیب بنایا اور یہ توریت میں مکتوب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمٰن کے حبیب ہیں۔ اور میں نے تم کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور تمہاری امت کو ایسا کیا کہ وہی اول اور وہی آخر ہیں اور میں نے تمہاری امت کو ایسا کیا کہ ان کیلئے خطبہ جائز نہیں۔ جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں۔ تم میرے بندے اور میرے رسول ہو اور اے محبوب میں نے تم کو خلقت کے اعتبار سے تو پہلے اور بعثت کے لحاظ سے آخر بنایا اور میں نے تم کو سبع مثانی دیا جو کہ میں نے کسی نبی کو تم سے پہلے نہیں دیا اور میں نے تم کو سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (خاص طور پر) دیں۔ وہ میرے عرش کے نیچے کا خزانہ ہے۔ جو تم سے پہلے کسی نبی کو نہ دیا اور میں نے تم کو شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا بنایا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں (خاص طور) پر دی گئیں۔ یعنی پانچ نمازیں، سورہ بقرہ کی آخری آیتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ان لوگوں کو ہلاک کرانے والے گناہ کبیرہ سے بخشش جنہوں نے کبھی خدا کا شریک نہ ٹھہرایا اور فرمایا:

(مسلم شریف کتاب ایمان ١٥٧/٢ مسند امام احمد ٣٨٧/١)

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی۔ (النجم ١١)

نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے)۔

جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔

شریک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ساتویں آسمان میں دیکھا فرمایا۔ ان کو یہ مرتبہ ان کے کلیم ہونے کی وجہ سے ملا۔

فرمایا: پھر مجھے اس سے اوپر لے گئے۔ اس مقام کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میرا یہ گمان تھا کہ کوئی مجھ سے بڑھ کر ہوگا۔ (یہ راوی کا تصرف معلوم ہوتا ہے حالانکہ توریت میں اس کی فضیلت مذکور ہے۔) (نسیم الریاض کمانی مناہل الصفا للسیوطی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک دن بیٹھا ہوا تھا کہ جبریل علیہ السلام آئے اور میرے دونوں کندھوں کو ہلایا بس میں کھڑا ہوا اور اس درخت کی طرف جو وہاں تھا بڑھا اور اس میں پرندوں کے دو گھونسلے کی مانند ایک میں میں بیٹھا اور دوسرے میں وہ (جبرائیل علیہ السلام) پھر وہ بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ اس نے مشرق اور مغرب کو ڈھانپ لیا اور اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھولیتا میں ادھر ادھر دیکھتا رہا اور میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گویا ایک باریک کپڑا ہے جو زمین سے ملا ہوا ہے۔ میں نے ان کے مرتبہ علم کو جان لیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دیا ہے۔ (یہ ان کی جزوی فضیلت ہے ورنہ کلی فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔ مترجم) میرے لئے آسمان کے دروازے کھلوائے گئے اور میں نے نورِ اعظم کو دیکھا اور میرے پیچھے پردہ ڈالا گیا کہ اس کی دراڑیں موتی اور یاقوت کی تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو چاہا مجھے وحی فرمائی۔ (مجمع الزوائد ۱/۷۵)

بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی مرتضیٰ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی کہ جب اللہ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان سکھائے تو جبریل علیہ السلام ایک جانور لائے۔ جس کو براق کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہونے لگے تو اس نے شوخی کی۔

جبریل علیہ السلام نے کہا: ٹھہر جا۔ خدا کی قسم تیرے اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خدا کی بارگاہ میں کوئی مکرم بندہ سوار نہیں ہوا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے یہاں تک کہ اس پردے کے قریب تک لے گیا جو اللہ کے قریب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں تھے کہ پردے یعنی حجاب کے پیچھے سے ایک فرشتہ نکلا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے جبریل علیہ السلام یہ کون ہے؟

کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا۔ خدا کی بارگاہ میں بہت مقرب ہوں لیکن اس فرشتہ کو جب سے میں پیدا ہوا ہوں۔ اس سے پہلے نہ دیکھا۔

فرشتے نے کہا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اس کو پردے کے پیچھے سے کہا گیا کہ میرے بندے نے

سچ کہا۔ میں اکبر ہوں، میں اکبر ہوں۔ پھر فرشتے نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس سے پردے کے پیچھے سے کہا گیا: میرے بندے نے سچ کہا۔ میں خدا ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بقیہ کلمات اذان کو اسی طرح ذکر کیا گیا مگر حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ٥ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے جواب کا ذکر نہیں کیا اور کہا پھر فرشتے نے حضور ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور آپ ﷺ کو آگے لے گیا تب آپ ﷺ نے آسمان والوں کی امامت فرمائی جس میں آدم و نوح علیہما السلام بھی تھے۔

(مجمع الزوائد ۱/۳۲۹، تفسیر درمنثور ۵/۲۱۹)

ابوجعفر محمد بن حسین رضی اللہ عنہم اس کے راوی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی شرافت کو تمام آسمان وزمین والوں پر کامل کر دیا۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ان کو توفیق خیر دے۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حجاب (پردے) کا جو ذکر ہے وہ پردہ مخلوق کے حق میں ہے نہ کہ خالق کے حق میں۔ وہ لوگ محجوب ہیں اور اللہ جل اسمہٗ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کو چھپائے۔ اس لئے کہ پردہ میں وہ چیز ہوسکتی ہے جو اندازہ میں آئے اور وہ ہمارے حواس خمسہ میں آنے والی ہو لیکن اس کے پردے مخلوق کی آنکھوں، عقلوں اور فہموں پر ہیں۔ جس کے ساتھ وہ چاہے، جیسا چاہے اور جب چاہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ (المطففین ۱۵)

ترجمہ یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن روک دیا جائے گا۔

اس پردہ والی حدیث کے، کہ فرشتہ پردے میں سے نکلا واجب ہے کہ یہ معنی کئے جائیں کہ وہ ایک پردہ تھا کہ دوسرے فرشتے اس فرشتہ کے سوا اللہ تعالیٰ کی عظمت وسلطنت، عجائب ملکوت و جبروت پر آگاہ نہ تھے۔ حدیث کے اس معنی پر جبریل علیہ السلام کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ فرشتہ جو پردے کے پیچھے سے نکلا ہے۔ وہ ہے جس کو اپنی خلقت سے لے کر اس وقت تک اس سے پہلے نہ دیکھا۔ یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ پردہ ذات الٰہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اس پر کعب احبار رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی دلیل لائی جاسکتی ہے۔ جو انہوں نے سدرۃ المنتہیٰ کی تفسیر میں بیان کی ہے۔ کہا کہ اس کی طرف فرشتوں کا علم منتہی ہوتا ہے اور اس کے نزدیک سے خدا کا حکم پاتے ہیں۔ اس سے آگے ان کا علم بڑھتا نہیں۔

لیکن اس حدیث میں یہ قول کہ رحمٰن (اللہ) سے متصل ہے تو یہ حذف مضاف اللہ تعالیٰ پر

محمول کیا جائے گا یعنی عرش رحمٰن سے متصل ہے یا اس کی بڑی آیات کے کسی امر سے یا اس کے معارف کے حقائق کے مبادی سے جس کو وہی زیادہ جانتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ۔ (یوسف ۸۲)

دریافت کیجئے بستی والوں سے۔

اور حدیث میں یہ قول کہ پردے کے پیچھے سے کہا گیا کہ میرے بندے نے سچ کہا میں اکبر ہوں۔ اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اس جگہ سے حضور ﷺ نے کلام الٰہی کو سنا لیکن پردے کے پیچھے سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ۔ (الشوریٰ ۵۱)

ترجمہ اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ۔

یعنی وہ اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی رویت سے بشر کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ بات بالکل درست ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو (بے حجاب) دیکھا تو ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس مقام کے علاوہ کسی اور وقت میں دیکھا ہو یا اس سے پہلے دیکھا ہو اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے گئے ہوں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے رویت الٰہی کی۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔

تیسری فصل

آپ ﷺ کی معراج جسمانی تھی یا روحانی؟

علماء سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ کی معراج روحانی تھی یا جسمانی۔ اس میں تین قسم کی روایتیں ہیں۔

ایک گروہ اس طرف ہے کہ یہ معراج روحانی تھی اور یہ نیند میں دیکھنا ہے۔ باوجود یہ کہ اس بات میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی خواب حق اور وہ وحی ہے۔ اس طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گئے ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے حکایت کی ہے اور انہیں سے اس کے خلاف بھی مشہور ہے۔ اس کی طرف محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (بنی اسرائیل ٦٠)

ترجمہ اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کیلئے۔

اور وہ حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس کو گم نہیں کیا اور حضور ﷺ کا ارشاد کہ ایک دن میں سو رہا تھا اور حضرت انس کی روایت کے بموجب کہ حضور ﷺ مسجد حرام میں سو رہے تھے اور قصہ معراج بیان کیا۔ پھر اس کے آخر میں کہا جب بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا۔ (یہ دلائل معراج منامی کے قائلین کے ہیں)

اکابر علماء سلف اور تمام مسلمان اس طرف گئے ہیں کہ حضور ﷺ کی معراج بیداری میں جسمانی تھی اور یہی قول حق ہے اور حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت حذیفہ، حضرت عمر، حضرت ابی ہریرہ، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابوحبہ بدری، حضرت ابن مسعود، حضرت ضحاک، حضرت سعید بن جبیر، قتادہ، ابن مسیّب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مسروق، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے اور یہی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر حجت ہے اور یہی مذہب طبری، امام ابن حنبل رحمہما اللہ اور مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت کا ہے اور یہی مذہب اکثر فقہائے متاخرین، محدثین، متکلمین اور مفسرین رحمہم اللہ کا ہے۔

اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کو بیداری کی حالت میں جسمانی معراج بیت المقدس تک ہوئی اور آسمانوں تک روحانی ہوئی۔ وہ اللہ کے اس قول سے حجت پکڑتے ہیں۔

سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى۔

(بنی اسرائیل،۱)

ترجمہ (ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

پس وہ مسجد اقصیٰ تک اس معراج کی انتہا کو مانتے ہیں جس میں تعجب و حیرت واقع ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی قدر و مدح، وہاں تک تشریف لے جانے اور معراج ہونے کی کرامت نکلتی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر معراج جسمانی مسجد اقصیٰ سے آگے تک بھی ہوتی تو اس کو اللہ ذکر فرماتا۔ اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اور اضافہ کرتا ہے۔ پھر یہ دونوں گروہ اس میں مختلف ہیں کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں نماز پڑھی یا نہیں۔ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا دوسروں کی حدیث پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل علیہ السلام براق کی پشت پر سوار تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ واپس آ گئے۔ (تفسیر درمنثور ۲۱۶/۵ سورۃ الاسریٰ)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہتے ہیں کہ حق و صحیح بات انشاء اللہ اس میں یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسم و روح دونوں کے ساتھ شب معراج میں ہوئی اور اسی پر آیہ کریمہ اور معتبر اخبار صحیحہ دلالت کرتی ہیں ظاہر اور حقیقت سے تاویل کی طرف عدول نہیں کرنا چاہئے۔

سوائے امر محال کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی اور حالت بیداری میں کوئی استحالہ نہیں اس لئے کہ اگر منامی (خواب میں) ہوتی تو اللہ ''رَوحُ عَبْدہٖ'' فرماتا ''بِعَبْدِہٖ'' نہ فرماتا اور یہ کہ اللہ نے فرمایا:

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰیO (النجم ۱۷)

نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حدادب سے) آگے بڑھی۔

اگر خواب میں ہوتی تو یہ نہ نشانی ہے اور نہ معجزہ اور نہ کفار اس سے تعجب کرتے اور نہ اس کو جھٹلاتے اور نہ ضعیف الاعتقاد مسلمان مرتد ہوتے اور نہ فتنے میں پڑتے۔ اس لئے کہ ایسی خوابوں کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ بلکہ یہ انکار اسی وجہ سے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جسم و بیداری کی حالت میں معراج کی خبر دی ہے۔ کیونکہ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز پڑھنے کا حدیث میں ذکر ہے۔ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دوسروں کی روایت کے بموجب آسمانوں میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔

پھر جبریل علیہ السلام کا براق لانا، معراج کی خوشخبری دینا، آسمانوں کے دروازے کھلوانا اور یہ کہا جانا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اور یہ کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا ان کی ساری باتیں، ان کا مرحبا کہنا، نمازوں کا فرض ہونا اور اس میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنا جانا اور بعض حدیثوں کے مطابق جبریل علیہ السلام کا میرا ہاتھ پکڑنا، آسمان پر لے جانا، پھر اتنا اونچا لے جانا کہ ہموار میدان آ جائے وہاں قلموں کے چر چرانے کی آواز سننا، سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا اور جنت میں داخل ہونا، وہاں کی سیر کرنا۔ یہ سب احادیث میں مذکور ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ معراج آنکھوں دیکھا حال ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں سے دیکھا خواب نہ تھا۔ (صحیح بخاری ۶/۱۷ مسند امام احمد ۱/۳۷۴)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حجر اسود کے پاس سو رہا تھا کہ جبریل علیہ السلام آئے اور پیچھے سے مجھے بلایا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مجھے نظر نہ آیا پھر لیٹ گیا۔ تین دفعہ یوں ہی ہوا۔ تیسری مرتبہ میرے کندھوں کو پکڑ کر اس نے ہلایا اور مجھے مسجد کے دروازے تک لے گیا تو وہاں ایک جانور تھا اور براق کی خبر دی۔ (تفسیر درمنثور ۵/۲۲۶)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے گھر سے ہی معراج کرائی گئی۔ اس وقت عشاء کی نماز پڑھ کر ہمارے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ جب صبح فجر سے کچھ قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جگایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تو فرمایا:

اے ام ہانی! میں نے تمہارے ساتھ عشاء کی نماز جیسا کہ تم نے دیکھا اس وادی میں پڑھی۔ پھر بیت المقدس میں جا کر اس میں نماز پڑھی۔ پھر صبح کی نماز اب تمہارے ساتھ جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو پڑھی ہے۔ یہ حجت ہے اس بات پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی تھی۔ (مجمع زوائد ۱/۷۷)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شداد بن اوس ایک روایت میں ان سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شب معراج کی صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے رات کو کاشانہ اقدس میں تلاش کیا۔ آپ کو نہ پایا؟ ان کو جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام اٹھا کر بیت المقدس لے گئے تھے۔ (تفسیر درمنثور ۵/۱۹۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شب معراج مسجد اقصیٰ کے سامنے نماز پڑھی۔ پھر میں صخرہ میں داخل ہوا تو ایک فرشتے کو تین برتن لئے کھڑا پایا۔ (الی اخر الحدیث) (تفسیر درمنثور ۵/۲۰۶)

یہ تصریحات بالکل ظاہر ہیں۔ان میں کوئی استحالہ نہیں اور اپنے ظاہری معنی میں ہی محمول ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔فرمایا:

میرے مکان کی چھت پھاڑی گئی۔اس وقت میں مکہ میں تھا۔پس جبریل علیہ السلام اترے اور میرا شرح صدر کیا۔پھر آب زم زم سے غسل دیا۔آخر قصہ تک۔پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اوپر لے گئے۔(معراج کرائی)۔(صحیح بخاری ۴/۱۰۸ صحیح مسلم ۱/۱۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے پاس (آنے والے) آئے اور مجھ کو زم زم تک لے گئے اور میرا شرح صدر کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رکاوٹ محسوس کی جب قریش مجھ سے معراج کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔وہ مجھ سے ان چیزوں کا سوال کرتے تھے جن کو میں نے محفوظ نہ کیا تھا۔تو میں نے سخت ہچکچاہٹ محسوس کی جو کہ اس سے پہلے کبھی مجھے محسوس نہ ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اٹھا کر میرے پیش نظر کر دیا۔اسی کے مثل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(صحیح بخاری ۵/ ۴۴، صحیح مسلم ۱/ ۱۵۶،۱۵۷)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حدیث معراج میں روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف واپس آیا، بحالیکہ انہوں نے اپنا پہلو بھی بدلا نہ تھا۔
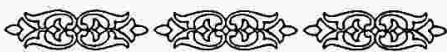
چوتھی فصل

معراج روحانی کے دلائل کا رد

یہ فصل ان دلائل کے ابطال میں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ معراج (نومی) خواب میں تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو حجت میں لاتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَاالَّتِيْ اَرَيْنَاكَ اِلاَّ فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ٥ (بنی اسرائیل ٦٠)

ترجمہ اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لیے۔

اس کو اللہ تعالیٰ نے رؤیا قرار دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (بنی اسرائیل ١) اس کو رد کرتا ہے۔ اس لئے کہ اسریٰ حالت نوم کیلئے بولا ہی نہیں جاتا اور فِتْنَةً لِّلنَّاسِ اس کی تائید کرتا ہے کہ وہ رؤیا عینی مشاہدہ تھا۔

اور معراج جسمانی (شخصی) تھی۔ اس لئے کہ خواب میں دیکھنا تو فتنہ ہے ہی نہیں اور نہ اس کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے خواب میں اس کی مثل کائنات میں ایک گھڑی کے اندر مختلف اطراف میں چلا جاتا ہے۔ علاوہ بریں اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت قصہ حدیبیہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی اور جو کچھ لوگوں کے دلوں میں اس سے واقع ہوا، اس کو بیان کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

لیکن ان کی یہ دلیل کہ حضور ﷺ نے حدیث میں مَنَامًا (خواب) کہا ہے اور دوسری حدیث میں بَيْنَ النَّائِمَ وَالْيَقْظَانِ (میں نیند اور بیداری کے درمیان تھا) آیا ہے اور یہ قول کہ وَهُوَ نَائِمٌ (درآنحالیکہ سو رہا تھا) اور یہ قول کہ ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ (پھر میں بیدار ہوا) اس کو حجت میں نہیں لایا جا سکتا۔

اس لئے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں سب سے پہلے فرشتے اس حالت میں پہنچے ہوں کہ آپ ﷺ سوتے ہوں یا شروع اٹھانے کے وقت آپ ﷺ سوتے ہوں۔ حدیث میں یہ کہیں نہیں ہے کہ معراج کے سارے واقعات میں آپ سوتے رہے ہوں۔ البتہ آپ کا یہ فرمانا کہ پھر میں بیدار رہوا تو مسجد حرام میں تھا۔ شاید کہ اِسْتَيْقَظْتُ بمعنی اَصْبَحْتُ (یعنی صبح کی میں نے) مراد ہو یا واپسی کے بعد آ کر سو گیا۔ پھر جاگا تو مسجد حرام میں تھا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ معراج لمبی رات تک نہ تھی۔ بلکہ وہ تو رات کے کچھ حصے میں تھی اور

کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ میں بیدا رہوا، تو مسجد حرام میں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت کے عجائبات کے مطالعہ نے ڈھانپ لیا تھا اور آپ کے باطن کو ملاء اعلیٰ کے مشاہدہ نے اور اپنے رب کی بڑی نشانیوں کے ملاحظہ نے وارفتہ کر دیا تھا۔ آپ بشری حالت میں اسی وقت لوٹے جب مسجد حرام میں واپس آ گئے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی نیند اور بیداری حقیقی معنی میں ہو جو الفاظ کا ظاہری اقتضاء ہے لیکن معراج جسمانی ہوئی اس حال میں کہ آپ کا قلب حاضر تھا۔

اور انبیاء علیہم السلام کی نیند (خواب) حق ہوتی ہے۔ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے قلوب بیدار ہوتے ہیں۔

بعض اصحاب کے اشارات اس طرف مائل ہوئے ہیں، ان میں سے بعض کہتے ہیں۔ آپ کا آنکھوں کو بند کرنا اس لئے تھا کہ کوئی محسوس چیز آپ کو اللہ تعالیٰ سے نہ روک سکے۔ یہ بات انبیاء علیہم السلام کیلئے نماز کے وقت صحیح نہیں ہوسکتی۔ ممکن ہے کہ اس معراج میں آپ کی یہ حالت ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ نیند سے مطلب یہ ہو کہ سونے والوں کی طرح سیدھے لیٹے ہوں اور اس تاویل کو آپ کا یہ فرمان قوی بناتا ہے جو عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہمام رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں سوتا تھا اور بعض دفعہ فرمایا کہ لیٹا تھا۔

ھد بہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آپ سے منقول ہے کہ میں حطیم میں سو رہا تھا اور بعض دفعہ فرمایا: حجر اسود کے پاس لیٹا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں نیند اور بیداری کے درمیان تھا۔ پس اس حالت کو نیند کہہ دیا کیونکہ سونے والی حالت غالب تھی۔

بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ اضافات یعنی سونا، شکم کا چاک کرنا، اللہ سے قریب و بعید ہونا صرف شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ جو صرف انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ لیکن یہ روایت منکر ہے۔ اس لئے کہ شکم کا چاک ہونا احادیث صحیحہ میں اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ عہد طفولیت میں تھے جو نبوت سے پہلے کے وقت کا ہے اور اس لئے بھی کہ حدیث میں قبل بعثت کا ذکر ہے اور معراج باتفاق بعثت کے بعد ہوئی ہے۔ پس یہ سب دلائل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو کمزور کرتے ہیں۔ باوجودیکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے متعدد طریقوں سے بیان کیا ہے کہ یہ روایت دوسروں سے منقول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو نہیں سنا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ تو مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور کتاب مسلم میں کہا کہ شاید یہ مالک ابن صعصعہ سے ہے۔ یعنی شک کے لفظ روایت کیا اور ایک دفعہ کہا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تھے۔

لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس کو گم نہیں کیا۔

اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے مشاہدہ سے نہیں بیان کرتی ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس وقت تک آپ کی بیوی نہیں ہوئی تھیں اور نہ آپ کی ایسی عمر تھی کہ اس میں کوئی یاد رہ سکے اور شاید کہ وہ اس وقت تک پیدا بھی نہ ہوئی تھیں کیونکہ وقوع معراج کے تعین میں اختلاف ہے۔ پس جبکہ وقوع معراج اگر اول اسلام میں ہو جیسا کہ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور جو اس کی موافق کرتے ہیں کہ بعثت کے ڈیڑھ سال بعد ہوئی۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہجرت کے وقت آٹھ سال کی بچی تھیں۔

بعض کہتے ہیں کہ وقوع معراج ہجرت سے پانچ سال قبل اور بعض کہتے ہیں کہ ہجرت سے ایک سال قبل ہوئی۔ قرین صحت پانچ سال ہی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی دلیل طویل ہے جو ہماری غرض سے متعلق نہیں۔ پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود مشاہدہ نہیں کیا تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ انہوں نے دوسروں سے سن کر بیان کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسروں کی خبر پر ان کی روایت کو ترجیح دی جائے۔ حالانکہ ان کے سوا دوسرے اس کے خلاف کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث اُم ہانی رضی اللہ عنہا میں صاف طور پر بیان ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ اوروں نے بھی روایت کیا ہے۔

اب نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ثابت نہیں اور دوسری احادیث زیادہ ثابت اور صحیح ہیں۔ ہماری اس سے مراد اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے اور نہ وہ جو کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ''میں نے جسم اقدس کو گم نہیں کیا'' حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مدینہ میں ملے ہیں۔ یہ تمام دلیلیں ان کی روایت کو کمزور کر رہی ہیں۔ بلکہ آپ کا جسم کے ساتھ تشریف لے جانے پر انہیں کا صحیح قول دلالت کرتا ہے۔

وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی آنکھ سے دیدار الٰہی کی روایت کا انکار کرتی ہے۔ اگر ان کے نزدیک یہ خواب میں ہوتا ہے تو اس کا انکار نہ کرتیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ (النجم ۱۱)

نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے)۔

اس سے دل کا دیکھنا مراد ہے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ خواب کا دیکھنا اور وحی تھی نہ کہ آنکھ اور حواس سے مشاہدہ کرنا۔ تو ہم اس کے جواب اور مقابلہ میں یہ آیت پیش کریں گے:

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ (النجم ۱۷)

نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حدادب سے) آگے بڑھی۔

اس میں دیکھنے کی نسبت آنکھ کی طرف کی ہے اور مفسرین آیت کریمہ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ دل نے آنکھ کو حقیقت کے سوا وہم میں ڈالا بلکہ اس رویت کی دل نے تصدیق کی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے دل نے انکار نہ کیا جو آپ ﷺ کی آنکھ نے دیکھا۔

پانچویں فصل

آپ ﷺ کا اللہ کو دیکھنا

علماء سلف نے حضور ﷺ کا رب تبارک وتعالیٰ کی رویت (دیکھنے) میں اختلاف کیا ہے۔ اس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا۔

حدیث: حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: یا ام المومنین! کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟

تو فرمایا: تمہارے اس سوال سے میرے بال کھڑے ہو گئے۔ تین باتیں ایسی ہیں جو تم سے کہے وہ جھوٹا ہے۔ ایک یہ کہ جو تم سے کہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا وہ جھوٹا ہے۔

پھر یہ آیت تلاوت کی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ (الانعام ۱۰۳)

نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں۔ (آخر حدیث تک بیان کیا۔)

(صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۱۶۰ صحیح بخاری کتاب بداء الخلق ۹۱/۴)

اور ایک جماعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی قائل ہے اور یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۱۶۱ صحیح بخاری کتاب بداء الخلق ۹۱/۴)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۱۵۸)

اور اس کے خلاف بھی ان سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کے انکار کے ساتھ دنیا میں رویت الٰہی ناممکن فرمایا ہے۔ اس کی محدثین، فقہاء اور متکلمین کی ایک جماعت قائل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھ سے رویت الٰہی کی۔ انہیں سے عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ آپ ﷺ نے اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا۔ ابو العالیہ رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ایک شخص کو بھیجا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھے کہ کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ فرمایا: ہاں۔ اور ان سے یہی زیادہ مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ یہ ان سے متعدد

طریقوں سے مروی ہے۔ (تفسیر درمنثور ۷ / ۶۴۸، سورۃ النجم)

اور فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلعت سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت سے خاص فرمایا۔ ان کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے۔

(سنن نسائی مستدرک بحوالہ تفسیر درمنثور ۷ / ۶۴۷)

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى٥ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى٥ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى٥

(النجم ۱۲۔۱۱)

ترجمہ نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے) کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنی رویت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین تقسیم فرمایا ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اپنے رب کو دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مرتبہ اپنے رب سے کلام فرمایا۔

ابوالفتح رازی اور ابواللیث سمرقندی رحمہما اللہ کعب احبار رضی اللہ عنہ سے حکایت نقل کرتے ہیں جو عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس اور کعب رضی اللہ عنہما ایک دفعہ جمع ہوئے۔ تب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم بنو ہاشم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اپنے رب کا دیدار کیا۔

کعب رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی، یہاں تک کہ پہاڑوں نے اس کا جواب دیا اور کہا: بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت اور اپنے کلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین تقسیم کر دیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام سے تو کلام کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے ساتھ دیدار کرا دیا۔ (تفسیر درمنثور ۷ / ۶۴۷)

شریک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے آیہ کریمہ کی تفسیر میں روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔

فقیہہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا؟

فرمایا: میں نے اس کو دل سے دیکھا، آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

(جامع البیان ۲۷ / ۲۷ تفسیر درمنثور ۷ / ۶۴۸)

مالک بن یخامر رحمۃ اللہ علیہ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو دیکھا اور رب نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم ملاء اعلیٰ کے فرشتے

کسی بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ (مسند امام احمد ۱/ ۲۹۰۔۲۸۵)

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اللہ کی قسم کھاتے تھے کہ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا۔

ابوعمر طلمنکی رضی اللہ عنہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا اور بعض متکلمین نے اس مذہب کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا ہے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مروان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا: ہاں۔ (مناہل الصفا/۱۰۰)

نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا قائل ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا، دیکھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے گئے یہاں تک کہ آپ کا سانس ختم ہوگیا۔ یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا۔

ابوعمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دل سے دیکھا اور دنیا میں آنکھوں سے دیکھنے کی روایت کو ضعیف کہا ہے۔

سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نہ تو یہ کہتا ہوں کہ دیکھا اور نہ یہ کہتا ہوں کہ نہ دیکھا۔

حضرت ابن عباس اور عکرمہ حسن اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا آیت کی تاویل میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس اور عکرمہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اللہ کو اپنے دل سے دیکھا اور حضرت حسن اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدار الٰہی کیا۔

ابن عطا سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الم نشرح ۱)

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔

کی تفسیر میں مروی ہے کہ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر رویت الٰہی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شرح صدر کلام ہے۔

ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور اپنے سر کی دونوں آنکھوں سے دیکھا اور فرمایا: ہر نشانی جو انبیاء سابقین علیہم السلام میں سے کسی نبی کو دی گئی۔ بلاشبہ اس کی مثل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور انہیں رویت الٰہی سے

فضیلت دے کر خاص کیا۔

اور بعض ہمارے مشائخ نے اس میں توقف کیا ہے اور کہا ہے کہ اس پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے لیکن جائز ہے کہ یہ ہوا ہو۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق خیر دے، فرماتے ہیں کہ حق الامر جس میں کوئی شک وشبہ نہیں یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کی رؤیت عقلاً جائز ہے اور عقلا اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ دنیا میں دیدار الٰہی جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں دیدار الٰہی کی خواہش وطلب کی اور امر محال سے بے خبری نبی کی شان سے بعید ہے اور اس کا سوال وطلب کرنا اللہ تعالیٰ کے نبی کیلئے جائز نہیں۔ نبی علیہ السلام اسی کا سوال کرتا ہے جو جائز وغیر مستحیل ہو لیکن اس کا وقوع ومشاہدہ ان امور غیبیہ میں سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جب ہی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: لَنْ تَرَانِیْ۔ (الاعراف ۱۴۳) (تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے) یعنی تم میں اتنی طاقت نہیں ہے اور نہ اتنا تحمل کہ میری رویت برداشت کرسکو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کیلئے ان کا مثل، جو ان سے زیادہ قوی وثابت ہو کر دیا، وہ کوہ طور ہے۔

ان تمام باتوں میں ایسی کوئی بات نہیں کہ دنیا میں اس کی رویت کو محال بنائے۔ بلکہ فی الجملہ اس کا جواز ہی نکلتا ہے اور شریعت میں بھی کوئی دلیل قاطع ایسی نہیں جو رویت الٰہی کے محال وممتنع پر ہو۔ اس لئے ہر موجود کی رویت جائز ہے، مستحیل ومتعذر نہیں۔ یہ کوئی دلیل نہیں ہے جو لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ (الانعام ۱۰۳)

نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں۔

کیونکہ اس آیت کریمہ کی مختلف تاویلیں ہیں اور یہ بھی کہ جو اس کی رویت کو دنیا میں ممتنع کہتا ہے۔ مطلقاً محال کا مقتضی نہیں (بلکہ دنیا کی تخصیص ہی اس کا پتہ دے رہی ہے کہ آخرت میں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور رویت ہوگی۔ شرح شفاء)

بلاشبہ اسی آیت سے بعض علماء رویت الٰہی کے جواز وعدم محال پر فی الجملہ استدلال کرتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کفار کی آنکھیں نہیں پاسکتیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا احاطہ (گھیر) نہیں کرسکتیں۔ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ بعض نے کہا کہ آنکھیں تو اس کا ادراک نہیں کرسکتیں

مگر دیکھنے والے اس کو پا سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر سورۃ الانعام ۷/۱۹۹)

یہ تمام تاویلیں نہ تو منع رویت کی مقتضی ہیں اور نہ عدم محال کی۔

اسی طرح ان کی دلیل یہ بھی نہیں ہو سکتی جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَنْ تَرَانِیْ۔ (الاعراف ۱۴۳) (تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے) اور نہ یہ کہ تُبْتُ اِلَیْکَ (میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں) جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ یہ عموم پر دلالت نہیں کرتی اور یہ کہ جو اس کے معنی یہ بتاتا ہے کہ ''تم دنیا میں نہیں دیکھ سکتے''۔ یہ بھی تو ایک تاویل ہے۔ نیز اس میں ممانعت کی کوئی صراحت نہیں اور یہ کہ یہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں وارد ہے۔

جب کسی کلام میں بہت سی تاویلیں اور بکثرت احتمالات پیدا ہو جائیں تو اس سے کوئی قطعی اور حتمی فیصلہ نہیں ہوتا۔ (خواہ وہ جواز کا ہو یا امتناع کا)

اور انکی دلیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول کہ تُبْتُ اِلَیْکَ (میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں) کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنے سوال سے رجوع کرتا ہوں۔ جب تک تو اس کی قدرت و طاقت نہ دے۔

ابوبکر ہذلی رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے فرمان ''لَنْ تَرَانِیْ'' کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ کسی بشر کو یہ طاقت نہیں کہ دنیا میں میری طرف نظر کر سکے اور جو بھی میری طرف نظر کرے گا مر جائے گا۔

میں نے بعض علمائے سلف اور متاخرین کو اس کے یہ معنی بیان کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت دنیا میں اس لئے ممتنع ہے کہ دنیا والوں کی ترکیب اور ان کے قوامی (اعضاء) کمزور ہیں۔ آفتوں اور فنا کے عوارض سے وہ متغیر ہوتے رہتے ہیں پس وہ دیکھنے کی طاقت رکھتے ہی نہیں لیکن آخرت، تو ان کی وہاں ترکیب دوسری طرح پر ہو گی اور ان کو ایسا رزق دیا جائے گا جو قوی، ثابت اور باقی رکھنے والا ہو گا۔ ان کی آنکھوں اور دلوں کے نور پورے ہوں گے تو ان کو رویت کی طاقت دے دی جائے گی۔

اس طرح میں نے مالک ابن انس رضی اللہ عنہ کا قول دیکھا ہے۔ کہا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جا سکتا۔ اسلئے کہ وہ باقی ہے اور باقی کو فانی کے ساتھ نہیں دیکھا جاتا اور جب آخرت ہو گی اور آنکھیں باقی رہنے والی دی جائیں گی تو باقی کو باقی کے ساتھ دیکھ لیں گے۔

یہ کلام عمدہ اور نفیس ہے۔ اس میں کوئی دلیل استحالہ پر نہیں البتہ ضعف قدرت کی وجہ سے اس کا دیدار نہیں کر سکتے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس کو چاہے قوی کر دے گا اور رویت الٰہی کو برداشت کرنے کی جب وہ طاقت دے گا تو اس کے حق میں وہ محال نہ رہے گا۔

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بصر کی قوت و طاقت کتنی تھی اور قوت الٰہیہ سے ان دونوں کی کیسی قوت دراکہ تھی جس کو انہوں نے جانا اس طرح جانا اور جو دیکھا کیسے دیکھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں آیتوں کے جواب اور اس کے معنی بیان کرنے کے دوران فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اسی وجہ سے وہ تو بے ہوش ہو کر زمین پر آ گئے اور پہاڑ نے اپنے رب کو دیکھا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے ادراک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول سے انہوں نے احتیاط کیا ہے کہ

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ۔ (الاعراف ۱۴۳)

ترجمہ البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف سو اگر یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے۔

وَاللّٰہ اعلم: پھر فرمایا:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۝ (الاعراف ۱۴۳)

ترجمہ پھر جب تجلی ڈالی ان کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر

پہاڑ پر تجلی کے یہ معنی ہیں کہ اس پر اس کا ظہور ہوا حتی کہ اس کو دیکھا۔ یہ اس قول (ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ) کے موافق ہے۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ کی طرف متوجہ کر کے تجلی فرمائی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً وہ فوت ہو کر زمین پر آ جاتے، پھر ہوش میں نہ آتے۔ یہ قول بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بیشک پہاڑ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے اور پہاڑ کے دیکھنے سے قائل استدلال کرتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا کیونکہ اس نے اس کو جواز کی دلیل ٹھہرایا ہے اور جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اس لئے کہ آیات میں منع پر کوئی نص نہیں۔

لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دیدار الٰہی کا واجب ہونا اور یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس میں بھی کوئی دلیل قطعی اور نص نہیں ہے کیونکہ اس بارے میں معتبر تو سورۃ النجم کی دو آیتیں ہیں اور ان دونوں میں اختلاف منقول ہے اور دونوں کا احتمال ممکن ہے اور نہ کوئی قطعی، متواتر حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث وہ ان کے اعتقاد کی خبر ہے۔ انہوں نے اس کی اسناد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی تاکہ ان کے ضمنی اعتقاد پر (عمل) واجب ہے۔ اسی طرح آیت کی تفسیر میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور حدیث معاذ رضی اللہ عنہ محتمل تاویل ہے اور اس کی سند اور متن دونوں مضطرب ہیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث بھی مختلف، محتمل اور مشکل ہے۔ کیونکہ مروی ہے کہ وہ نور ہے میں اس کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۱۶۱)

اور ہمارے بعض بزرگوں نے کہا کہ وہ نورانی ہے جو مجھے دکھائی دیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا: میں نے نور دیکھا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۱۶۱)

لہٰذا صحت رویت الٰہی پر ان میں سے کسی ایک سے بھی حجت پکڑنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہو کہ میں نے نور دیکھا تو بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نور دیکھا اس نے اس سے روک دیا اور رویت الٰہی میں حجاب بن گیا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۶۲)

اور اسی طرف یہ قول بھی لوٹتا ہے کہ وہ نور ہے کیونکر دیکھ سکتا ہوں یعنی میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ آنکھوں کے سامنے تو نور کے پردے ڈھکے ہوئے تھے، اسی کی مثل وہ دوسری حدیث بھی ہے کہ "اس کا حجاب نور ہے"۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کو نہ دیکھا۔ لیکن اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے۔ اور یہ آیہ کریمہ پڑھی:

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی۔ (النجم ۸)

پھر وہ قریب ہوا، اور قریب ہوا۔

اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جو ادراک آنکھ میں ہے وہ دل میں پیدا فرما دے یا وہ جیسا چاہے، اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ (تفسیر ابن جریر ۲۷/ ۲۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی صریح حدیث اس بارے میں وارد ہو تو اس پر اعتقاد رکھا جائے گا اور اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہو گا۔ اس لئے کہ اس میں کوئی امر محال نہیں ہے اور نہ کوئی مانع قطعی ہے جو کہ اس کو رد کیا جائے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ۔

چھٹی فصل

واقعہ معراج میں حضور ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنا اور کلام کرنا

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔ (النجم ۱۰)

ترجمہ پس وحی کی اللہ تعالیٰ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی۔

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو وحی فرماتا اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں لاتے، سوائے شاذ حالتوں کے۔ اس کے ساتھ جو احادیث شامل ہیں۔

حضرت جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف بلاواسطہ وحی فرمائی اور یہی واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے اور اسی طرف بعض متکلمین گئے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے رب سے شب معراج کلام کیا۔ اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے۔

اور حضرت ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے نقل کیا ہے اور دوسرے اس کا انکار کرتے ہیں۔ نقاش رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واقعہ شب معراج میں حضور ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول دَنٰی فَتَدَلّٰی (قریب ہوئے اور قریب ہوئے) کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ مجھ کو جبریل علیہ السلام نے چھوڑ دیا۔ تب مجھے تمام آوازیں (آنا) ختم ہوگئیں۔ اس وقت اپنے رب کا کلام سنا وہ فرماتا تھا۔ اے محمد ﷺ تمہارا خوف جاتا رہے قریب آؤ قریب آؤ! اسی کے مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ اس میں انہوں نے اس آیت سے دلیل لی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ۔ (الشوری ۵۱)

ترجمہ اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس کی یہی تین قسمیں ہیں۔ یا تو پردے کے پیچھے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا یا فرشتہ کو بھیج کر ہو، جیسے تمام انبیاء علیہم السلام پر ہوا اور اکثر حالتوں میں ہمارے نبی ﷺ پر ہوتا

رہا۔ اب رہی تیسری قسم، وحی کے طور پر باتیں کرنا۔ سو کلام کی تقسیم میں اس کے سوا کوئی صورت نہیں باقی رہی کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ بالمشافہ کلام ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وحی یہاں پر یہ ہے کہ نبی کے دل میں کلام کا القا کر دیا جائے بغیر کسی واسطہ اور ذریعہ کے۔

ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے واقعہ شب معراج میں ذکر کیا ہے جو کہ کلام الٰہی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے میں آیت سے زیادہ واضح ہے۔ اس میں ذکر کیا ہے کہ فرشتے نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا، پردے کے پیچھے سے مجھ سے کہا گیا: میرے بندے نے صحیح کہا میں اکبر ہوں، میں اکبر ہوں اور اذان کے تمام کلمات کا اسی طرح ذکر کیا۔ ان دونوں حدیثوں کے مشکلات، بعد کی فصل میں اور جو اس کے مشابہ ہیں اگلے باب کی فصل اول میں کلام آئے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا اور ان مخصوص نبیوں سے کلام کرنا جس کو وہ خاص کرے جائز ہے۔ عقلاً محال و ممتنع نہیں اور نہ شریعت میں مخالفت پر کوئی دلیل ہے۔ پھر اگر اس میں کوئی حدیث صحیح ثابت ہے تو اس پر اعتماد کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا یقیناً حق ہے اور کتاب مجید میں اس کی صراحت کی گئی ہے اور اس کو مصدر سے ذکر کیا ہے تاکہ حقیقت پر دلالت کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ بڑھایا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان پر بسبب کلام الٰہی اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب میں اوپر لے جایا گیا۔ یہاں تک کہ مقام استویٰ تک پہنچے اور قلموں کے چلنے کی آواز سنی۔ یہ کیونکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں محال ہوگا یا کلام الٰہی کا سننا بعید ہوگا۔ پس پاک ہے جس کو بھی جیسا چاہے نوازے اور اس نے ایک کو ایک پر درجات دیئے۔

ساتویں فصل

شب معراج آپ ﷺ کا قرب

لیکن وہ جو حدیث معراج اور ظاہر آیت میں قرب ونزدیکی کا ذکر اللہ تعالیٰ کے فرمان ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰیO وَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ (النجم ۹-۸) میں ہے۔

اس میں اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ قرب ونزدیکی منقسم ہے حضور ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کے مابین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص ہے یا سدرۃ المنتہیٰ مراد ہے۔ اس کو رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے حضور ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے قرب ونزدیکی مراد ہے۔ اس کے معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ دَنٰی یعنی قریب ہوئے اور تَدَلّٰی بہت قریب ہوئے۔ اور روایت ہے کہ قرب کے معنی میں دونوں لفظ واحد ہیں۔ اس کو مکی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے جو حضور ﷺ سے قریب ہوا فَتَدَلّٰی اور حضور ﷺ اس سے قریب ہوئے یعنی اس کے امر (حکم) سے قریب ہوئے۔

نقاش نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ دَنٰی قریب ہوا اپنے بندہ محمد ﷺ سے فَتَدَلّٰی پس حضور ﷺ اس سے قریب ہوئے تو دیکھا جو چاہا اور اپنی قدرت وعظمت حضور ﷺ کو دکھائی۔ (تفسیر ابن جریر ۲۷/۲۶)

حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیم وتاخیر ہے۔ شب معراج حضور ﷺ کے قریب رف رف ہوا۔ اس پر آپ نے تشریف رکھی پھر وہ بلند ہوا پس حضور ﷺ اپنے رب عزوجل کے قریب ہو گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب جبریل علیہ السلام جدا ہو گئے اور آوازیں منقطع ہو گئیں۔ تب اپنے رب کے کلام کو میں نے سنا۔

صحیح حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے اور اللہ رب العزت قریب ہوا اور بہت قریب ہوا۔ یہاں تک کہ دو کمان کا یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔ آپ ﷺ کی طرف اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وحی فرمائی۔ منجملہ ان کے پچاس نمازوں کی وحی ہے اور حدیث اسراء کا ذکر کیا۔

محمد بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور ﷺ ہیں جو اپنے رب سے قریب ہوئے کہ دو

کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قریب کی کوئی حد نہیں اور بندوں کے قریب کی حد ہوتی ہے۔

اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرب سے ''کیفیت'' منقطع ہوگئی تھی۔ (یعنی وہاں کیف وکم کا گذر ہی نہیں) کیا تم نے غور نہیں کیا کہ کس طرح جبریل علیہ السلام قریب سے حجاب میں رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم معرفت و ایمان سے کتنے قریب ہوئے۔ پھر سکون قلب کے ساتھ وہاں تک اترے جہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے تمام شک وشبہات دور ہوگئے۔

قاضی ابو الفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق خیر دے، فرماتے ہیں کہ جانو! وہ جو قریب ونزدیک کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے وہ قرب مکانی نہیں اور نہ قرب اس کی انتہا ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا ہے کہ ''قرب کی کوئی حد نہیں'' اس سے یہی مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب سے قرب ہونا اور اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہونا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی منزلت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ کی شرافت، انوار معرفت کی نورانیت، اسرار غیبیہ کا مشاہدہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نیکی، محبت، خوشی اور اکرام ہے اور اس میں وہ تاویل کی جاتی ہے جو اس فرمان نبوی میں تاویل کی جاتی ہے کہ

یَنْزِلُ رَبُّنَا اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَاءِ۔

ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔

(اس کی) وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ اترنا فضیلت وخوبصورتی اور قبول واحسان کیلئے ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص یہ وہم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنفسہ قریب ہوا تو وہ مسافت کو مانتا ہے۔ (حالانکہ بعد وقرب مسافت کے لحاظ سے ممتنع ہے) بلکہ جو چیز بنفسہ خدا سے قریب ہوگی، اتنا ہی وہ بعد کے قریب ہوگی۔ یعنی اس کی حقیقت کے ادراک سے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کیلئے نہ قرب ہے اور نہ بعد۔

اور اللہ کا یہ فرمان قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم ۹) اس میں جو شخص ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتا ہے اور جبریل علیہ السلام کی طرف نہیں کرتا۔ تو اس وقت اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت قرب، مہربانی کا مقام، ظہور معرفت اور حقیقی شرافت کے ساتھ ہے اور یہ بھی مقصود ہوسکتا ہے کہ وہ قرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت و مطلب کو پورا کرنا، اظہار نیکی اور رفعت منزلت و مرتبت اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ پر ہو۔

اس میں بھی وہی تاویل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں ہے جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا میں اس سے ایک گز قریب ہوں گا اور جو میرے پاس چل کر آئے گا تو میں اس کے پاس دوڑ کر آؤں گا۔ سو یہ قرب، اجابت قبول دعا، احسان اور مقصد کا پورا کرنا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب التوحید ۱۲۶/۹)

آٹھویں فصل

حضور ﷺ بروز قیامت خصوصی فضیلت سے مکرم ہوں گے

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے باہر آؤں گا اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ جمع ہو کر آئیں گے اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا۔ جب وہ مایوس ہو جائیں گے، میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور میں اپنے رب تعالیٰ کے حضور تمام اولاد آدم علیہ السلام میں سب سے زیادہ مکرم ہوں گا اور یہ فخر نہیں۔ (اظہار واقعہ ہے) (سنن ترمذی ۲۴۵/۵ کتاب المناقب)

ابن زفر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں جو ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اس کے الفاظ حدیث یہ ہیں کہ میں لوگوں سے سب سے پہلے باہر آؤں گا جب وہ اٹھائے جائیں گے اور ان کا سردار ہوں گا۔ جب وہ آئیں گے اور میں ان کا خطیب بنوں گا جب وہ خاموش ہو جائیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں گا جب وہ روک لئے جائیں گے اور میں ان کا خوشخبری دینے والا ہوں گا جب وہ حیران ہوں گے، بزرگی کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اولاد آدم میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور مکرم ہوں اور یہ فخر نہیں میرے گرداگرد ایک ہزار خدمتی ہوں گے گویا وہ چمکتے موتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنتی لباس میں سے مجھے ایک جوڑا پہنایا جائے گا پھر عرش کے داہنی جانب کھڑا ہوں گا۔ میرے سوا کوئی مخلوق میں سے اس جگہ کبھی کھڑا نہ ہوا۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ۲۴۶/۵ سنن ابن ماجد)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا۔ میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور یہ فخر نہیں اور آدم علیہ السلام اور ان کے سوا تمام نبی علیہم السلام میرے جھنڈے ہی کے نیچے ہوں گے۔ میں پہلا وہ شخص ہوں گا جو زمین سے باہر آئے گا اور یہ فخر نہیں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۲۴۶/۵، سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا: بروز قیامت میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا۔ میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جو قبر سے نکلے گا اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ہی بروز قیامت لواء الحمد کا اٹھانے والا ہوں

گا۔ اس میں فخر نہیں اور میں ہی پہلا شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں گا۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۲۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ فخر نہیں اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جو جنت میں شفاعت کرے گا اور میرے امتی سب سے زیادہ ہوں گے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۲/ ۱۸۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بروز قیامت سید الناس ہوں گا تم جانتے ہو یہ کیوں ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور حدیث شفاعت کا ذکر کیا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں خواہش رکھتا ہوں کہ بروز قیامت میرا اجر تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ہو۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۲۰۱)

دوسری حدیث میں ہے کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ بروز قیامت تم میں حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہوں۔ پھر فرمایا: یہ دونوں بروز قیامت میری امت میں ہوں گے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہوں گے آپ تو میری دعا میری اولاد ہیں مجھ کو اپنی امت میں شمار فرمائیے اور عیسیٰ علیہ السلام اس لئے امتی ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام باہم علاتی بھائی ہیں کہ ان کی مائیں تو مختلف ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام میرے بھائی ہیں کہ ان کے اور میرے مابین کوئی نبی نہیں ہے اور میں لوگوں کی نسبت ان کے ساتھ زیادہ حقدار ہوں۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۸۸)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں بروز قیامت لوگوں کا سردار ہوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں بھی ان کے سردار ہیں اور قیامت میں بھی۔ لیکن (قیامت کے ساتھ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمانا اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف التجائیں کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو نہ پائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت و شفاعت منفرد ہے۔ کوئی اس میں دوسرا مزاحم نہیں۔ جب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف التجائیں کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو نہ پائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سردار ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگ اپنی ضروریات میں پناہ لیں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت لوگوں میں تنہا سردار ہوں گے۔ اس میں کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویدار اور مزاحم نہ ہوگا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔ (المومن ۱۶)

کس کی بادشاہی ہے آج (کسی کی نہیں)۔

(پھر خود ہی فرمائے گا):

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (المومن ۱۶)

صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے۔

حالانکہ دنیا اور آخرت اسی کا ملک ہے لیکن آخرت میں چونکہ دنیا میں جو دعوے کرتے تھے ان کے دعوے ختم ہو جائیں گے۔ (اس لئے اس نے یہ فرمایا)

اسی طرح تمام لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی التجا کریں گے تو آخرت میں بغیر کسی دعویدار کے ان کے سردار ہوں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بروز قیامت جنت کے دروازہ پر آ کر دروازہ کھلواؤں گا۔ خازن جنت (داروغہ) کہے گا تم کون ہو؟ میں کہوں گا: محمد ﷺ کہے گا مجھے آپ ﷺ ہی کیلئے حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کیلئے دروازہ نہ کھولوں۔

(مناهل الصفا: ص۱۰۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت کا (لمبا) ہے اور اس کے کونے برابر کے ہیں۔ اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے۔ اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ پیاری۔ اس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں جو اس کو پئے گا کبھی وہ پیاسا نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق ۱۰۱/۸ صحیح مسلم کتاب الفضائل ۱۷۹۳/۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔ اس کی لمبائی اتنی ہے جتنی عمان سے ایلہ تک ہے۔ اس میں جنت سے دو پرنالے گرتے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ۱۷۹۸/۴)

ثوبان رضی اللہ عنہ سے اس کے مثل مروی ہے ان میں سے ایک نے کہا: سونے کا۔ دوسرے نے کہا: چاندی کا۔

اور حارثہ بن رہب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس کی مابین مدینہ اور صنعا کے برابر ہے اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: مریلہ اور صنعا کے برابر ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کوفہ اور حجر اسود کے مابین لمبائی ہے اور حوض کی حدیث کو حضرت انس، جابر، سمرہ، ابن عمر، عقبہ ابن ارقم، ابن مسعود، عبداللہ بن زید، سہل بن سعد، سوید بن جبلہ، ابوبکر، عمر بن خطاب، ابن بریدہ، ابوسعید خدری، عبداللہ ضابحی، ابوہریرہ، براء جندب عائشہ اسماء ابوبکر کی صاحبزادیاں، ابوبکرہ، خولہ بن قیس، وغیرہم رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل ۱۷۹۸/۴۔ سنن ابوداؤد ۲۷۹/۲، صحیح البخاری کتاب الرقاق ۱۰۱/۸)

نویں فصل

آپ ﷺ کی محبت و خلت کا بیان

ان احادیث صحیحہ کا ذکر جن میں محبت و خلت کی وجہ سے حضور ﷺ کو فضیلت حاصل ہے اور مسلمانوں کی زبان پر آپ ''حبیب اللہ ﷺ'' کے ساتھ مخصوص ہیں۔

حدیث حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے اور حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بناتا اور دوسری حدیث میں ہے کہ تمہارا صاحب اللہ تعالیٰ کا دوست ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے صاحب کو خلیل بنالیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی آپ ﷺ کا انتظار کر رہی تھی کہ آپ ﷺ نکلے یہاں تک کہ جب ان کے نزدیک ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی باتیں سنیں جو وہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سنا کہ ایک ان میں کہہ رہا تھا۔

تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: کیا یہ زیادہ عجیب بات نہیں؟ کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ ان میں سے دوسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور اسکی روح ہیں۔ ایک نے کہا کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے صفی اور برگزیدہ ہیں۔

تب حضور ﷺ ان کے سامنے آئے اور سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں اور کلمات تعجب سنے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا وہ اسی کے لائق تھے اور موسیٰ علیہ السلام کو نجی اللہ کیا وہ اسی کے لائق تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ بنایا وہ اسی کے لائق تھے اور آدم علیہ السلام کو اپنا برگزیدہ نبی بنایا وہ اسی کے لائق تھے۔ خبردار! میں حبیب اللہ ہوں۔ یہ فخر سے نہیں کہتا اور میں ہی بروز قیامت حامل لواء الحمد ہوں میں فخر سے نہیں کہتا۔

میں پہلا شفاعت کرنے والا اور قبولِ شفاعت ہوں اس میں فخر نہیں اور میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے کھولے گا پھر وہ مجھے داخل کرے گا درانحالیکہ میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے۔ یہ فخر نہیں، میں اکرم الاولین والآخرین ہوں، یہ فخر نہیں۔

(سنن دارمی فی المقدمہ ۲۶/۱، ترمذی کتاب المناقب ۲۶۷/۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: میں نے آپ کو خلیل بنایا پس آپ کا اسم مبارک توریت میں حبیب الرحمٰن مکتوب ہے۔ (وفی حدیث الاسراء مرہ)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ان کو توفیق خیر دے، فرماتے ہیں کہ خلت کی تفسیر و اشتقاق میں اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں خلیل وہ ہے جو یکسو ہو کر ایسا اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے کہ اس کے انقطاع و محبت میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں خلیل وہ جو خاص ہو جائے۔ اس قول کو بہت سوں نے اختیار کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خلت کی اصل استصفاء یعنی پاکیزگی محبت میں اختیار کرنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل اللہ اس لئے رکھا گیا کہ وہ اس کی راہ میں دوستی کرتے اور اس کی ہی راہ میں دشمنی کرتے تھے۔ ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی خلت ان کی مدد و نصرت ہے اور بعد والوں کیلئے ان کو امام بنایا۔

بعض کہتے ہیں کہ دراصل خلیل وہ ہے جو فقیر محتاج اور یکسو ہو۔ یہ خلت سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی حاجت و ضرورت کے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس کے ساتھ یوں نام رکھا گیا کہ انہوں نے اپنی تمام حاجتیں اللہ پر موقوف رکھی ہوئی تھیں اور اسی کی طرف اپنے تمام ارادے کئے ہوئے تھے اس کے غیر سے ان کا علاقہ تھا ہی نہیں۔ جس وقت آپ علیہ السلام منجنیق (گوپھن) میں تھے کہ آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جائے۔ تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا: مَالَكَ حَاجَةٌ (کیا کوئی حاجت ہے) فرمایا: اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا (بندہ سراپا حاجت ہے مگر تجھ سے نہیں) (الحلیہ لابی نعیم ۲۰/۱)

ابوبکر بن خورک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خلت یہ ہے۔ محبت میں ایسی پاکیزگی ہو کہ اسرار کے درمیان اختصاص کو واجب کر دے۔ بعض کہتے ہیں کہ دراصل خلت محبت ہے اور اس کے معنی ہمدردی، مہربانی، رفع درجات اور شفاعت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی کتاب مجید میں بیان فرما دیا ہے:

قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ۔

(المائدہ ۱۸)

ترجمہ اور کہا یہود و نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اسکے پیارے ہیں آپ فرمایئے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے۔ تمہیں تمہارے گناہوں پر۔

لہٰذا محبوب کیلئے یہ واجب و ضروری ہے کہ اس کے گناہوں سے مواخذہ نہ کیا جائے۔

کہا کہ اس کو یاد رکھ! خلت بنوت سے اقویٰ ہے کیونکہ بنوت میں کبھی عداوت بھی ہوتی ہے۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ (التغابن ۱۴)
ترجمہ تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے کچھ بچے تمہارے دشمن ہیں۔ پس ہوشیار رہو ان سے۔
اور یہ صحیح نہیں کہ خلت کے ساتھ عداوت ہو۔ پس اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلت کے ساتھ نام رکھنا یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف پورے پورے یکسو ہو جائے اور اپنی حاجتوں کو اسی کی طرف موقوف رکھنے اور اس کے غیر سے علیحدگی اختیار کر لینے اور وسائط واسباب سے اعراض کر لینے کی وجہ سے ہے یا یہ اختصاص میں زیادتی ہے۔ ان دونوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور پوشیدہ مہربانیاں ہیں ان دونوں پر اور ان دونوں کے دلوں پر اسرار الٰہیہ اور مخفی غیوبات ربانیہ اور معرفت حقانیہ کے سوا کسی اور کی آمیزش نہ کی۔ یا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اپنا برگزیدہ کر لیا یا ان کے دلوں کو اپنے غیر سے ایسا پاک وصاف کر دیا کہ اس میں کسی غیر کی محبت کی گنجائش ہی نہیں رہی۔
اسی وجہ سے بعضوں نے کہا ہے کہ خلیل وہ ہے کہ اس کا دل ماسوا اللہ تعالیٰ کیلئے گنجائش نہ رکھے۔
ان کے نزدیک اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی معنی یہ ہیں کہ فرمایا: اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا۔ لیکن وہ میرے اسلامی بھائی ہیں۔
(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۸۴، صحیح مسلم فضائل صحابہ ۴/ ۱۸۵۴)
علماء کرام اور ارباب قلوب صوفیائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کس کا درجہ بڑا ہے؟ آیا خلت کا درجہ یا محبت کا درجہ؟
پس بعضوں نے تو ان دونوں کو برابر کہا۔ ان کے نزدیک حبیب ہی خلیل ہے اور خلیل ہی حبیب ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے ساتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت کے ساتھ خاص کیا اور بعضوں نے کہا کہ خلت کا درجہ اور ہے اور انہوں نے اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل پکڑی ''اگر میں کسی کو خلیل بناتا، اپنے رب کے سوا'' پس آپ نے نہیں بنایا۔ آپ نے محبت کا اطلاق (اپنی صاحبزادی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور انکے دونوں صاحبزادے (حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما) اور اسامہ رضی اللہ عنہ وغیرہ ہم پر کیا ہے۔
(سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۳۶۲، سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۳۲۲، صحیح بخاری کتاب الفضائل الصحابہ ۵/ ۴۱ صحیح مسلم فضائل صحابہ ۴/ ۱۸۸۶)
اکثر علماء کرام کہتے ہیں کہ خلت سے بڑھ کر محبت کا درجہ ہے۔ اس لئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

درجہ حبیب حضرت خلیل علیہ السلام کے درجہ خلیل سے بلند ہے۔

محبت دراصل ایک ایسا میدان ہے جو محبت کرنے والا کسی کی طرف موافقت کرے لیکن اس کا اطلاق اس کے حق میں ہے کہ اس سے میلان صحیح ہو سکے اور موافقت سے نفع حاصل ہو۔ یہ درجہ مخلوق کا ہے لیکن خالق تعالیٰ ان اغراض سے منزہ ہے۔

اس کا اپنے بندے سے محبت کرنا یہ ہے کہ اس کو سعادت، عصمت، توفیق، اسباب قرب مہیا کرنا اور ان پر اپنی رحمت کے فیضان سے عزت دینا ہے۔ اس کی غایت یہ ہے کہ اس کے قلب سے حجابات کھول دے یہاں تک وہ اپنے قلب کو دیکھ لے اور اپنی بصیرت کے ساتھ اس کی طرف نظر کرے۔ پس وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا۔

جب اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنے اور اس سے سوا اس کے اور کچھ نہیں سمجھا جاتا کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کیلئے مجرد ہو جاتا ہے اور اسکی طرف یکسو ہو کر ہو جاتا ہے۔ غیر اللہ سے اس کو اعراض ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے دل مصفیٰ ہو جاتا ہے اور تمام حرکات خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق ۸۹/۳)

جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ اس کی رضا پر راضی، اس کی ناراضگی پر ناراض۔ اسی وجہ سے بعضوں نے خلت کی یہ تعبیر کی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الرقات ۸۹/۳)

قَدْ تَخَللتَ مَسْلَكَ الرُّوْحِ مِنِّىْ   وَبِذَا سُمِّىَ الْخَلِيْلُ خَلِيْلاً

بیشک تم مجھ میں اس طرح سرایت کر گئے ہو جیسے روح نے سرایت کی ہے۔ اسی لئے خلیل کو خلیل کہتے ہیں۔

فَاِذَا مانطقْتُ كُنْتَ حَدِيْثِىْ   وَاِذَا مَاسَكَتُّ كُنْتَ الغَلِيْلاً

پس جب میں بات کرتا ہوں تو تم میری بات ہوتے ہو اور جب میں خاموش ہوتا ہوں تو تم دل میں ہوتے ہو۔

پس اب خلت کی زیادتی اور محبت کی خصوصیت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حاصل ہے۔ جس پر آثار صحیحہ مشہور مقبولہ امت دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کافی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ۔ (ال عمران ۳۱)

ترجمہ (اے محبوب) آپ فرمایئے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے۔

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار نے کہا تھا کہ (محمد) حضور ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو معبود بنالیں جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بنالیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اظہار غضب اور ان کی بکواس کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا:

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ۔ (ال عمران ۳۲)

ترجمہ آپ فرمایئے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی شرافت کو زیادہ فرمایا ان کو یہ حکم دے کر کہ آپ ﷺ کی اطاعت کریں اور یہ کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ پیوستہ کیا۔ پھر ان کو آپ ﷺ کی نافرمانی پر ڈرایا۔ فرمایا:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ۔ (ال عمران ۳۲)

ترجمہ اور اگر وہ منہ پھیریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو۔

بیشک امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کلام بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ محبت اور خلت میں فرق ہے۔ ان کے تمام ارشادات خلت پر مقام محبت کی زبان میں طویل ہیں۔ لیکن ہم ان میں سے صرف اتنا بیان کریں گے جو مابعد کی طرف ہدایت کرے۔ منجملہ ان کے اقوال میں سے یہ ہے کہ خلیل بالواسطہ پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل لی ہے کہ:

وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (الانعام ۷۵)

ترجمہ اور اسی طرح دکھا دی ابراہیم کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

اور حبیب اس کی طرف بلاواسطہ راہ راست پہنچتا ہے ان کا ماخذ یہ ہے کہ

فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ (النجم ۹)

ترجمہ یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ خلیل وہ ہے کہ اس کی مغفرت حد طمع میں رہتی ہے۔ ان کا ماخذ یہ ہے:

وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْئَتِیْ۔ (الشعراء ۸۲)

ترجمہ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے میرے لیے میری خطا روز جزا کو۔

اور حبیب وہ ہے کہ اس کی مغفرت حد یقین میں ہوتی ہے۔ ان کا ماخذ یہ ہے کہ

لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَاتَاَخَّرَ۔ (الفتح ۲)

اور خلیل نے کہا کہ

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ۔ (الشعراء ۸۷)

ترجمہ اور نہ شرمسار کرنا مجھے جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

یَوْمَ لَایُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ۔ (التحریم ۸)

اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو۔

آپ کو سوال سے پہلے ہی بشارت دے دی گئی اور خلیل نے امتحان کے وقت کہا۔

حَسْبِیَ اللّٰہُ۔ (التوبہ ۱۶۸)

مجھے اللہ کافی ہے۔

اور حبیب کیلئے کہا گیا:

حَسْبُکَ اللّٰہُ۔ (الانفال ۶۴)

کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ۔

خلیل نے کہا:

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ۔ (الشعراء ۸۴)

اور بنا دے میرے لیے سچی ناموری۔

اور حبیب سے کہا گیا:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ۔ (الم نشرح ۴)

اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔

خلیل نے کہا:

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ (ابراہیم ۳۵)

ترجمہ بچالے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ۔ (الاحزاب ۳۳)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو!

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اصحاب مقال کے مقصد یعنی مقامات واحوال کی فضیلت پر ایک تنبیہ ہے اور ہر ایک اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے۔ پس تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون سیدھے راستہ پر ہے۔

دسویں فصل

حضور ﷺ کی فضیلت شفاعت اور مقام محمود کا ذکر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (بنی اسرائیل ۷۹)

ترجمہ یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بروز قیامت لوگ گروہ در گروہ ہو جائیں گے۔ ہر امت اپنے نبی علیہ السلام کے تابع ہو گی اور عرض کرے گی۔

اے فلاں نبی ہماری شفاعت کیجئے۔ اے ہمارے نبی ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ وہ سب مجتمع ہو کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت چاہیں گے۔ یہ وہ دن ہو گا جس میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود عطا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ الاسراء ۶/ ۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: یہ شفاعت ہے۔ (مسند امام احمد ۴۵۶/۳)

کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بروز قیامت لوگ اٹھائے جائیں گے۔ پس میں اور میری امت ایک ٹیلہ پر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو سبز جوڑا پہنائے گا۔ پھر مجھے اذن شفاعت دے گا۔ جو خدا چاہے گا کہوں گا۔ یہی مقام محمود ہے۔ (مسند احمد ۲/ ۴۹۵،۴۵۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے حدیث شفاعت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ حضور ﷺ چلیں گے یہاں تک جنت کے دروازہ کا حلقہ (زنجیر) پکڑیں گے۔ پس اس دن اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو وہ مقام محمود عطا فرمائے گا جس کا آپ ﷺ سے وعدہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ عرش کی داہنی جانب ایسے مقام پر کھڑے ہوں گے آپ ﷺ کے سوا کوئی وہاں کھڑا نہ ہو سکے گا۔ اس وقت آپ ﷺ پر اگلے پچھلے سب رشک کریں گے۔ اسی کی مثل کعب اور حسن رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

(مسند احمد ۱/ ۳۹۸)

ایک روایت میں ہے کہ وہ مقام ایسا ہے جس میں میں اپنی امت کیلئے شفاعت کروں گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مقام محمود پر کھڑا

ہونے والا ہوں گا۔ عرض کیا گیا: وہ کیا ہے؟

فرمایا: یہ وہ دن ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کرسی (عدالت) پر جلوہ گر ہوگا۔

(مسند احمد ۱/۳۹۸)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے اختیار دیا گیا کہ یا تو میں اپنی آدھی امت (بلاحساب و کتاب) جنت میں داخل کروالوں یا شفاعت کو قبول کروں۔ تو میں نے شفاعت کو اختیار کیا کیونکہ وہ عام سود مند ہے۔ کیا تم اس کو متقیوں کیلئے خیال کرتے ہو؟ نہیں، بلکہ یہ گناہگاروں اور خطا کاروں کیلئے ہے۔ (ابن ماجہ ۲/۱۴۴۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شفاعت کے بارے میں کیا حکم ملا؟

فرمایا: میری شفاعت ہر اس شخص کیلئے ہے جو کہ اخلاص کے ساتھ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اس کی زبان اور دل اس کی تصدیق کرے۔

(حاکم، کتاب الایمان ۱/۷۰)

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے میری امت کا حال دکھایا گیا جو میرے بعد کرے گی اور ایک دوسرے کا خون بہائے گی اور گزشتہ امتوں کا عذاب دکھایا گیا جو ان سے پہلے ان پر سبقت کر چکا ہے۔ تو میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ مجھے ان کی شفاعت بروز قیامت دے۔ سو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ (حاکم، کتاب الایمان ۱/۶۸)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرے گا جہاں ان کو منادی سنائی دے گی۔ ان کی آنکھ دیکھتی ہوگی درآنحالیکہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے بدن ہوں گے۔ جیسے کہ وہ پیدا ہوئے تھے۔ خاموشی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی جان بغیر اذن بات تک نہ کر سکے گی۔

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا دی جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرِ فِيْ يَدَيْكَ۔ (حاضر ہوں نیک بختی اور بھلائی تیرے آگے ہے) اور برائی کی نسبت تیری طرف نہیں ہے۔ تو ہی ہدایت دینے والا ہے جو تجھ سے ہدایت چاہے اور تیرا بندہ تیرے سامنے ہے۔ ہر امر تیرا ہے اور تیری طرف سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا، کوئی بچا نہیں سکتا۔ سوائے تیرے تو بابرکت اور بلند ہے۔ تیری پاکی ہے اے رب کعبہ۔ (سنن نسائی جلد ۳/۴۳)

حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا اللہ نے ذکر فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور جنتی جنت میں اور ایک گروہ جنتیوں کا اور ایک گروہ دوزخیوں کا باقی رہ جائے گا تو اس وقت دوزخی گروہ جنتی گروہ سے کہے گا۔ تمہارے ایمان نے تم کو کیا نفع دیا۔ پس وہ اپنے رب کو پکاریں گے اور چلائیں گے۔ جنتی ان کی آواز سنیں گے۔

پس وہ آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے ان کی شفاعت کیلئے عرض کریں گے۔ ہر ایک عذر کرے گا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ یہی مقام محمود ہے۔ (مناہل الصفا ۱۰۸)

اس کے مثل حضرت ابن مسعود نیز مجاہد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اسی کا ذکر کیا علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یزید فقیر رضی اللہ عنہ سے کہا۔

تم نے سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کو جس میں آپ کو اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ کہا: یہ آپ کا وہ مقام محمود ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے جہنمیوں کو نکالے گا۔ جہنمیوں کے اخراج کے سلسلے میں انہوں نے حدیث شفاعت بیان کی۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۱۷۹)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا ہے۔ (مسند احمد ۳/ ۱۴۴)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کے سوا دوسروں کی حدیث ایک دوسرے میں داخل ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بروز قیامت اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا پھر وہ گھبرائیں گے یا فرمایا: انہیں الہام ہوگا۔ پس وہ کہیں گے۔ کاش ہم اپنے رب کی طرف شناخت لے جاتے۔

دوسرے طریق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ لوگ ایک دوسرے میں گھستے پھریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورج ان کے بہت قریب ہوگا اور ان کو ایسا غم لاحق ہوگا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے ہوں گے اور نہ اس کو برداشت کرسکیں گے۔ پس وہ کہیں گے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کیوں اپنے لئے کسی شفیع کی تلاش نہیں کرتے؟

پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے۔ بعضوں نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ آپ آدم علیہ السلام انسانوں کے باپ ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا اور آپ کیلئے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور ہر چیز

کے نام آپ کو سکھائے۔ آپ علیہ السلام اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ وہ ہم کو یہاں راحت دے۔ کیا آپ علیہ السلام ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: بیشک میرے رب نے آج کے دن وہ غضب فرمایا ہے جو اس سے پہلے نہ کیا اور نہ آئندہ کرے گا۔ مجھ کو درخت سے منع کیا میں نے اس کی نافرمانی کی۔ نَفْسِیْ نَفْسِیْ (آج مجھے اپنی ہی فکر ہے، اپنی ہی فکر ہے) تم میرے سوا کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔

تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر کہیں گے۔ آپ علیہ السلام زمین میں پہلے رسول ہیں اور آپ علیہ السلام کا نام اللہ نے عَبْدًا شَکُوْرًا (شکر گزار بندہ) رکھا۔ کیا آپ علیہ السلام ملاحظہ نہیں فرماتے ہم کس حال میں ہیں؟ اور کیا نہیں دیکھتے کہ ہمیں کیا پہنچ رہا ہے؟ کیوں اپنے رب کی جناب میں ہماری شفاعت نہیں کرتے؟

تو حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے: بیشک میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے جو نہ اس سے پہلے ہوا اور نہ ایسا بعد میں ہوگا۔ نَفْسِیْ نَفْسِیْ (آج مجھے اپنی ہی فکر ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں کہا کہ اس وقت آپ علیہ السلام اپنی اس خطا کا ذکر فرمائیں گے جو بغیر (الٰہی) کے آپ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ (آپ فرمائیں گے) میرے لئے صرف ایک دعا تھی جو میں نے اپنی قوم کیلئے مانگ لی۔ اب تم دوسرے کے پاس جاؤ۔

اب تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ پس وہ آپ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام اور اس کے خلیل ہیں زمین والوں کیلئے اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے؟ کیا آپ علیہ السلام ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟

وہ فرمائیں گے: بیشک میرے رب نے آج بڑا اظہار غضب کیا ہے اور مثل سابق فرمایا اور تین کذب کا ذکر کیا نَفْسِیْ نَفْسِیْ (مجھے اپنی ہی فکر ہے) لیکن تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ کلیم اللہ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت دی اور ان سے کلام فرمایا اور قرب بخشا۔

راوی نے کہا کہ پس وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ فرمائیں گے: میں اس قابل

نہیں اور اپنی اس خطا کو یاد کریں گے جو ان سے ایک نفس قتل ہوا تھا۔ نَفْسِیْ نَفْسِیْ (مجھے اپنی ہی فکر ہے)

لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے روح اور کلمہ ہیں۔ پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وہ بھی یہی فرمائیں گے: میں اس قابل نہیں۔

لیکن تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جاؤ۔ وہی ایک ایسے بندے ہیں جن کے سبب اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمائے گا۔

پس وہ میرے پاس حاضر ہوں گے۔ میں فرماؤں گا: ہاں، ہاں میں ہی اس قابل ہوں۔ پھر میں جاؤں گا اور اپنے رب سے اذن حاضری چاہوں گا۔ وہ مجھے اجازت مرحمت فرمائے گا۔ جب میں اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں چلا جاؤں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں عرش کے نیچے آؤں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس کی حمد کروں گا ایسے الفاظ کے ساتھ کہ اس وقت میں اس پر قادر نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ وہ مجھے الہام فرمائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تعریفوں اور حمد وثنا کے وہ دروازہ کھولے گا کہ مجھ سے پہلے وہ کسی پر نہ کھلا ہوگا۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کہا جائے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر کو اٹھایئے، سوال کیجئے وہ عطا فرمایا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

پس میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: اے میرے رب میری امت، اے رب میری امت۔ وہ فرمائے گا: اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جنت کے دروازوں میں داہنے دروازے سے داخل فرماؤ جن پر کوئی حساب نہیں ہے اور وہ اور لوگوں کے دوسرے دروازوں میں شریک ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس ٹکڑے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی جگہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ پھر میں سجدہ کروں گا۔ مجھ سے فرمایا جائے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک اٹھایئے اور کہئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی جائے گی۔ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا۔

پھر میں عرض کروں گا۔ اے میرے رب! امتی امتی۔ فرمائے گا: جایئے جس کے دل میں گندم کے دانے یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اس کو نکال لیجئے۔ پھر میں جاؤں گا اور یہ کروں گا۔ اس کے بعد اپنے رب سے رجوع کروں گا اور اس کی ان تعریفوں سے حمد کروں گا جیسے پہلے کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانے سے کم اور کم اور بہت کم ایمان ہو اس کو بھی نجات دے دیجئے۔ پس میں یہ کروں گا۔ چوتھی مرتبہ مجھ سے فرمایا جائے گا۔ اپنے سر مبارک کو

اٹھایئے اور کہیے، سنا جائے گا۔ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ سوال کیجئے دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا:

اے میرے رب! مجھے ہر اس شخص کی اجازت دیجئے جس نے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محبوب یہ بات تمہارے متعلق نہیں لیکن قسم ہے مجھے اپنی عزت اور بڑائی اور اپنی عزت و جبروت کی یقیناً میں اس کو جہنم سے نکال دوں گا۔ جس نے کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

(صحیح بخاری جلد ۵ / ۷۰ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ / ۱۶۴۔۱۹۴)

قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ پس میں نہیں جانتا، تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ میں فرمایا کہ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! وہ جو جہنم میں باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے قرآن کریم حفظ کیا ہے یعنی ان پر خلود جہنم واجب ہے۔

حضرت ابوبکر (مسند امام احمد جلد ۱/ ۴) وعقبہ بن عامر، ابوسعید و حذیفہ رضی اللہ عنہم سے اسی کے مثل مروی ہے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے۔ ان کو اجازت دی جائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت اور رحم وہ دونوں پل صراط کے دونوں طرف کھڑے ہو جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ مالک رضی اللہ عنہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے پھر صراط مستقیم قائم کی جائے گی۔ پس ان میں پہلی جماعت بجلی کی طرح پھر ہوا کی طرح پھر پرندوں کی طرح اور تیز رو مردوں کی طرح گزر جائے گی۔

درآنحالیکہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پل پر موجود ہوں گے اور یہ فرماتے ہوں گے۔ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ اے خدا انہیں سلامتی عطا فرما، سلامتی عطا فرما۔ یہاں تک کہ سب گزر جائیں گے اور آخری جماعت کے گزرنے کا حال بیان فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں سب سے پہلے گزروں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے منبر رکھے جائیں گے۔ ان پر وہ تشریف رکھیں گے۔ میرا منبر باقی رہے گا۔ میں اس پر نہیں بیٹھوں گا اور اپنے رب کی جناب میں برابر کھڑا رہوں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: کیا چاہتے ہو کہ میں تمہاری امت کے ساتھ کیا کروں؟ میں عرض کروں گا: اے رب ان کا حساب جلدی چکا دیا جائے۔

پس ان کو بلایا جائے گا اور ان کا حساب کتاب ہوگا۔ پس ان میں سے کچھ تو وہ ہوں گے جن کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا اور کچھ وہ ہوں گے جن کو میری شفاعت کے ذریعہ جنت

میں داخل کرے گا۔ میں برابر شفاعت کرتا رہوں گا۔حتی کہ ان لوگوں کو بھی بچالوں گا جن کو جہنم میں جانے کا پروانہ مل چکا ہوگا۔ یہاں تک کہ خازن جہنم کہے گا۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی امت سے کسی کو بھی خدا کے غضب کا سزاوار نہیں رہنے دیا۔ (حاکم کتاب الایمان ۱/۶۴)

زیاد نمیری رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس کا سر زمین سے نکلے گا (یعنی زمین سے اٹھوں گا) اور یہ فخر نہیں اور میں سید الناس ہوں گا بروز قیامت، یہ فخر نہیں۔ پس میں آؤں گا اور جنت کی زنجیر پکڑوں گا۔

کہا جائے گا: کون؟ میں کہوں گا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پس میرے لئے کھولا جائے گا اور اللہ تعالیٰ میرا استقبال فرمائے گا۔تو اس وقت سجدہ کناں ہو جاؤں گا اور ذکر کیا جیسا گزرا۔

حضرت انیس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ میں بروز قیامت ضرور زمین کے پتھروں اور درختوں سے زیادہ لوگوں کی شفاعت کروں گا۔ (مجمع الزوائد ۱۰/۳۷۹)

باختلاف الفاظ ان احادیث صحیحہ سے یہ بات اجتماعی طریقہ پر ثابت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام محمود اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اول سے آخر تک شفاعت کرنا جبکہ لوگ حشر میں جمع ہوں گے اور ان کے گلے تنگ ہوں گے اور پسینہ ان کو پہنچتا ہوگا اور سورج بہت قریب ہوگا اور عرصہ تک کھڑا رہنا ہوگا اور یہ حساب سے پہلے ہوگا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عرصہ تک کھڑے رہنے کی وجہ سے راحت پہنچانے کیلئے ہوگی۔ پھر صراط قائم کی جائے گی اور لوگوں کا حساب ہوگا۔

جیسا کہ ابوہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ذکر ہے اور یہ حدیث زیادہ یقینی ہے۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اپنی امت کے ان لوگوں کو جنت میں جلدی لے جانے کیلئے ہوگی جو بلا حساب و کتاب جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں گزرا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ان لوگوں کیلئے ہوگی جن پر عذاب اور دخول جہنم واجب ہو چکا ہوگا جیسا کہ احادیث صحیحہ کا اقتضاء ہے۔پھر ان لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جنہوں نے صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہے۔ یہ آپ کے سوا کوئی نہ کرے گا اور احادیث صحیحہ مشہورہ میں ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کیلئے ایک مخصوص دعا ہوئی ہے اور میں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی دعا کو بروز قیامت اپنی امت کی شفاعت کیلئے محفوظ کر رکھا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات ۸/۵۶،صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۱۸۸)

اہل علم فرماتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی دعا ہے جس کو میں جانتا ہو کہ وہ ان کیلئے مستجاب ہے اور اس میں ان کی خواہش ملحوظ ہے ورنہ کتنی ہی وہ دعائیں ہیں جو نبی کی قبول کی گئی ہیں اور ہمارے نبی ﷺ کی تو بے شمار دعائیں ہیں۔(جو مقبول ہوئی ہیں) لیکن بوقت دعا ان کا حال امید و بیم کے مابین ہی رہا اور چند ایسی دعائیں ہیں جن کی مقبولیت کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے دی ہے جس کیلئے وہ چاہے یقینا مقبول ہو گی۔

محمد بن زیاد اور ابو صالح رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت میں کہتے ہیں کہ ہر نبی علیہ السلام کیلئے ایک مخصوص دعا ہوتی ہے اپنی امت کیلئے وہ دعا کرتے ہیں، اس کو قبول کیا جاتا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا کو قیامت تک مؤخر کروں۔اس سے اپنی امت کی شفاعت کروں۔

ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کیلئے ایک مستجاب دعا ہوتی ہے۔ پس ہر نبی علیہ السلام نے اپنی دعا میں جلدی کی اور اسی کے مثل ایک روایت ابو ذرعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اسے ابن زیاد رضی اللہ عنہ جو کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کے مثل ایک روایت میں مروی ہے کہ وہ دعائے مذکورہ امت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے جس کو قبولیت کی ضمانت دی گئی ہوتی ہے ورنہ حضور ﷺ نے اس کی خبر دی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کیلئے بہت سی دین و دنیا کی ایسی دعائیں مانگی تھیں جن میں سے بعض تو قبول کر لی گئیں اور بعض کو روک دیا گیا اور ان کو محتاجی کے دن اور سختی کے خاتمے اور بڑے سوال ورغبت کیلئے ذخیرہ کر کے رکھ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی جزاء حضور ﷺ کو ان کی امت کیلئے عمدہ عطا فرمائے گا۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ كَثِيْرًا۔

گیارھویں فصل

حضور ﷺ کی ان بزرگیوں کے بیان میں جو جنت میں صلہ درجہ رفیعہ اور کوثر کے ساتھ ہیں

حدیث: حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم مؤذن کے کلمات اذان سنو تو اسی کے مثل اذان دہرا کر جواب دو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو۔ درحقیقت جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا تو اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت فرماتا ہے۔ پھر اللہ سے میرے لئے وسیلہ مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو کسی کو سزاوار نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی ایک بندے کیلئے اور میں امید رکھتا ہوں وہ بندہ میں ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے جو میرے لئے وسیلہ مانگے تو اس کیلئے شفاعت حلال ہوگئی۔

(سنن ابوداؤد ۱/۳۵۹، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ۱/۲۸۸، ۲۸۹)

دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک بلند درجہ ہے۔

(جامع ترمذی کتاب المناقب ۵/۲۴۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جب جنت کی سیر کر رہا تھا (شب معراج) تو میرے سامنے ایک ایسی نہر آئی جس کے کناروں پر موتیوں کے قبے تھے میں نے جبریل علیہ السلام سے کہا: یہ کیا ہے؟ کہا: یہ وہ کوثر ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام نے اس کی مٹی کی طرف ہاتھ مار کر نکالا تو وہ کستوری کی طرح خوشبودار تھی۔

(جامع ترمذی ۵/۱۱۹، صحیح بخاری ۲/۱۴۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی ہے۔ کہا کہ اس کے پانی کی روانی موتی اور یاقوت پر ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سرد ہے۔ ایک روایت میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ نہر جاری تھی مگر زمین کو کاٹتی نہ تھی۔ اس پر ایک حوض ہے کہ اس پر میری امت آئے گی اور ذکر کیا حدیث حوض کو اسی کے مثل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کوثر وہ ایک ایسی بھلائی ہے جو خاص طور پر آپ ﷺ کو عطا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر ۶/۱۴۷)

ابوسعید ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جنت میں بھلائی کی ایک ایسی نہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گا۔

حضرت حزیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی عنایتوں کے تذکرہ میں فرمایا مجھ کو کوثر عنایت فرمائی جو جنت میں ایک نہر ہے اور میرے حوض میں بہتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کہ۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىo (الضحیٰ ۵)

ترجمہ اور عنقریب اپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

مروی ہے کہ کہا کہ موتی کے ہزار محل ہوں گے۔ جس کی مٹی کستوری کی ہو گی۔ اور اس میں وہ وہ چیزیں ہوں گی جو اس کے لائق ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اس میں وہ کچھ ہو گا جو اس کے لائق ہے یعنی بیویاں اور غلام وغیرہ۔ (تفسیر ابن جریر ۱۴۹/۳، درمنثور ۵۴۲/۸)

بارہویں فصل

ان احادیث کا بیان جن میں آپ ﷺ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا

اگر تم یہ کہو جب دلائل قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ انسانوں میں سب سے بڑھ کر معزز و مکرم اور انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں تو ان احادیث کا کیا مطلب ہے جو فضیلت دینے کی ممانعت میں وارد ہیں۔ جیسے ان میں سے یہ حدیث ہے۔

حدیث: جو قتادہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ سے کہتے سنا کہ ہمارے نبی حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا: کسی بندے کو سزاوار نہیں کہ یہ کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/ ۱۲۷، صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۸۴۶)

دوسرے طریقہ سے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی بندے کو سزاوار نہیں۔ آخری حدیث تک۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/ ۱۲۷، صحیح مسلم کتاب الفضال ۴/ ۱۸۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک یہودی کے بارے میں سنا ہے کہ اس نے کہا تھا۔ قسم اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انسانوں پر برگزیدہ کیا۔ تو ایک انصاری مرد نے اس کے چپت مارا تھا اور کہا تھا تو ایسا کہتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے موجود ہیں۔

جب اس کی خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/ ۱۲۷ صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۸۴۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نہ بڑھاؤ۔

پس حدیث کو بیان کیا اور حدیث میں یہ ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی یونس ابن متی سے افضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں تو وہ جھوٹا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی تم میں سے یہ نہ کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص آیا۔ اس نے حضور ﷺ کو مخاطب کیا۔ یَاخَیْرَ الْبَرِیَّۃِ (یعنی مخلوق میں سب سے بہتر) فرمایا: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (مناہل الصفا/۱۱۱)

تو آگاہ رہو کہ علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ان احادیث کی چند تاویلیں کی ہیں۔

اول: یہ کہ حضور ﷺ کا فضیلت دینے سے منع فرمانا اس سے قبل تھا کہ آپ ﷺ کو معلوم ہو کہ آپ ﷺ اولاد آدم علیہ السلام کے سردار ہیں تو آپ ﷺ نے فضیلت دینے سے روک دیا۔ اس لئے کہ یہ واقفیت کی محتاج ہے اور جس نے بغیر علم کے فضیلت دی تو اس نے جھوٹ کہا۔ اسی قبیل سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ میں نہیں کہتا کہ کوئی ان سے افضل ہے۔

یہ کلام اس کا مقتضی نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کی خود پر فضیلت بیان کی بلکہ ظاہر حالت میں صرف فضیلت دینے سے روکنا مقصود ہے۔

دوم: یہ کہ حضور ﷺ کا یہ فرمانا برطریق تواضع وانکسار تھا اور عجب و تکبر کی نفی مقصود تھی۔ مگر یہ جواب اعتراض سے نہیں بچتا۔

سوم: یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے مابین ایسی فضیلت نہ دو جو کسی کی تنقیص کی طرف لے جائے یا ان میں کوئی عیب نکالے۔ خصوصاً حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی تاکہ نہ واقع ہو کسی جاہل کے دل میں ان کی طرف سے حقارت یا ان کے بلند رتبہ میں تنقیص۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب وہ بھری ہوئی کشتی کے پاس دوڑے اور جب وہ غصہ ہو کر گئے اور گمان یہ کیا ہم ان پر قادر نہ ہوں گے۔ اس لئے بسا اوقات اپنی جہالت سے یہ خیال کر گزرا ہے کہ (معاذ اللہ) ان سے کوئی خطا سرزد ہوئی۔

چہارم: یہ کہ نبوت و رسالت کے حق میں فضیلت دینے کی ممانعت ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت و رسالت میں ایک ہی در پر ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ ایک ہی چیز ہے جس میں باہمی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت تو حالات کی زیادتی اور خصوصیات و کرامات اور مراتب والطاف میں ہے۔ لیکن فی نفسہ نبوت میں کوئی تفاضل (فضیلت) نہیں ہے۔ درآنحالیکہ تفاضل تو نبوت کے بعد دوسرے زائد امور کی بنا پر ہے۔ اس لئے تو کوئی ان میں سے صرف رسول ہے اور کوئی رسولوں میں اولوالعزم رسول ہے اور کسی کا ان میں سے مرتبہ بلند کیا گیا اور کسی کو بچپن ہی میں حکمت سے نواز دیا گیا اور کسی کو کتاب زبور مرحمت فرمائی اور کسی کو بینات و معجزات دیئے گئے۔

اور ان میں سے کسی سے اللہ تعالیٰ کلام فرمایا اور کسی کے درجے بلند کئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم

نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور فرماتا ہے: وہ رسول ہیں کہ ہم نے کسی کو کسی پر فضیلت دی۔ (البقر ۲۵۳)

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ تفضیل یعنی ان کو بڑھانے سے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ان کو فضیلت دی جائے، اس کی تین حالتیں ہیں۔

یا تو یہ کہ ان کی نشانیاں اور معجزات خوب روشن و مشہور ہیں یا ان کی امت پاکیزہ اور شمار میں زیادہ ہو یا باعتبار ان کی اپنی ذات کے راجع ہو گی ان خصوصیات کی طرف جن کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو مخصوص فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ ان کی اپنی بزرگی اور خصوصی کلام سے نوازے یا خلت یا رویت یا جس سے اللہ تعالیٰ چاہے اپنی مہربانی سے، ولایت اور اپنی خصوصیات سے سرفراز کرے۔

بیشک نبی کریم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک نبوت کی کچھ ذمہ داریاں (ثقل) ہیں اور حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے علیحدہ ہونا چاہا جس طرح کہ اونٹنی کا وہ بچہ جو فصل ربیع میں پیدا ہو۔ (کہ وہ بوجھ سے علیحدہ رہتا ہے) (مستدرک ۲/ ۵۸۴)

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے وہمی فتنوں سے محفوظ رکھا کہ کہیں اس کے سبب وہ اس میں مبتلا نہ ہو جائیں اور ان کے منصب نبوت میں جرح اور ان کی برگزیدگی میں تنقیص اور ان کے مرتبہ میں کمی اور ان کی عصمت (پارسائی) میں اہانت نہ کرنے لگیں۔ اپنی امت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بڑی شفقت ہے۔

ترتیب کے اعتبار سے یہ توجیح (تاویل) پانچویں بن جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ضمیر (انا) راجع ہے قائل کی اپنی ذات (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف) یعنی کوئی یہ گمان نہ کرے اگرچہ وہ دانائی اور عصمت (پاکیزگی) اور طہارت کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا ہو کہ وہ اس وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے۔ اب حضرت یونس علیہ السلام سے افضل و بہتر ہے۔

کیونکہ نبوت کا درجہ ہی (فی نفسہ) بہت بلند و بالا ہے۔ بلاشبہ یہ مراتب ان سے ایک رائی کے دانے بلکہ اسی سے بھی کم تر تک کم نہیں ہوئے (یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا مرتبہ خفیف سے خفیف بھی کم نہیں ہوتا)

ہم تیسری قسم میں انشاء اللہ اس سے زیادہ بیان کریں گے۔ اب تم کو اس کی غرض معلوم ہو گئی اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے معترض کا اعتراض جاتا رہا۔ اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے توفیق ہے، وہی مددگار ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

تیرہویں فصل

حضور ﷺ کے اسماء گرامی کے بیان میں فضائل کا بیان

حدیث: حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ کے والد سے بالا سناد مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں۔

میں ''محمد'' ہوں اور میں ''احمد'' ہوں اور میں ''ماحی'' ہوں کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کفر کو مٹایا اور میں ''حاشر'' ہوں کہ میرے نقش قدم پر لوگ اٹھیں گے اور میں ''عاقب'' پیچھے آنے والا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں میرا نام محمد اور احمد رکھا۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/ ۱۴۸، صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۸۲۸)

پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ خصوصیت دی ہے کہ آپ ﷺ کے ناموں کو آپ ﷺ کی ثناء کے ضمن میں بیان کیا ہے اور آپ ﷺ کے ذکر کے درمیان آپ ﷺ کے شکر عظیم مضمر (پوشیدہ) کیا ہے۔

آپ ﷺ کا نام الحمد بروزن افعل ہے جو آپ کی صفت حمد میں مبالغہ ہے اور محمد بروزن مفعل ہے جو آپ ﷺ کی کثرت حمد میں مبالغہ ہے۔ پس حضور ﷺ حمد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہیں اور ان سب سے افضل ہیں جن کی تعریف کی جاتی ہے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر حمد کرنیوالے ہیں۔ پس آپ ﷺ تعریف کئے ہوؤں میں سب سے بڑھ کر تعریف کئے ہوئے (محمد) ہیں اور تعریف کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر تعریف کرنے والے ہیں۔

اور آپ ﷺ کے ساتھ بروز قیامت لواء الحمد ہو گا تا کہ آپ ﷺ کیلئے حمد کی تکمیل ہو جائے اور میدان حشر میں آپ صفت حمد سے شہرت پائیں اور وہاں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود میں بھیجے گا۔ جیسا کہ آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہے۔ اس جگہ اولین و آخرین ان کی شفاعت کی وجہ سے آپ ﷺ کی تعریف کریں گے اور اس جگہ آپ ﷺ پر حمد کے الفاظ کھولے جائیں گے۔ جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی کو وہ (الفاظ) نہیں دیئے گئے۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کی کتابوں میں آپ ﷺ کی امت کا نام حمادین (بہت تعریف کرنے والے) رکھا ہے۔ حقیقتاً آپ ﷺ اسی لائق ہیں کہ آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ رکھا جاتا۔

پھر آپ ﷺ کے ان دونوں ناموں میں عجیب وغریب خصوصیتوں اور نشانیوں کے علاوہ ایک دوسری خوبی بھی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نام مبارک کی ایسی حفاظت فرمائی ہے کہ

کسی نے آپ ﷺ کے زمانہ اقدس سے پہلے یہ دونوں نام نہیں رکھے۔ لیکن احمد ﷺ جو کہ کتب سابقہ میں آیا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے اس کی بشارت دی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے منع فرما دیا کہ کوئی اور آپ ﷺ کے سوا اس نام کو رکھے اور نہ آپ ﷺ سے سوا کوئی اس نام سے پکارا جائے تاکہ کسی کمزور دل پر اس سے شک و شبہ نہ پڑے۔

اسی طرح محمد ﷺ بھی ہے کہ عرب و غیر عرب میں سے کسی نے بھی یہ نام کسی کا نہ رکھا۔ یہاں تک کہ یہ بات آپ ﷺ کے وجود گرامی اور آپ ﷺ کی پیدائش سے کچھ پہلے ہی مشہور ہو گئی کہ ایک نبی مبعوث ہو گا جس کا نام مبارک محمد ﷺ ہو گا۔ پھر عرب کے تھوڑے لوگوں نے اپنے لڑکوں کا نام محمد رکھا۔ اس امید پر کہ ان میں سے شاید کوئی وہی ہو اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جس جگہ وہ اپنی رسالت رکھے گا۔

وہ لوگ (جنہوں نے آپ کی پیدائش سے کچھ قبل اپنے فرزندوں کے نام محمد رکھے) یہ ہیں۔ محمد بن احیحہ بن الجلاح الاوسی بن الجلاح الاوس۔ محمد بن مسلمہ انصاری۔ محمد بن براء البکری۔ محمد بن سفیان بن مجاشع۔ محمد بن حمران الجعفی۔ محمد بن خزاعی اسلمی اور ساتویں نام کا کوئی بتائے۔ کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے جس کا نام محمد رکھا گیا وہ محمد بن سفیان ہے اور اہل یمن کہتے ہیں کہ بلکہ محمد بن یحمد (قبیلہ ازد) کا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی کہ ہر وہ شخص جس کا نام محمد ہے وہ نبوت کا دعویٰ کرے یا اس کو کوئی اس کے ساتھ پکارے یا اس پر کوئی سبب ظاہر ہو جائے جس سے کوئی آپ ﷺ کے بارے میں شک کر سکے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں نام آپ ﷺ کیلئے خوب متحقق و ثابت ہو گئے۔ اور کوئی ان دونوں ناموں میں نزاع نہ کر سکا۔

لیکن حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ میں وہ ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ اللہ نے کفر کو مٹایا۔

سو اس کی تفسیر اس حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے اور ہو سکتا ہے کہ کفر کو مٹانے سے یا تو مکہ سے یا عرب کے شہروں سے یا زمین کے ان حصوں سے جو آپ ﷺ کے قبضہ میں آئے مراد ہو اور وعدہ کیا گیا کہ آپ ﷺ کی امت کا ملک آپ ﷺ کو ملے گا یا محو یعنی مٹنے سے مراد عام ہو۔ بایں معنی کہ ظہور و غلبہ ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ (الصف ۹) تاکہ وہ غالب کر دے اسے سب دینوں پر۔

اور بیشک حدیث میں اس کی تفسیر یوں وارد ہے کہ آپ وہ ہیں جن کے سبب ان لوگوں کے

گناہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہیں مٹائے جائیں گے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/۱۵۶)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ میں وہ حاشر ہوں جس کے قدموں پر لوگ اٹھیں گے۔ یعنی میرے زمانہ اور میرے عہد پر۔ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا: وَخَاتِمُ النَّبِیّٖنَ (نبیوں کا آخر ہوں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عاقب رکھا گیا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے پیچھے (آخر) میں تشریف لائے ہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ میں ایسا پچھلا آنے والا ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ عَلٰی قَدَمِیْ کے معنی میں ایک روایت ہے کہ یعنی لوگ میرا مشاہدہ کرتے ہوئے اٹھیں گے یا لوگ میرے سامنے اٹھیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔ (البقرہ ۱۴۳)

ترجمہ تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور ہمارا (رسول) تم پر گواہ ہو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میں ان سے پہلے نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ۔ (یونس ۲) کہ ان کیلئے مرتبہ بلند ہے ان کے رب کے ہاں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میرے سامنے اور میرے گرد اگرد یعنی میری طرف بروز قیامت سب جمع ہو کر آئیں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میری سنت پر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ میرے پانچ نام ہیں۔ اس کے معنی میں ایک روایت یہ ہے کہ پانچوں نام سابقہ کتب سماویہ میں موجود ہیں اور سابقہ امتوں کے اہل علم کے نزدیک میرے یہ پانچ نام ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میرے دس نام ہیں۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/۶۱) ان میں سے طٰہٰ اور یٰس کو بیان فرمایا۔ مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حکایت کی۔

بعض تفسیروں میں ایک روایت ہے کہ "طٰہٰ" یعنی اے "طاہر" اے ہادی۔ "یٰس" یعنی اے سید۔ سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو واسطی اور جعفر بن محمد رحمہما اللہ سے بیان کیا۔ اوروں نے مجھ سے بیان کیا دس نام ہیں۔ پانچ تو وہی ہیں جو پہلی حدیث میں مذکور ہیں۔ فرمایا اور میں رسول رحمت اور رسول راحت اور رسول ملاحم ہوں۔ اور میں "مقفی" کہ نبیوں کے پیچھے آنے والا ہوں اور میں قیم ہوں، اس کے معنی جامع کامل کے ہیں۔ ایسا ہی میں نے اس کو پایا اور میں اس کو روایت نہیں کرتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ دوست قثم (بالثاء) ہے (یعنی بانٹنے اور تقسیم فرمانے والے) جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

(طبقات ابن سعد ۱/۱۰۵، حلیہ لابی نعیم کمافی مناہل الصفاء للسیوطی /۱۱۲، مسند الفردوس لدیلمی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی /۱۱۲)

اس کو بعد میں حربی رحمۃ اللہ علیہ سے اور یہی تفسیر کے ساتھ زیادہ مناسب ہے۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں واقع ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دعا کی: اے رب ہمارے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج جو سنت کو قائم فرمانے والے انقطاع وحی کے بعد ہیں۔ پس قیم اسی معنی میں ہے۔

نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ میرے قرآن کریم میں سات نام ہیں۔ محمد، احمد، یس، طہٰ، المدثر، المزمل اور عبداللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا کثیرا۔ (امام ذہبی بحوالہ مناہل الصفاء للسیوطی/۱۱۲)

جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ چھ نام ہیں: محمد، احمد، خاتم عاقب، حاشر، ماحی صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا کثیرا۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے نام بتلایا کرتے تھے۔ پس فرماتے ہیں:

محمد، احمد، مقفی، حاشر، نبی التوبہ نبی الملحمہ اور نبی الرحمہ ہوں۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/۲۸، ۱۸۲۹)

اور ایک روایت میں المرحمۃ راحۃ ہے۔ یہ تمام کے تمام صحیح ہیں۔ انشاء اللہ

مقفی کے وہی معنی ہیں جو عاقب کے ہیں لیکن نبی رحمت، نبی توبہ، نبی مرحمہ اور نبی راحت سو اس کی دلیل یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (الانبیاء ۱۰۷)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کیلئے۔

اور جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں فرمایا ہے:

يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (ال عمران ۱۶۴)

ترجمہ اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور سنت۔

وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○ (ال عمران ۱۶۴) اور دکھاتا ہے انہیں راہ راست۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبہ ۱۲۸)

مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانیوالا اور بہت رحم فرمانیوالا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحمہ کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ○ (البلد ۱۷)

ترجمہ جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی۔

یعنی ایک دوسرے پر رحمت کرتے ہیں۔ پس آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کیلئے اور تمام جہان والوں کیلئے رحمت، رحیم بھیجا جو رحم کھانے والے اور ان کیلئے استغفار کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ کی امت کو امت مرحومہ بنایا اوراس کی تعریف رحمت کے ساتھ فرمائی اور حضور ﷺ کو ایک دوسرے پر رحم فرمانے کا حکم دیا اوراس کی تعریف کی۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مِنْ عِبَادِہِ الرُّحَمَاءَ۔

ترجمہ بیشک اللہ اپنے بندوں میں سے رحم کھانے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز ۲/ ۷۰، صحیح مسلم کتاب الجنائز ۲/ ۶۳۶)

اور فرمایا: ایک دوسرے پر رحم کرنے والوں پر قیامت کے دن رحمٰن رحم فرمائے گا۔ تم زمین میں رحم کروتا کہ وہ تم پر رحم کرے جو آسمان میں ہے۔

(سنن ترمذی کتاب البر ۳/ ۲۱۷، سنن ابوداؤد کتاب الادب ۲/ ۳۰۶)

جبکہ "نبی الملحمہ" کی روایت، تو یہ اشارہ اس طرف ہے کہ حضور ﷺ جہاد اور تلوار کے ساتھ بھیجے گئے ہیں اور یہی صحیح ہے۔

اور حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کے مثل روایت کی ہے۔ اس میں ہے کہ آپ نبی الرحمۃ نبی التوبہ اور نبی الملاحمہ ﷺ ہیں۔ (شمائل ترمذی / ۲۹۷)

حربی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کی حدیث میں روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: میرے پاس فرشتہ آیا۔ اس نے مجھ سے کہا: آپ قثم دلائل النبوۃ الابی نعیم کمانی مناہل الصفاء للسیوطی / ۱۱۲) یعنی جمع کرنے والے ہیں (مجموعہ کی مدت ہیں) حربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قثم کے معنی ہیں بھلائی کا جمع کرنے والا۔ اور یہ نام حضور ﷺ کے گھر والوں کو معلوم تھا۔

حضور ﷺ کے القاب وصفات قرآن کریم میں ان کے علاوہ جو ہم نے بیان کئے، بکثرت آئے ہیں۔ جیسے نور، سراج، منیر، منذر، نذیر، مبشر، بشیر، شاهد، شهيد، الحق، المبين، خاتم النبيينؐ، رؤف، رحيم، امين، قدم صدق، رحمة للعلمين، نعمة اللّٰه، عروه وثقى، صراط مستقيم، نجم ثاقب، كريم، نبیء امی اور داعی الی اللّٰہ یہ آپ ﷺ کے اوصاف کثیرہ اور علامات جلیلہ ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی گزشتہ کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں کے اور احادیث نبوی اور امت کی بول چال میں مکمل طریقہ سے آپ ﷺ کے نام آچکے ہیں۔

جیسے مصطفیٰ، مجتبیٰ، ابوالقاسم، حبیب، رسول رب العالمین، شفیع، مشفع، متقی، مصلح، طاہر، مہیمن، صادق، مصدوق، ہادی، سید ولد آدم، سید المرسلین، امام المتقین، قائد الغرا لمحجلین، حبیب اللہ، جمیل الرحمٰن، صاحب الحوض المورودو شفاعت، المقام المحمود، صاحب الوسیلہ صاحب الفضیلہ، صاحب الدرجتہ الرفیعہ، صاحب التاج والمعراج اللواء والقضیب (عصا) راکب البرق الناقہ، نجیب، صاحب الحجہ، السلطان، خاتم، علامتہ برہان، صاحب الہراوۃ، صاحب النعلین۔ کتابوں مین آپ ﷺ کے یہ نام بھی ہیں۔ المتوکل، المختار، مقیم السنۃ، المقدس، روح القدس، روح الحق۔

اسی معنی میں انجیل میں فارقلیط ہے۔ ثعلب کہتے ہیں کہ فارقلیط اس کو کہتے ہیں جو حق وباطل میں تفریق کرے۔ گزشتہ کتابوں میں آپ ﷺ کے یہ نام بھی ہیں۔ ماذ، ماذ بھنی طیب، حمطایا، خاتم، حاتم۔ کعب بن احبار رضی اللہ عنہ نے اس کی حکایت کی۔

ثعلب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خاتم وہ ہے جس سے نبیوں کے سلسلہ آمد کو روکا جائے اور حاتم کے معنی یہ ہیں کہ نبیوں میں جو پیدائش اور اخلاق میں سب سے بڑھ کر عمدہ ہو۔

سریانی زبان میں آپ ﷺ کا نام یہ ہے۔ ''مشفح'' یعنی محمد، ''منخمنا'' یعنی روح القدس یا محمد اور توریت میں آپ ﷺ کا نام احید ہے۔ یہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

صاحب القضیب کے معنی تلوار والے کے ہیں۔ انجیل میں اس کے یوں تفسیر آئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ ﷺ کے ساتھ لوہے کی تلوار ہوگی۔ جس سے آپ ﷺ جہاد کریں گے اور آپ ﷺ کی امت بھی ایسی ہی ہوگی۔

اور یہ بھی محمول کیا گیا ہے۔ قضیب آپ ﷺ کی ایک لمبی شاخ تھی جس کو آپ ﷺ ہاتھ میں لیا کرتے تھے۔ اور وہ اب خلفاء کے پاس ہے لیکن ''ہراوہ'' جس سے آپ ﷺ کی تعریف کی گئی لغت میں اس کے معنی عصا کے ہیں۔ مجھے خیال ہے واللہ اعلم کہ اس سے وہ عصا مراد ہے جو حدیث حوض میں مذکور ہے کہ اپنے اس عصا سے یمن والوں کیلئے لوگوں کو ہٹاؤں گا۔

لیکن ''تاج'' اس سے مراد عمامہ ہے اور اس وقت سوائے عرب کے اور کوئی عمامہ نہیں پہنتا تھا۔ عمامے عرب کے تاج ہیں۔ آپ ﷺ کے اوصاف القاب اور علامات کتابوں میں بہت ہیں۔

ان میں سے بقدر کفایت انشاء اللہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی مشہور کنیت ابوالقاسم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَبَا اِبْرَاهِيْمَ۔ (دلائل النبوۃ بیہقی ۱/۱۶۴)

چودھویں فصل

اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کیساتھ آپ ﷺ کے نام رکھے

اس میں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کہ ساتھ آپ ﷺ کا نام رکھ کر آپ ﷺ کو شرف و فضیلت مرحمت فرمائی۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے، فرماتے ہیں کہ یہ فصل پہلے باب کی فصلوں کیساتھ بہت نفیس اور عمدہ ہے کیونکہ اس کو انہیں کے مضامین کی لڑی میں پروکر اسی شیریں چشمہ میں ملا دیا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ اس کے استنباط کی ہدایت کی طرف کسی سینہ کو اسی وقت کھولتا ہے اور کسی فکر کو اس کے جواہر نکالنے اور اس کے لینے کی طرف اسی وقت روشن کرتا ہے۔ جب وہ اس سے پہلی فصلوں پر غور وفکر کرے۔ لہٰذا میں نے یہ مناسب جانا کہ اس کو انہیں فصلوں کے ساتھ ملا دوں اور اس کی خوبیوں کو جمع کر دوں۔

اب تم سمجھو! اللہ تعالیٰ نے بہت نبیوں کو ایک بزرگی سے خاص کیا ہے اور ان کو اپنے ناموں میں سے ایک نام کی خلعت عنایت فرمائی ہے جیسے حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام علیم وحکیم رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم، حضرت نوح علیہ السلام کو شکور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بر (نیکی) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کریم وقوی، حضرت یوسف علیہ السلام کو حفیظ وعلیم، حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صادق الوعد نام عنایت فرمائے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ان کے تذکروں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح فضیلت دی کہ آپ ﷺ کو ان ناموں کا لباس پہنایا اور آراستہ کیا جو اپنی کتاب مجید اور گزشتہ نبیوں کی بے شمار کتابوں میں مذکور ہیں اور ان کو ہمارے لئے بعد فکر و ذکر کے مجتمع کر دیا ہے۔ اس لئے کہ ہم نے ان دوناموں سے بڑھ کر کسی نام کو نہ پایا کہ کسی نے جمع کئے ہوں اور نہ ایسے شخص کو پایا جس نے اس میں دو فصلیں تالیف کی ہوں۔ مگر ہم نے ان میں سے اسی فصل میں تقریباً تیس نام لکھے ہیں اور غالباً اللہ تعالیٰ نے جیسا ان اسماء کا علم الہام فرمایا اور اس کی حقیقت ظاہر فرمائی۔ اسی طرح اس کے مبین (بیان) کرنے میں اپنی اس نعمت کو پورا فرما دے جواب تک ہمیں آشکارہ نہیں ہوئی ہے اور اس کے بند دروازہ کو کھول دے۔

پس اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام حمید ہے۔ اس کے معنی محمود ہیں کیونکہ اس نے آپ اپنی تعریف کی ہے اور اس کے بندوں نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔

نیز اس کے معنی حامد کے بھی ہیں۔ یعنی وہ اپنی خود تعریف کرنے والا اور اپنے بندوں کے نیک اعمال کی تعریف کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا نام نامی محمد ﷺ اور احمد ﷺ رکھا ہے۔ پس محمد بمعنی محمود ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں آپ ﷺ کے اس نام کا ذکر ہے اور احمد کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ حمد کرنے والوں میں سب سے بڑے ہیں اور جن کی تعریف کی گئی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں۔ اسی طرح حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں اشارہ کیا ہے۔

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے آپ ﷺ کا نام نکالا تاکہ آپ ﷺ کی عزت ہو۔ پس صاحب عرش (اللہ) محمود ہے اور آپ محمد ﷺ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ''اَلرَّءُوْف، اَلرَّحِیْم'' ہے۔ وہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں اور قرآن کریم میں آپ ﷺ کا نام یہی رکھا۔ فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبہ ۱۲۸)

ترجمہ مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ''الحق المبین'' ہے۔ اور حق کے معنی ''موجود'' اور ''حقیقت الامر'' کے ہیں۔ اسی طرح المبین یعنی امر روشن کے معنی ہیں۔ مطلب یہ کہ اس کی الوہیت روشن اور ظاہر ہے۔ بان اور ابان کے ایک ہی معنی روشن و ظاہر کے ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیلئے ان کے دینی اور اخروی امور ظاہر فرمانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا نام بھی قرآن کریم میں یہی رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الزخرف ۲۹)

ترجمہ یہاں تک کہ آ گیا ان کے پاس حق اور کھول کر بیان کرنے والا رسول۔

اور فرماتا ہے:

وَقُلْ اِنِّيْ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝ (الحجر ۸۹)

ترجمہ اور فرمایئے کہ میں تو بلاشبہ (ایسے عذاب سے) کھلا ڈرانے والا ہوں۔

قَدْ جَآءَ كُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ (یونس ۱۰۸)

بے شک تمہارے پاس آ گیا حق تمہارے رب کی طرف سے۔

اور فرمایا:

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَ هُمْ۔ (الانعام ۵)

بیشک انہوں نے جھٹلایا حق کو جب وہ آیا ان کے پاس۔

ایک روایت میں ہے۔ اس سے مراد ''محمد ﷺ'' ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ ''قرآن'' مراد ہے لیکن اس جگہ حق کے وہ معنی ہیں جو باطل کی ضد ہے اور صدق ہے۔ یہ پہلے معنی کے ساتھ ہے اور ''المبین'' کا مطلب یہ ہے کہ جس کا حکم واضح اور روشن ہو اور اس کی رسالت ظاہر ہو یا یہ معنی ہیں کہ یہ رسول علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے بیان کرنے والا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (النحل ۴۴)

ترجمہ تا کہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کیلئے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ''نور'' ہے۔ اس کے معنی صاحب نور مالک نور ہیں۔ یعنی اس کا پیدا کرنے والا ہے یا آسمانوں اور زمین کو انوار کے ساتھ منور کرنے والا اور مومنین کے دلوں کو ہدایت کے ساتھ منور کرنے والا مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام بھی نور رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ (المائدہ ۱۵)

بیشک تشریف لایا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی۔

ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں اور کہا گیا کہ قرآن مراد ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ ﷺ کا نام ''سِرَاجًا مُّنِيْرًا'' رکھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا حکم روشن اور آپ ﷺ کی نبوت ظاہر ہے اور آپ ﷺ مسلمانوں اور عارفوں کے دلوں کو جو آپ ﷺ لائے ہیں اس سے منور فرمانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ''اَلشَّهِيْدُ'' ہے۔ اس کے معنی عالم یعنی جاننے والے کے ہیں اور ایک روایت کے بموجب بمعنی شاہد یعنی گواہ کے ہیں جو اپنے بندوں پر بروز قیامت گواہی دے گا اور نبی کریم ﷺ کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے شہید اور شاہد رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا۔ (الاحزاب ۴۵)

ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر۔

اور فرماتا ہے:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرہ ۱۴۳)

اور ہمارا رسول تم پر گواہ ہو۔

اس جگہ شہید بمعنی شاہد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں "اَلْكَرِيْمُ" بھی ہے۔ اس کے معنی بہت سی بھلائی کرنے والا۔ بعض نے کہا کہ احسان کرنے والا۔ بعض نے کہا کہ معاف کرنے والا۔ بعض نے کہا کہ اس کے معنی بلند کے ہیں اور اللہ کے اسماء کے بیان میں جو حدیث ہے اس میں اَلْاَكْرَمُ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام بھی کریم رکھا۔ جیسا کہ فرمایا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ (التکویر ۱۹)

کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا:

اَنَا اَكْرَمُ وُلْدَ آدَمَ۔

یعنی میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں۔

اور کریم و اکرام کے معنی حضور ﷺ کے حق میں صحیح ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام "اَلْعَظِيْمُ" ہے۔ اس کے معنی ایسا بڑی شان والا کہ اس کے سوا ہر چیز کم ہو اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کیلئے ارشاد فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ (القلم ۴)

اور بیشک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔

اور توریت کے حصہ اول میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مروی ہے کہ عنقریب ایک عظیم فرزند امت عظیمہ کیلئے پیدا ہوگا۔ وہ عظیم ہوگا اور بڑے خلق پر ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام "اَلْجَبَّارُ" ہے۔ اس کے معنی اصلاح کرنے والا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ قاہر اور ایک روایت میں بلند بڑی شان والے کے معنی بیان کئے ہیں کہا گیا کہ متکبر اس کے معنی ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں نبی کریم ﷺ کا نام ''جبّار'' رکھا۔ انہوں نے کہا: اے جبار! آپ ﷺ اپنی تلوار لٹکائیے کیونکہ آپ ﷺ کی ناموس (عزت) اور آپ ﷺ کی شریعت آپ ﷺ کے تصرف کے دبدبہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

حضور ﷺ کے حق میں اس کے معنی یا تو ہدایت و تعلیم کے ساتھ اپنی امت کی اصلاح فرمانا یا اپنے دشمنوں پر قہر فرمانا یا نوع انسانی پر اپنے مرتبہ کو بلند فرمانا آپ ﷺ کا بڑا خطرہ ہونا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے اس تکبر کے غلبہ کو جو آپ ﷺ کی شان کے لائق نہیں، نفی فرمائی ہے۔

چنانچہ فرمایا:

وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ۔ (ق۴۵)

اور آپ ﷺ ان پر جبر کرنے والے نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ''اَلْخَبِيْرُ'' بھی ہے۔ اس کے معنی اشیاء عالم کی حقیقت کی خبر دینے والے اور اسکے جاننے والے کے ہیں اور ایک روایت میں اس کے معنی ''اَلْمُخْبِرُ'' (خبر دینے والا) ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا○ (الفرقان۵۹)

وہ رحمٰن ہے سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال سے۔

قاضی بکر بن علاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سوال کا حکم غیر نبی ﷺ کو ہے اور مسئول و خبیر نبی کریم ﷺ ہیں۔

دوسروں نے کہا کہ سائل حضور ﷺ اور مسئول اللہ تعالیٰ۔ مذکورہ دونوں وجہوں سے نبی کریم ﷺ ہی خبیر ہوتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس لئے کہ آپ ﷺ ان چیزوں کے انتہائی عالم ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخفی علم سے آپ ﷺ کو بتایا اور آپ ﷺ کو ان کی بڑی معرفت کرائی۔ آپ ﷺ اپنی امت کیلئے مخبر یعنی خبر دینے والے ہیں ان چیزوں کی جن کے بتلانے کی آپ ﷺ کو اجازت دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام ''اَلْفَتَّاحُ'' ہے۔ اس کے معنی اپنے بندوں کے مابین حاکم یا رزق اور رحمت کے دروازے کھولنے والے کے ہیں اور جو امور ان پر بند ہیں ان کے کھولنے والے یا معرفت حق کے ساتھ ان کے قلوب اور بصیرتوں کو کھولتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے معنی ناصر یعنی مدد کرنے والے کے ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ كُمُ الْفَتْحُ۔ (الانفال۱۹)

ترجمہ (اے کفار) اگر تم فیصلے کے طلبگار تھے تو (لو) آ گیا تمہارے پاس فیصلہ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے معنی فتح و نصرت کی ابتدا کرنے والے کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سید عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کا فاتح کے ساتھ نام رکھا۔ واقعہ معراج کی طویل حدیث جو کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے ابی العالیہ رضی اللہ عنہ سے اور دوسروں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

کہ میں نے آپ ﷺ کو فاتح اور خاتم بنایا اور اسی میں حضور ﷺ کا قول اپنے رب کی ثناء اور اپنے مراتب کے شمار کرانے کے دوران میں ہے۔ ''اور میرے لئے میرا ذکر بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا''۔ ہوسکتا ہے کہ اس جگہ فاتح بمعنی حاکم یا اپنی امت پر رحمت کے دروازوں کو کھولنے والا یا معرفت حق اور ایمان باللہ کے ساتھ ان کی بصیرتوں کا کھولنے والا یا حق کی مدد کرنے والا یا امت کو ہدایت کے ساتھ شروع کرنے والا یا انبیاء علیہم السلام میں ان کے آگے شروع کرنے والا مبدی ومقدم ہو اور آپ ﷺ ان انبیاء علیہم السلام کے ختم کرنے والے (آخری نبی) ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میں پیدائش میں تو نبیوں سے پہلے ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام حدیث شریف میں ''اَلشَّكُوْرُ'' ہے۔ اس کے معنی عمل قلیل پر بہت ثواب دینے والے کے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمانبرداروں کی تعریف کرنے والا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی اس صفت کی ساتھ توصیف بیان کی ہے۔ فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ (بنی اسرائیل۳)

بیشک نوح شکر گزار بندہ تھا۔

اور نبی کریم ﷺ نے اپنی تعریف بھی خود اسی نام سے کی ہے۔ فرمایا کہ میں بہت شکر گزار بندہ نہ بنوں یعنی اپنے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرنے والا، اس کی قدرت کا جاننے والا اور اس پر بہت زیادہ میں تعریف کرنے والا ہوں۔

اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ (ابراہیم۷)

ترجمہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کردونگا۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ''اَلْعَلِيْمُ الْعَلَّامُ، عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ'' ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف علم کے ساتھ کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ علم خصوصیت کے ساتھ دیا ہے۔
چنانچہ فرمایا:
وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا○ (النساء ۱۱۳)
ترجمہ اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔
اور فرمایا:
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ ۱۵۱)
ترجمہ اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں "اَلْاَوَّلُ اور اَلْاٰخِرُ" ہے۔ ان دونوں کے یہ معنی ہیں کہ اشیاء کے وجود سے پہلے وہ سبقت کرنے والا اور اس کی فنا کے بعد باقی رہنے والا ہے اور حقیقت الامر بات یہ ہے کہ اس کا نہ کوئی اول ہے اور نہ آخر۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پیدائش میں تو تمام نبیوں کا اول ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔ (مقاصد حسنہ /۵۲۱۔۵۲۰) اس کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ کی گئی ہے۔
وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ۔ (الاحزاب ۷)
ترجمہ اور (اے حبیبؐ) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح سے۔
پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدم ذکر کیا۔ اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ہم ہی آخر اور سابق ہیں اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ زمین سے نکلنے والوں میں سے میں پہلا شخص ہوں اور جنت میں داخل ہونے والوں میں، میں پہلا۔ شفاعت کرنے والوں میں، میں پہلا اور شفاعت قبول کئے جانے والوں میں، میں پہلا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خاتم النبیین اور آخری رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں "اَلْقَوِيُّ، ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ" ہے۔ اس کے معنی قادر کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اس کے ساتھ بھی کی ہے۔ فرمایا:
ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ○ (التکویر ۲۰)
جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور کہا گیا کہ جبریل علیہ السلام مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں اَلصَّادِقُ حدیث ماثور میں آیا ہے اور حضور ﷺ کا نام بھی حدیث میں صَادِقٌ وَمَصْدُوْقٌ کے ساتھ آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ''اَلْوَلِیُّ، اَلْمَوْلٰی'' ہے۔ ان دونوں کے معنی مدد کرنے والے کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔ (المائدہ ۵۵)

تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (پاک) ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

اَنَاوَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ۔ (صحیح بخاری ۱۲۸/۸ سنن ابوداؤد ۳۲۰/۳)

میں ہر مسلمان کا مددگار ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ۔ (الاحزاب ۶)

نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔

میں جس کا مددگار ہوں، اس کے علی مددگار ہیں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۲۹۷/۵)

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ''اَلْعَفُوُّ'' ہے جس کے معنی درگزر اور معاف کرنے کے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور توریت میں اس نام کے ساتھ بھی حضور ﷺ کی تعریف فرمائی اور درگزر کرنے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ۔ (الاعراف ۱۹۹)

قبول کیجئے معذرت (خطا کاروں سے)۔

اور فرمایا:

فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاصْفَحْ۔ (المآئدہ ۱۳)

اور معاف فرماتے رہے؟ ان کو اور درگزر فرمائیے۔

جبریل علیہ السلام نے کہا: جب آپ ﷺ نے ان سے خُذِالْعَفْوَ کے معنی دریافت فرمائے۔ فرمایا گیا جو آپ ﷺ پر ظلم کرے اس کو معاف فرما دیں۔

ایک مشہور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت اور انجیل میں آپ کی یہ صفت بیان فرمائی۔

لَیْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِیْظٍ وَلٰکِنْ یَعْفُوْ یَصْفَحُ۔

ترجمہ آپ نہ تو بدخلق ہوں گے اور نہ سخت دل بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ''اَلْھَادِیْ'' ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے ہدایت کی توفیق دے دیتا ہے اور اس کے معنی دلالت اور دعا کے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ۔ (یونس ۲۵)

اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے (امن و) سلامتی کے گھر کی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ○ (یونس ۲۵)

ترجمہ اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔

ہدایت کے سب معنوں کی اصل مائل ہونا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تقدیم یعنی آگے پہنچانا ہے۔

ایک روایت میں طٰہٰ کی تفسیر میں ہے۔ یا طاہر، یا ہادی، اس سے حضور ﷺ مراد ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (الشوریٰ ۵۲)

ترجمہ اور بلاشبہ آپ رہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ۔ (الاحزاب ۴۶)

ترجمہ اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔

پہلے معنی یعنی توفیق یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔ (القصص ۵۶)

ترجمہ بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے۔ جس کو آپ پسند کریں البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

اور دلالت کے معنی میں ہدایت مطلق ہے جو ماسوی اللہ تعالیٰ کیلئے بولا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں اَلْمُؤْمِنُ اور اَلْمُھَیْمِنُ ہے۔ ایک روایت کے بموجب یہ دونوں نام ایک ہی معنی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جناب اَلْمُؤْمِنُ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے بندوں سے جو وعدہ

فرمایا ہے۔ اس کو پورا کرنے والا، اپنی سچی بات پوری فرمانے والا اور اپنے مسلمان بندوں رسولوں کی تصدیق فرمانے والا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے معنی اپنی ذات میں یکتا ہے۔

بعض کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے بندوں کو دنیا میں اپنے ظلم سے اور آخرت میں مسلمانوں کو اپنے عذاب سے امن دینے والا ہے۔

اَلْمُهَيْمِنُ کے معنی ایک روایت کے بموجب امین ہے۔ جو اس کا مصغر ہے۔ (صیغہ تصغیر میں) ہمزہ کو ہاء سے بدل دیا گیا ہے اور بیشک یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی دعا میں آخر قول آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے معنی مُؤْمِنُ کے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مُؤْمِنُ کے معنی شاہد اور حافظ کے ہیں۔ حضور ﷺ امین، مہیمن اور مؤمن ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام امین رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ۔ (التکویر ۲۱)

(سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا آمین ہے۔

اور حضور ﷺ امین سے معروف تھے اور قبل اظہار نبوت اور بعد اظہار نبوت آپ ﷺ اسی نام سے مشہور ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے شعر میں آپ کا نام مہیمن رکھا۔

ثُمَّ احْتَوٰى بَيْتُكَ الْمُهَيْمِنُ مِنْ خِنْدَفِ عَلْيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ

یعنی پھر آپ کے شاہد نسب نے خندف (الیاس بن حضر کی بیوی) سے بلندی کو گھیر لیا جن کے نیچے ٹپکے تھے۔

بعض کہتے ہیں کہ یَاۤاَيُّهَا الْمُهَيْمِنُ مراد ہے۔ اس کو قتیبی اور امام ابوالقاسم قشیری رحمہما اللہ نے روایت کیا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (التوبہ ۶۱)

یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں (کی بات پر)

اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اپنے صحابہ کیلئے امان ہوں۔ پس یہ بمعنی مومن ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک ''اَلْقُدُّوْسُ'' ہے۔ اس کے معنی تمام عیوب سے منزہ اور علامات حدث و فنا سے پاک کے ہیں۔ بیت المقدس کا نام اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ وہاں گناہوں سے پاک کیا جاتا ہے۔ اسی قبیل سے وادی مقدس اور روح القدس ہے۔

گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں حضور ﷺ کے اسماء میں المقدس یعنی گناہوں سے پاک کرنے

والا یا گناہوں سے منزہ، مکتوب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح ۲)

ترجمہ تاکہ دور فرما دے آپ کیلئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت) کے بعد لگائے گئے۔

یا یہ کہ اس کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کی اتباع سے ستھرا بنا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيُزَكِّيْهِمْ یعنی ان کو پاک کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (المائدہ ۱۶)

اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے اجالے کی طرف۔

یا یہ کہ اس کے معنی مقدس یعنی اخلاق ذمیمہ اور اوصاف رذیلہ سے پاک ومبرا ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام اَلْعَزِيْزُ ہے۔ اس کے معنی ممتنع اور غالب یا اس کا کوئی نظیر نہ ہو یا دوسروں کو عزت دینے والے کے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ۔ (المنافقون ۸)

عزت تو صرف اللہ کیلئے اور اس کے رسول کیلئے ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف بشارت اور نذارت (ڈرانے) سے کی ہے اور فرماتا ہے:

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ۔ (التوبہ ۲۱)

ترجمہ خوشخبری دیتا ہے انہیں ان کا رب اپنی رحمت اور اپنی خوشنودی کی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى۔ (ال عمران ۳۹)

بیشک اللہ تعالیٰ آپ کو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کا نام مبشر، نذیر اور بشیر رکھا۔ یعنی آپ ﷺ فرمانبرداروں کو بشارت دینے والے اور نافرمانوں کو ڈرانے والے ہیں۔

بعض مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں طٰہٰ اور یٰسین کو بیان کیا ہے اور بیشک بعض مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے ان دونوں ناموں کو حضور ﷺ کے ناموں میں ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بڑی شرافت اور بزرگی عطا فرمائی ہے۔

پندرھویں فصل

ایک نکتے کا بیان

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے فرماتے ہیں:

اب میں اسی فصل میں اس کے ذیل اور ضمنی ایک نکتہ بیان کر کے اس قسم کو ختم کرتا ہوں اور اس نکتہ کے ذریعے ان مشکلوں کو دور کر دوں گا جو ہر کمزور وہم اور بیمار فہم کو پیش آئے ہوں گے تا کہ اس کو تشبیہ کے غاروں سے نکالے اور ملمع ساز باتوں سے دور کر دے۔

وہ یہ کہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ جل اسمہ اپنی صفات، عظمت کبریاء ملکوت اور اسماء حسنیٰ اور صفات علیاء میں اس حد تک ہے کہ اس کی مخلوق میں کوئی بھی ادنیٰ سا مشابہ بھی نہیں ہے اور نہ کسی کو اس سے تشبیہ بھی دی جا سکتی ہے۔ بلا شک وشبہ وہ جو شریعت نے مخلوق پر بولا ہے۔ ان دونوں میں حقیقی معنی میں کوئی مشابہت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم (ازلی، ابدی، دائمی) ہیں بخلاف مخلوق کی صفات کے (کہ وہ حادث، فانی اور عطائی ہیں) جیسے کہ اس کی ذات تبارک وتعالیٰ دوسری (فانی) ذاتوں کے مشابہ نہیں ہے۔ ایسے ہی اس کی صفات مخلوقوں کی صفات کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ مخلوق کی صفات اعراض و اغراض سے جدا نہیں ہوتیں۔ (عرض وغرض کے تحت ہوتی ہیں) اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے پاک ومنزہ ہے بلکہ وہ اپنی صفات و اسماء کے ساتھ ہمیشہ سے ہے (اور ہمیشہ رہے گا) اس بارے میں یہ فرمان کافی ہے:

لیس کمثله شیی۔ (الشوری ۱۱)

نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز۔

اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے خوبی ہے۔ جن علماء عارفین، محققین نے یہ کہا کہ توحید ایسی ذات کے ثابت کرنے کا نام ہے جو کہ اور ذاتوں کے مشابہ نہیں اور نہ صفات سے معطل ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نکتہ کو خوب بڑھا کر بیان کیا ہے اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کی ذات کے مثل کوئی ذات نہیں اور نہ اس کے نام کے مثل کوئی نام اور نہ اس کے فعل کے مثل کوئی فعل ہے اور نہ اس کی کسی صفت کے مثل کوئی صفت۔ مگر صرف لفظ کی لفظ کے ساتھ موافقت کی وجہ سے ہے۔ اس کی قدیم ذات برتر ہے کہ اس کی کوئی صفت حادث ہو۔ جیسے کہ یہ محال ہے کہ کسی حادث میں کوئی صفت قدیم ہو۔ یہ کل کا کل اہل حق، اہلسنت و جماعت کا مذہب ہے۔

بلاشبہ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اس قول کی اور زیادہ وضاحت کے ساتھ تفسیر کی ہے اور فرمایا کہ یہ حکایت تمام مسائل توحید پر مشتمل ہے۔ کیونکر اس کی ذات، محدث ذاتوں کے مشابہ ہو اس کی ذات اپنے وجود میں مستغنی ہے اور کیونکر اس کا فعل مخلوق کے فعل کے مشابہ ہو وہ فعل تو نفع محبت اور دفع نقص کے بغیر ہے اور نہ خطروں اور غرضوں کا گزر ہے اور نہ اعمال و محنت سے ظاہر ہوا اور مخلوق کا فعل ان وجوہات سے باہر نہیں۔

ہمارے مشائخ میں سے ایک بزرگ نے کہا ہے کہ جو کچھ تم اپنے وہموں سے وہم کرتے ہو یا اپنی عقلوں سے معلوم کرتے ہو۔ وہ تو تمہاری طرح حادث ہے۔

امام ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ جوینی فرماتے ہیں کہ جو شخص اس موجود کی طرف مطمئن ہو گیا اور اس طرف اپنی فکر بس کر دی۔ ارے وہ تو مشبہ ہے ار جو شخص نفی محض کی طرف ہو گیا ہو معطل ہے اور جو شخص ایک ایسے موجود کے ساتھ علاقہ رکھ کر اس کی حقیقت کے ادراک سے عجز کا اعتراف کرے، بس وہی موحد ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کی حقیقت میں کیا خوب کہا ہے کہ تم اس بات کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت چیزوں میں بغیر محنت سے ہے اور مخلوق کا بنانا بلا مزاج اور سبب کے ہے۔ ہر چیز کی علت اس کی صفت ہے اور اس کی صفت کیلئے کوئی علت نہیں اور تمہارے وہم میں جو بھی متصور ہو اللہ تعالیٰ اس کے برعکس ہے۔ یہ کلام نہایت عجیب عمدہ اور محقق ہے اور اس کا آخری فقرہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ سے اور دوسرا ٹکڑا اس کے فرمان کی تفسیر ہے: يَسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يَسْئَلُوْنَ۔ (الانبیاء ۲۳) جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس سے پوچھا نہ جائے گا۔ حالانکہ وہ خود مسئول ہیں۔ اور تیسرا ٹکڑا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (النحل ۴۰)

ترجمہ ہمارا فرمان کسی چیز کیلئے جب ہم ادادہ کرتے ہیں (اس کے پیدا کرنے کا) صرف اتنا ہے کہ ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں توحید اور اس کے اثبات اور اس کی تنزیہہ پر ثابت و قائم رکھے اور ضلالت و گمراہی یعنی تعطل و تشبیہ کے کناروں سے اپنے فضل و احسان کے طفیل محفوظ رکھے۔ آمین۔

چوتھا باب

آپ ﷺ کے معجزات کے بیان میں

اس میں ان چیزوں کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر معجزات کا ظہور کر دیا اور آپ ﷺ کو خصوصیات و کرامات کے ساتھ مشرف فرمایا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سوچنے سمجھنے والی یہ بات کافی ہے کہ وہ یہ تحقیق کرے کہ ہم نے یہ کتاب نبی ﷺ کی نبوت کے منکر کیلئے جمع نہیں کی ہے اور نہ اس کیلئے جو آپ ﷺ کے معجزات پر طعن اور زبان درازی کرتا ہے کہ اس پر ہم دلائل قائم کرنے کے محتاج ہیں اور اس کے گوشوں کی قلعہ بندی کریں۔ تاکہ کوئی طعنہ کرنے والا اس تک نہ پہنچ جائے اور یہ کہ ہم عاجز کرنے والی شرائط اور تحدی اور اس کی تعریف کو بیان کریں اور ان لوگوں کے قول کے رد و فساد کا جو شرائع کے نسخ کو باطل کہتے ہیں کو ذکر کریں۔

بلکہ ہم نے اس کتاب کو ان اہل محبت کیلئے جمع کیا ہے جو کہ آپ ﷺ کی دعوت کو لبیک کہتے ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں تاکہ ان کی محبت اور مضبوط ہو جائے اور ان کے اعمال میں زیادتی ہو اور ان کے ایمان میں ایمان کی جلا ہو۔

ہماری مراد اور مقصود یہ ہے کہ اس باب میں آپ ﷺ کے بڑے بڑے معجزات اور آپ ﷺ کی مشہور تر نشانیاں ثابت کر دیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں جو آپ ﷺ کی قدر و منزلت ہے اس پر دلالت کرے۔ ان میں ہم وہی بیان کریں گے جو محقق اور صحیح الاسناد ہیں اور ان میں سے بیشتر وہ ہیں جو یقینی حد تک پہنچتے ہیں یا اس کے قریب اور ان کے ساتھ ہم نے ان کا بھی اضافہ کر دیا ہے جو آئمہ کی مشہور کتابوں میں مذکور ہیں اور جب کوئی منصف مزاج، غور کرنے والا ان پر غور کرے گا۔ جو ہم نے پہلے حضور ﷺ کے بارے میں لکھا ہے۔

یعنی آپ کے عمدہ اثرات، پسندیدہ، سیرت، وفور علم، کمال عقل و حلم اور آپ ﷺ کے تمام کمالات، تمام خصائل، مشاہدۂ حالات، درست کلامی وغیرہ وہ تو آپ ﷺ کی نبوت کی صحت اور آپ ﷺ کی دعوت کی صداقت میں شک و تردد کر ہی نہیں سکتا۔ بلاشبہ یہ باتیں آپ ﷺ پر اسلام و ایمان لانے میں بہت سوں کو کافی ہوئی ہیں۔

ترمذی اور ابن قانع علیہما الرحمہ وغیرہ نے اپنی سندوں کے ساتھ، یہ حدیث ہمیں روایت کی

ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں قدم رنجہ ہوئے تو میں آپ ﷺ کی زیارت کیلئے حاضر ہوا۔ جب میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو خوب دیکھا تو میں فوراً پہچان گیا کہ آپ ﷺ کا چہرۂ انور جھوٹوں کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ (اس کے بعد اس کی سند ذکر کی ہے) (سنن ترمذی کتاب القیامہ ۴/ ۶۵۲سنن ماجہ کتاب الاقامہ ۱/ ۴۲۳، مسند امام احمد ۵/ ۴۶٦، مستدرک ۴/ ۱٦۰)

ابی رمثہ التیمی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا۔ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے آپ ﷺ کو دیکھتے ہی کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام ہیں۔ (طبقات ابن سعد کما فی مناہل الصفاء للسیوطی / ۱۱۴)

اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ضماد جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ اس کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرما دے۔ سو اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت پر نہیں لاسکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بیشک محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تو اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ کلمات کو پھر دوبارہ مجھ پر دہرایئے کیونکہ یہ سمندر کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اپنا دست مبارک بڑھایئے تاکہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعہ ۲/ ۵۹۳، مسند امام احمد ۱/ ۳۰۲، سنن نسائی کتاب النکاح ٦/ ۸۹سنن ابن ماجہ کتاب النکاح ۲/ ۱۹)

جامع ابن شداد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک مرد جس کو طارق کہا جاتا ہے، اس نے ہمیں خبر دی کہ اس نے جب نبی کریم ﷺ کو مدینہ منورہ میں دیکھا تو آپ نے فرمایا:

کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے جس کو تم بیچتے ہو۔

ہم نے کہا: یہ اونٹ ہیں۔

فرمایا: کیا قیمت ہے؟

ہم نے کہا: کھجور کے اتنے اتنے وسق (جو ساٹھ ساع کا ہوتا ہے) کے عوض بیچوں گا۔

تو آپ ﷺ نے اونٹ کی مہار پکڑلی اور (شہر) مدینہ لے گئے۔ تو ہم نے (آپس میں) کہا کہ اس اونٹ کو ایسے شخص کے ہاتھ بیچا ہے جس کو ہم جانتے تک نہیں کہ وہ کون ہے۔

ہمارے ساتھ ایک بوڑھی عورت تھی اس نے کہا کہ میں اس اونٹ کی قیمت کی ضامن ہوں۔ میں نے اس شخص کے چہرہ کو دیکھا ہے جو چودھویں رات کے چاند کی مانند ہے وہ تم سے دھوکہ نہ

کرے گا۔ پس جب ہم نے صبح کی تو ایک شخص کھجوریں لایا اور کہا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ تمہارے لئے فرمایا کہ ان کھجوروں کو کھاؤ اور وزن کر کے اپنی قیمت لے لو۔ سو ہم نے کیا۔ (دلائل النبوۃ، بیہقی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی / ۱۱۴)

عمان کے بادشاہ جلندی کی حدیث میں ہے کہ جب اس کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی ہے تو جلندی نے کہا: خدا کی قسم مجھ کو اس نبی امی ﷺ پر یہ دلیل ملتی ہے کہ وہ کسی نیکی کی طرف جب ہی بلاتے ہیں جب وہ خود اس پر عامل ہوتے ہیں اور کسی برائی سے جب ہی روکتے ہیں جب وہ خود اس کے تارک ہوں اور بلاشبہ جب وہ غالب ہوتے ہیں تو غرور نہیں کرتے اور جب مغلوب ہوتے ہیں تو گھبراتے نہیں اور عہد و پیمان کا ایفا کرتے ہیں اور ایفائے عہد میں جلدی کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی (برحق) ہیں۔

(کتاب الردۃ عن ابن اسحاق کمافی مناہل الصفاء للسیوطی / ۱۱۴)

نفطویہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی تفسیر میں کہتے ہیں:

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ (النور ۳۵)

ترجمہ قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔

یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی مثال دی ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ عنقریب آپ ﷺ کا چہرہ آپ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرے گا اگرچہ وہ قرآن کی تلاوت نہ کرے۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔

لَوْلَمْ تَكُنْ فِيْهِ اٰيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ لَكَانَ مَنْظَرُهُ يُنْبِيْكَ بِالْخَبَرِ

یعنی اگر اس میں روشن نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو آپ کا چہرہ ہی آپکی (نبوت کی) خبر دیتا ہے۔

بیشک اب وقت آ گیا ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت، وحی، رسالت کے بیان کو شروع کریں اور اس کے بعد قرآن کے اعجازات اور اس کے دلائل و براہین کو بیان کریں۔

پہلی فصل

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بغیر واسطہ کے اپنی ذات وصفات اور اسماء کا علم عطا فرما سکتا ہے

خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے بندوں کے دلوں میں اپنی معرفت، اپنی ذات، اپنے اسماء و صفات کا علم اور تمام تکلیفات (دینی و دنیوی) کو شروع ہی میں بغیر کسی واسطہ کے اگر چاہے تو علم دے دے۔ جیسا کہ بعض نبیوں کے بارے میں سنت الٰہیہ مروی ہے۔

بعض مفسرین رحمہم اللہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا۔ (الشوریٰ ۵۱)

ترجمہ اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مگر وحی کے طور پر۔

کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ جائز ہے کہ یہ علوم اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے ان کو پہنچا دے اور ان کو اپنے کلام سے نواز دے یہ واسطہ یا تو انسان کے سوا ہو جیسے فرشتے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یا انہی کے جنس سے ہو جیسے انبیاء علیہم السلام امتوں کے ساتھ ہیں۔

اور اس بات کیلئے کوئی عقلی دلیل مانع نہیں اور جب یہ جائز ہے اور محال نہیں ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو لائے ہیں جو ان کے صدق پر دلالت کرتی ہیں، وہ ان کے معجزات ہیں تو جو وہ لائے ہیں، ان سب کی تصدیق واجب ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تحدی کے ساتھ معجزہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے قائم مقام ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، تم ان کی اطاعت و اتباع کرو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، گواہ ہے اور وہی کافی ہے۔

اس کو لمبا کرنا مقصود سے خارج ہے اب جو بھی اسکے تلاش کرنے کا ارادہ کرے تو وہ ہمارے آئمہ رحمۃ اللہ علیہم کی تصنیفات میں بھرپور پالے گا۔

نبوت کی لغوی تحقیق

نبوت اس لغت کے اعتبار سے ہمزہ سے پڑھے "نباءٌ" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی خبر کے ہیں اور کبھی اس اعتبار و تاویل میں تخفیف و سہولت کیلئے ہمزہ نہیں دیا جاتا۔ اس صورت میں نبوت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے غیوب پر مطلع کیا اور ان کو بتا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے نبی ہیں۔ نبی کے معنی یا تو خبر دیتے ہوئے بصیغہ مفعول ہوگا یا مخبر خبر دینے والے بصیغہ اسم فاعل ان چیزوں کی جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے اور ان چیزوں کی اطلاع دینا جن پر آپ ﷺ کو مطلع کیا گیا ہے۔ اس وقت نبی بروزن فعیل بمعنی فاعل ہوگا۔

اور نبوت اس لغت کے اعتبار سے جو بغیر ہمزہ (مادہ) کے پڑھتے ہیں۔ نُبُوَّۃٌ سے ماخوذ ہوگا جس کے معنی ہیں: ''زمین کا بلند ارفع حصہ''۔ تو اب نبوت کے (اصطلاحی) معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں آپ ﷺ کا مرتبہ آپ کی شرافت و منزلت بلند ہے۔ یہ دونوں وصف آپ ﷺ کے حق میں صحیح و درست ہیں۔

الرسول کی تحقیق

رسول اس کو کہتے ہیں جو مُرْسَلْ یعنی بھیجا گیا ہو۔ لغت میں بروزن فُعُوْلُ بمعنی مُفعَلْ نادر ہی مستعمل ہے۔

آپ ﷺ کی رسالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جن لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ ان کو تبلیغ احکام کریں۔ یہ تتابع سے مشتق ہے (جس کے معنی پے درپے ہے) اسی قبیل سے ان کا یہ مقولہ ہے کہ وہ لوگ ارسالا آئے جب وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہیں۔ گویا آپ ﷺ پر تو یہ لازم کیا گیا کہ آپ ﷺ بار بار تبلیغ کریں اور امت پر یہ لازم کیا گیا کہ وہ آپ ﷺ کی اتباع کرے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی و رسول کے ایک معنی ہیں یا دو؟

بعض نے کہا کہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں کیونکہ دراصل یہ اَنْبَاءٌ سے ہے جس کے معنی خبر دینا ہے۔ ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ۔ (الحج ۵۲)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی۔

ارسال میں یہ دونوں ساتھ ساتھ ثابت ہیں اور ان علماء نے کہا کہ ہر نبی رسول ہوتا ہے اور ہر رسول نبی۔

بعض نے کہا کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ من وجہ معنی رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ کبھی یہ دونوں اس نبوت میں جمع ہو جاتے ہیں جس میں غیب پر اطلاع، خصوصیات نبوت کا اعلان اور اس کی معرفت کیلئے رفعت اور ان کے درجات کا حصول مقصود ہو اور کبھی یہ دونوں اس رسول کی رسالت کی زیادتی

میں جدا ہو جاتے ہیں جس میں ڈرانے اور خبردار کرنے کا حکم ہو۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں۔

ان کی دلیل بھی اسی آیت میں دونوں ناموں کو علیحدہ علیحدہ (نبی اور رسول جدا جدا) بیان کرنے سے نکلتی ہے۔ اگر وہ دونوں ایک ہوتے تو کلام بلیغ میں دونوں کی تکرار یقیناً خوبی نہیں رکھتا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے کسی رسول کو امت کی طرف یا کسی ایسے نبی کو کسی طرف بھیجا نہیں ہے، نہیں بھیجا مگر آخر آیت تک۔

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ رسول وہ ہیں جو نئی شریعت لے کر آئیں اور نبی غیر رسول وہ ہے جو شریعت لے کر نہ آئے اگرچہ اس کو تبلیغ احکام الٰہیہ اور ڈرانے کا حکم دیا گیا ہو۔

اور درست و صحیح قول وہی ہے جس پر علماء کا ایک جم غفیر ہے کہ ہر رسول علیہ السلام نبی ضرور ہے اور ضروری نہیں کہ ہر نبی رسول بھی ہو۔ ان میں پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ان میں آخری رسول حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ (مسند امام احمد ۱۷۹/۵، صحیح ابن حبان ۱ ۔۲۸) کی مرفوع حدیث میں ہے کہ بیشک انبیاء علیہم السلام ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم و بیش) ہیں۔ بخلاف (فرقہ) کرامیہ کے کہ ان کی باتیں لمبی اور ڈرانے والی ہیں۔ اس میں کوئی فائدہ اور بھلائی نہیں ہے اور نہ ان کا کوئی اعتبار۔

وحی کی تحقیق

وحی کے اصلی معنی "جلدی کرنے کے" ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوتا تو اس کے لینے میں جلدی فرماتے۔ اس وجہ سے اس کا نام وحی رکھ دیا گیا اور الہاموں کی قسموں کو چونکہ گونہ وحی نبوت سے مشابہت ہوتی ہے۔ اس لئے ان کا نام بھی وحی رکھ دیا گیا اور خط کا نام بھی وحی رکھا گیا کہ چونکہ کاتب کے ہاتھ کی حرکت میں سرعت (جلدی) ہوتی ہے اور ابرو اور گوشہ چشم کے اشارہ کو وحی بھی یوں کہا گیا کہ ان دونوں کے اشاروں میں سرعت ہوتی ہے۔ اسی قبیل سے خدا کا یہ فرمان ہے:

فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا۔ (مریم ۱۱)

ترجمہ انہیں سمجھایا کہ تم پاکی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح و شام۔

یعنی آنکھ یا زبان سے اشارہ کیا کرو۔ اس کے ایک معنی لکھنے کے بھی آئے ہیں اور اسی قبیل سے ان کا یہ مقولہ ہے۔ الوحا، الوحا یعنی جلدی کرو اور کہا گیا ہے کہ دراصل وحی پوشیدہ اور مخفی کو کہتے

ہیں۔اسی قبیل سے ہے کہ الہا کا نام وحی رکھ دیا گیا اور اسی سے اس کا قول ہے کہ

اِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآئِهِمْ۔ (الانعام ۱۲۱)

ترجمہ اور بیشک شیطان ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے دلوں میں (اعتراضات)۔

یعنی ان کے سینوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور اسی قبیل سے یہ فرمان ہے کہ

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى۔ (القصص ۷)

اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف۔

یعنی ان کے دل میں یہ بات ڈال دی۔

بعض نے کہا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا۔

ترجمہ اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر۔

یعنی بغیر واسطہ کے اس کے دل میں القا فرمائے۔

دوسری فصل

معجزات کے بیان میں

جانو! کہ انبیاء علیہم السلام جو لائے ہیں ان کو ہمارا معجزہ کہنا اس لئے ہے کہ مخلوق اس کے مماثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔

معجزے دو طرح پر ہوتے ہیں۔

ایک قسم یہ کہ قدرت انسانیہ کے انواع میں سے ہو پھر اس سے وہ عاجز ہو جائیں۔ ان کا یہ عجز ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ فعل اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ جو ان کے نبی کی صداقت میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ ان (یہودیوں) کو موت کی تمنا سے پھیر دینا اور ان (عرب کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء) کا قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہو جانا۔ یہ بعض علماء کی رائے ہے۔ اس طرح دیگر معجزات وغیرہ۔

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ فعل ہی انسانی قدرت سے باہر ہو کہ وہ کسی طرح بھی اس کی مثل لانے پر قادر نہیں۔ جیسے مردوں کا زندہ کرنا، عصاء (موسیٰ علیہ السلام) کا سانپ بننا، اونٹنی کا پتھر سے نکلنا، درخت کا کلام کرنا، انگلیوں سے پانی کے چشمے بہانا اور چاند کو ٹکڑے کرنا۔ یہ وہ معجزات ہیں جو ممکن ہی نہیں کہ کوئی ان کو کر سکے سوائے اللہ تعالیٰ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ان کا ہونا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس کے ذریعہ ان کی تحدی (تعجیز) مقصود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں کہ ان کی مثل لانے سے وہ عاجز ہیں۔

جانو! بیشک وہ معجزات جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر براہین (دلیل) ہیں۔ ان میں دونوں قسموں کے ہیں۔ دیگر رسولوں کی بہ نسبت آپ کے معجزے بکثرت، ان سے زیادہ روشن نشانیاں اور ان سے زیادہ ظاہر دلائل پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ عنقریب ہم ان کو بیان کریں گے اور یہ معجزات اس کثرت سے ہیں کہ کوئی ان کو ضبط تحریر میں لا سکتا ہی نہیں کیونکہ ان میں سے قرآن مجید ہی ایسا معجز کلام ہے کہ اس کے معجزات کو ہزار، دو ہزار یا زیادہ کا شمار ہی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے صرف ایک سورت کا معارضہ طلب کیا تھا تو اس سے عاجز ہو گئے تھے۔

علماء نے کہا ہے کہ سب سے چھوٹی سورت انا اعطینك الكوثر (الکوثر ۱) ہے۔ لہٰذا اس کی ہر

آیت یا اس سورت کی مقدار وعدد میں آیتیں معجزہ ہیں۔ پھر خاص اس سورت میں ہی متعدد معجزے ہیں۔ جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے کہ اس میں یہ یہ معجزے ہیں۔

پھر حضور ﷺ کے معجزات دو قسم پر ہیں۔

ان میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ جو قطعی طور پر معلوم اور ہم تک متواتر منقول ہے۔ جیسے قرآن مجید کہ نہ اس میں کوئی شک ہے اور نہ کوئی اختلاف کہ یہ نبی کریم ﷺ کا لایا ہوا نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی طرف سے اس کا ظہور ہوا اور آپ ﷺ نے اپنی دلیل میں بطور حجت پیش کیا اور اگر کوئی بدبخت اس کا انکار کرے تو وہ معاند و دشمن ہے۔ اس کا انکار ایسا ہی ہے کہ حضور ﷺ کے وجود کا دنیا میں انکار کرے۔ حالانکہ منکرین کا اعتراض اسکی حجت (یعنی منکرین کہتے ہیں یہ جادو ہے) میں ہی رہا ہے۔

پس قرآن مجید اپنی ذات میں اور اپنے تمام مشتملات، معجزات میں معلوم و بدیہی ہے اور اس کی اعجازی شان بدایت ونظر دونوں سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بہت جلد اس کی تشریح کریں گے۔

ہمارے بعض آئمہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ فی الجملہ قائم مقام معجزات کے یہ ہے کہ حضور ﷺ کے دستِ اقدس پر بکثرت نشانیاں خوارق عادات ہوئی ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی معجزہ یقین کے درجہ تک نہ بھی پہنچے تو یہ تمام معجزات کو ملا کر تو یقین حاصل ہو جائے گا۔ لہٰذا ان کے معانی کا وقوع آپ ﷺ کے دست اقدس پر شک وشبہ سے بالا ہے۔

کسی مومن اور کافر کا اس بات میں اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کے دست اقدس سے عجائبات کا صدور ہوا ہے۔ معاند (دشمن) کا اختلاف تو اس میں ہے کہ یہ خدا کی جانب سے ہیں یا نہیں؟

حالانکہ ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور یہ کہ اس کے قائم مقام ہے کہ تم نے سچ کہا اس قسم کا وقوع بھی ہمارے نبی ﷺ سے بداہتہ معلوم ہے کیونکہ ان کے معانی کا اتفاق ہے۔ جیسے حاتم کی سخاوت اور عنترہ کی شجاعت اور احنف کا علم بداہتہ معلوم ہے کیونکہ ان پر جو خبریں ملی ہیں ان پر اتفاق ہے کہ سخاوت، شجاعت اور علم ان کا معروف و مشہور ہے۔ اگرچہ فی نفسہٖ ہر ایک خبر علم کا موجب نہیں اور نہ اس کی صحت پر یقین ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ خبر بداہتہ اور یقین کے درجہ تک نہ پہنچے۔ اس کی دو صنف ہیں۔

پہلی صنف یہ کہ وہ خبر مشہور اور پھیلی ہوئی ہو اور اس کو متعدد راویوں نے بیان کیا ہو اور وہ خبر محدثین، مؤرخین اور اصحاب سیر و اخبار کے نزدیک شائع (پھیل) ہو چکی ہو۔ جیسے کہ انگلیوں کے درمیان سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اور طعام کو زیادہ کرنا۔

اور دوسری صنف یہ ہے کہ وہ خبر صرف ایک یا دو راوی تک محدود و مخصوص ہو اور اتنے کم راویوں نے اس کو بیان کیا ہو کہ وہ حد شہرت تک نہ پہنچی لیکن جب ان جیسے معجزات کو جمع کیا جائے تو وہ اپنے معانی میں اتفاق کی حد تک پہنچ جائے اور یہ دونوں قسمیں معجزات کے صدور میں مجتمع ہو جائیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق بات بیان کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے معجزات جو مروی ہیں، قطعیت کے ساتھ معلوم ہیں۔

چنانچہ معجزہ شق القمر، تو اس کا وقوع تو نص قرآنی سے ثابت ہے اور قرآن مجید نے اس کے وجود کی خبر دی ہے۔ دلیل کے بغیر کسی آیت کے ظاہری معنیٰ سے انحراف نہیں کیا جائے گا اور اس احتمال کے رفع کرنے میں تو متعدد طریقوں سے احادیث صحیحہ وارد ہیں اور کسی بدنصیب کا اختلاف جس نے دین کے کڑے کو چھوڑ رکھا ہے ہمارے پختہ اعتقاد کو متزلزل نہیں کر سکتا اور ایسے مبتدع کی سفاہت (بیوقوفی) کی طرف توجہ نہ کی جائے گی کیونکہ وہ کمزور مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالتا ہے بلکہ ہم اس کے ساتھ اس کی ناک کو خاک آلود کریں گے اور میدان میں ہم اس کی سفاہت (بیوقوفی) کو پھینکیں گے۔

یہی صورت پانی کے نکلنے اور طعام کی زیادتی کے واقعہ کی ہے۔ اس کو ثقہ لوگوں نے اور بہت سے راویوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت کے بکثرت افراد نے روایت کیا ہے اور بعض معجزات تو ایسے ہیں ایک جماعت نے جماعت سے متصلاً ان راویوں سے جنہوں نے بہتر صحابہ سے روایت کیا ہے، بیان کیا ہے کہ یہ معجزہ خندق کے دن بڑے مجمع میں اور غزوۂ بواط اور عمرۂ حدیبیہ اور غزوۂ تبوک وغیرہ مسلمانوں کی مجلسوں اور لشکروں میں واقع ہوا ہے اور صحابہ میں سے کسی سے اس کی مخالفت منقول نہیں۔ جو راوی کے بیان کی مخالفت کریں اور جو انہوں نے دیکھا ہے، اس کا انکار کسی دیکھنے والے نے ذکر نہیں کیا ہے۔ (کہ نہیں اصل واقعہ یہ ہے) لہٰذا ان میں سے خاموش رہنے والے کا سکوت ایسا ہی ہے جیسے گویا اس کا بولنا۔ اس لئے کہ وہ اصحاب باطل پر قرار اور جھوٹ میں مداہنت سے منزہ پاک ہیں اور نہ وہاں کوئی رغبت اور خوف ہی تھا کہ ان کو باز رکھے اور اگر وہ سنی ہوئی بات ان کے نزدیک قابل انکار اور ان کے نزدیک غیر معروف ہوتی تو وہ یقیناً اسکا انکار کرتے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض صحابہ نے بعض ان باتوں کا انکار کیا ہے جن کا ذکر احادیث و سیر اور قرأت قرآن مجید میں منقول ہے اور بعض نے بعض کی غلطی ظاہر کی اور کسی کو وہمی کہا۔ یہ وہ باتیں جو غیر مبہم

ہیں۔ معجزات کی یہ پوری صنف قطعیت کے ساتھ ملحق ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

بلاشبہ بعض خبریں ایسی بھی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں اور باطل پر ان کی بنیاد ہے اور ایسی بھی ہوں گی کہ ایک مدت کے گزرنے اور لوگوں کی مداومت کے بعد علماء کے مباحثہ و تحقیق سے ان کا ضعف ظاہر ہو اور ان کا ذکر گمنامی میں ہو جائے۔ جیسا کہ اکثر جھوٹی خبروں اور من گھڑت قصوں میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔

لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جو بطریق احاد مروی ہیں۔ زمانہ گزرنے کے بعد بھی ان کا ظہور ہی زیادہ ہوتا ہے اور فرقوں کے کلام کرنے اور دشمنوں کی کثرت طعنہ زنی اور ان کے استخفاف پر ان کے حریص ہونے اور اس کی بنیادوں کو کمزور بنانے اور اس کے نور کو بجھانے پر ملحدین کی پیہم کوششوں کے باوجود ان کی قوت و قبول اور ان پر طعن کرنے والے کی حسرت و کینہ کو ہی بڑھاتا ہے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غیبی خبریں دینا اور آپ کا مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ یعنی گزشتہ و آئندہ کے حالات بتانا۔

فی الجملہ بداہتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں ہونا معلوم ہے اور یہ ایسا حق جس پر کوئی پردہ نہیں۔

ہمارے آئمہ میں سے قاضی و استاذ ابوبکر وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اس کے قائل ہیں اور میرے نزدیک جس قائل نے یہ کہا ہے کہ یہ مشہور واقعات خبر واحد کے باب میں سے ہیں۔ اس کی وجہ اخبار و روایات میں مطالعہ کی کمی اور اس کے سوا دیگر علوم عقلیہ وغیرہ میں مشغول ہونا ہے ورنہ جو شخص نقل کے طریقوں سے واقف ہے اور احادیث و سیر کا مطالعہ کرتا ہے وہ شخص جس طرح ہم نے ان کا ذکر کیا ہے ان واقعات مشہورہ کی صحت میں شک نہیں کر سکتا۔

یہ کوئی بعید امر نہیں ہے کہ ایک شخص کو تو تواتر کا علم ہو جائے اور دوسرے کو حاصل نہ ہو۔ کیونکہ اکثر لوگ خبر کے ذریعے جانتے ہیں کہ بغداد موجود ہے اور وہ ایک بڑا شہر ہے اور وہ دارالخلافہ اور بیت الامامت ہے۔ لوگوں میں ایسے بھی ہیں کہ کوئی اس کا نام تک نہیں جانتا۔ چہ جائیکہ اس کے اوصاف سے واقف ہو۔

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد فقہا آپ سے تواتر کے ساتھ یقیناً نقل کرتے ہیں کہ آپ کا یہ مذہب ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا منفرد امام پر واجب ہے اور رمضان مبارک کی پہلی رات میں روزہ کی نیت کرنا ماسوا اس کے دنوں کیلئے وہ کافی ہے اور بلاشبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر رات کیلئے جداگانہ روزہ کی نیت ہو اور مسح میں سر کے بعض حصہ پر اکتفا کرنا جائز

ہے اور ان دونوں کا یہ مذہب ہے کہ قتل میں قصاص محدد (تلوار) وغیرہ کے ساتھ جائز ہے اور وضو میں نیت کا وجوب اور نکاح میں اذن ولی شرط ہے۔

بلاشبہ (حضرت امام اعظم) ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف ان مسائل میں بلکہ ان کے سوا اور دیگر مسائل میں ان دونوں مذاہب سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو ان کے مذہب میں مشغول ہی نہیں ہوئے اور نہ ان کے اقوال کی روایت کی ہے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ یہ مذاہب بھی ہیں۔ چہ جائیکہ یہ مسائل یا دیگر حالات سے واقف ہوں۔

اور جب ہم ان احاد معجزات کا ذکر کریں گے تو اس وقت ان کو تفصیل کیساتھ انشاء اللہ بیان کریں گے۔

تیسری فصل

اعجاز قرآن کی وجوہات میں سے پہلی وجہ

جانو! اللہ تعالیٰ ہمیں اور تم کو توفیق مرحمت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب مجید کئی وجہوں سے بکثرت معجزات پر مشتمل ہے اور ان پر مطلع ہونے کیلئے وجوہات انحصار کے طریقہ پر چار قسمیں بنتی ہیں۔

اول: یہ کہ اس کے نظم کی خوبی، اس کے کلمات کو ملانا، اس کی فصاحت، اس کے ایجازات (یعنی مختصرات وغیرہ) اور اس کی ایسی بلاغت جو عرب کے بلغاء کی عادت کے برخلاف ہے اور یہ اس لئے کہ عرب کے فصحاء بلغاء اس شان کے مالک، اس کے شہسوار تھے۔

وہ لوگ بلاغت وحکمت میں ایسے مخصوص تھے کہ ان کے سوا کسی دوسری امت کو (ایسی بلاغت وحکمت) میسر نہ تھی اور زبان کے نکات کے وہ ایسے ماہر تھے کہ کسی انسان کو وہ نہ دی گئی تھی اور خطاب کے باب میں تو وہ ایسے تھے کہ کوئی عقلمند ان کو بند نہیں کر سکتا تھا اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے ان کی خلقت وطبیعت میں رکھ دی تھی اور ان میں یہ طبعی قوت تھی کہ فی البدیہہ کلام سے عجائبات لاتے اور اس کی وجہ سے ہر معاملہ تک رسائی حاصل کرتے تھے۔ وہ متعدد مواقع اور سخت خطاب کی جگہوں میں فی الفور خطبہ دیتے تھے اور نیزے اور تلوار کی جنگوں میں رجز کے طور پر اشعار پڑھتے۔

اپنی تعریف کرتے (دوسروں کی) برائی کرتے اور اپنے مقاصد میں اس سے وسیلہ توسل پکڑتے اور لوگوں کو بڑھاتے اور گھٹاتے تھے۔ پس وہ لوگ اس سے سحر حلال لاتے (یعنی جادو بیانی) کرتے تھے۔ ان کی تعریفوں کے ایسے ہار بناتے جو موتیوں کی لڑی سے زیادہ خوبصورت ہوتے، عقلوں کو فریفتہ کرتے اور مشکلوں کو آسان بناتے تھے۔ کینے کو دور کرتے اور شجاعت کو ابھارتے اور بزدلوں کو جرأت دلاتے اور بندھے ہاتھوں کو کھولتے ناقص کو کامل بنا دیتے، بڑے بڑے ہوشیاروں کو خاموش کر دیتے تھے۔

ان میں سے بعض بدوی (دیہاتی) تو حتمی الفاظ اور قول فیصل کے مالک تھے۔ ان کا کلام محکم، طبیعت صناع اور قوتوں کو کھینچنے والے ہوتے تھے اور ان میں سے بعض شہری تو ایسے تھے کہ جو اعلیٰ بلاغت والے، عمدہ الفاظ والے، جامع کلمات والے، نرم طبیعت والے بلا تکلف تھوڑے کلام میں بہتر تصرف کرنے والے جس کی خوبی عمدہ، کلام موزوں ہوتا تھا اور دونوں قسم کے لوگ (یعنی بدوی اور شہری) بلاغت میں حجۃ بالغہ، قوت عالیہ کامیاب تر، وسیع اور واضح تک پہنچے ہوئے تھے۔

ان کو اس میں شک نہ تھا کہ کلام ان کے مقصود کے موافق ہے اور بلاغت ان کے تابع ہے۔ بلاشبہ انہوں نے بلاغت کے تمام فنون کو گھیر لیا تھا اور اس کی خوبیوں کو نکال لیا تھا اور اس کے ہر باب کے جس دروازہ سے چاہتے داخل ہو جاتے تھے۔ وہ بلاغت کے انتہائی درجہ پر پہنچنے کے سبب اس کے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے تھے۔ پس انہوں نے مشکل اور آسان کلام کیا اور لاغر و سمین (موٹے) میں جوہر دکھائے قلب و کثرت میں مقالات کہے، نظم و نثر میں ڈول ڈالے۔

ان صفتوں کے مالک فصحاء و بلغاء عرب کو اگر عاجز کیا ہے اور ان کو مرعوب کیا ہے تو رسول اللہ نے کتاب مجید لا کر ہی کیا ہے۔ جس پر نہ سامنے سے باطل ٹھہرے، نہ پیچھے سے۔ وہ کتاب حکمت والے تعریف کیے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی ہے۔ اس کی آیتیں محکم، اس کے کلمات مفصل اس کی بلاغت عقلوں کو متحیر کرنے والی، اس کی فصاحت ہر بولنے والے پر غالب ہے۔ اس کا اختصار اور اعجاز کامیاب ہے، اس کی حقیقت و مجاز واضح ہے۔ خوبصورتی میں اس کے ابتدائی اور انتہائی کلمات متشابہ ہیں اور اس کے جامع و بدیع کلمات ہر بیان پر حاوی ہیں۔ باوجود اپنے اختصار کے نظم کی خوبی میں معتدل ہے اور اپنے فوائد میں زیادتی کے باوجود اس کے الفاظ پسندیدگی کے عین مطابق ہیں۔

حالانکہ اہل عرب اس باب میں بڑی طاقت رکھتے تھے۔ ان کے مرد خطاب میں مشہور تھے اور سجع شعر میں غریب الاستعمال الفاظ ولغت پر بڑے بولنے والے تھے اور ان کی اس لغت میں جن کو وہ بولتے تھے اور ان کے ان جھگڑوں میں جن میں وہ غالب آیا کرتے تھے۔ قرآن کریم ان کو ہر وقت چیلنج کرتا رہا اور ان کے کانوں کو کھٹکھٹاتا رہا اور ان کی پوری جماعت کو ۲۳ سال تک جھنجوڑتا رہا۔ وہ چیلنج کرتا تھا کہ

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ٥ (یونس ۳۸)

ترجمہ کیا یہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے اسے آپ فرمایئے پھر تم بھی لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور (امداد کیلئے) بلا لو جن کو تم بلا سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اگر تم (اپنے الزام میں) سچے ہو۔

اور فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَاءَ كُمْ

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا۔ (البقرہ ۲۳)

ترجمہ اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلا لو اپنے حمائتیوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

نیز فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ۔ (الاسراء ۸۸)

ترجمہ (بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور جن اس بات پر کہ آئیں اس قرآن کی مثل۔

اور فرمایا:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيَاتٍ۔ (ہود ۱۳)

ترجمہ آپ فرمایئے (اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسے گھڑی ہوئی۔

یہ اس لئے کہ جھوٹ کا بنانا آسان ہوتا ہے اور باطل اور بناوٹی کو لے لینا اختیار کے زیادہ قریب ہے اور لفظ جب صحیح معنی کے تابع ہوتا ہے تو وہ بہت دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا لکھتا ہے جیسا اس کو کہا جائے اور فلاں جیسا چاہتا ہے لکھتا ہے۔ لہٰذا پہلے شخص کیلئے دوسرے پر فضیلت ہے درانحالیکہ دونوں منشاء میں دوری ہے۔

پس نبی کریم ﷺ برابر متحدی کر کر کے خوب جھنجوڑتے رہے اور ان کو خوب جھڑکتے رہے اور ان کی عقلوں کی سفاہت بتاتے رہے۔ ان کے بلند بانگ دعوؤں کے جھنڈوں کو اتارتے رہے۔ ان کے بڑوں کی شیخیت کو ٹکڑے کرتے رہے اور ان کے جھوٹے معبودوں اور ان کے آباء (کے کرتوتوں) کو برا بتاتے رہے۔ ان کی اراضی، امصار اور اموال کو مباح بناتے رہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ لوگ اس معارضہ میں بھاگتے رہے اور اس کی مماثلت سے اعراض کرتے رہے اور اپنے اپ کو شور وشغب اور تکذیب اور افتراء پر برانگیختہ کرنے میں دھوکہ دیتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ○ (المدثر ۲۴)

یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ (القمر ۲)

یہ بڑا زبردست جادو ہے۔

اِفْكُ نِ افْتَرٰاهُ۔ (الفرقان ۴)

بہتان جو گھڑ لیا ہے اس نے۔

اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا۔ (الفرقان ۵)

یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں۔

اس قسم کی بہت سی ادنیٰ باتوں سے وہ خوش ہوتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ بھی کہا:

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ۔ (البقرہ ۸۸)

ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہیں۔

فِي اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ۔ (حم السجدہ ۵)

ترجمہ غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں۔

وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ۔ (حم السجدہ ۵)

ترجمہ اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (حم السجدہ ۲۶)

ترجمہ مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور وغل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم اس طرح غالب آ جاؤ۔

باوجود وہ اس قدر عاجز ہو جانے کے وہ یہ ڈینگیں مارتے کہ ہم چاہتے تو ضرور اس کی مثل لے آتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرما دیا تھا:

وَلَنْ تَفْعَلُوْا۔ (البقرہ ۲۵)

اور ہرگز نہ کر سکو گے۔

سو وہ اس کے لانے پر قادر نہ ہو سکے اور ان کے جس بے وقوف نے معارضہ کیا جیسے مسیلمہ کذاب تو اس کا عیب ان سب کے سامنے کھل گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی فصاحت کلام کی صفت کو سلب کر لیا ورنہ عقلمندوں پر یہ مخفی نہیں کہ قرآن مجید ان کی فصاحت کے طرز کا نہیں؟ اور نہ ان کی بلاغت کی جنس ہے؟ بلکہ وہ اس سے پشت دکھا کر بھاگے اور فرمانبردار بن کے آئے کچھ ہدایت یافتہ ہو کر کچھ فریفتہ بن کر۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ (النحل ۹۰)

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو۔

اسی وجہ سے جب ولید بن مغیرہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اس نے کہا کہ خدا کی قسم اس

میں حلاوت (مٹھاس) ہے یقیناً اس میں رونق ہے۔ بیشک اس کے نیچے گہرا پانی ہے اور اس کے اوپر کا حصہ پھلدار ہے۔ اس کو انسان نہیں کہہ سکتا۔ (تفسیر درمنثور ۸/ ۳۳۰)

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے ایک مرد سے سنا کہ وہ پڑھتا تھا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ (الحجر۹۴)

ترجمہ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم علان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

تو اس نے سجدہ کیا اور کہا: میں اس کی فصاحت پر سجدہ کرتا ہوں۔ دوسرے مرد سے سنا کہ وہ پڑھتا تھا:

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا۔ (یوسف ۸۰)

ترجمہ پھر جب وہ مایوس ہوگئے یوسف سے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔

تو اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کلام کی مثل لانے پر قادر نہیں۔

مروی ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسجد میں سو رہے تھے۔ اتفاقاً آپ نے دیکھا کہ ایک شخص آپ کے سر پر کھڑا اشہادت پڑھ رہا ہے۔ آپ نے دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ میں روم کے رئیسوں میں سے ہوں اور عرب وغیرہ کے کلام کی خوبیوں کو جانتا ہوں۔

میں نے مسلمان قیدیوں میں سے ایک شخص سے سنا کہ وہ قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت کر رہا تھا۔ میں نے اس پر خوب غور کیا۔ تو میں نے اِس میں وہ باتیں جمع پائیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دنیا و آخرت کے حالات میں نازل ہوئی تھیں۔

وہ یہ فرمان ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ۔ (النور ۵۲)

ترجمہ اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی۔ اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی نافرمانی) سے۔

اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک باندی کا کلام سنا اور اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے، کیسا تیرا فصیح کلام ہے۔ اس نے کہا: ہاں لیکن اللہ تعالیٰ کے اس کلام کی فصاحت کے بعد اس کو شمار کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ۔ (القصص ۷)

ترجمہ اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ۔

اس ایک ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو امر، نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں جمع فرما دیں۔

اعجاز قرآن مجید میں یہ قسم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ کسی غیر کی طرف یہ منسوب نہیں۔ دو قولوں میں یہ قول محقق واضح ہے اور یہ کہ قرآن کریم نبی اکرم ﷺ کی جانب سے ہے اور یہ کہ آپ ﷺ لائے ہیں، بداہتہ معلوم ہے اور حضور ﷺ کا اس سے تحدی فرمانا بھی صریحاً معلوم ہے اور اہل عرب کا اس کی مثل لانے سے عاجز ہونا بھی بدیہی بات ہے اور اس کی فصاحت و خارق عادت کے درجہ پر ہونا۔ سو یہ بھی فصحاء اور اقسام بلاغت کے جاننے والوں پر یقیناً معلوم ہے اور سب لوگ فصیح و بلیغ نہیں ہیں۔ ان کو اتنا جاننا کافی ہے کہ فصیح و بلیغ منکرین رب کے معارضہ سے عاجز رہے ہیں اور افتراء کرنے والے بھی اس کی معجزانہ بلاغت کے معترف رہے ہیں اور جب تم ان آیتوں میں اچھی طرح غور کرو گے کہ:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔ (البقرہ ۱۷۹)

اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

وَلَوْ تَرٰى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝ (سبا ۵۱)

ترجمہ کاش تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہوں گے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو گی اور قریب ہی سے پکڑ لیے جائیں گے۔ (سبا ۵۱)

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (حم السجدہ ۳۴)

برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے۔

فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ (حم السجدہ ۳۴)

ترجمہ پس ناگہاں وہ شخص تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔

وَقِيْلَ يَا اَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيَا سَمَآءُ اَقْلِعِيْ۔ (ھود ۴۴)

ترجمہ اور حکم دیا گیا اے زمین نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان تھم جا۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا۔ (العنکبوت ۴۰)

ترجمہ پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث پس ان میں سے بعض پر ہم نے

برسائے پتھر۔

اس کی مثل دوسری آیتیں ہیں بلکہ قرآن مجید کا بیشتر حصہ وہ ہے جب تم اس پر غور کرو گے تو تم پر ثابت ہو جائے گا۔ جو میں نے اس کے لفظوں کے اختصار، اس کے معانی کی زیادتی اس کی عبارت کی خوبی، اس کے حروف کی ترکیب میں حسن اور ان کے کلمات کا باہم اتصال، کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم کے ہر لفظ کے تحت بکثرت جملے، متعدد فصلیں اور ان علوم کا ذخیرہ ہے جن میں سے چند باتیں استعارہ کر کے دفتر کے دفتر بھر چکے ہیں اور اسکے مستنبطات میں تو بکثرت مقالے ہیں۔

پھر قرآن کریم طویل قصوں اور گزشتہ زمانوں کی ان خبروں کے بیان کرنے میں جن میں فصحاء کی عادت میں وہ کلام ضعف اور کمزور ہو جایا کرتا ہے اور بیان کی لذت جاتی رہتی ہے، ان کو اس خوبی سے ذکر کرتا ہے کہ وہ غور کرنے والے کیلئے ایک معجزہ ہے کہ کس طرح کلام آپس میں مربوط ہے اور کس طرح لڑی سے لڑی ملی ہوئی ہے اور وجوہ بلاغت میں وہ کس طرح قائم ہے۔

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ باوجود طویل ہونے کے۔ پھر جب وہ قصے بار بار آتے ہیں تو باوجود مکرر ہونے کے ان کی عبارتیں مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ ہر ایک قریب ہوتا ہے کہ بیان کی حلاوت میں اپنے ساتھی کو بھلا دے اور حسن میں اس کے مقابل چہرے سے عمدہ جانے اور ان قصوں کے بار بار آنے سے طبیعتوں میں نفرت پیدا نہیں ہوتی اور مکرر عبارتوں سے صرف نظر نہیں کرتا۔

چوتھی فصل

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ

قرآن کریم معجزہ ہونے کی دوسری وجہ اس کے نظم کی عجیب شکل اور وہ غریب اسلوب (طرز) ہے جو کلام عرب کے اسلوب اور ان کے نظم ونثر کے وہ طریقے جن پر یہ قران مجید ہے، ان کے خلاف ہے۔ ہر آیت کے آخر میں وقفہ ہے۔ جہاں کلمات کے وصل کی انتہا ہے۔ اس کی نظیر نہ اس سے پہلے پائی جاتی ہے نہ بعد کو اور نہ کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ اس کے کسی حصہ کی مماثلت کر سکے۔

بلکہ اس میں ان کی عقلیں متحیر ہیں۔ اس کی نزدیکی (کے وہم سے) ان کی عقلیں مدہوش ہیں اور اس کی مثل کی طرف اپنے ہم جنس کلام میں خواہ وہ نثر ہو یا نظم، سجع ہو یا جزو شعر کو راہ نہیں پاتے۔

جب ولید بن مغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قرآن مجید کی تلاوت فرمائی تو وہ نرم دل ہو گیا۔ تب اس کے پاس ابوجہل انکار کرتا ہوا آیا۔ اس سے اس نے کہا: خدا کی قسم تم میں سے کوئی بھی شعروں میں مجھ سے بڑھ کر عالم نہیں۔ خدا کی قسم جو کچھ وہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں، شعروں کے مشابہ نہیں۔

ولید کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ جب ولید نے موسم (حج) کے وقت قریش کو جمع کیا تو کہا کہ عرب کے لوگ آئے ہیں تم سب کسی ایک بات پر اتفاق رائے کر لو تا کہ کوئی ایک دوسرے کی تکذیب نہ کرے۔ تو سب نے کہا کہ ہم کاہن کہیں گے۔ اس نے کہا: خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہو سکتے اور نہ اس میں کہانت کی باتیں ہیں۔ اس (کلام) میں کاہنوں جیسا رمز ہے نہ ان کا انداز سجع انہوں نے کہا کہ ہم دیوانہ کہیں گے۔[1]

اس نے کہا کہ وہ دیوانہ بھی نہیں کیونکہ نہ ان کو جن نے پکڑا اور نہ اس نے وسوسہ میں ڈالا۔ انہوں نے کہا تو پھر شاعر کہہ دیں گے۔

اس نے کہا: وہ شاعر بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ میں شعر کی قسموں کو خوب جانتا ہوں خواہ وہ رجز ہو یا ہزج۔ اس کا حسن وقبح اس کا بسط وقبض جانتا ہوں۔ وہ شاعر تو ہو ہی نہیں سکتے۔

انہوں نے کہا: پھر تو ساحر (جادوگر) کہہ دیں گے۔

اس نے کہا: وہ ساحر بھی نہیں کیونکہ نہ وہاں جھاڑ پھونک ہے اور نہ گرہ لگانا۔ انہوں نے کہا: بتاؤ پھر کیا کہیں۔ اس نے کہا: اسی میں سے تم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ یہ سب باطل

ہے ان باتوں میں قریب سے قریب یہ بات ہو سکتی ہے کہ وہ ساحر ہوں کیونکہ جادو مرد اور اس کے بیٹے، بھائی بیوی اور قرابت داروں کے درمیان جدائی کر دیتا ہے۔ پھر انہوں نے جدا جدا ہو کر اپنی اپنی راہ لی اور لوگوں کو ڈرانے لگے۔ (درمنثور ۹۸/۵ دلائل النبوہ بیہقی ۱۹۸/۲)

اس پر اللہ تعالیٰ نے ولید کے بارے میں یہ آیت اتاری۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا۔ (المدثر ۱۱) آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا۔

عقبہ بن ربیعہ نے جب قرآن کریم سنا تو اس نے کہا: اے میری قوم! تم جانتے ہو کہ میں نے کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی جس کو نہ جانا اور نہ پڑھا ہو۔ خدا کی قسم میں نے وہ کلام سنا ہے۔ خدا کی قسم اس جیسا میں نے کبھی نہ سنا۔ نہ تو وہ شعر ہے نہ سحر و کہانت۔ نضر بن حارث نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی انیس کی تعریف کی اور کہا کہ خدا کی قسم! اپنے بھائی انیس سے بڑھ کر کسی شاعر کو نہ سنا۔ اس نے جہالت کے زمانہ میں بارہ شاعروں سے مقابلہ کیا ہے اور میں ان میں سے ایک ہوں۔ وہ مکہ گیا اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر لایا۔ میں نے کہا: لوگ کیا کہتے ہیں؟

اس نے کہا: لوگ شاعر، کاہن اور ساحر کہتے ہیں۔ بیشک میں نے کہانت کی باتیں سنی ہیں۔ ان میں وہ باتیں نہیں ہیں۔ اور میں نے ان کے فرمان کو شعر کی اقسام کے مقابل کیا تو وہ اس کے مناسب بھی نہیں۔ میرے بعد کسی کی زبان پر نہ آئے گا کہ وہ شاعر ہیں۔ بلاشبہ وہ یقیناً سچے ہیں اور وہ سب جھوٹے۔ اس بارے میں بکثرت احادیث صحیحہ مروی ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ۱۹۱۹/۴، ۱۹۲۰، ۱۹۲۱)

اور قرآن کا معجزہ ہونا دونوں قسموں پر ہے۔

بذاتہ اعجاز و بلاغت۔ (اعجاز و بلاغت کے لحاظ)

اور بذاتہ اسلوب غریبہ (طرز عجیب کے لحاظ سے) ان دونوں میں سے ہر ایک حقیقۃ ایک قسم کا معجزہ ہے۔ اہل عرب اس کی کسی ایک قسم پر بھی مماثل لانے پر قادر نہیں ہو سکتے کیونکہ ہر ایک قسم ان کی قدرت سے خارج ہے اور ان کی فصاحت و کلام سے مباین ہے۔

اور اسی طرف چند محققین اور بعض بزرگ گئے ہیں کہ قرآن کریم اپنی بلاغت و اسلوب کے مجموعہ میں معجزہ ہے۔ اس سلسلہ میں وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو گوش گراں اور قلب بیزار ہیں۔

حالانکہ صحیح وہی بات ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور ان سب کا علم ضروری اور قطعی ہے۔ جو شخص فنون علوم بلاغت سے واقف ہے اور اس صفت کے ادب نے اس کے دل اور زبان کو تیز کر دیا

ہے اس پر جو ہم نے کہا ہے مخفی نہیں ہے۔

آئمہ اہلسنّت رحمۃ اللہ علیہم ان کے عجز کے وجوہات میں، مختلف ہیں۔ ان میں سے بیشتر تو یہ فرماتے ہیں کہ ان کے عجز کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو لطیف معانی، چنیدہ الفاظ، حسن نظم اور اس کا اختصار لاجواب ترکیب و اسلوب جمع کئے گئے ہیں وہ کسی بشر کی طاقت میں نہیں ہے اور یہ ان خوارق میں سے ہے جن پر مخلوق کی قدرت محال ہے۔ مثلاً مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کو بدل کر اژدھا بنانا، کنکریوں کی تسبیح کرنا وغیرہ۔

اور شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ قرآن کریم ان معجزات ناممکنہ میں سے ہے کہ اس کا ہم مثل لانا کسی بشر کی قدرت و اختیار کے تحت داخل ہو۔ سوائے اس کے کہ اس پر اللہ تعالیٰ ان کو قدرت دے لیکن یہ بات نہ پہلے ہوئی اور نہ آئندہ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے اس کو محال کر کے ان کو اس سے عاجز کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس کی قائل ہے۔

بہرحال دونوں طریقوں سے اہل عرب کا عاجز ہونا ثابت ہو چکا اور ان پر حجت قائم ہو چکی ہے کہ جو مقدور بشر میں صحیح ہے اور ان سے معارضہ کرنا کہ اس جیسا لاؤ قطعی ہے اور ان کو عاجز کرنے کا عمدہ طریقہ ہے اور ان کو تنبیہہ کرنے کا بہترین اسلوب اور اس طرح پر حجت قائم کرنا کہ ان جیسا کوئی انسان ایسی شے لائے کہ انسان کی قدرت میں نہ ہو، لازمی ہے۔ یہ کھلا ہوا نشان اور دلیل قاطع ہے۔

بہرحال انہوں نے اس بارے میں کوئی کلام نہیں کیا بلکہ جلاوطنی اور قتل پر صبر کیا اور ذلت و حقارت کے پیالوں سے انہوں نے گھونٹ بھرا (یعنی جزیہ وغیرہ دینا گوارہ کیا) حالانکہ وہ لوگ ایسے اونچی ناک والے مغرور تھے کہ باختیار خود اس کو نہ گوارہ کر سکتے تھے اور لاچاری کے سوا نہ اس سے وہ راضی ہو سکتے تھے ورنہ اگر اس پر معارضہ کرنا ان کی قدرت میں ہوتا تو اس (ذلت و حقارت اور جلا وطنی وغیرہ) پر معارضہ کرنے میں مشغول ہونا ان کو آسان تھا اور کامیابی کے ساتھ قطع عذر اور اپنے مخالف کو خاموش کرانے میں ان کو بہت جلدی ہوتی۔

حالانکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو کلام پر قدرت تھی اور وہ کلام کی معرفت میں سب کے پیشوا تھے اور ان میں سے ہر ایک اس بات کا کوشاں تھا کہ وہ قرآن مجید کے ظہور کو خفا میں اور اس کے نور کو بجھانے میں اپنا سارا سرمایہ خرچ کر دے لیکن اس بارے میں انہوں نے اپنے منہ کی بیٹیوں (الفاظ) سے سینہ کا چھپا راز ظاہر نہ کیا اور اپنے میٹھے چشموں سے باوجود مدت دراز، کثرت تعداد، باپ بیٹوں کی باہمی کوشش سے تھوڑا سا قطرہ بھی نہ لائے۔ بلکہ وہ سب ناامید ہو گئے۔ پس وہ مایوس کئے گئے اور انہیں روک دیا گیا تو اس سے رک گئے۔ یہ قرآن مجید کے اعجاز کی دو قسمیں ہیں۔

پانچویں فصل

اعجاز قرآن کی تیسری وجہ

یہ ہے کہ وہ ان غیبی خبروں پر مشتمل ہے جو ابھی نہ ہوئیں اور نہ ان کا وقوع ہوا اور جتنے ہو چکے ہیں وہ ویسے ہی ہوئے۔ جیسے قرآن مجید نے خبر دی تھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ۔ (الفتح ۲۷)

ترجمہ تم ضرور داخل ہو گئے مسجد حرام میں جب اللہ تعالیٰ نے چاہا امن و آمان سے۔

اور فرماتا ہے: وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝ (الروم ۳)

اور وہ ہار جانے کے بعد ضرور غالب آئیں گے۔

اور فرماتا ہے: لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ۔ (الفتح ۲۸)

تاکہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر۔

اور فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنکُم وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ۔ (النور ۵۵)

ترجمہ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں۔

اور فرماتا ہے:

اِذَاجَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِرَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر ۱،۳)

ترجمہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ پہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کیلئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا ہے۔

یہ تمام کی تمام غیبی خبریں ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ چند سالوں میں روم فارس پر غلبہ حاصل کرے گا اور فوج در فوج لوگ اسلام میں داخل ہوں گے۔ جس وقت حضور ﷺ نے پردہ فرمایا تو اسلام اس وقت تک تمام بلاد عرب میں داخل نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں کی خلافت میں اسلام پہنچا اور ان کے زمانہ میں ان کے دین پر غلبہ حاصل ہوا اور مشرق و مغرب کے کناروں تک ان کی خلافت ہوئی۔

جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے لئے زمین سکیٹر دی گئی۔ میں اس کے مشرق و مغارب کو دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب میری امت کو وہ جگہ ملے گی، جتنی میرے پیش نظر ہے۔
(صحیح مسلم کتاب الفتن ۴/ ۲۲۱۵)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر ۹)

ترجمہ بیشک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید کو) اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

پس یہ قرآن مجید ایسا ہے کہ کوئی اس کے قریب تک نہیں جا سکتا کہ اس میں کسی قسم کا تغیر کر سکے اور کوئی ملحد و گمراہ اس کے محکمات کو بدل سکے۔ خصوصاً قرامطہ (کے ملاحدہ و معطلہ وغیرہ) کہ ان کے تمام مکر، دھوکے کی رسیاں اور ان کی طاقتیں آج تک یعنی پانچ سو سال تک (جو کتاب الشفاء کی تصنیف کا وقت ہے) رائیگاں گئیں اور اس کے نور کو تھوڑا سا بھی بجھانے پر قادر نہ ہوئے اور نہ اس کے کلام میں ادنیٰ سا تغیر کر سکے اور نہ اس کے حروف میں سے ایک حرف سے بھی مسلمانوں کو شک و شبہ میں ڈال سکے۔ والحمد للہ اور انہی غیبی خبروں میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ (القمر ۴۵)

ترجمہ عنقریب پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

اور فرماتا ہے:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ۔ (التوبہ ۱۴)

ترجمہ جنگ کرو ان سے عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے

اور فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ۔ (الفتح ۲۸)

ترجمہ وہ (اللہ) ہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر۔

لَنْ يَضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ۔ (العمران ۱۱۱)

ترجمہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا سوائے ستانے کے اور اگر لڑیں گے تمہارے ساتھ۔

اور انہی امور غیبیہ میں سے یہ بھی ہے کہ منافقوں کے بھید اور یہودیوں کی باتیں اور ان کی جھوٹی قسموں کا اظہار اور ان کو جھڑکنا وغیرہ جیسا کہ فرماتا ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ۔ (المجادلہ۔۸)

ترجمہ اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر

ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔

یَحفونَ فِی اَنْفُسِهِمْ مَّالَایُبْدُوْنَ لَکَ۔ (العمران ۱۵۴)

ترجمہ چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر۔

اور فرماتا ہے: مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ۔ (المائدہ۔۴۱)

ترجمہ ان لوگوں سے جو یہودی ہیں جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کیلئے۔

اور فرماتا ہے: یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ (المائدہ ۱۳)

وہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی اصلی جگہوں سے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کو جو مقدر کیا تھا اور مسلمانوں کا اعتقاد تھا، یوم بدر ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ۔ (الانفال ۷)

ترجمہ اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ تعالیٰ نے ایک کا ان دو گروہوں سے کہ وہ تمہارے لیے ہے اور تم پسند کرتے تھے کہ نہتہ گروہ تمہارے حصہ میں آئے۔

اور اسی امور غیبیہ کے اظہار میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ

اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَهْزِئِیْنَ ۝ (الحجر ۹۵)

ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کیلئے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے محفوظ کر دیا۔

(طبرانی، اوسط، دلائل النبوۃ، بیہقی، دلائل النبوۃ، ابونعیم ابن مردو یہ بسند حسن ضیاء فی المختار، عن ابن عباس ۵ / ۱۰۱، کمانی مناہل الصفاء للسیوطی / ۱۱۵)

اور ہنسنے والے مکہ میں چند لوگ تھے کہ لوگوں کو آپ ﷺ سے نفرت دلاتے تھے اور آپ کو ایذائیں دیتے تھے۔ پس ہلاک کر دیئے گئے اور اللہ ﷻ فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ ۶۷)

اور اللہ تعالیٰ بچالے گا آپ کو لوگوں (کے شر سے)۔

پس یہ ایسا ہی ہوا۔ باوجود یکہ آپ ﷺ کو بہت سے لوگوں نے ضرر پہنچانے اور آپ ﷺ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس بارے میں معروف احادیث صحیحہ مروی ہیں۔

چھٹی فصل

اعجاز قرآن کی چوتھی وجہ

قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس میں قرن ماضیہ، امم سابقہ، شرائع نافذۂ قدیمہ سے ان باتوں کی غیبی خبریں دی ہیں جن کو سوائے اہل کتاب کے ایک عالم کے جس نے اپنی عمر کو اس کے سیکھنے پر صرف کر دی تھی کوئی نہیں جانتا تھا اور نبی کریم ﷺ اس کو بالکل واقعہ کے مطابق ایسا بیان فرما دیتے تھے کہ وہ عالم آپ ﷺ کی تصدیق کرتا اور اس کو صحیح مانتا تھا۔ حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتا تھا جتنا آپ ﷺ بیان فرما دیتے تھے۔

لوگ یہ خوب جانتے تھے کہ آپ ﷺ امی ہیں۔ آپ ﷺ نے کہیں لکھنا پڑھنا بظاہر سیکھا نہ تھا اور نہ کسی مدرسہ میں بیٹھے اور نہ کسی اہل علم کی مجلس میں رہے اور نہ ان سے کسی وقت اوجھل رہے اور نہ ان میں سے کوئی آپ ﷺ کے حال سے ناواقف تھا اور اکثر اہل کتاب ہی آپ ﷺ سے پہلوں کے متعلق سوالات کرتے رہتے تھے۔ اس پر آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوتا اور آپ ﷺ اس کو پڑھ کر سناتے۔

جیسے وہ قصے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوم کے بارے میں ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی۔ اصحاب کہف، حضرت ذوالقرنین، حضرت لقمان اور ان کے بیٹے اور اس کے مثل دیگر اخبار قبلیہ ہیں۔

بدءِ خلق کی خبریں اور جو کچھ تورات و انجیل اور زبور اور حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں ہے، ذکر فرماتے جن کی علماء تصدیق کرتے تھے اور جو کچھ قرآن میں مذکور ہے اس کو جھٹلانے کی ان میں قدرت نہ تھی۔ بلکہ وہ انہیں یقینی جانتے تھے۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہوئے کہ انہیں سابقہ علم کی بنا پر ایمان کی توفیق ہوگئی اور کچھ بدبخت دشمن اور حاسد بن گئے۔ باوجود اس کے ہر ایک یہودی و نصرانی آپ ﷺ کی عداوت میں سخت اور آپ ﷺ کی تکذیب میں حریص تھا اور آپ ﷺ ان پر ان کی ہی کتابوں کے اقوال و احکام سے حجت کر کے ان کی سرزنش فرماتے اور جو ان کی کتابوں میں ہیں، اس کو بیان فرماتے۔

وہ لوگ حضور ﷺ سے کثرت سے سوالات کر کے انبیاء علیہم السلام کی غیبی خبروں اور ان کے علوم کے بھیدوں اور ان کی سیرت پاک کی خصلتوں اور امانتوں کے بارے میں آپ ﷺ کو رنج میں ڈالتے

تھے۔ آپ ﷺ ان کو ان کی شریعتوں کے چھپے ہوئے احکام اور ان کی کتابوں کے مضامین سے آگاہ فرماتے۔ مثلاً ان کا سوال روح حضرت ذوالقرنین، اصحاب کہف، حضرت عیسیٰ علیہ السلام حکم رجم اور وہ چیزیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام فرمائیں اور وہ جانور جو بنی اسرائیل پر حرام کیے گئے اور وہ پاک چیزیں جو ان کیلئے حلال تھیں مگر بغاوت وسرکشی کی وجہ سے ان پر حرام کردی گئیں۔ ان سب کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاتِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ۔ (الفتح ۲۹)

ترجمہ یہ ان کے اوصاف تورات میں (مذکور) ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام ۹/ ۸۲ صحیح مسلم ۴/ ۲۱۵۲، سنن ترمذی ۴/ ۳۶۶)

اور ان کی وہ باتیں جو قرآن مجید میں نازل ہوئیں (سوال کرتے رہتے) آپ نے ان کا جواب دیا اور ان کو باتیں بتلا دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی فرمائی۔ اس بارے میں کسی ایک نے بھی اس کا نہ انکار کیا اور نہ اس کو جھٹلایا۔ بلکہ ان کے اکثر لوگوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی صحت کی تصریح کی اور آپ ﷺ کے ارشادات کو سچ مانا اور آپ ﷺ کے ساتھ دشمنی وحسد کا اعتراف کیا جیسے نجران والے، ابن صوریا اور اخطب کے دونوں بیٹوں اور ان کے سوا دوسرے ہیں اور جس نے اس میں بہتان طرازی کی اور یہ دعویٰ کیا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ اس کے برخلاف ہے، جو آپ ﷺ بیان کرتے ہیں تو اس کو اپنی دلیل کے ثابت کرنے کی طرف بلایا اور اپنے دعویٰ کی وضاحت کو کہا گیا۔ چنانچہ حضور ﷺ سے فرمایا گیا: اے محبوب آپ ﷺ ان سے فرمادیں کہ توریت لاؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو (ظالموں تک) پھر ان کی سرزنش وتوبیخ فرمائی اور ممکن غیر ممتنع چیز کے لانے کی طرف بلایا۔ ان میں سے کچھ تو اپنے دانستہ انکار کے معترف ہوئے اور کچھ بے شرم ہو کر اپنی رسوائی کی وجہ سے اپنی کتاب پر ہاتھ رکھنے لگے اور یہ کسی سے بھی منقول نہیں کہ حضور ﷺ کے ارشادات کے خلاف کسی نے اپنی کتاب سے ظاہر کر کے دکھلایا ہو اور نہ صحیح کو ظاہر کیا اور نہ اپنی کتابوں سے ضعیف کو بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَآئَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○ (المائدہ ۱۵)

ترجمہ اے اہل کتاب! بیشک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں جنہیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے۔

ساتویں فصل

اعجاز قرآن بسبب تعجیز قوم

قرآن کریم کے معجزے کی یہ چار قسمیں ظاہر ہیں۔ ان میں نہ کسی کا نزاع ہے اور نہ شک۔ معجزے کی ان وجوہات مبینہ کے سوا وہ آیتیں بھی ہیں جو کسی قوم کی تعجیز کیلئے ان کے کسی معاملہ میں وارد ہیں اور ان کو اس کی خبر دے دی گئی کہ وہ ہرگز نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے کرنے پر قادر نہ ہوئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کیلئے فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً۔ (البقرہ ۹۴)

ترجمہ آپ فرمایئے اگر تمہارے لیے ہی دار آخرت (کی راحتیں) اللہ تعالیٰ کے ہاں مخصوص ہیں۔

ابو اسحٰق زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ یہ آیت ان پر بڑی حجت ہے اور رسالت کی صحت پر روشن دلیل ہے۔ فرمایا فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ (البقرہ ۹۴) بھلا آرزو تو کرو موت کی۔ اس نے ان کو خبردار کر دیا کہ وہ ہرگز کبھی بھی موت کی آرزو نہ کریں گے۔ تو ان میں سے کسی نے بھی موت کی تمنا نہ کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ قسم اس ذات کی جس کے دست قد ت میں میری جان ہے، ان میں سے کوئی بھی اگر اس کی تمنا کرے تو اس کے گلے میں تھوک اٹکے گا یعنی اسی وقت مر جائے گا۔ (دلائل النبوۃ بیہقی ۶/ ۲۷۴، مسند امام احمد ۱/ ۲۴۸)

پس اللہ تعالیٰ نے موت کی تمنا سے باز رکھا اور ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا تاکہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آتی ہے اس کی صحت ظاہر ہو جائے۔ اس لئے ان میں سے کسی نے اس کی تمنا نہ کی۔ باوجودیکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھٹلانے میں بہت حریص تھے اگر وہ اس کی قدرت رکھتے لیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جس کا ارادہ فرمائے۔ پس اس کے ساتھ اس کا معجزہ ظاہر ہوا اور اس کی حجت واضح ہو گئی۔

ابو محمد اصیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا یعنی یہودیوں کا عجیب معاملہ یہ ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا تو ان میں سے کوئی گروہ یا کوئی شخص بھی ایسا نہ پایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا اور جواب دیتا اور جو شخص آج بھی اس کے امتحان کرنے کا ارادہ رکھے تو یہ حکم آج بھی سامنے موجود ہے۔ اسی طرح اس معنی میں آیت مباہلہ ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے پادری آئے اور

انہوں نے اسلام کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر آیت مباہلہ نازل فرمائی اور فرمایا:

فَمَنْ حَآجَّكَ۔ (ال عمران ٦١)

پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی ٨ / ٩٣، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ ١٨٨٢/٤)

تو وہ اس سے باز رہے اور جزیہ دینے کی ذلت پر راضی ہو گئے۔ اس کا واقعہ یوں ہوا کہ عاقب جوان پادریوں کا سردار تھا، اس نے ان سے کہا:

تم یقیناً جانتے ہو کہ بیشک یہ نبی علیہ السلام ہیں اور یہ کہ جب بھی کسی نبی علیہ السلام نے کسی قوم سے مباہلہ کیا تو ان کا نہ بڑا رہا اور نہ چھوٹا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا۔ (البقرہ ٢٣، ٢٤)

ترجمہ اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے۔

اس میں ان کو خبر دے دی کہ وہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ آیت اگر چہ ''اخبار عن الغیب'' کے باب سے بھی ہے لیکن اس میں بھی عاجز کرنا پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے موجود ہے۔

آٹھویں فصل

اعجاز قرآن بسبب رعب ودبدبہ

قرآن کریم کے وجوہات اعجاز میں وہ رعب وقوت ہے جو اس کے سننے سے دلوں کو اور اس کے سنانے سے کانوں کو لاحق ہوتا ہے اور وہ ہیبت ہے جو اس کی تلاوت کے وقت اس کے جاہ وجلال سے دلوں کو پیش آتی ہے۔ یہ حالت اس کے جھٹلانے والوں پر بہت بڑی تھی یہاں تک کہ وہ اس کے سننے کو بھاری سمجھتے اور (یہ چیز) اس کی نفرت کو زیادہ کرتی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اوران کا اس کے پڑھنے کو نہ پسند کرتے ہو۔ یہ ان کی طبعی گرانی کی وجہ سے تھا۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا: اس شخص پر قرآن مجید سخت اور مشکل ہے (مسند الفردوس کمافی مناہل الصفاء للسیوطی ۱۱۶/) جو اس سے بیزاری کرے۔ کیونکہ وہ حاکم ہے۔ (یعنی حق و باطل میں تمیز کر دیتا ہے) لیکن مسلمان تو ہمیشہ اس کی تلاوت کرتے رہنے کی وجہ سے اس کے ہیبت وخوف کی تصدیق کرتے رہتے ہیں اور اس کو ہنسی خوشی اور میلان طبع کے ساتھ تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔

(الزمر ۲۳)

ترجمہ بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف سے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ۔ (الحشر ۲۱)

ترجمہ اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر۔

اور یہ دلیل اس امر پر کہ یہ قوت قرآن کریم کے ساتھ خاص ہے وہ یہ کہ جو شخص نہ اس کے معانی جانتا ہے اور نہ اس کی تفسیر، اس کو بھی رقت طاری ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ ایک نصرانی سے مروی ہے کہ وہ ایک قاری کے پاس گزرا اور وہ ٹھہر گیا۔ وہ روتا تھا۔ اس سے پوچھا گیا: کس نے تجھ کو رلایا۔ اس نے کہا کہ اس کی خوشی اور اس کے نظم نے اور یہی وہ قوت ہے جس کا ایک جماعت نے قبل اسلام اور بعد اسلام اعتراف کیا ہے۔ پس ان میں سے کچھ تو ابتداء ہی میں اسلام لا کر اس پر ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے کفر کیا۔

صحیح روایت میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب کی نماز میں سورۂ طور کو سنا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ○ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ○ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ○ (الطور ۳۷۔۳۸)

ترجمہ کیا وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی (خالق) کے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جما لیا ہے۔

تو قریب تھا کہ میرا دل اسلام کی طرف اڑ جائے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ پہلی بات تھی کہ اسلام کی عزت میرے دل میں بیٹھی۔ (صحیح بخاری ۶/۱۱۶، سنن ابن ماجہ ۱/۲۷۲)

عتبہ بن ربیعہ سے مروی ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، اپنی قوم کے اختلاف کے بارے میں بات کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر تلاوت فرمایا:

حم ○ فُصِّلَتْ (الی قولہ) صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ۔ (حم السجدہ ۱۔۱۳)

تو عتبہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اپنے قرابت داری کی قسم دلاتے ہوئے کہا کہ بس کیجئے۔ (تفسیر بغوی ۴/۱۱۰، تفسیر درمنثور ۷/۳۰۸)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ رہے تھے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھے سن رہا تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ تک پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور عتبہ کھڑا ہوا اور نہیں جانتا تھا کہ کدھر لوٹے یا اس کا جواب دے۔ وہ اپنے گھر میں گیا اور اپنی قوم کی طرف نہیں گیا۔ یہاں تک وہ لوگ آئے۔ اس نے ان سے معذرت چاہی اور کہا کہ خدا کی قسم!

انہوں نے مجھ سے ایسا کلام کیا۔ واللہ میرے کانوں نے کبھی ایسا نہ سنا اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا جواب دوں۔ اس کے سوا بہت سے ایسے لوگوں نے بیان کیا کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت و معارضت کرتے رہتے تھے کہ ان کو خوف و ہیبت طاری ہو جاتی جس سے وہ رک جاتے تھے۔

مروی ہے کہ ابن مقفع نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معارضہ کرنا چاہا۔ وہ چلا اور قصہ بیان کرتا رہا۔ وہ ایک بچے پر گزرا کہ وہ تلاوت قرآن مجید کر رہا تھا۔

وَقِيْلَ يٰاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآئَكِ۔ (ھود ۴۴)

اور حکم دیا گیا اے زمین ! نگل لے اپنے پانی کو۔

وہ لوٹ آیا اور جو اس نے کیا تھا اس کو مٹا دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ان کا معارضہ نہیں ہوسکتا۔ وہ انسان کا کلام ہی نہیں ہے۔ حالانکہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فصیح تھا۔

یحییٰ ابن حکم غزال اپنے زمانہ میں اندلس کا سب سے زیادہ بلیغ شخص تھا۔ تو مروی ہے کہ اس نے اس میں کچھ معارضہ کیا۔ جب اس نے سورۂ اخلاص پر غور کیا کہ اس پر اس کا مثل لائے اور اپنے گمان میں اس طرز پر لکھے تو اس نے کہا کہ مجھے ایسی ہیبت ورقت طاری ہوگئی کہ اس نے مجھے توبہ اور رجوع کی طرف پھیر دیا۔

نویں فصل

قرآن ہمیشہ رہے گا

قرآن مجید کے بیان کئے ہوئے وجوہات اعجاز میں سے ایک یہ معجزہ ہے کہ اس کی آیتیں باقی رہنے والی ہیں کبھی معدوم نہ ہوں گی، جب تک دنیا باقی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر ۹)

ترجمہ بیشک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید کو) اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اور فرمایا:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ (حم السجدہ ۴۲)

ترجمہ اس کے نزدیک نہیں آ سکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔

انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات اپنی مدتوں کے گزرنے کے بعد ختم ہو گئے۔ اب سوائے ان کی خبروں کے کوئی باقی نہیں لیکن قرآن مجید کی آیتیں روشن اور اس کے معجزات ظاہر ہیں۔ آج تک کہ اس کے اوپر پانچ سو پینتیس سال گزر چکے ہیں۔ (جو کتاب الشفاء کی تصنیف کا وقت ہے)

اس کے ابتداء نزول سے لے کر ہمارے وقت تک برابر یہ حجت قاہرہ ہے۔ اس کا معارضہ محال ہے اور ہر زمانہ میں اہل بیان، حاملان علم لسان (زبان)، ائمہ بلاغت، شہسواران کلام، اساتذۂ کاملین موجود رہے ہیں۔ (بفضلہ تعالیٰ سب کے سب اس کے معارضہ سے دشمن اسلام عاجز رہے ہیں) باوجودیکہ ملحدین (ہر زمانہ میں) بکثرت تھے اور دشمنان دین وشریعت ہر وقت تیار رہے مگر ان میں سے ایک بھی جو اس کے معارضہ پر اثر انداز ہو نہ لا سکا اور نہ اس کے جواب میں کوئی اور کلمہ مرتب کر سکا اور نہ صحیح وہ طعن کر سکے اور نہ کسی نے بتکلف اپنے ذہن سے ایسی جرح کی مگر یہ کہ وہ چقماق کے ساتھ بخیل رہا۔ ہر دور میں یہ بات منقول رہی کہ جس نے بھی اس کے معارضہ کا ارادہ کیا اس نے اپنے ہاتھوں کو عجز میں ڈالا اور ایڑیوں کے بل الٹا واپس ہونا پڑا۔

دسویں فصل

اعجاز قرآن کی مختلف وجوہات

ائمہ ومقلدین امت رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت نے قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس کا پڑھنے اور سننے والا کبھی سیر نہیں ہوتا اور نہ وہ اکتاتا ہے بلکہ اس کی تلاوت کی زیادتی میں مزید شیرینی اور لذت پاتا ہے اور اس کو بار بار پڑھنے سے اس کی محبت جڑ پکڑتی جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ تروتازہ رہتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور کلام اگرچہ وہ کتنی ہی خوبی ولا انتہائی بلیغ ہو اس کو بار بار پڑھنے سے دل اکتا جاتا ہے اور جب اس کا اعادہ کیا جائے تو طبیعت بیزار ہو جاتی ہے۔

اور ہماری کتاب قرآن کریم کو اس سے تنہائیوں میں لذت حاصل کی جاتی ہے اور خاص حالتوں میں اس کی تلاوت سے طبیعت کو انس وراحت ہوتی ہے اور اس کے سوا دوسری کتابوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ حتی کہ ان کتابوں کے موجدین یا ماننے والوں نے اس کیلئے راگ اور طریقے نکالے ہیں اور اس کے پڑھتے وقت ان راگوں کے ذریعے خوشی کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ وہ بار بار پڑھنے میں زیادتی کے باوجود متغیر اور پرانا نہ ہوگا اور نہ اسکی عبرتیں ختم ہوں گی اور نہ اس کے عجائبات فنا ہوں گے۔ وہ قول فیصل ہے کھیل کو د نہیں ہے۔ کبھی علماء اس سے سیر نہ ہوں گے اور نہ طبیعتیں اس سے بھریں گی اور نہ زبانیں اس سے مشتبہ ہوں گی۔ (ہر کلام میں خدا کا کلام ممتاز رہتا ہے)

(سنن ترمذی کتاب فضائل قرآن ۴/ ۲۴۴، دارمی کتاب فضائل قرآن ۲/ ۴۳۱)

یہ وہ کلام ہے کہ جب جنات نے اس کو سنا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہم نے عجیب قرآن مجید سنا کہ جو بھلائی کی ہدایت فرماتا ہے۔

ان (وجوہ اعجاز) میں سے ایک یہ ہے۔ قرآن کریم تمام علوم و معارف کا مجموعہ ہے عام طور پر جس سے اہل عرب ناواقف تھے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خصوصیت کے ساتھ قبل نبوت اس کی معرفت سے نا آشنا تھے اور نہ ان کے ساتھ ان کی مداومت تھی اور نہ ان کا کوئی گزشتہ امتوں کے علماء احاطہ کر سکے اور نہ ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ان پر مشتمل تھی۔ قرآن مجید میں شریعتوں کے علوم جمع کئے گئے اور دلائل عقلیہ کے طریقہ پر اس میں تنبیہ کی گئی۔ گزشتہ امتوں کے فرقوں کے

براہین قویہ ادلہ بینہ کے ساتھ آسان لفظوں میں مختصر مفہوموں سے رد کیا گیا۔ ہوشیار وزیرک لوگوں نے اس کی مثل دلائل لانے میں معارضہ کرنا چاہا وہ اس پر قادر نہ ہوسکے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ۔ (یٰسین ۸۱)

ترجمہ کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی چھوٹی سے مخلوق۔

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ (یٰسین ۷۹)

ترجمہ آپ فرمائیے (اے گستاخ سن) زندہ فرمائیگا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔

اور فرمایا:

لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (الانبیا ۲۲)

ترجمہ اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو دونوں برباد ہو جاتے۔

یہاں تک کہ قرآن نے ان کو گھیر لیا ہے۔ خواہ وہ سیرت کے علوم ہوں یا گزشتہ امتوں کی غیبی خبریں، نصیحتیں، حکمتیں، قیامت کی خبریں، محاسن، آداب وخصلت وغیرہ۔ اللہ فرماتا ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ۔ (الانعام ۳۸)

ترجمہ نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو۔

اور فرمایا:

وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ۔ (النحل ۸۹)

ترجمہ اور ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا۔

نیز فرمایا:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ۔ (الزمر ۲۷)

ترجمہ اور ہم نے بیان کی ہیں لوگوں کے لیے اس قرآن مجید (حکیم) میں ہر قسم کی مثالیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بیشک اللہ نے قرآن مجید کو حکم دینے والا تنبیہہ کرنے والا، سیدھے راستہ کی ہدایت کرنے والا اور مثالوں کے ذریعہ تم سے پہلی گزشتہ امتوں کی خبروں اور غیبی باتوں کا بتانے والا اور تمہارے بعد والوں کے غیبی حالات وخبریں اور جو تمہارے سامنے ہے، ان کا حکم بیان کرنے والا کلام نازل فرمایا:

جو بار بار پڑھنے کے باوجود وہ پرانا نہ ہو اور نہ اس کے عجائبات ختم ہوں۔ وہ حق ہے کھیل کود

نہیں ہے جس نے اس کے ساتھ کہا سچ کہا اور جس نے اس کے موافق حکم دیا انصاف کیا اور جس نے اس کے ساتھ حجت کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس کے ساتھ تقسیم کی اس نے عدل کیا جو اس پر عمل کرے گا ثواب پائے گا اور جو اس کو مضبوط تھامے گا وہ صراط مستقیم کی ہدایت پائے گا۔

اور جس نے اس کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈا اس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اور جس نے اس کے بغیر حکم دیا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے گا۔ وہ حکمت والا ذکر، نور مبین ہے، صراط مستقیم ہے، اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، نفع بخش شفا ہے۔ حفاظت اس کو جو اس کے ساتھ تمسک کرے، نجات ہے اس کو جو اس کا اتباع کرے وہ ٹیڑھا نہ ہوگا کہ اس کو سیدھا کیا جائے۔ وہ کجرو نہیں ہے کہ عتاب کا مستحق بنے۔ اس کے عجائبات ختم نہ ہوں گے۔ اور کثرت تلاوت اس کو متغیر و پرانا نہ کرے گی۔

(سنن ترمذی کتاب فضائل قرآن ۴/ ۲۴۴، دارمی کتاب فضائل قرآن ۲/ ۴۳۱)

اسی کے مثل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس بارے میں انہوں نے کہا کہ نہ اس میں اختلاف ہے نہ جدت طرازی۔ اس میں اولین و آخرین کی غیبی خبریں ہیں۔ (مستدرک ۲/۲۸۹)

ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تم پر توریت کی باتیں اتاروں گا جس کے ذریعہ اندھی آنکھیں، بہرے کان اور دلوں کے پردے کھل جائیں گے۔ اس میں علوم کے دریا بہتے ہوں گے جو حکمتوں کا فہم اور دلوں کی بہار ہوگی۔ (مصنف ابن شیبہ کمانی مناہل الصفاء للسیوطی ۱۱۸/)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تم قرآن مجید کو لازم پکڑو کہ یہ عقلوں کی سمجھ اور حکمت کا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ۝ (النمل ۷۶)

ترجمہ بلاشبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کے سامنے اکثر ان امور (کی حقیقت) جن میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں۔

اور فرمایا:

هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًی۔ (ال عمران ۱۳۸)

ترجمہ یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے اور ہدایت۔

قرآن کریم میں باوجود مختصر الفاظ اور جوامع کلمات ہونے کے ان کتابوں کی بہ نسبت جو اس سے پہلی ہیں اور ان میں دگنے الفاظ ہیں، دگنے چوگنے معانی جمع کئے گئے ہیں۔

ان میں سے ایک معجزہ قرآن مجید میں دلیل و مدلول کے مابین جمع کرنے میں ہے یہ اس طرح

پر کہ جس نے نظم قرآن مجید کے ساتھ اس کے وصف اور اس کے اختصار و بلاغت کی عمدگی سے بحث پکڑی اسی بلاغت کے درمیان سے اس کا امر اس کی نہی اور وعدہ وعید بھی موجود پائے گا۔ پس تلاوت کرنے والا حجت و تکلیف کے ساتھ ہی ایک ہی کلام یا ایک ہی سورت سے اس کو سمجھ لے گا۔

ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو ایسے نظم و ترتیب میں رکھا ہے کہ جو پہلے رائج نہ تھی۔ اس کو نثر کا مقام بھی نہیں دے سکتے کیونکہ نظم طبیعتوں میں زیادہ آسان ہوتی ہے اور دل اس کو جلدی یاد کر لیتا ہے اور کان اس سے زیادہ آشنا ہوتے ہیں اور طبیعتوں کو زیادہ مرغوب ہوتی ہے۔ پس لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں اور خواہشیں اس کی طرف زیادہ جاتی ہیں۔

ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حفظ کرنا متعلم کیلئے آسان کر دیا اور حفظ کرنے والوں کو اس کا یاد رکھنا سہل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔ (القمر۲۲)

ترجمہ بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کیلئے۔

اور گزشتہ امتوں میں سے کوئی بھی اپنی کتابوں کو یاد نہیں کرتا تھا تو اب سالہا سال گزر جانے کے بعد کیسے یاد کریں گے اور قرآن کریم تو تھوڑی مدت میں بچوں کیلئے یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔

ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ اس کا ایک جز دوسرے جز کے مشابہ ہے۔ تالیف کے انواع اور ترکیب جمل کے اقسام میں اس کی عمدگی اور ایک قصہ سے دوسرے قصہ کی طرف اور ایک باب سے دوسرے باب کی طرف باوجود اختلاف معانی کے خوبی سے انتقال کرنا اور ایک ہی سورہ میں امر نہی، خبر، استفہام، وعد و وعید، اثبات نبوت و توحید، تفرید و ترغیب و ترہیب وغیرہ فوائد اس کے فصلوں میں بغیر کسی خلل کے واقع ہونے کے موجود ہونا۔

حالانکہ کلام فصیح میں جب اس قسم کی باتیں آجائیں تو اس کی قوت میں کمزوری آجاتی ہے اور اس کی مضبوطی نرم ہو جاتی ہے اور اس کی رونق کم ہو جاتی ہے اور اس کے الفاظ مضطرب ہو جاتے ہیں (مگر قرآن کریم میں اصلا فرق نہیں آتا) اب تم سورہ ص کے ابتدائی حصہ پر غور کرو کہ اس میں کس طرح کفار کی خبریں، ان کی شقاوتیں اور ان سے پہلے گزشتہ زمانوں میں لوگوں کی ہلاکت بیان کرنے کے ساتھ ان کے تعجب کا جواب ذکر کیا ہے اور ان کی جماعت کا کفر پر جمع ہونا اور ان کی باتوں سے حد کا ظاہر ہونا، ان کو عاجز کرنا، ان کو ذلیل کرنا اور ان کو دنیا و آخرت کی رسوائی سے

ڈرانا، ان سے پہلی امتوں کا جھٹلانا، اللہ تعالیٰ کا ان کو ہلاک کرنا ان سب کی وعید ان کی مصیبتوں کی طرح، ان کی اذیتوں پر حضور ﷺ کا صبر فرمانا، آپ ﷺ کو گزشتہ نبیوں کے ذکر سے تسلی دینا۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ دوسرے نبیوں کے قصوں کا ذکر کرنا یہ سب باتیں مختصر کلام میں اور عمدہ ترتیب سے لانا (یہ قرآن مجید کا خاص معجزہ ہے)

اور ان (وجوہ اعجاز) میں سے ایک یہ ہے کہ بہت سے ایسے جملوں کو جو تھوڑے کلمات پر مشتمل ہیں (بیان کرنا) یہ ساری باتیں اور بہت سی وہ باتیں جو ہم نے وجوہ اعجاز قرآن مجید میں بیان کی ہیں، ان کو یہاں ذکر نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے اکثر بلاغت کے فن سے متعلق ہیں۔ ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اس کے اعجاز میں ایک تنہا فن اس کتاب میں جو فن بلاغت میں نہیں ہے، تفصیل کے ساتھ بیان کریں۔ اسی طرح بہت سی وہ وجوہ جو ہم نے آئمہ رحمہم اللہ سے نقل کر کے پہلے بیان کیا ہے۔ اس کے خواص اور فضائل میں نہ تو ان کے اعجاز کا اعادہ کرنا مناسب جانا۔

حقیقتاً قرآن کریم کے وجوہ اعجاز تو وہ چار ہی ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ انہیں پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ قرآن کریم کے خواص اور اس کے عجائبات سے متعلق ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گے۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ۔

گیارہویں فصل

معجزۂ شق القمر وحبس الشمس

(چاند کے پھٹنے اور سورج کے رکنے کا معجزہ)

اللہ فرماتا ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُo (القمر۱)

قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا۔

اور فرمایا:

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ (القمر۲)

ترجمہ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ماضی کے صیغہ سے چاند کے ٹکڑے ہونے کی خبر دی اور اس پر کفار کے اعراض اور انکار آیت کی خبر دی۔ مفسرین اہل سنت کا اس کے وقوع پر اجماع ہے۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالا سناد روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور دوسرا پہاڑ کے پیچھے۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گواہ رہو یعنی دیکھ لو۔

مجاہد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور اعمش رضی اللہ عنہ کی بعض روایتوں میں ہے کہ منیٰ میں یہ واقعہ ہوا اور یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اسود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور کہا یہاں تک کہ میں نے پہاڑ کو اس کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

اس بارے میں مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ واقعہ مکہ میں ہوا اور یہ زیادہ صحیح ہے کہ تب کفار قریش نے کہا: تم پر ابن ابو کبشہ نے جادو کیا۔

ان میں سے ایک مرد نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاند پر جادو کریں تو وہ جادو اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ تمام روئے زمین مسحور ہو جائے۔ بس ان سے پوچھو جو دوسرے شہروں سے آ رہے ہیں۔ کیا انہوں نے یہ دیکھا ہے۔

جب وہ آئے تو ان سے پوچھا۔ انہوں نے اس کی خبر دیتے ہوئے کہا کہ ایسا، ایسا سب نے دیکھا ہے۔

اسی کے مثل ضحاک رضی اللہ عنہ سے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ تب ابوجہل کہنے لگا: یہ جادو ہے۔ تم باہر کے لوگوں کی طرف بھیجو تاکہ دیکھیں کہ انہوں نے یہ دیکھا ہے یا نہیں۔ تو باہر والوں نے خبر دی کہ انہوں نے چاند ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ تو اس وقت کفار نے کہا۔ هَٰذَا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ یہ ہمیشہ کا جادو ہے۔ اس کو علقمہ رضی اللہ عنہ نے بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
(صحیح بخاری کتاب مناقب ۴/ ۱۶۵، صحیح مسلم کتاب منافقین ۴/ ۱۲۵۸، تفسیر درمنثور ۷/ ۶۷۰، مسند امام احمد ۱/ ۴۱۲)

یہ چار راوی تو وہ ہیں جنہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے صحابہ نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ جیسا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔
چنانچہ ان میں سے حضرت انس (صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/ ۱۶۰، صحیح مسلم کتاب علامات منافقین ۴/ ۲۱۵۸) ابن عباس (صحیح بخاری کتاب المعقاب ۴/۱۶۰ صحیح مسلم کتاب علامات منافقین ۴/ ۲۱۵۹) ابن عمر (سنن ترمذی ۵/ ۲/ ۷۷، صحیح مسلم کتاب علامات منافقین ۴/ ۲۱۵۹) حذیفہ (تفسیر درمنثور ۸/ ۶۷۱) علی (دلائل النبوۃ بیہقی ۲/ ۲۶۸، مسند امام احمد ۴/ ۸۱) جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم (ترمذی، مسند امام احمد، مستدرک، بحوالہ تفسیر درمنثور ۷/ ۶۷۱) ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سے کہا: چاند دو ٹکڑے ہوا اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کو کوئی نشانی دکھائیں تو ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان کوہ حرا نظر آتا تھا۔

قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور معمر رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا دوسروں کی روایت میں جو کہ قتادہ رضی اللہ عنہ اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دو مرتبہ تاکید کے ساتھ دکھایا۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔
اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ (القمر۱)

روایت کیا اس کو جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے محمد اور ان کے برادرزادے جبیر ابن محمد رضی اللہ عنہ نے اور روایت کیا اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے اور روایت کیا

اس کو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مجاہد رضی اللہ عنہ نے اور روایت کیا اس کو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ابوعبد الرحمٰن سلمی رضی اللہ عنہ اور مسلم بن ابی عمران ازوی رضی اللہ عنہ نے۔ (ان تمام کے حوالجات ابھی گزرے ہیں)

ان حدیثوں کے اکثر طرق (اسناد) صحیح ہیں اور آیہ کریمہ اس کی تصحیح کرتی ہے اور اس باطل اعتراض کے طرف التفات نہ کرنا چاہئے کہ اگر یہ ہوتا تو اہل زمین پر پوشیدہ نہ رہتا کیونکہ وہ شمسی سب پر ظاہر ہے اور یہ اعتراض اس لئے (باطل) ہے کہ ہمارے پاس یہ بات اہل زمین کی طرف سے منقول نہیں ہے کہ وہ اس رات گھات میں لگے رہے ہوں اور انہوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہوتے نہ دیکھا اور اگر ہم تک ایسے لوگوں کی روایت منقول بھی ہوتی جن کا جھوٹ پر بوجہ کثرت میلان جائز نہیں تو تب بھی ہم پر یہ حجت نہیں ہوتی۔

کیونکہ چاند تمام زمین والوں کیلئے ایک حال پر نہیں ہوتا۔ بلاشبہ ایک قوم پر دوسری قوم سے پہلے طلوع کرتا ہے اور کبھی زمین میں سے ایک قوم پر دوسری کی طرف مخالف سمت میں ہوتا ہے یا قوم اور اس کے درمیان بادل یا پہاڑ حائل ہو۔ (کیا تم دیکھتے نہیں) کہ ہم بعض شہروں میں چاند گرہن پاتے ہیں اور بعض میں نہیں اور کسی شہر میں گرہن جزوی ہوتا ہے اور کسی میں پورا اور بعض جگہ اس کو صرف وہی پہچانتے ہیں جو اس علم کے مدعی ہیں۔

ذَالِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ (الانعام ۹۶)

یہ برتر علیم کی قدرت ہے۔

اور یہ کہ چاند کا معجزہ تو رات کے وقت تھا اور عادتاً لوگوں میں رات کو آرام و سکون ہوتا ہے۔ دروازے بند ہوتے ہیں اور کام کاج سے علیحدہ اور آسمان کے امور کو ان لوگوں کے سوا جو کہ اس کے منتظر ہوں اور اس کی گھات میں ہوں کم لوگ پہچانتے ہیں۔۔ اسی لئے چاند گرہن اکثر ملکوں میں نہیں ہوتا اور اکثر لوگ اس کو جانتے ہی نہیں چہ جائیکہ اس کی خبر دیں اور اکثر ثقہ حضرات بتاتے ہیں جو انہوں نے عجائبات کا مشاہدہ کیا ہے۔ یعنی آسمان پر چمک، بڑے بڑے ستارے آسمان پر رات کو چڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن اور کسی کو ان کا علم نہیں ہوتا۔

حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مشکل الحدیث'' میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے دو طریقوں سے حدیث کی تخریج کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے گود میں سر مبارک رکھے محو استراحت تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے نماز عصر ادا نہیں کی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی کرم اللہ وجہہ الکریم تم نے

نماز پڑھ لی؟ عرض کیا: نہیں۔ تب آپ نے دعا کی: اے خدا یہ تیری اطاعت میں اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے تو ان پر سورج کو واپس کر دے۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتے دیکھا اور پہاڑوں اور زمین پر ٹھہرا رہا۔ (طبرانی کما فی مناہل الصفاء للسیوطی ۱۱۹/)

یہ واقعہ خیبر کے راستہ میں منزل صہباء کا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں اور ان کے راوی معتبر ہیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ اس شخص کو جو علم سے واقف ہے، زیبا نہیں کہ حدیث اسماء رضی اللہ عنہا کی صحت سے تخلف (اختلاف) کرے اس لئے کہ یہ علامات نبوت میں سے ہے۔

یونس بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''زیادۃ المغازی'' میں روایت کرتے ہیں۔ یہ روایت ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے قافلوں کی خبر اور اونٹوں کی علامتیں بتائیں تو انہوں نے کہا: وہ کب آئیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ چہارشنبہ کو آئیں گے۔

پس جب وہ دن آیا تو قریش کے شرفاء انتظار کرنے لگے اور دن گزرنے لگا اور قافلہ نہیں آیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو ایک گھڑی دن زیادہ ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورج رکا رہا۔

بارھویں فصل

انگشتہائے مبارک سے پانی بہنا اور آپ ﷺ کی برکت سے اس کا زیادہ ہونا

اس بارے میں احادیث بہت زیادہ مروی ہے اور حضور ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا بہنا صحابہ کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ ان میں سے حضرت انس، جابر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بالا سناد روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے حال میں دیکھا کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا اور لوگ پانی تلاش کر رہے تھے۔ مگر پانی نہ ملا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور اپنے دست مبارک کو اس برتن میں رکھ دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی ابلتے ہوئے دیکھا۔ پس لوگوں نے وضو کیا یہاں تک کہ دوسروں نے (یعنی) سب نے وضو کیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے اور کہا کہ ایک برتن جس میں پانی تھا اپنی انگلیوں کو اس میں ڈبو دیا اور برابر ڈبوئے رکھا۔ بعد کو پوچھا تم کتنے تھے؟

انہوں نے کہا کہ تین سو آدمی تھے اور ایک روایت میں انہی سے ہے کہ وہ بازار کے نزدیک مقام زوراء میں تھے۔ نیز اس کو حمید، ثابت اور حسن رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

حمید رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ میں نے کہا: تم کتنے تھے؟ انہوں نے کہا: ہم اسی (۸۰) تھے۔ اسی کے مثل ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ستر (۷۰) آدمیوں کے قریب تھے لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری کتاب مناقب ۱۵۴/۴) نے علقمہ رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت میں جو انہیں سے مروی ہے روایت کی۔ جس اثناء میں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارے پاس پانی نہ تھا تو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس بچا ہوا پانی ہو مانگ لو۔ پانی لایا گیا اور اس کو برتن میں ڈال دیا تو آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ تب پانی آپ کی انگلیوں سے چشموں کی مانند ابلتا تھا۔

اور سالم بن ابی جعدہ رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت میں ہے جو جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حدیبیہ کے

دن لوگ پیاسے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک چمڑے کا برتن تھا تو آپ نے اس سے وضو کیا اور لوگوں نے آگے ہو کر عرض کیا: ہمارے پاس پانی نہیں۔ صرف وہی پانی ہے جو آپ ﷺ کے برتن میں ہے۔ تو حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک برتن میں رکھ دیا پس پانی آپ ﷺ کی انگلیوں سے چشمے کی مانند جوش مارنے لگا اور اس حدیث میں ہے کہ میں نے کہا: تم کتنے تھے؟ فرمایا: اگر ایک لاکھ آدمی بھی ہوتے تو ہمیں وہ پانی کفایت کرتا۔ ہم صرف پندرہ سو آدمی تھے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/ ۱۵۳)

اسی کی مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اس میں یہ ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے۔ رسید بن عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو جابر رضی اللہ عنہ سے مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی طویل حدیث میں غزوہ بواطہ میں مذکور ہے۔ کہا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جابر رضی اللہ عنہ! وضو کیلئے آواز دو اور لمبی حدیث بیان کی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ سوائے چند قطروں کے مشکیزے میں پانی نہ تھا۔ تب مشکیزہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا۔ مجھے معلوم نہیں کیا پڑھا۔ پھر فرمایا: قافلہ کے ڈول کو لاؤ۔ میں نے لا کر حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔

(مقدمہ سنن دارمی ۱/ ۱۴)

راوی نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ڈول میں رکھا اور انگلیاں پھیلا دیں اور جابر رضی اللہ عنہ نے اس پر وہ پانی ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بسم اللہ۔

راوی نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مار رہا تھا۔ پھر وہ ڈول کا پانی جوش مارنے لگا اور گھومنے لگا۔ حتی کہ ڈول بھر گیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو پانی پینے کا حکم دیا۔ سب نے خوب پیا یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے۔ میں نے کہا: کوئی باقی ہے جس کو پانی کی حاجت ہو؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو ڈول سے نکال لیا اور وہ ویسا ہی بھرا ہوا تھا۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ کی خدمت میں پانی کا برتن لایا گیا اور عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ ہمارے پاس پانی نہیں ہے بجز اس کے جو اس برتن میں ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو بڑے برتن میں ڈال دیا اور اپنی انگلی کو اس کے درمیان میں رکھا اور پانی میں ڈبو دیا۔ لوگ آتے تھے اور وضو کر کے کھڑے ہوتے جاتے تھے۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس باب میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔

(صحیح بخاری کتاب مناقب ۱۵۲/۴)

(خلاصہ کلام یہ کہ) ایسے بڑے جلسوں اور مجمع کثیر میں کسی راوی پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔ اس لئے کہ صحابہ کرام ایسے شخصوں کو جو غلط خبر دے بہت جلدی جھوٹا کہہ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کی جبلت میں یہ بات تھی اور اس لیے بھی کہ صحابہ کرام باطل پر خاموش رہنے والے نہ تھے۔ انہیں صحابہ نے بیشک اس کو روایت کیا ہے اور اس کی اشاعت کی اور حضور ﷺ کی طرف جم غفیر کے سامنے نسبت کی ہے۔ کسی نے بھی ان میں سے ان لوگوں پر جنہوں نے ان سے روایت کیا کہ انہوں نے یہ کہا اور مشاہدہ کیا ہے، انکار نہیں کیا۔ تو اب ایسا ہو گیا کہ گویا ان سب نے اس کی تصدیق کی ہے۔

تیرھویں فصل

مزید معجزات

اس کے مشابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے زمین پھاڑ کر پانی کا نکلنا ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھونے یا دعا کرنے سے ہوتا تھا۔ اس بارے میں وہ روایت ہے جو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''موطا'' میں فرمائی۔

غزوۂ تبوک کے قصہ میں معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام ایک ایسے چشمہ پر اترے جس میں جوتی کے تسمہ کی مانند پانی نکلتا تھا۔ صحابہ چلو لگا دیتے جب وہ بھر جاتا تو کسی برتن میں جمع کر لیتے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس پانی سے اپنا چہرۂ انور اور دست مبارک دھو لئے تو اس غسالہ مبارکہ کو اس چشمہ میں لوٹا دیا۔ پھر تو پانی بکثرت جاری ہو گیا۔ سب نے خوب پیا۔ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں کہتے ہیں پھر تو پانی زمین پھاڑ کر اس تیزی اور شور سے نکلا جیسے کڑک کی آواز ہوتی ہے۔ پھر کہا: اے معاذ رضی اللہ عنہ اگر تمہاری زندگی ہوئی تو دیکھو گے کہ اس جگہ سرسبز و شاداب باغ ہوں گے۔
(صحیح مسلم کتاب فضائل ۱۷۸۴/۴)

براء اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اور یہ حدیث قصہ حدیبیہ میں زیادہ مکمل ہے کہ صحابہ کرام چودہ سو تھے اور وہ کنواں صرف اتنا تھا کہ اس سے پچاس بکریاں پانی پیتی تھیں تو ہم نے اس سے پانی بھر لیا اور اس میں ایک قطرہ پانی نہ چھوڑا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کنارے تشریف فرما ہوئے۔ براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس میں سے ڈول لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی۔ (صحیح بخاری کتاب مناقب ۱۵۴/۴)

سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر یا تو لعاب دہن ڈالا یا دعا فرمائی۔ تو اس نے جوش مارا پھر تو تمام اس سے سیراب ہوئے اور اپنے جانوروں کو پلایا۔ (صحیح مسلم کتاب، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱۱۹/۴)

ان دونوں روایتوں کے علاوہ اس قصہ حدیبیہ میں ابن شہاب کی سند سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکش سے تیر نکالا اور اس کو ایسے گڑھے کے وسط میں رکھا جس میں پانی نہ تھا۔ تو سب لوگ خوب سیراب ہوئے یہاں تک کہ اونٹوں کو پانی پلا کر دوبارہ پینے کیلئے بٹھا دیا۔ (اسی کو عطن کہتے ہیں)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

ایک سفر میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے آفتابہ (وضو کرنے کا برتن) منگوایا۔ اس کو بغل میں رکھا پھر اس کے منہ کو اپنے دہن اقدس میں رکھا۔ واللہ اعلم آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا یا نہیں۔ تو لوگوں نے خوب سیراب ہو کر پیا اور جتنے برتن ان کے پاس تھے سب کو بھر لیا۔ مجھے خیال آیا کہ وہ تو ایسا ہی ہے جیسے مجھ سے آپ ﷺ نے لیا تھا۔ حالانکہ وہ بہتر (۷۲) آدمی تھے۔ اس کی مثل عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۱۳۴/۶)

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے خلاف بیان کی ہے جو صحاح میں مذکور ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اہل موتہ کی مدد کیلئے اس وقت نکلے جب آپ کو یہ خبر ملی تھی کہ بڑے بڑے صحابہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ طویل حدیث بیان کی جس میں آپ ﷺ کے بہت سے معجزات اور نشانیاں ہیں۔ اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو بتایا کہ کل ان کو پانی نہیں ملے گا اور آفتابہ والی حدیث کو بیان کیا اور کہا کہ وہ لوگ تقریباً تین سو تھے۔

(دلائل النبوۃ بیہقی ۱۳۲/۶)

کتاب مسلم میں ہے آپ ﷺ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے لئے اپنے آفتابہ کی حفاظت کرنا عنقریب اس سے ایک غیبی خبر نمودار ہوگی اور اس کی مثل بیان کیا۔

اس بارے میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو پیاس لگی۔ تو آپ ﷺ نے اپنے دو صحابہ کو بھیجا اور بتایا کہ فلاں جگہ تم کو ایک عورت ملے گی جس کے ساتھ ایک اونٹ ہوگا۔ اس پر دو مشکیزے ہوں گے۔ تو ان دونوں نے اس کو پالیا اور لے کر آپ ﷺ کے پاس آگئے۔ آپ ﷺ نے ایک مشکیزے سے برتن میں پانی ڈالا۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے جو چاہا اس میں پڑھا پھر دونوں مشکیزوں میں وہ پانی لوٹا دیا اور دونوں کا منہ کھول دیا اور لوگوں کو حکم دیا تو انہوں نے اپنے برتن بھر لئے اور کوئی برتن ایسا نہ چھوڑا جو کو بھرا نہ ہو۔ عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ مشکیزے ویسے ہی بھرے ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو کھانا دو یہاں تک کہ اس کا کپڑا بھر دیا اور فرمایا: جاؤ تمہارے پانی سے ہم نے کچھ نہیں لیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم کو سیراب کر دیا۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا پانی ہے؟ تو ایک شخص برتن لایا جس میں چند قطرے تھے آپ ﷺ نے اس کو ایک پیالہ میں لوٹ لیا۔ ہم سب نے ان سے وضو کیا اور خوب استعمال کیا۔ حالانکہ ہم چودہ سو تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ''جیش عسرت'' میں ہے اور انہوں نے بیان کیا کہ سب کو پیاس لگی۔ یہاں تک کہ ایک مرد نے اپنے اونٹ کو ذبح کیا اور اس کی اوجھ کو نچوڑ کر پی گیا۔ تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بغرض دعا حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک اٹھائے، ابھی ان کو لوٹایا نہ تھا کہ آسمان سے بارش ہونے لگی۔ جتنے برتن ان کے پاس تھے سب بھر لئے اور حال یہ تھا کہ بارش لشکر سے باہر نہ تھی۔

(دلائل النبوۃ بیہقی ۵/ ۲۳۱، مجمع الزوائد ۶/ ۱۹۴، ۱۹۵)

عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ابوطالب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف (یعنی اونٹ پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے) تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وادی ذوالمجاز میں کہا کہ مجھے پیاس لگی اور میرے پاس پانی نہیں۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اترے اور اپنے قدم مبارک کو زمین پر مارا تب پانی نکل آیا۔ فرمایا: اے ابوطالب پی لیجئے۔ (طبقات ابن سعد / ۱۵۲)

اس باب میں بکثرت احادیث ہیں۔ اسی میں سے استسقاء میں دعا مانگنا اور جو اس کے ہم جنس ہے۔

چودھویں فصل

طعام میں زیادتی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت و دعا سے طعام زیادہ ہو جاتا تھا۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بالا سناد روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کچھ کھانے کو مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نصف وسق جو مرحمت فرمائے (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) تو وہ خود اور اس کی بیوی اور مہمان سب برابر کھاتے رہے۔ حتی کہ ایک دن اس نے ناپ لیا۔ پھر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو اس کو نہ ناپتا تو تو ہمیشہ اس کو کھاتا رہتا اور یہ تمہارے لئے بڑھتا رہتا۔

(صحیح مسلم کتاب فضائل ۴/ ۱۷۸۴)

اور اس بارے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جو کی چند روٹیوں کو جنہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ بغل میں دبا کر لائے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ٹکڑے کر کے اس پر جو چاہا پڑھا تھا۔ ستر یا اسی آدمیوں کو کھلایا۔ (صحیح بخاری کتاب مناقب ۴/ ۱۵۴، صحیح مسلم کتاب الاشربۃ ۳/ ۱۴۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے دن ایک صاع (تقریباً سوا چار سیر) جو اور ایک بکری سے ایک ہزار آدمیوں کو کھانا کھلایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں سب نے خوب کھایا حتی کہ چھوڑ کر چلے گئے اور ہماری ہانڈی اسی طرح بھری ہوئی جوش مار رہی تھی اور آٹے سے روٹی پک رہی تھی (یہ برکت اس وجہ سے ہوئی) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹے اور ہانڈی میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تھا اور برکت کی دعا کی تھی۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی ۵/ ۸۹)

اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سعید بن میناء رضی اللہ عنہ اور ایمن رضی اللہ عنہ نے اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی کے مثل ایک مرد انصاری اور اس کی بیوی سے جن کا نام معلوم نہیں روایت کیا ہے اور کہا کہ ایک ہتھیلی بھر کھانا لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھانے کے برتنوں میں ملا دیا اور پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور اس میں سے جو گھر میں تھا یعنی کمرہ اور صحن وغیرہ میں سب نے کھایا۔ حالت یہ تھی کہ یہ گھر ان لوگوں سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے، بھر گیا تھا۔ سب کے پیٹ بھرنے کے بعد

برتنوں میں ویسا کا ویسا ہی باقی رہ گیا۔ (طبقات ابن سعد، کمانی مناہل الصفاء للسیوطی ۱۲۱)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے اتنا کھانا تیار کیا کہ ان دونوں کو ہی کافی ہوتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ انصار کے بزرگوں میں سے تیس آدمیوں کو بلالو۔ انہوں نے بلالیا۔ سب نے کھایا اور چھوڑ گئے۔ پھر فرمایا: ساٹھ آدمیوں کو بلا لو۔ تو کھانا ان کے بعد بھی اتنا ہی تھا۔ پھر فرمایا: ستر آدمیوں کو بلالو۔ ان سب نے بھی کھایا یہاں تک وہ بھی چھوڑ گئے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ نکلا جس نے اس کے بعد اسلام قبول نہ کیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت نہ کی ہو۔

ابوایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے کھانے سے ایک سو اسی آدمیوں نے کھایا۔

(دلائل النبوۃ بیہقی ۶/ ۹۴)

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کڑھاؤ (بڑا برتن) لایا گیا۔ جس میں گوشت (پکا ہوا) تھا۔ تو یکے بعد دیگرے صبح سے شام تک ایک قوم کھڑی ہوتی اور دوسری بیٹھتی جاتی تھی۔ (سنن مقدمہ دارمی ۱/۳۱، دلائل النبوۃ بیہقی ۶/ ۹۳ مسند امام احمد ۵/ ۱۲)

اس بارے میں حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم ایک سو تیس آدمی تھے اور حدیث میں ذکر ہے کہ انہوں نے ایک صاع (یعنی سوا چار سیر کے قریب) آٹا گوندھا اور ایک بکری ذبح کی تھی، سو اس کی کلیجی بھونی گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ایک سو تیس آدمیوں میں سے ہر ایک اس کلیجی کو چھری سے کاٹتا تھا۔ پھر اس کے گوشت سے دو کڑھاؤ بھر لئے اور سب نے خوب کھایا اور دونوں میں بچا رہا۔ تو ہم نے اس کو اونٹ پر لادلیا۔ (کہ بعد کو راہ میں کھالیں گے) (صحیح بخاری کتاب الاطعمہ ۷/ ۶۰ صحیح مسلم کتاب الاشربہ ۳/ ۱۶۲۷)

اور اس بارے میں عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری رضی اللہ عنہ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۵/ ۲۳۰ صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۵۶۔۵۵) کی حدیث ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور اس کی مثل سلمہ بن اکوع اور حضرت ابوہریرہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان سب نے ایک پریشانی کا ذکر کیا جو ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں پیش آئی تھی۔ (مسند ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ مسند جر کمانی مناہل الصفاء للسیوطی ۱۲۲)

تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے ہوئے کھانوں کو منگوایا تو کوئی ایک مٹھی بھر کھانا لایا اور کوئی اس سے زیادہ۔ ان میں سے جو زیادہ سے زیادہ لایا وہ ایک صاع کھجوریں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو ایک دسترخوان پر جمع کر دیا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اندازہ لگایا تو وہ سب اونٹ کے

پالان کے برابر تھا (یعنی اتنا اونچا ڈھیر تھا جتنا اونٹ کا پالان ہوتا ہے) پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو ان کے برتنوں کے ساتھ بلایا۔ تو لشکر میں سے کسی کا برتن ایسا نہ تھا جو بھر نہ گیا ہو اور اس میں سے بھی بچ گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اصحاب صفہ کو بلانے کا حکم فرمایا۔ میں نے انہیں ڈھونڈ کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ تب ہمارے آگے ایک برتن رکھا گیا جس میں سے ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور کھانا اس میں اس طرح موجود رہا جیسا کہ پہلے تھا مگر یہ کہ اس پر انگلیوں کے نشان نظر آتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اولاد عبدالمطلب کو جمع فرمایا اور وہ چالیس مرد تھے۔ ان میں سے کچھ تو وہ لوگ تھے جو ایک دو سالم اونٹ کا بچہ کھا جاتے اور ایک فرق (یعنی وہ برتن جس میں سولہ رطل تقریباً آٹھ سیر چیز آئے) پانی کا پی جاتے۔ آپ نے ان کیلئے ایک مد یعنی ایک سیر کھانا تیار کرایا۔ آپ نے انہیں کھلایا یہاں تک کہ وہ سب شکم سیر ہو کر کھا گئے اور کھانا جتنا تھا ویسا ہی باقی رہا۔ پھر ایک برتن دودھ منگوایا اور اس میں سے پلایا وہ سب خوب سیراب ہو گئے۔ لیکن وہ ویسا کا ویسا ہی باقی رہا گویا کہ اس میں سے پیا ہی نہ گیا ہے۔ (مسند امام احمد ۱/۱۵۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو ان کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو بلائیں جن کے نام آپ ﷺ نے فرمائے ہیں اور ہر اس شخص کو دعوت دے دیں جو تم کو ملے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا کاشانہ اقدس (گھر) اور حجرہ شریف لوگوں سے بھر گیا تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے ایک طشت رکھا جس میں ایک مد تقریباً ایک سیر کھجوروں کا ملیدہ تھا۔

پھر آپ ﷺ نے اس کو اپنے آگے رکھا اور اپنی تین انگلیاں اس میں ڈالیں اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ کھاتے تھے اور نکلتے جاتے تھے اور وہ مالیدہ طشت میں جیسا تھا ویسا ہی باقی رہا اور کھانے والے اکہتر یا بہتر تھے اور نکلتے جاتے تھے اور ایک روایت میں اس قصہ کے یا اس جیسے قصے میں ہے کہ وہ تین سو مرد تھے۔ ان سب نے کھایا حتی کہ شکم سیر ہو گئے۔ مجھ سے ارفع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کھانا اس وقت زیادہ تھا جب رکھا تھا یا اس وقت جب اٹھایا گیا۔

(صحیح بخاری ۸/۵۲۷، صحیح مسلم کتاب النکاح ۲/۱۰۵۰)

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت (خاتون جنت) فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صبح کے کھانے کیلئے ایک ہانڈی پکائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ساتھ کھانا ملاحظہ فرمائیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایک پیالہ آپ کی تمام بیویوں (امہات المومنین رضی اللہ عنہن) کو بھیج دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیلئے پھر اپنے لئے رکھا۔ جب ہانڈی اٹھائی تو وہ ویسی ہی بھری ہوئی تھی۔ فرماتی ہیں: تو ہم نے اس سے کھایا جتنا خدا نے چاہا۔

(طبقات ابن سعد، بسند منقطع کمافی مناہل الصفاء للسیوطی ۱۲۲)

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ احمس کے چار سو سواروں کو زاد راہ دو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صاع سے زیادہ نہیں ہے۔ فرمایا: جاؤ۔ پس وہ گئے۔ اس سے ان کو توشہ دینے لگے اور حال یہ تھا کہ وہ کھجوریں اونٹنی کے بچہ کے بیٹھنے کے مانند تھیں مگر وہ اپنی حالت میں باقی رہیں۔ یہ دکین، احمسی اور جریر رحمۃ اللہ علیہم کی روایت کے بموجب ہے اور اس کے مثل نعمان بن مقرن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جو بعینہ یہی ہے مگر اتنا زیادہ ہے کہ کہا وہ مزینہ کے چار سو سوار تھے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۵/ ۳۶۵، مسند امام احمد ۵/ ۴۴۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم ۲/ ۴۲۷)

اور اس بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو ان کے والد کے مرنے کے بعد قرض کے سلسلے میں ہے، کہ انہوں نے اپنا اصل مال قرض خواہ کے قرضہ میں دیا مگر انہوں نے اس کو قبول نہ کیا۔ درانحالیکہ ان کے کھجوروں کے باغ کے پھل چند سالوں میں بھی ان کے قرض کی کفالت نہ کرسکتے تھے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسکے پھل کاٹ کر ڈھیر کرلو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس ڈھیر میں چلے اور دعا فرمائی۔

پھر جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے قرض خواہوں کو اس سے دے دیا پھر اتنا بچ رہا جتنا ہر سال پھل لیتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ اتنا بچ گیا جتنا ان کو دیا۔ انہوں نے کہا کہ قرض خواہ یہودی تھے۔ انہوں نے اس سے بہت تعجب کیا۔ (صحیح بخاری کتاب الھبۃ ۳/ ۱۴۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو پریشانی (بھوک) پہنچی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں توشہ دان میں کچھ کھجوریں ہیں۔

فرمایا: میرے پاس لاؤ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ڈال دیا اور مٹھی بھر کر نکالا اور پھیلا دیا اور برکت کی دعا فرمائی۔

پھر فرمایا: دس مردوں کو دو۔ تو انہوں نے کھایا حتی کہ شکم سیر ہو گئے۔ پھر فرمایا: تم لے لو جو تم لائے تھے اور اپنا ہاتھ ڈال کر مٹھی سے نکال لیا کرو۔ اس کو الٹانا نہیں جتنا میں لایا تھا اس سے زیادہ پر قبضہ کیا۔

پس میں رسول اللہ ﷺ کی حیات (ظاہری) اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت تک اس سے خود کھاتا اور کھلاتا رہا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو وہ مجھ سے لوٹ لیا گیا اور وہ چلا گیا۔ (دلائل النبوۃ ۶/۱۱۰، سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/۵۸۵)

اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے اس میں سے اتنے اتنے وسق (ساٹھ صاع) کھجوریں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیں اور اس حکایت کی مثل غزوۂ تبوک میں بھی ذکر کیا گیا کہ دس سے کچھ زیادہ کھجوریں تھیں۔

انہیں میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی ہے۔ جب انہیں بھوک نے ستایا تو حضور ﷺ نے اپنے پیچھے آنے کو فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک پیالہ میں دودھ پایا جو آپ ﷺ کو ہدیۃً پیش کیا گیا تھا۔ ان کو حکم دیا کہ اہل صفہ کو بلا لو۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ اتنا سا دودھ ان میں کیا ہو گا۔ میں زیادہ مستحق تھا کہ جو بھوک مجھے لگی ہوئی تھی اس کو پیتا اور اس سے طاقت حاصل کرتا۔ غرضیکہ میں نے ان کو بلایا اور بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو پلاؤ تو میں ہر مرد کو دیتا جاتا۔ وہ پیتا اور سیراب ہو جاتا۔ پھر دوسرے کو دیتا وہ پیتا یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے پیالے کو پکڑا اور فرمایا: اب میں اور تم باقی رہ گئے ہیں۔ بیٹھ جاؤ اور پیو۔ تو میں نے پیا۔ پھر فرمایا اور پیو۔ یہاں تک کہ میں نے عرض کیا: اب نہیں پیا جاتا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اب دودھ کے گزرنے کی بھی گنجائش نہیں پاتا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پیالہ لیا۔ اللہ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا پی لیا۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق ۱/۸۱)

خالد بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ایک بکری ذبح کرنے کیلئے پیش کی اور حال یہ تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کے عیال (گھر والے) بہت تھے۔ وہ ایک بکری کو ذبح کرتا تو اس کے عیال کیلئے ایک ایک ہڈی بھی پورا نہ کرتی۔

مگر نبی کریم ﷺ نے اس بکری سے خود کھایا اور باقی (جو بچا اس) کو خالد رضی اللہ عنہ کے ڈول

میں ڈال کر دعائے برکت فرمائی۔ اس نے اس کو اپنی عیال میں تقسیم کیا تو سب نے کھایا اور زیادہ بچ گیا۔ اس حدیث کو دولابی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ (دلائل النبوۃ بیہقی ۱۱۶/۴-۱۱۵)

اجری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت (خاتون جنت) فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ فلاں برتن لاؤ جو چار یا پانچ مدّ (گندم یا جو وغیرہ) سے بھرا ہوا تھا۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ولیمہ میں ایک اونٹ کے بچے کو ذبح کرنے کو فرمایا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس کو لایا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر کو چھوا۔ پھر لوگ جماعت جماعت کر کے داخل ہوئے۔ اس سے کھاتے تھے حتی کہ سب فارغ ہو گئے اور اس سے بہت کچھ بچ گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی اور حکم دیا کہ اپنی ازواج (امہات المومنین) کے پاس لے جایا جائے اور فرمایا: تم سب کھاؤ اور جو تمہارے پاس عورتیں آئیں ان کو کھلاؤ۔ (مناہل الصفاص ۱۲۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔ تو میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ملیدہ بنایا۔ اس کو ایک طشت میں رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو رکھ دو اور فلاں فلاں آدمیوں کو بلاؤ اور جو تم کو راہ میں ملے اس کو بھی بلا لو۔ تو مجھے جو ملا سب کو بلا لایا۔ بیان کرتے ہیں کہ وہ تین سو آدمی تھے۔ یہاں تک کہ صفہ (چبوترہ) اور حجرہ ان سے بھر گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھ جائیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک کھانے پر رکھا اور دعا مانگی اور پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

پس سب نے کھایا حتی کہ سب شکم سیر ہو گئے۔ پھر مجھ سے فرمایا: اٹھا لو۔ میں نہیں جانتا کہ جب رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا جب اٹھایا اس وقت زیادہ تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الاطعمہ ۱۱۰/۷، صحیح مسلم کتاب الاشربۃ ۱۶۱۲/۳)

ان تین فصلوں کی اکثر حدیثیں صحیح ہیں اور اس فصل کی احادیث کے معنی پر تو دس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور ان سے کئی گناہ زیادہ تابعین نے روایت کی ہے۔ ان کے بعد تو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان میں سے اکثر احادیث مشہور قصوں اور حاضرین کے مجمعوں میں ذکر کی جاتی ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ حق بات کے سوا من گھڑت باتوں کی نسبت کی جائے اور حاضرین منکر باتوں پر خاموش رہیں۔

پندرھویں فصل

درختوں کا کلام کرنا اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت اور آپ ﷺ کی دعوت پر آنا

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالا سناد روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک اعرابی آپ ﷺ کے قریب آیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اے اعرابی! کہاں کا قصد ہے؟

کہا کہ گھر جا رہا ہوں۔ فرمایا: کیا تو نیکی کی طرف آتا ہے؟

اس نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں **وحدہ لاشریك له** ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس نے کہا: کوئی آپ ﷺ کی شہادت دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ببول کا درخت جو وادی کے کنارے کھڑا ہے۔ تب وہ زمین چیرتا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس سے آپ ﷺ نے تین مرتبہ شہادت دلوائی۔ تو اس نے ویسے ہی کہا جیسا آپ ﷺ نے فرمایا۔ پھر وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ (مقدمہ سنن دارمی ۱/ ۱۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۱۴، کشف الاستار ۳/ ۱۳۴)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے نبی کریم ﷺ سے کوئی نشانی مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سامنے کے درخت سے کہو کہ تجھ کو رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ درخت اپنی دائیں اور بائیں اور آگے پیچھے ہلا اور اس کی جڑیں ٹوٹیں پھر زمین چیرتا شاخوں کو گھسیٹتا حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

اعرابی نے کہا: اس کو حکم دیجئے کہ اپنی جگہ واپس چلا جائے۔ پس وہ واپس ہوا اور اس کی جڑیں زمین میں داخل ہو گئیں اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

اعرابی نے کہا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کو سجدہ کروں۔ فرمایا: اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

اعرابی نے کہا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کے دست مبارک اور پائے اقدس کو

بوسہ دوں تو اس کو اس کی اجازت دے دی۔ (کشف الاستار ۳/ ۱۳۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے تو کوئی ایسی جگہ نہ دیکھی کہ جہاں پردہ ہوتا۔ وادی کے کنارے دو درخت نظر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں میں سے ایک کے پاس گئے اور ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا:

فرمانبردار ہو جا مجھ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا اس طرح پر جیسے کوئی اونٹ کو نکیل ڈال کر لے جاتا ہے اور بیان راوی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے درخت کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ جب یہ دونوں نصف راہ طے کر کے درمیان میں پہنچے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم سے مجھ پر دونوں مل جاؤ۔ پس وہ دونوں مل گئے۔ (صحیح مسلم کتاب الزھد ۴/ ۲۳۰۷)

اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر رضی اللہ عنہ! اس درخت سے کہو کہ تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے ساتھی درخت سے مل جائے تا کہ میں تمہارے پیچھے بیٹھوں تو میں نے ایسا کیا اور چلا یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھی (درخت) سے جاملا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (قضائے حاجت) کیلئے ان دنوں کے پیچھے بیٹھے اور میں جلدی سے نکل آیا اور بیٹھ کر دل میں سوچنے لگا۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لا رہے تھے اور وہ دونوں درخت جدا ہو کر ہر ایک اپنی جگہ سیدھا کھڑا تھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا سا توقف فرمایا اور اپنے سر سے داہنے اور بائیں جانب اشارہ کیا۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اسی کے مثل روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ میں فرمایا: کیا تم ایسی جگہ پاتے ہو جہاں اللہ تعالیٰ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کرے میں نے عرض کیا: یہ وہ وادی ہے جہاں لوگوں کی گزرگاہ ہے۔

فرمایا: کیا کوئی درخت یا پتھر دیکھا ہے؟

عرض کیا: ہاں آمنے سامنے چند درخت دیکھے ہیں۔ فرمایا:

جاؤ اور ان درختوں سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قضائے حاجت کیلئے آئیں۔ اور یہی بات کنکریوں سے کہو۔ تو میں نے ان سے جا کر یہی کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا۔ بلاشبہ میں نے دیکھا کہ درخت ایک دوسرے کے (ساتھ) ہو کر مجتمع ہو گئے اور کنکریاں بھی دوڑ کر ایک دوسرے پر پیوستہ ہو گئیں۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے قضائے حاجت فرمالی تو مجھ سے فرمایا:

ان سے کہو کہ چلے جائیں۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بلاشبہ میں نے دیکھا کہ وہ درخت اور کنکریاں جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ چلی گئیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۲۵)

یعلی بن سبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ان دونوں حدیثوں کے مثل بیان کیا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چھوٹے چھوٹے کھجوروں کے درختوں کو حکم دیا۔ وہ مل گئے اور ایک روایت میں دو بڑی کھجوروں کے درخت کا ذکر آیا ہے۔ غیلان بن سلمہ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس کے مثل ہے اور اس میں دو درختوں کا ذکر ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۲۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے غزوۂ حنین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل بیان کیا۔ یعلی بن مرہ بن سبابہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ انہوں نے بہت سے معجزات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھ کر بیان کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ بڑا درخت یا کیکر کا درخت آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد چکر لگایا پھر اپنی جگہ لوٹ گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی تھی کہ وہ مجھ پر سلام عرض کرے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۲۰، مجمع الزوائد ۹/۹)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک درخت نے خبر دی کہ ایک رات جن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سنے۔

مجاہد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں ذکر کیا کہ جنات نے کہا: آپ کی کون شہادت دیتا ہے؟

فرمایا: یہ درخت، اے درخت چلا آ۔ تو وہ درخت بڑی آواز کے ساتھ جڑوں کے ساتھ چلا آیا اور پہلی حدیث کی مثل یا اس جیسی بیان کی۔ (صحیح مسلم کتاب الزھد ۴/۲۳۰۶، صحیح بخاری)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ابن عمر، بریدہ، جابر، ابن مسعود، یعلی بن مرہ، اسامہ بن زید، انس ابن مالک، علی ابن ابی طالب اور ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کا اس باب میں نفس حدیث اور معنی حدیث میں اتفاق ہے اور ان سے کئی گنا تابعین اور تبع تابعین نے روایتیں کی ہیں۔ تو یہ حدیثیں جیسی بھی تھیں، شہرت کے اعتبار سے قوی ہو گئیں۔

ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ طائف میں غنود کی حالت میں چلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیری کا درخت آ گیا تو اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان سے گزر گئے۔ وہ درخت دوتنوں پر اس وقت تک موجود ہے۔ وہ جگہ معروف اور معظم ہے۔

اس بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین دیکھ کر عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی معجزہ دکھاؤں۔ فرمایا: ہاں۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی کے سیج (کنارے) ایک درخت پر نظر ڈالی۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اس درخت کو بلائیے۔ تب وہ چل کر آیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

پھر کہا: اس کو حکم دیجئے کہ لوٹ جائے۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ چلا گیا۔

(الخصائص الکبریٰ ۱/۱۲۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ۴/ ۱۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے۔ مگر انہوں نے اس میں جبریل علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے خدا مجھے کوئی نشانی ایسی دکھا کہ جو میری تکذیب کرے اس (نشانی) کے بعد اس کو بھی مانے بغیر چارہ گر نہ رہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کو بلایا۔

اور اس کی مثل حدیث بیان کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غمگین ہونا اپنی قوم کی تکذیب اور طلب معجزہ پر تھا نہ کہ اپنے لئے تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۱۳۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم ۲/۳۹۰)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کا شکوہ اپنے رب سے کیا کہ وہ لوگ خوف دلاتے ہیں اور ایسے معجزے کا سوال کیا جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خوف نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی فرمائی کہ آپ فلاں وادی میں جس میں درخت ہے، جائیے اور اس کی ٹہنی کو پکڑ کر ہلائیے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا پس وہ زمین پر خط کھینچتا آیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک خدا نے چاہا روکے رکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوٹ جا جہاں سے آیا ہے پس لوٹ گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: اے رب میں نے جان لیا کہ مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔

(الخصائص الکبریٰ ۱/۱۲۱)

اس کے مثل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ اس میں بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو ایسی نشانی دکھا کہ اس کے بعد جو میری تکذیب کرے اس کو تردد نہ رہے اور ذکر کیا اس کی مثل۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۶ / ۱۳، دلائل النبوۃ لابی نعیم ۲ / ۳۹۰، کشف الاستار ۳ / ۱۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا: کیا تو دیکھتا ہے کہ اگر میں اس کھجور کی ٹہنی کو ہلاؤں تو تو اس کی گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اس نے کہا: ہاں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہلایا تو وہ درخت دوڑتا آیا۔ پھر فرمایا: لوٹ جا تو وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تخریج کی اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۱۵، مستدرک ۲/ ۶۲۰ مقدمہ سنن دارمی ۱/ ۱۳، ترمذی ۹/ ۲)

سولھویں فصل

کھجور کی ٹہنیوں کا رونا

کھجور کے ستونوں کے رونے کی خبروں کو یہ حدیثیں قوی کرتی ہیں۔ چونکہ یہ خبر بذاتہ مشہور و معروف اور خبر متواتر کی ء حد میں ہے اور اہل صحاح نے اس کی تخریج کی ہے اور یہ کہ دس سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو بیان کیا ہے۔ ان میں سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد (نبوی) کھجور کے ستونوں پر سقف (چھتی ہوئی) تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ تو ان میں سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے منبر بنایا گیا تو ہم نے اس ستون سے ایسی آواز سنی جیسے اونٹنی بچہ جنتے وقت روتی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۴ صحیح ۱۵۶۔۱۵۵، سنن ترمذی ۲/ ۸ بسند ابن عمر رضی اللہ عنہ، سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۳۵۴ بسند انس رضی اللہ عنہ سنن ابن ماجہ کتاب الاقامہ ۱/ ۴۵۴ مقدمہ سنن دارمی ابسند ابن عمرو بریدہ و جابر وابو سعید و ابن عباس رضی اللہ عنہم /۱۹۔۱۸۔۱۷۔۱۶۔۱۵ (یہاں آگے آنے والی مختلف روایتوں کے حوالجات اکٹھے لکھ دیئے ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کے رونے سے مسجد میں ہلچل مچ گئی اور سہل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ کثرت سے لوگ رونے لگے۔ جب اس کو انہوں نے روتے دیکھا۔ مطلب رضی اللہ عنہ اور ابی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ ستون اتنا رویا کہ وہ پھٹ گیا۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا۔ وہ خاموش ہوا۔ (ایک اور) دوسرے نے اتنا زیادہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا۔ وہ خاموش ہوا دوسرے نے اتنا زیادہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ذکر سے محروم ہونے کی وجہ سے روتا ہے۔ ایک نے اتنا اضافہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر میں اس کو نہ لپٹاتا تو قیامت تک ایسے ہی میرے غم میں وہ روتا رہتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو منبر کے نیچے دفن کر دیا جائے۔

اسی طرح مطلب، سہل بن سعد اور اسحاق رحمہم اللہ کی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بعض روایتوں میں سہل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس کو منبر کے نیچے دفن کر دیا گیا یا چھت میں لگا دیا گیا۔ ابی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو اس کے پاس پڑھتے۔ پس جب مسجد دوبارہ تعمیر کی گئی اس کو ابی رضی اللہ عنہ نے لے لیا وہ انہیں کے پاس رہا۔ یہاں تک کہ زمین

نے اس کو کھالیا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی طرف بلایا تو وہ زمین چیرتا آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لپٹا لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو وہ اپنی جگہ چلا گیا۔

بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چاہے تو میں تجھے اس باغ میں لوٹا دوں جہاں تو تھا تیری شاخیں اگ آئیں گی تیری پوری نگہداشت ہو گی تیری پتیاں اور پھل پیدا ہو جائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں بو دوں کہ اس میں تیرے پھل میری جانب سے اولیاء اللہ کھائیں اور میں ایسی جگہ ہوں گا جہاں کوئی خطرہ نہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیکی صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ایسا کر دیا۔ پھر فرمایا: دار فنا پر اس نے دار بقا کو پسند کیا۔ (سنن دارمی ۱۵/۱)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو رو پڑتے اور فرماتے: اے اللہ کے بندو! لکڑی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی اشتیاق میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نزدیکی میں حاصل تھا، اس کی آرزو مند ہو اور اب تم اس سے زیادہ حق رکھتے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بقا کا شوق کرو۔

اس کو روایت کیا حفص بن عبیدہ اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا جاتا ہے کہ حفص بن عبیدہ اللہ اور ایمن اور ابونضرہ اور ابن مسیّب وسعید بن ابی کرب اور کریب و ابو صالح رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اس کو روایت کیا۔ حسن، ثابت، اسحاق ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہم نے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نافع وابوحیہ نے روایت کیا اور ابونضرہ و ابو وداک نے حضرت ابی سعد رضی اللہ عنہ سے اور عمار بن ابی عمار رضی اللہ عنہ سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور ابو حازم و عباس بن سہل نے سہل رضی اللہ عنہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے اور کثیر بن زید رضی اللہ عنہ نے مطلب رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں نے روایت کیا جن کا ہم نے ذکر کیا اور ان کے سوا ان سے کئی گنا تابعین نے روایت کی ہے۔ جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا۔ اس باب میں ان چند گنتی کے سوا مزید علم بھی حاصل ہو سکتا ہے جو تلاش و محنت کرے۔ اللہ دوستی پر ثابت قدم رکھنے والا ہے۔

سترھویں فصل

جمادات سے متعلق معجزات

اسی طرح ہر قسم کے جمادات میں آپ ﷺ کے معجزات مروی ہیں۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالا سناد حدیث روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ درآنحالیکہ وہ کھایا جا رہا ہوتا اور دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا کرتے اور اس کی تسبیح سنا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/ ۵۴ا ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۲۵۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مٹھی میں کنکریاں پکڑیں تو وہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں تسبیح کرنے لگیں یہاں تک کہ ہم نے تسبیح کو سنا۔ پھر ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا تو تسبیح کر رہی تھیں۔ پھر ہمارے ہاتھ میں دے دیں تو انہوں نے تسبیح بند کر دی۔ (مختصر تاریخ دمشق ۲/ ۱۰۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اسی کی مثل روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ کنکریوں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تسبیح جاری رکھی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۶۴، کشف الاستار ۳/ ۱۳۵، مجمع الزوائد ۸/ ۲۹۹)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھے۔ تو آپ ﷺ مکہ کے کسی گوشہ میں تشریف لے گئے تو کوئی درخت و پہاڑ ایسا نہ تھا جس نے آپ ﷺ کو السلام علیک یا رسول اللہ نہ کہا ہو۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۲۵۳، مقدمہ دارمی ۱/ ۱۲)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مکہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو مجھ پر سلام پیش کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ حجر اسود ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۷۸۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب میرے پاس جبریل علیہ السلام پیغام رسالت لائے تو کوئی پتھر اور درخت ایسا نہ تھا جو ''السلام علیک یا رسول اللہ'' نہ کہتا ہو۔

(مجمع الزوائد ۸/ ۲۶۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ جس پتھر اور درخت پر سے گزر فرماتے

تو وہ آپ ﷺ کو سجدہ کرتا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۶۹)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ان پر اور ان کے بیٹوں پر اپنی چادر ڈالی اور ان کیلئے دوزخ سے پناہ کی دعا مانگی جیسا کہ اس وقت چادر میں پناہ دی تو گھر کے ہر درو بام سے آمین، آمین کی آواز آئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۷۱)

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے تو جبریل علیہ السلام ایک طباق جس میں انار و انگور تھا، لائے تو آپ ﷺ نے اس سے کھایا تو اس نے تسبیح کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہ جبل احد پر جب چڑھے تو اس نے حرکت کی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے احد ٹھہر جا، کیا نہیں دیکھتا تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/۱۰)

اور اسی کے مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کوہ حرا کے واقعہ میں مروی ہے اور اتنا انہوں نے زیادہ کیا کہ آپ کے ساتھ حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ فرمایا:

خبردار تجھ پر نبی ہے یا صدیق یا شہید۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/۱۸۸۰)

اور حدیث حراء میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے ساتھ دس صحابہ تھے اور میں بھی ان میں تھا اور انہوں نے عبدالرحمٰن اور سعد رضی اللہ عنہما کا اضافہ کیا اور کہا کہ میں دو صحابی کو بھول گیا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/۲۸۷)

اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اسی کے مثل مروی ہے اور انہوں نے اس کو بیان کیا اور اپنا اضافہ کیا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/۳۱۵، سنن ابوداؤد کتاب السنۃ ۲/۲۶۴)

یقیناً ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب قریش نے آپ ﷺ کو تلاش کیا تو آپ ﷺ سے کوہ ثبیر نے کہا:

یارسول اللہ ﷺ مجھ پر سے اتر جائیے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ ﷺ کو میری پشت پر یہ لوگ قتل نہ کر دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دے۔ اس وقت کوہ حرا نے کہا: یا رسول ﷺ میری طرف تشریف لائیے۔ (سنن ابن ماجہ ۱/۴۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ پر تلاوت فرمائی:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ (الزمر ۶۷)

ترجمہ　اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا جبار اپنی بزرگی بیان فرماتا ہے کہ میں جبار ہوں، جبار ہوں، میں بہت بڑی شان والا ہوں۔ تو منبر کانپنے لگا۔ حتی کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ ﷺ اس سے گر نہ جائیں۔

(مسند امام احمد ۲/ ۷۲، بخاری و مسلم کمانی تفسیر درمنثور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خانہ کعبہ کے گرد اگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے جن کے پاؤں پتھروں میں رانگ سے جما دیئے گئے تھے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مسجد حرام میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اشارہ کیا درآنحالیکہ ان کو چھوتے نہ تھے اور فرماتے جاتے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ (الاسریٰ ۸۱) آ گیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل۔

تو آپ ﷺ جس بت کے چہرے کی طرف اشارہ فرماتے وہ پیٹھ کے بل گر پڑتا اور جس کی پیٹھ کی طرف اشارہ کرتے وہ منہ کے بل گر پڑتا۔ یہاں تک کہ ایک بت بھی باقی نہ رہا۔

(تفسیر درمنثور ۵/ ۳۲۸)

اور اسی کے مثل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نیزہ ان کو مارتے اور فرماتے جاتے: حق آ گیا اب باطل ظاہر نہ ہوگا اور نہ لوٹے گا۔ (تفسیر درمنثور ۵/۳۲۹)

اور اسی قبیل سے وہ حدیث ہے جو ابتدائے امر میں راہب کے ساتھ ہے۔

جب آپ ﷺ اپنے چچا کے ساتھ بغرض تجارت تشریف لے گئے تھے تو ایک راہب تھا جو کسی کیلئے نہیں نکلتا تھا۔ اب وہ نکلا اور ان کے درمیان آ گیا حتی کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر کہا:

آپ ﷺ سید العالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو رحمۃ اللعالمین مبعوث فرمائے گا۔

اس وقت قریش کے صنادید نے کہا: تم کو کیسے معلوم ہوا؟

اس نے کہا کہ کوئی درخت و پتھر ایسا نہیں جو آپ ﷺ کو سجدہ کرتا نہ گرا ہو۔ حالانکہ وہ نبی کے سوا کسی کو سجدہ کرتے ہی نہیں اور سارا قصہ بیان کیا۔ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ درانحالیکہ بادل آپ پر سایہ کر رہا تھا۔ پھر جب آپ ﷺ قوم کے نزدیک ہوئے تو انہوں نے پایا کہ وہ درخت کے سایہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ نے جلوس فرمایا تو وہ بادل کا سایہ آپ ﷺ پر جھک گیا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۲۵۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۲۵۔۲۴)

اٹھارہویں فصل

حیوانات سے متعلق معجزات

حدیث: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالا سنادروایت کرتے ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس ایک بکری تھی۔جس وقت ہمارے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تو وہ سکون کے ساتھ اپنی جگہ ٹھہری رہتی، نہ وہ آتی نہ جاتی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جاتے تو وہ آتی اور جاتی (پریشان کرتی)۔ (مجمع الزوائد ۹/۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۳۱، الخصائص الکبریٰ ۲/ ۶۳، مسند امام احمد ۶/ ۱۱۳-۱۱۵ دلائل النبوۃ لابی نعیم ۲/ ۳۸۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک اعرابی گوہ کا شکار لے کرآیا۔اس نے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟

صحابہ نے کہا: اللہ کے نبی ہیں۔تو اس نے کہا: قسم ہے لات وعزی کی (یہ دونوں عرب کے بڑے بتوں کے نام ہیں) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاؤں گا مگر یہ گوہ ایمان لے آئی اور اس گوہ کوآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینک دیا۔تب اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے گوہ! تو اس نے کھلی زبان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیا اور تمام لوگوں نے اس کو سنا: لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ یَازَیْنَ مَنْ وَافِی الْقِیَامَةَ یعنی حاضر ہوں، موجود ہوں، اے زینت ان لوگوں کی جو قیامت کی طرف آنے والے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو کس کو پوجتی ہے۔گوہ نے جواب دیا: اس ذات کوجس کا عرش آسمان میں ہے، جس کی سلطنت زمین میں ہے، جس کا رستہ سمندر میں ہے، جس کی رحمت جنت میں اور دوزخ میں اس کا عتاب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رب العالمین کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔بلاشبہ وہ بھلائی پر ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور وہ نقصان میں ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔پھر تو اعرابی مسلمان ہوگیا۔

(مجمع الزوائد ۸/ ۲۹۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۳۸، دلائیل النبوۃ لابی نعیم ۲/ ۷۷-۳، الخصائص الکبریٰ ۲/ ۶۵)

اسی قبیل سے بھیڑیئے کے کلام کرنے کا مشہور قصہ ہے۔حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں چرا رہا تھا تو ایک بکری کے سامنے بھیڑیا آگیا اور چرواہے سے کہا: کیا

تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا کہ تو میرے اور میرے رزق کے درمیان حائل ہو گیا۔

چرواہے نے کہا: تعجب ہے کہ بھیڑیا انسانوں کی بولی میں کلام کرے۔ اس وقت بھیڑیئے نے کہا: کیا میں تجھ کو اس سے زیادہ تعجب خیز بات نہ بتاؤں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں ٹیلوں کے درمیان لوگوں کو گزری ہوئی غیبی خبریں بتا رہے ہیں۔

تب وہ چرواہا نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس کی خبر دی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کھڑے ہو کر لوگوں کو یہ بات بتا دے۔ پھر فرمایا: اس نے سچ کہا۔ آخر حدیث تک۔ اس میں ایک قصہ ہے اور بعض حدیث لمبی (مضمون زیادہ) ہے۔

(مسند امام احمد طبقات ابن سعد بزار، مستدرک، دلائل النبوۃ للبیہقی، لابی نعیم الخصائص الکبری ۶۱/۲)

بھیڑیئے کی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے اور بعض سندوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بھیڑیئے نے کہا: تو بہت عجیب ہے کہ تو اپنی بکریوں پر کھڑا ہے اور ایسے نبی علیہ السلام کو چھوڑے ہوئے ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے بڑھ کر مرتبہ میں کبھی کسی نبی علیہ السلام کو نہ بھیجا۔ بیشک ان کیلئے جنت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور جنت کے رہنے والے ان کے اصحاب کو لڑتا دیکھ رہے ہیں اور تیرے اور ان کے درمیان صرف یہ گھاٹی حائل ہے۔ اب تو بھی اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ہو جا۔

چرواہے نے کہا: میری بکریوں کا کون محافظ ہے؟ بھیڑیئے نے کہا: میں ان کو چراتا ہوں۔ یہاں تک کہ تو واپس آئے۔ تو وہ اپنی بکریاں اس کے سپرد کر کے چلا گیا اور اس (بھیڑیئے) کا قصہ بیان کیا اور اسلام لایا اور حضور ﷺ کو پایا کہ آپ ﷺ جہاد کر رہے تھے۔

اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو اپنی بکریاں گن لے ان کو پورا پائے گا۔ تو اس نے ایسا ہی پایا اور بھیڑیئے کیلئے ان میں سے ایک بکری ذبح کر دی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۹/۶، الخصائص الکبریٰ ۶۲/۲)

اھبان بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہی اس قصہ کے صاحب تھے۔ وہ اس کو بیان کرتے اور بھیڑیئے کی باتیں ذکر کرتے تھے۔ سلمہ بن عمر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ وہی اس قصہ کے صاحب تھے۔ وہ اس کو بیان کرتے اور بھیڑیئے کی باتیں ذکر کرتے تھے۔ اور ان کے اسلام کا سبب ابی سعید رضی اللہ عنہ کے مثل حدیث ہی ہے۔ (الخصائص الکبریٰ ۶۱/۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۳/۶)

اسی طرح ابن وہب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ابی سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ

کا قصہ بھیڑیئے کے ساتھ ہوا ہے۔ ان دونوں نے اس کو پایا کہ وہ ایک ہرن پکڑنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ وہ ہرن حرم میں داخل ہو گیا تو بھیڑیا لوٹ گیا۔ دونوں نے اس سے تعجب کیا۔ بھیڑیئے نے کہا: اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تم کو جنت کی طرف بلاتے ہیں اور تم ان کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو۔ ابوسفیان نے کہا قسم ہے لات وعزیٰ کی اگر تو نے اس کا مکہ میں تذکرہ کیا ہوتا تو ضرور اہل مکہ گھر خالی کر دیتے (اور مدینہ چلے جاتے) اسی طرح ایک خبر مروی ہے کہ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا۔ (مناہل الصفا: ص: ۱۳۰)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بت ضمار کے کلام کرنے سے تعجب کیا کہ اس بت نے اشعار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا تھا۔ تو اس وقت ایک پرندہ اترا اور کہا:

اے عباس رضی اللہ عنہ ضمار کے کلام کرنے سے تعجب کر رہے ہو اور اپنے نفس پر تعجب نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسلام کی دعوت دیں اور تم بیٹھے رہو۔ یہی واقعہ آپ کے اسلام لانے کا سبب بنا۔

(طبرانی کبیر، کمافی مناہل الصفاء للسیوطی / ۱۳۰)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ایک مرد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا درآنحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے ایک قلعہ میں تشریف فرما تھے اور وہ مرد بکریوں کے ریوڑ میں تھا جو اہل خیبر کی بکریاں چراتا تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کا کیا ہوگا؟

فرمایا: ان کے منہ میں کنکریاں بھر دے۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد تجھے تیری امانت ادا کر دے گا اور ان کے مالکوں کی طرف بھیج دے گا تو اس نے ایسا ہی کیا تو ایک ایک کر کے ساری بکریاں ان کے مالکوں کے گھر چلی گئیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۴ / ۲۲۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں حضرت ابوبکر وعمر اور ایک انصاری مرد رضی اللہ عنہم موجود تھے اور باغ میں ایک بکری تھی۔ تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس سے زیادہ ہم مستحق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کریں۔ آخر حدیث تک۔ (مجمع الزوائد ۹ / ۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ تو ایک اونٹ آیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا اور اسی طرح بیان کیا اور اسی طرح اونٹ کے بارے میں حضرت ثعلبہ بن ابی مالک اور جابر بن عبداللہ اور یعلی بن مرہ اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور ہر ایک بیان کرتا ہے کہ جو بھی باغ میں داخل ہوتا وہ اونٹ اس پر حملہ کرتا لیکن جب نبی کریم

ﷺ اس کے پاس گئے تو اس کو چمکارا اور اس نے اپنے ہونٹ زمین پر رکھ دیئے اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو نکیل ڈال دی۔ اس وقت فرمایا: آسمان وزمین کے درمیان کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں۔ سوائے نافرمان جنات و انسان کے۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(الخصائص الکبریٰ ۲/۵۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم ۲/ ۳۸۲، مستدرک ۲/ ۶۱۷، سنن ابوداؤد کتاب الجہاد ۲/۴۰۰)

اونٹ کے بارے میں دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹ کا حال لوگوں سے پوچھا۔ تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس کے ذبح کرنے کا قصد کر رہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اونٹ نے کام کی زیادتی اور چارہ کی کمی کی شکایت کی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے مجھے شکایت کی ہے کہ تم اس کے بچپنے سے سخت سے سخت کام لینے کے بعد اب ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں۔

حضور ﷺ کو اونٹنی عضباء کے کلام کرنے کے قصہ میں مروی ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے اپنا حال عرض کیا اور یہ کہ چرنے میں اس کی طرف جلدی کرتے ہیں اور وحشی جانور کنارہ کش ہو کر کہتے ہیں کہ تو حضور ﷺ کی اونٹنی ہے۔ وہ اونٹنی حضور ﷺ کے وصال کے بعد کھانا پینا چھوڑ کر (غم میں) مرگئی۔ اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بیان کیا ہے۔ (مناہل الصفاص ۱۳۱)

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کے کبوتروں نے نبی کریم ﷺ پر سایہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو دعائے برکت دی تھی۔ (مناہل الصفاص ۱۳۱)

حضرت انس اور زید بن ارقم اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے (بوقت ہجرت) غار والی رات میں ایک درخت کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کے (غار) کے سامنے وہ اُگے اور آپ ﷺ کو ڈھاک لے اور کبوتروں کے ایک جوڑے کو حکم دیا تو وہ غار کے کنارے بیٹھ گئے اور ایک روایت میں ہے کہ مکڑی (عنکبوت) کو حکم دیا کہ وہ غار کے دہانہ پر جالا تن دے۔ جس وقت آپ ﷺ کے تلاش کرنے والے آئے اور انہوں نے اس کو دیکھا تو کہنے لگے۔ اگر اس میں کوئی ہوتا تو اس کے دہانے پر کبوتروں کا جوڑا نہ ہوتا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ تو وہ لوٹ گئے۔

(طبقات ابن سعد ۱/ ۲۸۸، دلائل النبوۃ لابی نعیم ۲/ ۳۲۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۴۸۲)

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس پانچ یا چھ یا سات

اونٹ لائے گئے تاکہ ''عید قربان'' کے دن آپ ﷺ ان کو ذبح فرمائیں۔ تو ان میں سے ہر ایک کوشش کرتا۔ کہ آپ ﷺ پہلے اسے ہی ذبح کریں۔ (مستدرک ۲۲۱/۴)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک صحرا میں تشریف فرما تھے۔ تو ایک ہرنی نے آپ ﷺ کو ندا دی: یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟

اس نے کہا: اس اعرابی نے مجھ کو شکار کر لیا۔ حالانکہ میرے اس پہاڑ پر دو بچے ہیں۔ تو آپ ﷺ مجھے آزاد کرا دیجئے تاکہ جا کر دودھ پلا آؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو ایسا کرے گی؟ ہرنی نے کہا: ہاں تو آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا تو وہ گئی اور واپس آ گئی۔ آپ ﷺ نے اسے باندھ دیا۔ اتنے میں اعرابی جاگ گیا اور کہا:

یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ کو اس کی ضرورت ہے۔ فرمایا: اس ہرنی کو چھوڑ دو۔ وہ دوڑتی ہوئی جنگل میں چلی گئی اور کہتی جا رہی تھی۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

(الخصائص الکبریٰ ۶۰/۲ بحوالہ معجم کبیر، دلائل النبوۃ لابی نعیم)

اور اس باب میں یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غلام سفینہ کو شیر نے گھیر لیا جبکہ آپ ﷺ نے ان کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف یمن بھیجا تھا۔ جب وہ شیر کے سامنے ہوا تو اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں اور آپ ﷺ کا خط ساتھ ہے۔ تو اس نے کندھے ہلائے اور راستہ پر لگا (راستہ بنا) دیا۔ ''منصرف'' میں اسی کی مثل تذکرہ ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۶/۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی تھی تو وہ ایک جزیرے کی طرف نکل گئے جس میں شیر تھا۔ تو میں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں۔ تو اس نے اپنے کندھوں سے اشارہ کیا یہاں تک کہ مجھے راستہ پر لا کھڑا کیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۵/۶، دلائل النبوۃ لابی نعیم ۵۸۴/۲، مجمع الزوائد ۳۶۶/۹، مستدرک ۶۰۶/۳)

حضور ﷺ نے قبیلہ عبدالقیس کی ایک بکری کے کان اپنی دونوں انگلیوں سے پکڑے پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ اس کی علامت بن گئی اور یہ علامت اس میں اور اس کی نسل میں پیدا ہو گئی۔

(مناہل الصفاص ۱۳۴)

ابراہیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ ایک گدھے نے آپ ﷺ سے کلام کیا جبکہ آپ ﷺ نے اس کو خیبر میں پایا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: تیرا کیا نام ہے؟

اس نے کہا: یزید بن شہاب۔ پھر آپ ﷺ نے اس کا نام یعفور رکھا۔

آپ ﷺ اس کو اپنے صحابہ کے گھروں میں بھیجتے تھے اور وہ ان کے دروازوں پر سر مارتا اور ان کو بلاتا تھا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد وہ چیختا چلاتا کنویں میں گر کر مر گیا۔

(الخصائص الکبریٰ ۲/ ۶۴)

حدیث میں مروی ہے کہ ایک اونٹنی نے آپ ﷺ کی خدمت میں گواہی دی تھی کہ اس کے مالک نے ان کو چرایا نہیں بلکہ (جائز طریقہ پر) اس کی ملک ہے۔ (الخصائص الکبریٰ ۵/ ۵۸)

اور حدیث میں مروی ہے کہ ایک بکری آپ ﷺ کی خدمت میں آپ ﷺ کے لشکر میں آئی اور صحابہ پیاسے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ایسی جگہ پڑاؤ نہیں کیا تھا جو پانی کی جگہ ہوتی اور وہ تین سو افراد تھے۔ تو آپ ﷺ نے اس کا دودھ دوہا اور تمام لشکروں کو اس سے سیراب کیا۔ آپ ﷺ نے رافع رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

تو اس کا مالک بن لیکن میں تجھ کو ایسا دیکھتا نہیں (تو مالک نہ رہے گا) تو رافع رضی اللہ عنہ نے اس کو باندھ لیا۔ پھر جو دیکھا تو وہ کھل کر کہیں چلی بھی گئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۱۳۷)

اس حدیث کو ابن قانع رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی روایت کیا اور اس میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اسے لایا تھا وہی اس کو لے گیا۔

ایک سفر میں جب آپ ﷺ نماز کو کھڑے ہوئے تو اپنے گھوڑے سے فرمایا: خدا تجھ کو برکت دے جب تک ہم نماز سے فارغ نہ ہوں، جانا نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو (مثل سترہ) موضع سجود کے آگے کھڑا کر دیا تو اس نے اپنے کسی عضو کو حرکت نہ دی یہاں تک کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے۔ اسی کے ساتھ وہ روایت ہے جس کو واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے جب اپنے قاصدوں کو بادشاہوں کے پاس بھیجا اور ایک دن میں چھ قاصد روانہ کئے۔ جب انہوں نے صبح کی تو ان میں ہر ایک اسی زبان میں بات کرتا تھا جس قوم کے بادشاہ کی طرف اس کو بھیجا گیا تھا۔ (مصنف ابن شیبہ کتاب المغازی ۱۴/ ۳۳۸)

اس باب میں بکثرت احادیث مروی ہیں۔ ہم ان میں سے صرف وہ مشہور حدیثیں لائے ہیں جن کو ہمارے آئمہ رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

انیسویں فصل

مردوں کو زندہ کر کے کلام فرمانا، چھوٹے و شیر خوار بچوں سے کلام فرمانا اور ان سے اپنی نبوت کی شہادت دلوانا

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت نے خیبر میں ایک بھنی ہوئی بکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خاص طور پر ہدیۃً بھیجی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اس میں سے کھایا۔ دوران طعام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے اپنے ہاتھ کھینچ لو۔ اس (بکری) نے مجھے خبر دی ہے کہ زہریلی ہے اور اس زہر کے اثر سے بشر ابن براء رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیہ سے پوچھا: تجھ کو اس پر کس نے برانگیختہ کیا۔ اس نے کہا:

اگر آپ نبی علیہ السلام ہیں تو میری اس زہر آلودہ بکری سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ ہیں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو نجات دلاؤں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے حکم دیا۔ چنانچہ (بشر ابن براء رضی اللہ عنہ کے قصاص میں) قتل کر دی گئی۔

(سنن ابوداؤد کتاب الدیات ۴/ ۶۴۹، ۶۴۸)

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ اس یہودیہ نے کہا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ہرگز ایسا نہیں کہ تجھ کو اس پر قدرت دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم اس کو قتل کر دیں۔ فرمایا نہیں۔

اور ایسا ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہب رضی اللہ عنہ کے سوا دوسری روایت میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے درپے نہ ہو جاؤ اور یہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں ہے کہ مجھ کو اس بکری کی کلائی نے خبر دی ہے اور فرمایا: اس کو سزا دو اور حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اس کی ران نے کہا کہ وہ مسموم (زہریلی) ہے اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس بکری نے کہا: میں زہر آلود ہوں۔ اسی طرح ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ اس کو چھوڑ دیا گیا۔ (سنن ابوداؤد ۴/ ۶۴۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ۴/ ۲۶۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث میں ہے کہ ہمیشہ اس زہر کا اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہات (حلق کا کوا) میں پہنچتا رہا۔

(صحیح بخاری کتاب الھبہ ۳/ ۱۴۳،۱۴۳ صحیح مسلم کتاب اسلام ۴/ ۱۷۲۱،۱ دلائل النبوۃ للبیہقی ۴/ ۲۵۹)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس دور میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، فرمایا: خیبر کا وہ لقمہ بار بار ہمیشہ اپنا اثر دکھاتا رہتا ہے۔ پس اب وقت آ گیا ہے کہ وہ میری شاہ رگ کاٹ دے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الدیات ۴/ ۶۵۱)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ مسلمان جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شہادت سے ہوا ہے باوجود یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی۔

ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودیہ کو قتل کرا دیا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الدیات ۴/ ۶۵۱)

بیشک ہم نے اس بارے میں مختلف روایتیں بیان کر دی ہیں۔ جو حضرت ابو ہریرہ، انس، جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اس یہودیہ کو بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے ورثاء کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔ (طبقات ابن سعد ۱/ ۱۷۲)

اسی طرح اس شخص کے قتل میں اختلاف ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کو معاف کر دینے کی روایت زیادہ ثبوت کو پہنچتی ہے اور ان میں سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرا دیا تھا اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ابی سعید رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی اور اس کے مثل بیان کیا مگر یہ کہ اس کے آخر میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ پس ہم نے بسم اللہ پڑھ کر کھایا اور کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔

(مجمع الزوائد ۸/ ۲۹۵)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہر آلودہ بکری کی حدیث کی اہل صحاح نے تخریج کی اور اس حدیث کی ہمارے آئمہ نے جو تخریج کی ہے تو وہ مشہور حدیث ہے۔

آئمہ نظر رحمۃ اللہ علیہم کا اس باب میں اختلاف ہے۔ بعض کا مذہب یہ ہے کہ یہ وہ کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ مردہ بکری اور پتھر و درخت میں پیدا فرما دیتا ہے اور وہ حروف و آواز ہیں کہ ان میں وہ پیدا کر دیتا ہے جو بغیر کسی اشکال اور نقل ہیئت کے ان سے مسموع ہوتی ہیں۔ یہی مذہب شیخ ابوالحسن اور قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ اور دیگر آئمہ نظر رحمۃ اللہ علیہم کا یہ مذہب ہے کہ ان میں پہلے نئی زندگی پیدا کی جاتی ہے پھر وہ کلام کرتے ہیں۔ ہمارے شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک میں احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

اس لئے کہ ہم وجود حروف و آواز کیلئے حیاۃ شرط نہیں کہتے کیونکہ کلام نفسی بغیر حیات کے پایا نہیں جاتا۔ اس میں جبائی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے جو تمام متکلمین کے خلاف ہے۔ وہ کلام لفظی اور حروف و اصوات (آوازوں) کے وجود کو سوائے اس زندہ کے جو اس ترکیب سے مرکب ہے کہ جس سے حروف واصوات کے ساتھ گویائی صحیح ہو، محال کہتا ہے اور میں نے کنکریوں، اونٹ اور کلائی (ذراع) وغیرہ کے کلام کرنے میں التزام کیا ہے نہیں مانتے کیونکہ ان کا وجود فقط حیات کے معدوم ہونے کے ساتھ محال نہیں لیکن جب ان کو کلام نفسی کہا جائے تو اس کیلئے حیات شرط ہے۔

وہ کہتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس میں حیات پیدا کی اور اس کو منہ اور زبان دی اور وہ آلات پیدا کئے جن سے وہ کلام کر سکے اور اگر یہ بات یونہی ہوتی تو یقیناً اس کی نقل اور اس کا اہتمام تسبیح یا اس کے رونے کے اہتمام سے زیادہ تاکیدی ہوتا۔ حالانکہ اس بارے میں کسی مورخ واہل سیر نے کچھ نقل نہ کیا۔ لہٰذا اس میں یہ دعویٰ ساقط الاعتبار ہے۔ اس کے باوجود غور وفکر کرنے کے اس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ ہی توفیق ہدایت فرمانے والا ہے۔

وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے فہد بن عطیہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا جو جوان ہو گیا تھا اور قطعا کلام نہیں کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۶۰)

معرض بن معقیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عجیب بات دیکھی کہ ایک بچہ جس دن وہ پیدا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا پہلی حدیث کے موافق بیان کیا۔ یہ حدیث مبارک یمامہ رضی اللہ عنہ کی ہے اور یہ حدیث اس کے راوی شاصونہ کے نام سے مشہور ہیں۔

اس میں ہے کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔ اللہ تعالیٰ تجھ کو برکت دے۔ پھر اس کے بعد اس بچہ نے جوان ہونے تک کوئی بات نہ کی اور اس بچہ کا نام مبارک یمامہ رکھ دیا گیا۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر مکہ مکرمہ کا ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۵۹/۶)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور بیان کیا کہ اس نے ایک بچی فلاں جنگل میں چھوڑ دی تھی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ اس طرف تشریف لے گئے اور اس کو اس کے نام کے ساتھ پکارا۔ اے فلانی! اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرا جواب دے۔ پس وہ یہ کہتی لگی: لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ (حاضر ہوں، حاضر ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تیرے ماں باپ تو دونوں مسلمان ہو گئے۔ اب اگر تو چاہتی ہے تو تجھ کو ان دونوں کی طرف

لوٹا دوں۔ لڑکی نے کہا: مجھے ان دونوں کی حاجت نہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کو ان دونوں سے بہتر پایا ہے۔ (یہاں پر یہ خیال رہنا چاہئے کہ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ مترجم) (مناہل الصفا/۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری جوان فوت ہو گیا۔ اس کی ایک اندھی بوڑھی ماں تھی۔ ہم نے اس جوان کی تجہیز و تکفین کی اور اس کو تسلی دی۔ اس بوڑھی نے کہا کہ میرا بیٹا مر گیا۔ ہم نے کہا: ہاں۔ بوڑھی نے کہا: اے خدا اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیری طرف اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس امید پر ہجرت کی ہے کہ تو میری ہر مصیبت میں مدد کرے گا تو تو مجھے اس مصیبت کے بوجھ میں ہرگز نہ ڈالے گا۔ پھر کچھ دیر نہ گزری کہ جوان نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اس نے کھانا کھایا اور ہم نے بھی کھایا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۵۰)

عبداللہ بن عبید اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو دفن کیا تھا اور وہ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ جب ہم نے اس کو قبر میں اتارا تو وہ کہہ رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام اور ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیق، عمر رضی اللہ عنہ شہید، عثمان رضی اللہ عنہ نیکو کار اور رحیم ہیں۔ پھر ہم نے جب غور سے دیکھا تو وہ مردہ تھے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں مردہ ہو کر گر پڑے۔ ان کو اٹھایا گیا اور کپڑا ڈال دیا گیا۔ مغرب و عشاء کے درمیان جب عورتیں اس کے گرد بین (چیخنا چلانا) کر رہی تھیں تو یہ کہتے سنا: خاموش ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ۔ اس وقت اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا گویا۔ تب اس نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نبی و امی اور خاتم النبیین ہیں اور یہ بات پہلی کتابوں میں مکتوب ہے۔ پھر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا، سچ فرمایا اور اس نے حضرت ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا۔ پھر کہا کہ **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ**۔ پھر دوبارہ وہ ایسا مردہ ہو گئے جیسے کہ تھے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۵۷-۵۶)

بیسویں فصل

بیماروں اور مریضوں کو تندرست کرنا

حدیث: ابن قتادہ رضی اللہ عنہ سے بالا سنا د روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اور ایک جماعت صحابہ نے احد کا طویل قصہ بیان کیا اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمارے مشائخ مذکورین نے کہا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ایسا تیر دیا کرتے کہ جس کا لوہا نہ ہوتا تھا۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب / ۳۱۴، الخصائص الکبریٰ ۱/ ۲۱۵)

پھر ایک اور جگہ فرمایا: اس کو پھینکو اور وہ تیر کام کرتا (یہ آپ کا معجزہ تھا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن اپنی کمان سے اتنے تیر چلائے کہ وہ ٹوٹ گئی اور اس دن قتادہ یعنی ابن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تیر لگا۔ یہاں تک کہ وہ حلقہ سے باہر نکل کر رخسار پر آ پڑی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے مقام پر لوٹا دیا۔ تو وہ آنکھ دوسری سے بہت اچھی ہوگئی۔ (مجمع الزوائد ۸/ ۲۹۷)

عاصم بن عمر بن قتادہ اور یزید بن عیاض بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہما نے قتادہ رضی اللہ عنہ کے قصے کو بیان کیا اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ذی قرو (جگہ کا نام ہے) کے دن ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر جہاں تیر کا زخم تھا، لعاب دہن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ پر نہ زخم کا اثر رہا اور نہ پیپ پڑی۔ (بیہقی فی الخصائص ۱۰،/ ۲۵۰)

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ ایک نابینا (اندھے) نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میری آنکھوں کی روشنی کھول دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھو۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّ مُحَمَّدٍ الرَّحْمَةِ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ اَنْ یَّكْشِفَ عَنْ بَصَرِیْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ۔

ترجمہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی رحمت ہیں کے ذریعہ متوجہ ہوتا ہوں اے محمد صلی اللہ علیک وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری روشنی کھول دے۔ اے خدا میرے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول فرما۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ اس حال میں واپس آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں روشن کر دی تھیں۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوات ۵ / ۲۲۹، سنن ابن ماجہ کتاب لاقامہ ۱ / ۴۴۱، سنن نسائی عمل الیوم واللیلہ / ۲۰۵-۲۰۴)

منقول ہے کہ ایک نیزے باز کے لڑکے کو مرض استسقاء ہوگیا تو اس نے کسی کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ پھر آپ نے ایک مٹھی زمین کی مٹی لے کر اس پر تھوکا پھر اس کے قاصد کو دے دیا۔ اس نے متحیر ہو کر لیا۔ وہ گمان کرتا تھا کہ (معاذ اللہ) اس سے تمسخر کیا گیا ہے۔ تو وہ اس کو لے کر آیا درانحالیکہ مریض قریب مرگ تھا۔ تو اس کو (گھول کر) پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تندرست کر دیا۔

(واقدی کتاب المغازی ۱ / ۳۵۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم / ۵۱۲)

عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب ابن فویک رضی اللہ عنہ (جن کو فریک کہا جاتا ہے) سے روایت کی ہے کہ ان کے والد کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں (یعنی پانی اتر کر روشنی جاتی رہی تھی) حتیٰ کہ دونوں سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی دونوں آنکھوں میں پھونک ماری (لعاب دہن ڈالا) تو وہ روشن (بینا) ہوگئیں۔ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ سوئی میں ڈورا ڈال لیا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی عمر اسی سال کی تھی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶ / ۱۷۳)

کلثوم بن حصین رضی اللہ عنہ کے گلے میں غزوۂ احد کے دن تیر لگا تو رسول اللہ ﷺ نے اس میں لعاب دہن لگایا اور وہ اسی وقت اچھے ہو گئے۔ (مناہل الصفا ص ۱۳۷)

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے زخم پر آپ ﷺ نے لب مبارک لگایا تو اس کی پیپ جاتی رہی (زخم اچھے ہو گئے)۔ (مجمع الزوائد ۸ / ۲۹۸)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی آنکھوں میں خیبر میں آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا درآنحالیکہ ان کی آنکھیں پر آشوب تھیں تو انہوں نے صحت کے ساتھ صبح کی۔

(صحیح بخاری کتاب الفضائل ۵ / ۱۶، صحیح مسلم ۴ / ۱۸۷۱)

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کے زخم پر خیبر کے دن آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا تو وہ اسی وقت اچھی ہوگئی۔ (صحیح بخاری ۵ / ۱۱۰، سنن ابوداؤد کتاب الطب ۴ / ۲۱۹)

اور زید بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں اس وقت لعاب دہن لگایا جبکہ اس نے کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا اور اس نے ان کی ایڑھی پر تلوار ماری تھی تو وہ اسی وقت اچھے ہوگئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۳ / ۱۹۹-۱۹۲ واقدی کتاب المغازی ۱ / ۱۸۷)

علی بن حکم رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر غزوہ خندق کے دن جب وہ ٹوٹ گئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگایا تو وہ اسی جگہ تندرست ہو گئے اور اپنے گھوڑے سے اترے بھی نہیں۔ (مناہل الصفا ۱۳۷)

حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بیماری کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی اور کہا: اے اللہ ان کو شفا دے یا فرمایا: ان کو آرام دے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پائے اقدس سے ایک ضرب لگائی۔ اس کے بعد کبھی ان کو اس درد کی شکایت نہ ہوئی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۱۷۹)

معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ (جو تیرہ سالہ مجاہد تھے) کا ہاتھ ابو جہل نے بدر کے دن کاٹ ڈالا تو وہ اپنا ہاتھ اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعاب دہن لگا کر جوڑ سے ملا دیا تو وہ جڑ گیا۔ اس کو ابن وہب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

ان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حبیب بن یساف رضی اللہ عنہ کو بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے کندھوں پر تلوار کی ایک ضرب پڑی جس سے وہ لٹک گیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقام پر لوٹا کر اس پر لعاب دہن لگا دیا حتی کہ بالکل تندرست ہو گیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۱۷۸)

قبیلہ خثعم کی ایک عورت ایک بیمار بچے کو ساتھ لے کر خدمت میں حاضر ہوئی وہ کلام نہیں کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی سے منہ دھویا اور اپنے دونوں دست مبارک دھولئے۔ پھر وہ پانی اس کو دیا اور اس کو پینے اور جسم پر ملنے کا حکم دیا۔ تو وہ بچہ اسی وقت تندرست ہو گیا اور عقل مند ہو گیا اور دوسروں سے زیادہ عقل والا ہو گیا۔

(مصنف ابن شیبۃ ۱۱/ ۴۹۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم ۲/ ۴۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت پاگل بچے کو لے کر آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینہ کو ملا۔ اس کو زور کی کھانسی آئی اور اس کے پیٹ میں سے کوئی ایسی چیز نکلی جو سیاہ کتے کے بچے کی مانند ہو اور بھاگ گئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۱۸۷)

محمد ابن حاطب رضی اللہ عنہ جب وہ بچہ تھا تو اس کے ہاتھ (کلائی) پر گرم ہانڈی لوٹ گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو دست مبارک سے مسح کیا اور اس کے لیے دعا فرمائی اور اس پر لعاب دہن لگایا تو وہ اسی وقت اچھا ہو گیا۔ (دلائل نبوہ للبیہقی ۶/۱۷۴)

شرجیل جعفی رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی پر رسولی ہو گئی تھی جو تلوار اور گھوڑے کی لگام پکڑنے سے روکتی تھی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے ملتے رہے یہاں تک کہ وہ جاتی رہی اور اس کا کوئی نام ونشاں تک باقی نہ رہا۔

ایک لونڈی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت کھانا مانگا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے آگے سے کھانا اٹھا کر دینا چاہا۔ اس میں چونکہ حیا کم تھی۔ عرض کیا: میری مراد یہ ہے کہ اپنے منہ کا لقمہ مرحمت فرما دیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی نکال کر عنایت فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال کیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو رد نہ فرماتے تھے پس جب وہ لقمہ طیبہ اس کے پیٹ میں گیا تو وہ ایسی حیا دار بن گئی کہ مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر کوئی حیادار عورت نہ تھی۔ (طبرانی کبیر ۲۷۵/۸، ۲۳۶)

اکیسویں فصل

اجابت دعا

حضور ﷺ کی دعاؤں کے قبول ہونے کا باب بہت وسیع ہے اور لوگوں کیلئے آپ ﷺ کی دعائیں ان کے نفع ونقصان میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ فی الجملہ یہ بدیہی معلوم ہے۔

بلاشبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کیلئے دعا فرماتے تو وہ دعا اس کیلئے اور اس کے بیٹے اور پوتوں کیلئے ہوتی۔ (مجمع الزوائد ۲۶۸/۸)

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالا سنا د روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے عرض کیا: یارسول ﷺ انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا خادم ہے۔ اس کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے دعا مانگی: اے اللہ تعالیٰ اس کے مال واولاد میں کثرت عطا فرما اور جو تو اس کو دے اس میں برکت مرحمت فرما۔

(صحیح بخاری کتاب الدعواۃ ۸/ ۶۳، صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۹۲۸، مسند امام احمد ۳/ ۲۴۸۔۱۸۸۔۱۰۸)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میرے پاس بہت مال ہے اور میرے بیٹے اور پوتے آج سو کے قریب ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نہیں جانتا کوئی مجھ سے زیادہ عیش و آرام میں ہو۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سو بیٹوں کو دفن کیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ کچے گرے تھے یا وہ پوتے تھے۔ (مطلب یہ کہ وہ میری اپنی اولاد تھی) لیکن ان میں سے حضور ﷺ کی دعائے برکت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کیلئے ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر اٹھاتا تو مجھے امید ہوتی کہ اس کے نیچے سونا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت مال دیا۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کے ترکہ سے وہ سونا جو زمین میں دبا ہوا تھا پھاوڑے سے نکالا گیا یہاں تک کہ ہاتھ سرخ ہوگئے اور ان کی چاروں بیویوں کو اسی اسی ہزار دینار دیئے گئے اور ایک روایت میں ایک ایک لاکھ دینار۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک عورت سے اسی ہزار دینار پر صلح کی گئی تھی کیونکہ اس کو بیماری میں طلاق دے دی تھی اور زندگی میں مختلف صدقات مشہورہ اور احسانات عظیمہ کے بعد پچاس ہزار کی وصیت کی تھی۔

ایک دن تیس غلام آزاد کئے اور ایک مرتبہ سات سو اونٹ جو مختلف سامان سے لدے ہوئے ان کے پاس آئے تھے۔ مع ان تمام سامان، پالان وپوشش وغیرہ کے صدقہ کر دیئے اور حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے حکومت کی دعا مانگی سووہ انہیں حاصل ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کیلئے دعا مانگی۔ خدانے اسے بھی قبول فرمایا۔ غرضیکہ جس کیلئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۴۴۶، مجمع الزوائد ۵/۱۸۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۱۸۹، سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۳۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب یا ابوجہل کے ذریعے غلبہ اسلام کی دعا مانگی تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے قبول ہوگئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہمیشہ عزت کے ساتھ رہے جس دن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

ایک غزوہ میں لوگوں کو پیاس کی تکلیف پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تو بادل آئے اور ہماری ضرورتیں پوری کر کے کھل گئے۔ طلب بارش (استسقاء) کیلئے دعا کی گئی تو بارش ہونے لگی۔ جب بارش کی شکایت کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی بادل کھل گیا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعا کی کہ تمہارا چہرہ کامیاب ہو اے اللہ تعالیٰ ان کے بالوں اور جسم میں برکت دے تو وہ جس وقت فوت ہوئے باوجودیکہ ستر سال کے تھے مگر پندرہ سال کے نوجوان معلوم ہوتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نابغہ رضی اللہ عنہ کیلئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو نہ توڑے تو ان کا ایک دانت بھی نہ گرا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ دانتوں کی وجہ سے سب سے بڑھ کر خوبصورت تھے۔ جب کوئی دانت گرتا تو دوسرا اس کی جگہ نکل آتا۔ حالانکہ وہ ایک سو بیس سال حیات رہے اور ایک روایت اس سے زیادہ بھی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کیلئے دعا کی۔ اے اللہ تعالیٰ ان کو دین کی سمجھ (فقاہت) عطا فرما اور ان کو تفسیر کا علم دے تو اسکے بعد ان کا نام حبر (بڑا عالم) اور ترجمان القرآن مشہور ہوگیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کیلئے ان کے خرید وفروخت میں دعا کی تو وہ جو چیز خریدتے اس میں نفع ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار رضی اللہ عنہ کیلئے برکت کی دعا مانگی تو ان کے پاس بہت مال جمع ہوگیا۔ اسی طرح عروہ بن ابی جعد رضی اللہ عنہ کیلئے برکت کی دعا کی۔ (وہ فرماتے ہیں) اگر میں کساد بازاری میں کھڑا ہوتا تو جب لوٹتا تو مجھے چالیس ہزار کا نفع ہوتا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی حدیث میں فرماتے ہیں کہ اگر

وہ مٹی خریدتے تو اس میں بھی نفع ہوتا۔ اسی طرح غرقدہ رضی اللہ عنہ کیلئے مروی ہے۔

حضور ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی۔ آپ ﷺ نے دعا کی تو ہوا اس کو گھیر کر آپ ﷺ کی خدمت میں واپس لے آئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کیلئے دعا کی تو وہ اسلام لے آئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے دعا کی کہ گرمی اور سردی سے محفوظ رکھ۔ تو وہ سردی میں گرمی کے کپڑے اور گرمی میں سردی کے کپڑے پہنتے تو انہیں سردی ستاتی نہ گرمی۔

اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے دعا کی وہ کبھی بھوکی نہ رہیں۔ تو وہ فرماتی ہیں کہ میں کبھی بھوکی نہ رہی۔

طفیل ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کیلئے آپ ﷺ سے کوئی نشانی مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ تعالیٰ اس کو نور دے تو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمکنے لگا۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں لوگ مثلہ یعنی برص کا داغ نہ کہنے لگیں۔ تو وہ نور ان کے کوڑے کی طرف پھیر دیا گیا۔ پس وہ اندھیری رات میں چمکتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کا نام صاحب نور پڑ گیا۔

قبیلہ مضر پر آپ ﷺ نے بددعا کی تو ان پر قحط اتنا شدید پڑا کہ قریش نے آپ ﷺ سے رحم کی درخواست کی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کیلئے دعا کی اور وہ سیراب ہوئے۔

اور فارس کے بادشاہ کسریٰ پر آپ ﷺ نے اس وقت بددعا کی جب اس نے آپ ﷺ کا گرامی نامہ چاک کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ تو اس کا ملک اس کیلئے باقی نہ رہا۔ حالانکہ فارس کی حکومت دنیا میں رہی ہے۔

آپ ﷺ نے اس بچے پر بددعا کی جس نے آپ ﷺ کی نماز توڑی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ اس کا نشان قطع کر دے تو وہ مفلوج ہو کر بیٹھ گیا۔

ایک مرد کیلئے فرمایا جبکہ وہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ فرمایا: اپنے داہنے ہاتھ سے کھا تو اس نے کہا میں اس کی قدرت نہیں رکھتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کبھی اس کی قدرت نہیں پائے گا۔ پھر کبھی وہ ہاتھ منہ تک نہ اٹھا سکا۔

آپ ﷺ نے عتبہ ابن ابی لہب کیلئے بددعا کی۔ اے اللہ تعالیٰ تو اس پر اپنے کتوں میں سے کتا مسلط کر دے۔

چنانچہ اس کو شیر نے کھالیا۔ یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے مشہور ہے کہ

قریش نے اوجھ کو جس میں گوبر اور خون تھا جبکہ آپ ﷺ سجدہ میں تھے پیٹھ پر رکھ دیا۔ تو آپ ﷺ نے نام بنام ذکر کر کے بددعا کی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک ہم نے ان سب کو دیکھا کہ بدر کے دن وہ سب مارے گئے۔

حکم ابن ابی عاص پر آپ ﷺ نے بددعا کی کیونکہ وہ آپ ﷺ کو منہ چڑاتا اور آنکھ کے اشارے کرتا تھا۔ یعنی یونہی نہیں بلکہ تمسخر (مذاق) کرتا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ایسا ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کا چہرہ ویسا ہی ہو گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

محلم بن جثامہ پر آپ ﷺ نے بددعا کی تو وہ سات دن میں مر گیا اور زمین نے اس کو اگل دیا۔ پھر وہ دبایا گیا پھر اس کو اگل دیا۔ یہ کئی مرتبہ ہوا۔ تب اس کو دو وادیوں کے درمیان ڈال دیا اور لوگوں نے اس پر پتھر پھینکے (الصُّدُّ) وادی کے کنارے کو کہتے ہیں۔

ایک شخص نے گھوڑا آپ ﷺ کے ہاتھ فروخت کرنے سے انکار کیا۔ حالانکہ اس بارے میں اس کی خزیمہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کیلئے گواہی دی تھی۔ بعد میں آپ ﷺ نے گھوڑا اس کو واپس کر دیا اور فرمایا: اے خدا اگر یہ جھوٹا ہے تو اس میں برکت نہ دے تو جب صبح ہوئی تو گھوڑے نے ٹانگیں اٹھا لیں۔ (یعنی وہ مر گیا)

اس باب میں تو اس کثرت سے معجزات ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

(دعا کے سلسلے میں گزری تمام احادیث کی تخریج ''مناہل الصفاء'' للسیوطی ۱۳۹/ میں دلائل النبوۃ لابی نعیم ۵۸۱/۲ درج ہے۔ یہ حوالہ تمام احادیث کا بھی ہو سکتا ہے یا کچھ کا بھی مزید تحقیق کے لیے محققین حضرات عربی کتب دیکھیں)

بائیسویں فصل

حضور ﷺ کے معجزات و برکات اور جو چیز آپ ﷺ سے مس کر گئی اس کی حقیقت کا بدلنا

حدیث: حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے بالاسنا دروایت کرتے ہیں کہ ایک رات اہل مدینہ (خوفناک آواز کی وجہ سے) گھبرا گئے تو رسول اللہ ﷺ ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر باہر تشریف لے گئے اور وہ گھوڑا قطاف یعنی سست رفتار تھا اور دوسروں نے کہا کہ وہ آہستہ آہستہ چلتا تھا۔ پھر جب واپس آئے تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ میں نے تمہارے گھوڑے کو دریا کی مانند پایا چنانچہ وہ گھوڑا کبھی کسی سے پیچھے نہ رہا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کے پاؤں پر آپ ﷺ نے ایک لکڑی ماری کیونکہ وہ بہت سست اور کم چال تھی پھر تو وہ ایسی تیز ہوئی کہ اس کی لگام سنبھالی نہ جاتی تھی۔

اس طرح آپ ﷺ نے جعیل اشجعی رضی اللہ عنہ کے اونٹنی کی پاؤں پر لکڑی ماری اور برکت کی دعا فرمائی تو وہ اتنی تیز ہو گئی کہ اپنا سر قبضہ میں رکھنا مشکل ہو گیا اور اس سے جو بچے ہوئے وہ بارہ ہزار کے فروخت ہوئے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سست رفتار گدھے پر ایک مرتبہ آپ ﷺ سوار ہوئے۔ پھر جب آپ نے اس کو واپس کیا تو وہ اس قدر تیز رفتار ہو گیا کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند بال تھے تو وہ جس جہاد اور جنگ میں مصروف پیکار ہوئے یقیناً انہیں فتح ہوئی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اطلسی جبہ نکالا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے۔ ہم اس کو دھو کر مریضوں کو پلاتے ہیں تو وہ اس کی برکت سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔

جہجاہ غفاری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں سے وہ لکڑی (جو حضور ﷺ کے پاس رہتی تھی) لی تاکہ اس کو گھٹنے پر توڑ دے اس پر لوگ چلائے تو (اس بے ادبی کی وجہ سے اس کے پاؤں میں) آکلہ یعنی ناسور ہو گیا۔ پھر اس کو کٹوایا مگر ایک سال کے اندر اندر وہ مر گیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی قبا کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ پھر اس کے بعد اس کا پانی کبھی نہ ختم ہوا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۱۳۶/۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کنوئیں میں جوان کے گھر میں تھا ایک مرتبہ آپ ﷺ نے لعاب دہن ڈالا۔ تو مدینہ طیبہ میں ان کے کنوئیں سے زیادہ شیریں پانی کسی میں نہ تھا۔

(ابونعیم کمافی مناہل الصفاء للسیوطی / ۱۴۰)

ایک سفر میں آپ ﷺ کا ایک ایسے پانی پر گزر ہوا جو کھاری تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام پوچھا: اس کنوئیں کا نام بیسان بتایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں وہ نعمان ہے اور اس کا پانی طیب وعمدہ ہے تو وہ میٹھا ہو گیا۔

ایک ڈول میں زمزم کا پانی لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا تو اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ پاکیزہ ہو گئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۶۹، الفتح الربانی ۲۲/ ۶۸)

حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے منہ میں اپنی زبان دی۔ انہوں نے اس کو چوسا حالانکہ وہ پیاس کی شدت میں رو رہے تھے تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ (طبرانی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی / ۱۴۰)

ام مالک رضی اللہ عنہا کے پاس ایک گھی کی کپی تھی جس میں آپ ﷺ کے پاس وہ گھی بھیجا کرتی تھیں تو ان سے آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو نچوڑنا نہیں۔ پھر واپس کر دیا۔ پس کیا دیکھتی ہیں کہ گھی ویسا کے ویسا ہی بھرا ہوا تھا۔ تو ان کے پاس ان کے بچے آتے اور سالن مانگتے اگر ان کے پاس کوئی چیز نہ ہوتی تو اس کپی کے پاس آتیں اور اس سے گھی نکال کر دے دیتیں وہ گھی اس میں مدت تک رہا حتی کہ ایک دن نچوڑ لیا۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۷۸۴، دلائل النبوۃ ۶/ ۱۱۴)

آپ ﷺ شیر خوار بچوں کے منہ میں اپنا لعب دہن ڈال دیا کرتے وہ ان کو رات تک کفایت کرتا رہتا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۲۲۶)

اسی قبیل سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دست مبارک سے جو چیز چھو جاتی اس میں برکت ہوتی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مالک نے جب ان کو مکاتب بنایا تو یہ شرط لکھائی تھی کہ یہ تین سو چھوٹی کھجوروں کے درخت لگائیں اور اس باغ کی قیمت مالک کیلئے ہے۔ اس کے پھل لگیں اور کھائی جائیں۔ اس کے علاوہ چالیس اوقیہ سونا اپنی قیمت میں ادا کریں (تب وہ آزاد ہوں گے ایک اوقیہ کا وزن چالیس درم ہوتا ہے) تب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے دست مبارک سے ان کیلئے باغ لگایا سوائے ایک درخت کے کہ اس کو دوسروں نے لگایا تھا تو سب نے پھل دیے سوائے

اس درخت کے تو آپ ﷺ نے اس کو اکھیڑ کر دوبارہ لگایا اور اس سے پھل حاصل کئے۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ ایک کے سوا سب نے کھجوریں کھلائیں تو آپ ﷺ نے اس کو اکھیڑ کر دوبارہ لگایا تو وہ بھی اسی سال پھل لے آیا اور ایک مرغی کے انڈے کے برابر آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگا کر سونا ان کو دیا۔ ان کے مالکوں نے اس میں سے چالیس اوقیہ تول کر لے لیا اور ان کے پاس جتنا دیا تھا اتنا ہی باقی رہا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۹۷ مجمع الزوائد ۹/ ۳۳۷-۳۳۶)

حنش بن عقیل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گھونٹ ستو پی کر آخر میں مجھے پلایا تو اب مجھے بھوک لگتی ہے تو اس کی سیری پاتا ہوں اور جب پیاس لگتی ہے تو اس کی سیرابی اور ٹھنڈک پاتا ہوں۔ (مناہل الصفاء للسیوطی /۱۴۱)

ایک تاریک اندھیری رات میں قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے ایک شاخ دی اور فرمایا: لے جاؤ یہ تمہیں تمہارے دس گز آگے اور دس گز پیچھے تک روشنی دے گا۔ اور جب تم گھر میں داخل ہو گے تو اس کو سیاہ دیکھو گے تو اس کو مارنا یہاں تک کہ وہ سیاہی نکل جائے کیونکہ وہ شیطان ہے۔ پس چلے تو اس ٹہنی نے روشنی دی۔ حتی کہ جب گھر میں داخل ہوئے تو اس میں سیاہی پائی تو انہوں نے اس کو مارا یہاں تک کہ وہ سیاہی دور ہو گئی۔ (مسند امام احمد ۳/ ۶۵)

انہیں واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے عکاشہ رضی اللہ عنہ کو ایک لکڑی کی جڑ دی جبکہ ان کی تلوار بدر کے دن ٹوٹ گئی تھی۔ فرمایا: اس سے مارو تو وہ لکڑی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ جو کاٹتی تھی اور لمبی، سفید اور نہایت تیز تھی۔ اس سے لڑتے رہے پھر وہ ہمیشہ ان کے پاس رہی یہاں تک کہ اس سے بکثرت جہاد کئے۔ حتی کہ مرتدین کی لڑائی میں (خلافت صدیقی) میں وہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کا نام انہوں نے عون رکھا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۹۸)

اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو احد کے دن جب ان کی تلوار جاتی رہی تو آپ ﷺ نے کھجور کی ٹہنی دی۔ تو وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۲۵۰)

انہیں برکات میں سے یہ بھی ہے کہ ان بکریوں کا دودھ زیادہ ہو گیا جو بے دودھ تھیں یا حاملہ نہ تھیں۔ جیسے ام معبد (طبقات ابن سعد ۱/ ۲۳۱) اور معاویہ بن ثور رضی اللہ عنہ (طبقات ابن سعد ۱/ ۳۰۴) کے بکریوں کا قصہ ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بکری اور آپ ﷺ کی مرضعہ دائی حلیمہ (الخصائص الکبریٰ ۱/ ۵۴) کی بکریوں کے ریوڑ اور ان کی دبلی اونٹنی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما (مسند امام احمد/ ۴۶۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۸۴) کی وہ بکری جس کو نر نے نہ چھوا تھا اور مقداد رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم کتاب الاطعمہ ۳/ ۱۶۲۵) کی بکری

کے قصے ہیں اور انہیں برکات میں سے آپ ﷺ کا پانی کی مشک میں صحابہ کیلئے پانی زیادہ کرنا ہے (ابن سعد کمانی مناہل الصفاء / ۱۴۲) جب کہ آپ ﷺ نے اس کے دہانہ کو باندھ دیا تھا اور اس میں دعا کی تھی۔ پس جب نماز کا وقت ہوا تو وہ اترے اور مشکیزہ کا دہانہ کھولا تو اس میں عمدہ دودھ مکھن والا تھا۔

حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سر پر دست مبارک پھیر کر برکت کی دعا فرمائی تو جب انہوں نے اسی سال کے ہو کر انتقال کیا تو وہ جوان معلوم ہوتے تھے۔

اس قسم کے واقعات بہت سے لوگوں سے مروی ہیں۔ ان میں سے صائب بن زید (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۰۸/۶) اور مدلوک رضی اللہ عنہ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۱۵/۶) کے واقعات ہیں اور عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۱۶/۶) کی خوشبو عورتوں کی خوشبو پر غالب تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک ان کے پیٹ اور پیٹھ پر پھیرے تھے اور آپ ﷺ نے عائذ بن عمر رضی اللہ عنہ (طبرانی کبیر ۲۰/۱۸، مجمع الزوائد ۴۱۲/۹) کے چہرہ سے خون کو اپنے دست مبارک سے صاف کیا جبکہ وہ حنین کے دن زخمی ہو گئے تھے اور ان کیلئے دعا فرمائی تو ان کا چہرہ اسی طرح دمکنے لگا تھا جیسے گھوڑے کی سفید پیشانی چمکتی ہے۔

آپ نے قیس بن زید جذامی (کوڑھی) کے سر پر دست مبارک پھیر کر دعا فرمائی۔ تو وہ سو سال کے ہو کر فوت ہوئے۔ ان کا سر سفید تھا مگر جہاں آپ کا دست مبارک پھرا تھا اس جگہ بال سیاہ تھے۔ ان کا نام ہی اغر یعنی روشن پیشانی والا پڑ گیا۔ (الاصابہ لابن ابی حجر ۲۴۷/۳)

اس طرح عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۱۶/۶) کی حکایت بھی مروی ہے۔ ایک اور شخص (طبقات ابن سعد ۲۹۹/۱) کے چہرے کو آپ ﷺ نے چھوا تو اس کے چہرہ پر ہمیشہ نور رہا اور آپ نے قتادہ بن ملحان رضی اللہ عنہ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۱۷/۶، الفتح الربانی ۳۴۶/۲) کے چہرے کو مس فرمایا تو ان کا چہرہ چمکنے لگا۔ یہاں تک کہ لوگ ان کے چہرے میں ایسے دیکھتے تھے جیسے آئینہ میں دیکھتے ہیں۔

آپ نے حنظلہ خذیم رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا دست مبارک رکھ کر ان کیلئے دعائے برکت فرمائی تو ان کا یہ حال تھا کہ ان کے پاس وہ آدمی لایا جاتا جس کے چہرے پر ورم ہوتا یا وہ بکری لائی جاتی جس کے تھن میں ورم ہوتا تو وہ اس جگہ مس کرتے جہاں آپ نے اپنی ہتھیلی رکھی تھی تو وہ ورم چلا جاتا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۱۴/۶)

زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ پر آپ نے پانی کے چھینٹے مارے تو وہ حسن و جمال میں ایسی مشہور ہو گئیں کہ کسی عورت میں ایسا نہ تھا۔ (الاستیعاب ۳۲۰/۴)

ایک بچے کے سر پر جو گنجا تھا آپ نے اپنا دست مبارک پھیرا وہ اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔ اور

اس کے بال برابر نکل آئے۔ (الخصائص الکبریٰ لابی نعیم ۱/۲ ۷۱۔۷۰)

ان کے علاوہ بہت سے بچوں، مریضوں اور پاگلوں کو آپ نے تندرست فرمایا۔ آپ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس کے فوطے بڑھے ہوئے تھے تو اس کو فرمایا کہ اس کو اس پانی سے چھینٹے دو جس میں آپ نے کلی کر دی ہے۔ اس نے ایسا کیا اور اچھا ہو گیا۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو دیوانہ پاگل بھی آپ کی خدمت میں لایا جاتا آپ اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرتے تو اس کا جنون جاتا رہتا۔

ایک کنوئیں سے پانی نکال کر اس ڈول میں آپ نے کلی کی۔ پھر وہ پانی اس میں ڈال دیا گیا۔ تو اس سے مشک کی خوشبو آنے لگی۔ (الفتح الربانی ۸۸/۲)

غزوۂ حنین کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی لے کر شاھت الوجوہ پڑھ کر کفار کے چہروں پر پھینکی تو وہ الٹے پاؤں آنکھوں سے مٹی صاف کرتے بھاگے۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر ۱۴۰۲/۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے نسیان (بھول) کی شکایت کی تو آپ نے دامن پھیلانے کا حکم دیا۔ آپ نے چلو کی طرح بھر بھر کر اس میں ڈالا پھر اس کو سینے پر ملنے کا حکم دیا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد پھر کبھی بھول کی شکایت نہ ہوئی۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل ۱۹۴۱/۴۔۱۹۳۹ صحیح بخاری کتاب العلم ۲۹/۱)

اس نسیان کے دور کرنے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت روایتیں مروی ہیں اور جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سینے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مار کر ان کیلئے دعا فرمائی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی کہ وہ گھوڑے پر ٹھہر نہیں سکتے۔ اس کے بعد وہ عرب کے شہسواروں اور گھوڑے پر جم کر بیٹھنے والوں میں ہو گئے۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ۱۹۲۵/۴، صحیح بخاری کتاب المناقب ۳۳/۴)

عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا کیونکہ وہ بچپن میں چیچک زدہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعائے برکت فرمائی تو وہ لوگوں میں لمبا اور خوبرو ہو گیا۔

تیئسویں فصل

آپ ﷺ کو غیب پر اطلاع ہونا

انہیں معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غیوب پر مطلع فرمایا اور آئندہ ہونے والے واقعات سے باخبر کیا۔ اس باب میں احادیث کا وہ بحر ذخار ہے کہ کوئی اس کی گہرائی کو جان ہی نہیں سکتا اور نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے معجزات میں سے یہ ایسا معجزہ ہے جس کی قطعیت معلوم ہے اور ہم تک اس کی خبریں متواتر طریقہ سے کثرت سے پہنچی ہیں کیونکہ اس کے راوی اس کثرت سے نہیں کہ وہ اپنے معنی میں غیب پر مطلع ہونے پر متفق ہیں۔

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم میں رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا تو آپ ﷺ نے کوئی چیز نہ چھوڑی جو قیامت تک اپنی جگہ ہونے والی ہو کہ اس کو آپ ﷺ نے بیان فرمایا جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ یہ میرے ساتھی ان کو جانتے ہیں بیشک اس میں سے کوئی بات ہو جاتی ہے تو میں اس کو پہچان لیتا ہوں اور یاد کر لیتا ہوں۔ جیسا کہ آدمی اس شخص کے چہرے کو جان لیتا ہے جو اس سے غائب ہو جائے۔ پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو وہ پہچان لیتا ہے۔ اس کے بعد حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نہیں جانتا یہ میرے ساتھی اسے بھول گئے ہیں یا وہ بھلا دیئے گئے ہیں۔ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے قیامت تک جتنے فتنہ پیدا کرنے والے قائد (لیڈر و رہنما) ہوں گے کسی کو نہ چھوڑا۔ ان کی تعداد تین سو سے زائد تک پہنچتی ہے بیشک آپ ﷺ نے ان کے نام اور ان کے باپ اور ان کے قبیلہ کے نام تک بیان فرما دیئے ہیں۔ (سنن ابوداؤد ۴/ ۴۴۳۔۴۴۱ صحیح بخاری کتاب القدر ۸/ ۱۰۵، صحیح مسلم کتاب الفتن ۴/ ۲۲۱۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۳۱۳)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسا پرندہ تک نہ چھوڑا جو آسمان میں اپنے پر مارتا مگر آپ ﷺ نے اس کو ہم سے بیان فرمایا۔ (ابی نعیم کما فی الخصائص الکبریٰ ۲/ ۱۰۸)

اہل صحاح اور آئمہ رحمۃ اللہ علیہم نے بلاشک وہ باتیں بیان کی ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بتلائی ہیں اور ان کو ان کے دشمنوں پر غلبہ کا اور فتح مکہ (صحیح بخاری کتاب المغازی ۵/ ۱۲۱۔۱۲۰ صحیح مسلم کتاب الجہاد ۳/ ۱۴۰۵) و بیت المقدس (صحیح بخاری کتاب الجزیہ باب ما یحذر من الغدر ۴/ ۸۰ دلائل النبوۃ للبیہقی

۳۲۱/۶) یمن و شام (صحیح مسلم کتاب الحج، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۲۰/۶) اور عراق کا وعدہ کیا اور امن و امان کے ظہور کی خبر دی تھی حتی کہ ایک عورت (صحیح مسلم کتاب المناقب ۵۷/۴ دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۲۳/۶) بلا خوف و خطر حیرہ سے مکہ مکرمہ تک چلی جائے گی۔ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا اور یہ کہ مدینہ (صحیح مسلم کتاب الحج ۱۰۹/۳ صحیح بخاری کتاب الحج ۱۴۴۱/۳) پر عنقریب لڑائی ہوگی اور کل حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فتح خیبر (صحیح بخاری کتاب المغازی ۱۱۱/۵ صحیح مسلم کتاب الجہاد ۱۴۴۱/۳) ہوگا اور اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر دنیا فتح فرمائے گا۔ اس کی نعمتیں ان کو ملیں گی (صحیح مسلم کتاب الذکر ۲۰۹۸/۵ کتاب الزکوۃ ۷۲۹/۲، ابن ماجہ و ترمذی کتاب الفتن الی آخرہ) اور کسریٰ و قیصر کے خزانے ان پر تقسیم ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی خبر دی جو ان میں فتنے اور اختلاف اور اہل ہوا پیدا ہوں (صحیح بخاری کتاب الفتن باب صلوۃ کنارہ صحیح مسلم کتاب الفن، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۸۷/۶) گے اور یہ کہ دو پہلوں کے راستوں (صحیح بخاری کتاب الاعتصام ۸۳/۹ صحیح مسلم کتاب العلم ۲۰۵۷/۴) پر چل کر ان کے تہتر ٹکڑے ہو جائیں گے (سنن ترمذی کتاب الایمان ۱۴/۴ ۱۳۴، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن ۱۳۲۱/۲ صحیح بخاری کتاب) اور ان میں ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا۔

اور یہ بھی بتایا کہ ان کے فرش نفیس ہوں گے (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۱۹/۶، ۳۲۰) اور صبح و شام لباس بدلیں گے۔ ان کے آگے ایک کھانے کا برتن اٹھایا جائے گا اور دوسرا رکھا جائے گا۔ وہ اپنے گھروں میں پردے ڈالیں گے جیسے کعبہ معظمہ پر پردے پڑتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۵۲۴/۶، الاصابہ ۲۳۱/۲) پھر آپ نے آخر کلام میں فرمایا:

حالانکہ آج کے دن تم آنے والوں دنوں سے بہت بہتر ہو جب کہ وہ لوگ اکڑ کر چلیں گے اور ان کی خدمت میں فارس روم کی لڑکیاں ہوں گی (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲۵۲/۶ صحیح ترمذی کتاب الفتن) اس وقت اللہ تعالیٰ ان میں باہمی عداوت ڈال دے گا اور ان کے برے لوگوں کو ان کے اچھوں پر مسلط کر دے گا اور یہ کہ وہ ترک، خزر اور روم سے جنگ کریں گے۔ (صحیح ترمذی کتاب الفتن ۳۳۷/۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۳۶/۶، ابوداؤد کتاب الفتن ۸۶/۴ صحیح مسلم کتاب الفتن ۲۲۳۳/۴) کسریٰ و فارس کا ملک تباہ ہو گا۔ پھر کبھی کسریٰ اور فارس نہ ہوں گے اور نہ قیصر اس کے بعد ہوگا (صحیح مسلم کتاب الفتن ۲۲۳۷/۴، مسند امام احمد ۳۱۲/۲، ۴۶۷، ۵۰۱ صحیح ترمذی کتاب الفتن ۳۳۷/۲) اور بیان فرمایا۔

کہ ایک روم کی جماعت آخر تک آئے گی اور اشراف کے مرجانے کی خبر دی۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن ۴۴/۹ کتاب الرقاق ۷۸/۹) فرمایا: اشراف مر جائیں گے، زمانہ چھوٹا ہو جائے گا، (صحیح بخاری کتاب

ظہور الفتن ۳/ ۴۱ـ۴۰ صحیح مسلم کتاب العلم ۴/ ۲۰۵۷ (الی آخرۃ) علم قبض کر لیا جائے گا اور فتنہ اور جنگ و جدال کا ظہور ہوگا اور فرمایا: عرب کیلئے افسوس ہے کہ برائیاں قریب ہوگئی ہیں اور بیان فرمایا کہ آپ ﷺ کیلئے تمام زمین سمیٹ دی گئی۔ تو آپ ﷺ نے اس کے مشارق مغارب کو ملاحظہ فرمایا اور عنقریب آپ ﷺ کی امت ان کی مالک ہوگی جتنی تو آپ ﷺ کیلئے زمین سمیٹی گئی اور مشرق میں زمین ہند سے لے کر دور مغرب میں طنجہ تک اس کے بعد آبادی نہیں آپ ﷺ کی امت کی ملوکیت دراز کر دی گئی اور یہ وہ مقام ہے کہ جس کی کوئی امت پہلے مالک نہیں ہوئی اور جنوب و شمال میں اس قدر ملک نہیں بڑھا (صحیح بخاری کتاب ظہور الفتن ۴۱/۰ـ۴۰ صحیح مسلم کتاب العلم ۴/ ۲۰۵۷ (الی آخرۃ) اور آپ ﷺ نے فرمایا:

ہمیشہ غرب کے لوگ حق پر غالب رہیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔ ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ وہ عرب کے لوگ ہیں کیونکہ وہی لوگ غرب یعنی ڈول سے داخل کریں گے۔ پس جنہوں نے ان سے دشمنی کی وہ خوارج اور ناصبی ہیں اور وہ روافض ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں کہ انہوں نے تکفیر کی اور فرمایا: حضرت عثمان (ذوالنورین) رضی اللہ عنہ اس حال میں شہید کئے جائیں گے کہ وہ تلاوت قرآن میں مشغول ہوں گے (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۲۹۳) اور اللہ تعالیٰ بہت جلد ان کو ایسی قمیض پہنائے گا کہ وہ فسادی اس کے اتارنے کی کوشش کریں گے (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۲۹۲) اور یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون اللہ تعالیٰ کے فرمان فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر ٹپکے گا (مستدرک ۳/ ۱۰۳) اور آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیات ہیں فتنے ظاہر نہ ہوں گے (صحیح بخاری کتاب الفتن، صحیح مسلم کتاب الفتن، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۳۸۶) اور آپ ﷺ نے حضرت زبیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی لڑائی کی خبر دی (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶/ ۴۱۴) اور یہ کہ آپ ﷺ کی ایک بیوی پر حواب (ایک جگہ کا نام) کے کتے بھونکیں گے (مسند امام احمد ۶/ ۵۲، ۹۷) اور ان کے قریب بہت سے لوگ قتل ہوں گے۔ (کشف البز ار ۲/ ۹۴) اس کے بعد وہ نجات کے قریب ہوں گے تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بصرے کی طرف نکلتے وقت کتے بھونکے۔

اور فرمایا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی لوگ شہید کریں گے۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن ۴/ ۲۲۳۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۴۲۰) تو ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لوگوں نے شہید کیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: تم کو لوگوں سے افسوس ہے (مجمع الزوائد ۸/ ۲۷۰، تاریخ الخلفاء ۲۱۲، تاریخ دمشق ۷/ ۴۰۱) اور لوگوں کو تم سے افسوس ہے اور قزمان کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخی ہے حالانکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ

بہادری کے ساتھ لڑا (صحیح بخاری کتاب القدر ۸ص / ۱۰۴ صحیح مسلم کتاب الایمان ۱۰۶/۱) مگر (زخموں کی تاب نہ لا کر اس نے خودکشی کر لی تھی) اور آپ ﷺ نے ایک جماعت سے فرمایا: جس میں حضرت ابوہریرہ، سمرہ بن جندب اور حذیفہ رضی اللہ عنہم تھے کہ تم میں سے جو سب سے آخر میں مرے گا آگ میں مرے گا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۵۹/۹، ۴۵۸) تو وہ اصحاب آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ پس وہ سمرہ رضی اللہ عنہ تھے جو سب کے آخر میں فوت ہوئے جو بہت بوڑھے ہو کر عقل خراب ہو گئی اور وہ آگ تاپنے لگے تھے۔ تو اس نے ان کو جلا دیا۔

حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ان کی بیوی سے پوچھو کیونکہ میں نے ان کو فرشتوں کو غسل کراتے دیکھا تو جب ان سے دریافت کیا تو کہا کہ وہ جنبی نکلے تھے اور وہ جہاد کی جلدی میں غسل نہ کر سکے تھے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکتے دیکھے (دلائل النبوۃ لابی نعیم ۴۵۸/۲) آپ ﷺ نے قریش میں خلافت کے بارے میں فرمایا کہ ہمیشہ خلافت قریش میں رہے گی جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے (مسند امام احمد ۴ / ۱۸۵، الترمذی کتاب الفتن ۳۴۲/۳) اور فرمایا: قبیلہ ثقیف میں کذاب اور ظالم ہوں گے۔ (صحیح مسلم فضائل صحابہ ۴ / ۱۹۸۱۔ ۱۹۸۲) چنانچہ لوگوں نے حجاج اور مختار کو دیکھا اور فرمایا کہ مسیلمہ کو اللہ تعالیٰ قتل کرا دے گا۔ (صحیح مسلم کتاب الرویا ۴ / ۱۷۸۰، صحیح بخاری باب علامات نبوت ۲ /۱۶۱) اور فرمایا کہ اہل بیت میں سے سب سے پہلے (حضرت خاتون جنت) فاطمہ رضی اللہ عنہا وصال کر کے (صحیح بخاری کتاب فضائل صحابہ صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ مسند امام احمد ۲ / ۲۴۰۔۷۷) ملیں گی اور مرتدین کے فتنہ سے ڈرایا (صحیح کتاب الایمان ۱/ ۸۲، دلال النبوۃ للبیہقی ۶ / ۳۶۰) اور فرمایا کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت (بلافصل) رہے گی۔ پھر بادشاہت ہو جائے گی۔ (سنن ابوداؤد ۵ / ۳۶ مسند امام احمد ۵ / ۴۴، سنن ترمذی کتاب الفتن ۳ / ۳۴۱) چنانچہ یہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت تک پوری ہوئی: اور فرمایا

بیشک یہ بات نبوت و رحمت سے شروع ہوئی پھر رحمت و خلافت ہوگی پھر زبردست بادشاہت بنے گی پھر امت میں سرکش و جابر اور فسادی پیدا ہوں گے (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۴۰/۶) اور آپ ﷺ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا حال بیان فرمایا (صحیح مسلم ۱۹۶۸/۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۷۵/۶) اور ان حاکموں کی خبر دی جو نمازوں کو اپنے وقتوں سے مؤخر کر دیتے ہیں (صحیح مسلم کتاب المساجد ۳۷۹/۱) اور فرمایا: عنقریب امت میں تیس کذاب (جھوٹے) ظاہر ہوں گے اور ان میں چار عورتیں ہوں گی (مسند امام احمد ۱۰۴/۲) اور

دوسری حدیث میں ہے کہ تیس ایسے مرد کذاب (جھوٹے) ہوں گے اور ان میں سے دجال کذاب ہوگا کہ (صحیح بخاری کتاب الفتن ۹/۴۹ صحیح مسلم کتاب الفتن ۴/ ۲۲۴۰) ہر ایک ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولے گا۔

اور فرمایا قریب ہے کہ تم میں سے بکثرت ایسے عجمی لوگ ہوں گے جو مال غنیمت کھائیں گے اور تمہاری گردنیں کاٹیں گے (کشف الاستار ۴/ ۱۲۸) اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ایک ایک مرد قحطانی لاٹھی سے لوگوں کو نہ ہانکے (صحیح بخاری کتاب الفتن ۹/۴۹ صحیح مسلم کتاب الفتن ۴/۲۲۳۲) اور فرمایا: تمہارے لئے سب سے بہتر زمانہ میرا عہد حاضر ہے۔ پھر جو اس سے متصل ہے۔ اس کے بعد پھر ایک ایسی قوم آئے گی جو گواہی دے گی حالانکہ ان سے گواہی نہ مانگی جائے گی۔ وہ خائن ہوں گے امانت دار نہیں ہوں گے۔ وعدے کریں گے مگر پورے نہ کریں گے۔ وہ موٹے ہوں گے (صحیح مسلم کتاب فضائل ۴/ ۱۹۶۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۵۵۲) اور فرمایا: کوئی زمانہ ایسا نہیں آئے گا جس میں شر نہ ہو۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات نبوت، صحیح مسلم کتاب الفتن ۴/ ۲۲۳۶، دلائل النبوۃ للبیہقی)

اور فرمایا: میری امت کی ہلاکت قریش کے بچوں کے ہاتھوں پر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو تم کو ان کے نام بھی بتادوں کہ وہ فلاں کے بیٹے اور فلاں کے بچے ہیں (سنن ابوداؤد ۵/ ۲۱، مستدرک ۱/ ۸۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۵۴۸) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ قدریہ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۵۴۸، مسند احمد ۱/ ۱۰۳) اور فرقہ رافضیہ (صحیح بخاری کتاب الفضائل ۵/ ۲۸) کے نکلنے کی خبر دی اور ان میں سے پچھلا پہلوں کو گالی دے گا اور فرمایا: انصار تھوڑے رہ جائیں گے۔ حتیٰ کہ آٹے میں نمک کی مانند ان کا معاملہ ہمیشہ تفرقہ میں رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ باقی نہ رہیں گے اور یہ لوگ اس کے بعد بہت اثر پائیں گے۔ (صحیح بخاری کتاب الفضائل ۵/ ۲۸)

اور آپ نے خوارج کا حال بیان فرمایا اور ان کی صفت میں فرمایا کہ ان میں ایک ناقص الخلقت ہوگا اور ان کے سر منڈھے ہوں گے اور فرمایا: بکریوں کے چرانے والے لوگوں کے حاکم ہوں گے اور ننگے بدن والے اونچے محل بنائیں گے اور باندی اپنی مالکہ کو جنے گی۔

اور فرمایا: قریش اور ان کے گروہ کبھی مجھ سے نہ لڑیں گے مگر یہ کہ میں ہی ان سے لڑوں گا (صحیح بخاری کتاب المغازی ۵/ ۹۲) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وبا کی خبر دی جو بیت المقدس کی فتح کے بعد پھیلی تھی (صحیح بخاری کتاب الجزیۃ ۴/ ۸۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۳۲۱) اور یہ کہ بصرے والوں کو حوادث کی خبر دی اور فرمایا

کہ وہ سمندروں میں جنگ کریں گے جیسے بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں (صحیح بخاری الجہاد ۴/۸۰ دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۳۲۱) اور فرمایا: اگر یہ دین ثریا پر چلا جائے تو ہمارے لئے دین کو آبنائے فارس کے کچھ لوگ اتار لائیں گے۔ (صحیح بخاری فضائل صحابہ ۴/۱۹۷۲ صحیح بخاری فی تفسیر ۶/۱۲۶)

(چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کیلئے یہ بشارت بتائی جاتی ہے۔ مترجم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد میں مصروف تھے تو تیز ہوا چلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک منافق کے مرنے کیلئے چلی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب المنافقین ۴/۲۱۴۶) پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو ایسا ہی پایا گیا اور اس کی ساتھی قوم سے فرمایا:

ایک شخص تم میں سے ایسا ہے جس کی داڑھ احد پہاڑ سے بڑی ہے اور وہ جہنم میں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قوم تو مرگئی مگر میں اور ایک اور شخص (اس حال کا واقف) باقی ہے۔ پھر وہ شخص بھی یمامہ کے دن مرتد ہوکر مرگیا (مجمع الزوائد ۱۰/ نمبر ۳۹۱) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو خبر دی جس نے ایک یہودی کی کمان کا چلہ چرایا تھا اور وہ اس کے سامان میں ملا تھا (سنن ابوداؤد ۳/ ۱۵۵، سنن ابن ماجہ باب الجہاد ۲/۹۵۰) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی جس نے دنبہ چرایا تھا اور وہ اس کے پاس تھا (صحیح بخاری ۵/۱۱۵، صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۱۰۸) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹنی کی خبر دی جو گم ہو گئی تھی اور کس طرح ایک مہار درخت میں اٹک گئی تھی (دلائل النبوۃ للبیہقی ۴/۵۹-۶۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم ۲/۵۱۶) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کے خط کی خبر دی۔ جب اس نے مکہ والوں کو لکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح بخاری کتاب المغازی ۵/ ۱۲۰، صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ ۴/۱۹۴۱) نے عمیر کے اسی واقعہ کی خبر دی جو صفوان سے خفیہ شرط ہوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شہید کردے۔ پس جب عمیر قتل کے ارادے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے ارادہ اور خفیہ شرط کی خبر دی اور وہ مسلمان ہوگیا (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۱۴۵) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کی خبر دی جو حضرت عباس نے اپنی بیوی ام فضل کو چھپا کر سپرد کیا تھا۔ تو انہوں نے کہا اس مال کو اس کے اور میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ پھر وہ اسلام لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ عنقریب ابی ابن خلف مارا جائے گا (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۲۵-۲۶) اور عتبہ بن ابی لہب کے بارے میں فرمایا: اس کو اللہ تعالیٰ کا ایک کتا کھا جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر کو (کفار کے صنادد کے) مارے جانے کے نشانات بتائے اور ویسا ہی ہوا جیسا کہ فرمایا۔

(صحیح مسلم کتاب الجہاد ۳/۱۴۰۴)

اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: یہ میرا بیٹا سید ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہ میں صلح کرائے گا۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل صحابہ ۲۲/۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: غالباً یہ تمہاری عمر زیادہ ہو اور مسلمان تو تم سے فائدہ اٹھائیں اور کفار تم سے نقصان (صحیح بخاری کتاب الوصیۃ ۴/۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل موتہ کے مارے جانے کی اس وقت خبر دی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان کے درمیان ایک مہینہ یا اس سے زائد کا فاصلہ تھا (صحیح بخاری کتاب المغازی ۱۱۸/۵) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی (بادشاہ حبش) کے مرنے کی خبر دی جبکہ وہ اپنے ملک میں فوت ہوئے (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۳۱۰ صحیح بخاری کتاب الجنائز) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیروز کو خبر دی جبکہ وہ کسریٰ کا ایلچی بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا کہ آج کسریٰ مر گیا جب فیروز کو یہ بات محقق ہو گئی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۴/ ۳۹۰)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مسند امام احمد ۴۵۷/۶) نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ان کے نکالے جانے کی خبر دی جہاں بھی وہ ہوں اور ان کو مسجد میں سوتا ہوا پایا تو فرمایا: (مسند امام احمد ۱۵۵/۵ اسنن ابن ماجہ فی ذکر الاخبار وصف موت ابی زر ۲/ ۲۳۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۰۲/۶) اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم یہاں سے نکالے جاؤ گے۔ عرض کیا: میں مسجد حرام میں ٹھہر جاؤں گا۔ فرمایا اور جب تم وہاں سے بھی نکالے جاؤ گے اور آخر حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تنہائی کی زندگی اور تنہائی کی موت کی خبر دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ ۱۹۰۷/۴) نے اپنی بیویوں میں سے ان کو جلد ملنے کی خبر دی جس کے ہاتھ لمبے تھے۔ تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو صدقات زیادہ دینے کی وجہ سے طویل ہاتھ سے تعبیر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسند امام احمد ۳/ ۲۶۵۔ ۲۴۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۶۸/۶) تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو طرف (کربلا) میں شہید ہونے کی خبر دی اور مقتل کی مٹی اپنے ہاتھ سے نکالی اور فرمایا: یہ اس جگہ ان کا ٹھکانہ ہو گا اور زید بن صوحان رضی اللہ عنہ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۱۶/۶) کے بارے میں فرمایا۔

ان کا ایک عضو جنت میں ان سے پہلے جائے گا۔ چنانچہ جہاد میں ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے بارے میں فرمایا: جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوہ حراء پر تھے ٹھہر جا کیونکہ تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہے پھر حضرت علی، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہو گی جب کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳۲۵/۶) چنانچہ جب وہ لائے گئے تو حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے ان کو پہنائے اور کہا: اس اللہ تعالیٰ کی تمام حمد ہے جس نے ان کو کسریٰ سے چھینا اور سراقہ رضی اللہ عنہ کو پہنایا اور فرمایا کہ ایک شہر دجلہ اور دجیل، قطربل اور صراط کے درمیان بنایا جائے گا۔ اس کی طرف اس قدر زمین کے خزانے آئیں گے کہ وہ بوجھ سے دھنس جائے گی یعنی بغداد (تاریخ بغداد ۱/ ۲۸) اور فرمایا:

عنقریب اس امت میں ایک مرد ہوگا جس کو ولید کہا جائے گا۔ وہ اس امت کیلئے فرعون جیسا اپنی قوم کیلئے تھا اس سے بدتر (دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/۵۰۵) ہوگا اور فرمایا: قیامت اس وقت نہ آئے گی جب تک دو ایسی جماعتیں جن کا ایک ہی دعویٰ ہوگا آپس میں نہ لڑیں (صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات نبوت، صحیح مسلم کتاب الفتن، مسند امام احمد ۲/ ۳۱۳ دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۴۱۸) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! یہ ایسے مقام پر بہت جلد کھڑا ہوگا جس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔ (مستدرک ۳/ ۲۸۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۳۶۷) چنانچہ ایسا ہی ہوا تو وہ مکہ مکرمہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ کھڑے ہوئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر پہنچی اور انہوں نے ویسا ہی خطبہ دیا اور لوگوں کو ثابت قدم رکھا اور ان کی سمجھوں کو مضبوط کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب ان کو اکیدر کی طرف بھیجا کہ تم اس کو جنگلی گائے (نیل گائے) کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے (دلائل النبوۃ للبیہقی ۵/ ۲۵۳۔۲۵۰) تو یہ تمام باتیں کل کی کل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہوئیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہاں تک کہ وہ باتیں بھی پوری ہوئیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ان کے اسرار اور ان کے پوشیدہ امور کی خبریں دی تھیں اور جو منافقین کے اسرار اور ان کی کفری باتیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور مسلمانوں کے بارے میں تھیں ان کی خبر دی۔

یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے کہہ دیتے کہ خاموش رہو کیونکہ خدا کی قسم اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خبر دینے والا نہ ہوگا تو یہ بطحا کے پتھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جادو کی حالت کی خبر دی جو لبید ابن اعصم نے کیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الطب ۷/ ۱۱۸ صحیح مسلم کتاب الطب ۴/۱۷۲۰) یعنی وہ ایک کنگھی اور بال تھے جو نر کھجور کی جڑ میں رکھے ہوئے تھے اور یہ کہ وہ ذروان کے کنوئیں میں ڈالے ہوئے تھے۔ پس ویسا ہی نکلا جیسا کہ فرمایا تھا اور اسی حالت میں پایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو خبر دی کہ ان کا وہ صحیفہ جس کے ذریعہ بنی ہاشم پر غلبہ پاتے تھے اور

اس کے ذریعہ قطع رحم کرتے تھے اس کو دیمک نے کھالیا ہے۔ اس میں صرف اتنی جگہ باقی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

تو انہوں نے ویسا ہی پایا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کو بیت المقدس (طبرانی کبیر ۲۴ / ۴۳۲، البدایہ والنہایہ ۱۰۸/۲) کی اس وقت اس کی نشانیاں بتائیں جب کہ انہوں نے شب معراج کی خبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ایسی تعریف بیان فرمائی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان اونٹوں کی خبر دی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ گزر میں جا رہے تھے اور ان کے پہنچنے کے وقت کی خبر دی۔ پس یہ سب کے سب جیسے فرمایا ویسے ہی ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حادثات کی خبر دی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوں گے اور ابھی تک نہیں ہوئے تھے۔

ان میں سے وہ مقامات میں جو ظاہر ہوں گے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیت المقدس کی آبادی اور یثرب (مدینہ) کی ویرانی اور یثرب (مدینہ) کی ویرانی جنگ و جدال کا پیش خیمہ ہوگا اور لڑائی کا ظہور فتح قسطنطنیہ ہوگا اور انہیں میں سے قیامت کی علامتیں اور ان کی نشانیاں اور حشر ونشر کا بیان کرنا ہے اور نیکوں، بدوں، جنت و دوزخ اور میدان قیامت کی خبریں ہیں۔

(سنن ابوداؤد کتاب الملاحم ۴ / ۴۸۲)

اس اعتبار سے تو یہ فصل ایک ایک جز پر ایک مستقل دیوان بن جائے گی اور جو کچھ ہم نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے یہ سب ان پوری احادیث کے ٹکڑے ہیں جن کو ہم نے کتابوں سے بیان کیا ہے اور ان میں سے اکثر ہمارے آئمہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک صحیح ہیں۔

چوبیسویں فصل

عصمت نبی ﷺ

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت لوگوں کے شر سے اور اس کی کفایت جو آپ ﷺ کو اذیت دے، حاصل تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ ٦٧)

اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے

اور فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا۔ (الطور ٤٨)

ترجمہ اور آپ صبر فرمایئے اپنے رب کے حکم سے پس آپ بلاشبہ ہماری نظروں میں ہیں۔

اور فرماتا ہے:

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ (الزمر ٣٦)

کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لیے؟

اور کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے دشمن مشرکین پر تمہیں کافی ہیں اور بھی معنی بیان کئے گئے ہیں

اور فرمایا:

اِنَّا کَفَیْنَاکَ الْمُسْتَھْزِئِیْنَ۔ (الحجر ٩٥)

ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کیلئے۔

اور فرمایا:

اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ (الانفال ٣٠)

ترجمہ اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپکے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا۔

حدیث: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالا سناد روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ ٦٧)

تب نبی کریم ﷺ نے اپنے قبہ سے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! اب چلے جاؤ

بیشک میرے رب ﷺ نے میری حفاظت فرمائی۔

(ترمذی تفسیر القرآن تفسیر سورۃ المائدہ ۴/ ۳۱۷، درمنثور ۳/ ۱۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی منزل میں قیام پذیر ہوتے تو آپ ﷺ کے صحابی آپ ﷺ کیلئے کسی درخت کو پسند کرتے تاکہ آپ ﷺ اس کے نیچے قیلولہ (دوپہر کا آرام) فرمائیں۔ تو ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ پر تلوار سونت لی۔ پھر کہنے لگا: اب کون آپ ﷺ کو مجھ سے بچائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تو اس اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگا اور اس کی تلوار گر پڑی اور اس نے اپنے سر کو درخت سے مارا یہاں تک کہ اس کے دماغ سے خون بہنے لگا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔

بیشک یہ قصہ صحیح روایت کیا گیا ہے اور غورث بن حارث صاحب قصہ ہیں۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس کو معاف کر دیا۔ جب وہ اپنی قوم میں واپس گیا تو کہنے لگا: میں تمہارے پاس لوگوں میں سے سب سے بہتر کے پاس سے آیا ہوں۔ (تفسیر درمنثور ۳/ ۱۱۹)

اور اس حکایت کی مثل بیان کیا گیا ہے کہ جو بدر کے دن اس کو پیش آیا۔ یعنی جب آپ قضائے حاجت کیلئے اپنے صحابہ سے علیحدہ ہوئے تب منافقوں میں سے ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے آیا اور اس قصہ کے مثل بیان کیا۔

اسی طرح مروی ہے کہ ایسا ہی ایک واقعہ غزوۂ غطفان (تفسیر درمنثور ۳/ ۱۱۸) میں ذی امر کے مقام پر ایک شخص کے ساتھ پیش آیا جس کو دعثور بن حارث کہا جاتا ہے اور یہ کہ بعد میں وہ مسلمان ہو گیا۔ جب وہ اپنی اس قوم کی طرف واپس گیا جس نے اس کو ورغلایا تھا کیونکہ یہ ان کا سردار اور بہادر تھا۔ تو وہ کہنے لگے کہ تیری وہ بات کیا ہوئی حالانکہ تو قابو پا چکا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے ایک سفید طویل مرد کو دیکھا جس نے میرے سینے پر ہاتھ مارا تو میں پیٹھ کے بل گر پڑا اور تلوار گر پڑی۔ اس وقت میں نے جان لیا کہ وہ فرشتہ ہے۔ اب میں مسلمان ہوں۔ کہا گیا ہے کہ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ۔

(المائدہ ۱۱)

ترجمہ اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی۔ جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ

بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے۔

اور خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ غورث بن حارث محاربی نے ارادہ کیا کہ نبی کریم ﷺ کو قتل کرے۔ آپ ﷺ کو معلوم نہ ہوا یہاں تک کہ وہ تلوار سونت کر آپ ﷺ کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے خدا مجھے اس سے محفوظ رکھ جس طرح تو چاہے تو وہ درد کمر سے چہرے کے بل گر پڑا۔ یہ درد اس کے دونوں کندھوں میں ہوئی اور اس کی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ (زلخہ درد کمر کو کہتے ہیں) اور اس قصہ میں اس کے سوا اور بھی کہا گیا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اس بارے میں یہ آیت اتری:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْهَمَّ قَوْمٌ۔ (المائدہ ۱۱)

ترجمہ اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قریش سے خوف رکھتے تھے (تفسیر درمنثور ۳/۱۲۰) جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ سیدھے لیٹ گئے۔ پھر فرمایا: جو شخص چاہے میری مدد چھوڑ دے۔

عبد ابن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔ (تبت ۴) (ابولہب کی بیوی) یعنی لکڑیاں اٹھانے والی، آپ ﷺ کے راستہ میں جلتی ہوئی لکڑیاں رکھا کرتی تھیں تو آپ ﷺ اس کو ایسے پامال کرتے تھے جیسے ریت ہو۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے بیان کیا کہ جب اس کو سورۃ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ۔ (تبت ۱) ''ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ'' کے نازل ہونے کی خبر پہنچی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی برائی بھی بیان کی ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی درآنحالیکہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھے جب وہ دونوں کے پاس کھڑی ہوئی تو اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا آپ ﷺ کو نہ دیکھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی نظروں سے اپنے نبی ﷺ کو چھپا لیا۔ اس نے کہا:

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ مجھے خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے میری مذمت کی ہے۔ خدا کی قسم اگر میں ان کو اس وقت پالوں تو ان پتھروں سے (خاک بدہن) ان کا منہ کچل دوں۔

حکم ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کے بارے میں معاہدہ کیا یہاں تک کہ ہم نے مسجد میں آپ ﷺ کو دیکھا تو ہم نے پیچھے سے ایک (ہولناک) آواز سنی۔ اسی وقت

ہم نے گمان کیا کہ تہامہ میں کوئی (زندہ) باقی نہ رہا ہوگا۔ تو ہم غش کھا کر گر پڑے تو ہم اس وقت ہوش میں آئے جب آپ ﷺ نماز ختم کر کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ پھر ہم نے دوسری رات معاہدہ کیا اور ہم آئے یہاں تک کہ ہم نے آپ ﷺ کو دیکھا اس وقت صفا مروہ آ کر ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان حائل ہوگیا۔ (مجمع الزوائد ۸ / ۲۲۷، تفسیر درمنثور ۷ / ۴۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اور جھم ابن حذیفہ نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا معاہدہ کیا تو ہم آپ کی قیام گاہ پر آئے تو ہم نے آپ ﷺ کو تلاوت کرتے سنا کہ آپ سورۂ الحاقہ پڑھ رہے ہیں۔ جب آپ نے

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ۔ (الحاقہ ۸)

کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد۔

کو پڑھا تو ابوجہم نے عمر رضی اللہ عنہ کے بازو پر ہاتھ مارا اور کہا کہ نجات پاؤ تو ہم دونوں وہیں سے بھاگے۔ (تفسیر درمنثور ۸/۲۶۳)

تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے مقدمات تھے اور ان میں وہ مشہور عبرت اور کفایت نامہ ہے کہ جبکہ آپ ﷺ کو قریش نے خوفزدہ کیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/۴۷۵ درمنثور ۷/۴۴)

اور آپ ﷺ کے قتل پر سب نے مجتمع ہو کر رات کے وقت آپ ﷺ کے گھر کو گھیر لیا۔ تب آپ ﷺ نے اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور ان کے سروں پر کھڑے ہو گئے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر مہر لگائی اور ان کے سروں پر مٹی ڈالی اور آپ ﷺ کو ان سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ کے ساتھ حمایت غار میں ان کے دیکھنے سے ظاہر ہے۔ بسبب ان نشانیوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے مہیا فرمایا۔ مثلاً مکڑی کا جالا بننا وغیرہ۔

یہاں تک کہ امیہ بن خلف سے جب انہوں نے کہا کہ ہم اس غار میں داخل ہوں تو اس نے کہا: کیا تم اس کے دہانہ پر دیکھتے نہیں کہ اس پر مکڑی کا جالا ہے جس کو حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے دیکھ رہا ہوں اور یہ کہ دو کبوتر غار کے دہانہ پر موجود ہیں۔ تو قریش نے کہا کہ اگر اس میں کوئی ہوتا تو یہ کبوتر اس جگہ کیسے ہوتے؟

اور ہجرت کے وقت آپ ﷺ کا وہ قصہ جو سراقہ ابن مالک ابن جعشم کے ساتھ پیش آیا۔

(صحیح بخاری ۵/۵۱، صحیح مسلم ۳/۱۵۹۲)

اور بیشک قریش نے آپ ﷺ کے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں انعام مقرر کیا تھا اور اس کی سراقہ کو خبر دی گئی تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے تعاقب میں چلا۔ حتیٰ کہ جب وہ آپ ﷺ کے بالکل قریب ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس پر بددعا کی تو اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور وہ اس سے گر پڑا اور تیروں سے فال نکالنے لگا۔ تو وہ بات نکلی جو اسے ناپسند تھی۔ پھر وہ سوار ہوا اور قریب آیا یہاں تک کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے قرات کو سنا۔ درآنحالیکہ آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ نہ تھے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے۔ تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم پر کوئی آ گیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (التوبہ ۴۰)

مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

تو دوبارہ وہ گھٹنوں تک دھنس گیا اور وہ اس سے گر پڑا۔ پھر اس نے گھوڑے کو ڈانٹا تو وہ گھوڑا اس حال میں اٹھا کہ اس کے پاؤں سے مثل دھوئیں کے اٹھ رہا تھا تو اس وقت اس نے امان مانگی۔ تب آپ ﷺ نے اس کو امان لکھ دی۔ اسی امان نامہ کو فہیرہ رضی اللہ عنہ نے لکھا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ پھر اس نے قریش کی خبریں سنائیں اور نبی کریم ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ جو بھی راستہ میں تلاش کرنے والا ملے اسے نہ چھوڑنا کہ وہ آپ ﷺ سے ملے۔ پھر وہ لوٹ گیا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ بس تمہیں کافی ہے اب وہ یہاں نہیں ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم دونوں نے مجھ پر بددعا کی ہے۔ پس اب میرے لئے دعا کرو۔ تو وہ نجات پا گیا اور اسی وقت اس کے دل میں آپ ﷺ کا اثر جاگزیں ہو گیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک چرواہے نے آپ دونوں کی خبریں معلوم کیں تو وہ جلدی سے چلا کہ قریش کو خبر دے دے پس جب وہ مکہ آیا تو اس کے دل سے وہ بات بھلا دی گئی۔ پس وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کرنا ہے اور وہ بھول میں پڑ گیا کہ کیوں نکلا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جگہ واپس آ گیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ابوجہل ایک پتھر لے کر آیا درآنحالیکہ آپ ﷺ سجدہ میں تھے اور قریش دیکھ رہے تھے کہ اب وہ پتھر آپ ﷺ پر ڈالتا ہے مگر وہ پتھر اس کے ہاتھ میں چمٹ گیا اور اس کے دونوں ہاتھ گردن تک خشک ہو گئے۔ تب وہ الٹے پاؤں لوگوں کی طرف

پیچھے بھاگا۔ پھر اس نے آپ ﷺ ہی سے سوال کیا کہ اس کیلئے دعا فرمائیں تو اس کے ہاتھ کھل گئے۔ حالانکہ اس نے قریش کے ساتھ اس کا وعدہ کیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ اگر آپ ﷺ کو دیکھے گا تو ضرور (خاک بدہن) آپ ﷺ کا سر کچل دے گا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ۲۰۵/۱)

پھر قریش نے اس سے آپ ﷺ کی بابت پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ پہلے تو مجھے ایک ایسا اونٹ ملا کہ اس جیسا میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ ارادہ کر رہا تھا کہ مجھے کھا جائے۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے اگر قریب ہوتا تو وہ اس کو پکڑ لیتے۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ بنی مغیرہ کا ایک مرد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تاکہ وہ آپ ﷺ کو معاذ اللہ قتل کر دے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی پر طمانچہ مارا تو اس نے آپ ﷺ کو نہ دیکھا حالانکہ وہ آپ ﷺ کی باتیں سن رہا تھا۔ پس وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا۔ تو اس نے ان کو نہ دیکھا حتیٰ کہ اس کو پکارا، اور مذکور ہے کہ ان دونوں قصوں پر یہ آیت اتری:

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا۔ (یٰسین ۷)

ہم نے ڈال دیے ہیں ان کی گردنوں میں طوق

اور اسی میں سے وہ آپ ﷺ کا قصہ ہے جس کو ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ جب اپنے اصحاب کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف تشریف لے گئے اور آپ ﷺ ایک اونچے مکان کے نیچے بیٹھے تو اس میں سے ایک کو عمرو بن حجاش ابھارتا تھا کہ آپ ﷺ پر چکی کا پاٹ ڈال دے پھر نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو یہ قصہ بتایا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اس قصہ کی بابت یہ آیت اتری:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ۔ (المائدہ ۱۱)

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ بنی نضیر کی طرف تشریف لے گئے۔ بنی کلاب کے دو مردوں کے بارے میں جن کو عمرو بن امیہ نے قتل کیا تھا۔ تو آپ ﷺ سے حی بن اخطب نے کہا: بیٹھیے اے ابوالقاسم یہاں تک کہ ہم آپ ﷺ کو کھانا کھلائیں اور جو آپ ﷺ چاہتے ہیں وہ دیں۔ تب نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھ گئے اور حی نے کفار کے ساتھ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا مشورہ کیا تو جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دے دی۔ آپ ﷺ ایسے

کھڑے ہوئے جیسے آپ ﷺ کو کوئی ضرورت لاحق ہوگئی ہے۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے۔ (دلائل النبوۃ للبیھقی ۳ / ۱۸۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم ۲/ ۴۹۱)

اہل تفسیر نے اس حدیث کے معنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کئے ہیں کہ ابو جہل نے قریش سے وعدہ کیا کہ اگر حضور ﷺ کو نماز پڑھتا دیکھے تو وہ آپ ﷺ کی گردن پامال کر دے گا۔ جس وقت آپ ﷺ نے نماز پڑھنی شروع کی تو قریش نے اس کو بتایا تو وہ آگے آیا۔ جب وہ آپ ﷺ کے قریب ہوا تو ایڑیوں کے بل الٹا چیختا ہاتھوں سے اپنے آپ کو بچاتا بھاگا۔

جب اس سے پوچھا گیا تو کہا کہ میں جب آپ ﷺ کے قریب ہوا تو ایک ایسی کھائی (خندق) کے کنارے پہنچا جو آگ سے بھری ہوئی تھی۔ قریب تھا کہ میں اس میں گر پڑوں۔ مجھے بہت ڈر معلوم ہوا اور پروں کا ملنا دیکھا جس سے زمین بھر گئی تھی۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے۔ اگر وہ قریب ہوتا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ پھر آپ ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰی۔ (العلق ٦)

ہاں ہاں! بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے (آخرت سورت تک)

(صحیح مسلم ۴ / ۲۱۵۳، تحفۃ الاشراف ۱۰/ ۹۲)

مروی ہے کہ شیبہ بن عثمان حجبی نے غزوۂ حنین کے دن آپ ﷺ کو پایا کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کے باپ اور چچا کو قتل کر دیا تھا تو میں نے کہا آج میں ان کا بدلہ آپ ﷺ سے لوں گا۔ چنانچہ جب لوگ گتھم گتھا ہو گئے تو وہ آپ ﷺ کے پیچھے سے آیا اور اس نے تلوار کھینچ کر آپ ﷺ پر وار کرنا چاہا۔ راوی نے کہا کہ جب میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو میری طرف ایک آگ کی لپٹ بجلی سے زیادہ تیز لپکی تو میں الٹے قدم بھاگا۔

جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو مجھے بلایا اور اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا درانحالیکہ آپ مخلوق میں میرے نزدیک سب سے زیادہ دشمن تھے۔ ابھی آپ ﷺ نے دست مبارک سینہ سے اٹھایا نہ تھا کہ آپ ﷺ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب معلوم ہونے لگے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قریب ہو اور جہاد کر۔ تو میں آپ ﷺ کے آگے ہو کر اپنی تلوار سے کفار کو مارتا تھا اور آپ ﷺ کو اپنی جان سے بچاتا تھا۔ مگر اس وقت میرا باپ بھی سامنے آجاتا تو یقیناً میں اس پر آپ ﷺ کے بچانے کی خاطر حملہ کرتا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/ ۱۹۵)

● فضالہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے فتح مکہ کے دن قصد کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دوں۔ درآنحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ پس جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو فرمایا: کیا فضالہ ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: تو اپنے دل میں کیسی باتیں کرتا ہے؟ میں نے کہا: کچھ نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور میرے لئے استغفار کیا اور اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا میرے دل میں سکون و قرار ہو گیا۔ خدا کی قسم ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک اٹھایا نہ تھا کہ مخلوق الٰہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی چیز مجھے محبوب نہ معلوم ہوئی۔

یہ بات تو مشہور ہے کہ عامر بن طفیل اور ارید بن قیس جب وفد بن کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عامر نے ارید سے کہا تھا کہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو اپنی باتوں میں مشغول کر لوں تو تو تلوار کی ضرب لگانا تو اس نے نہیں دیکھا کہ وہ کچھ کرے۔ بعد کو جب اس بارے میں اس سے بات کی تو ارید نے کہا کہ خدا کی قسم میں قصد کر رہا تھا کہ تلوار ماروں مگر میں نے تجھ کو اپنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل پایا تو کیا میں تجھ کو مارتا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ۲/۲۰۷)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت بہت سے موقعوں پر یہود اور کاہنوں سے فرمائی کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو ڈرایا اور قریش کی انہوں نے مدد کی اور انہیں بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سطوت (حکومت) تم پر چاہتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر ان کو ابھارا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔ یہاں تک کہ ان میں امر الٰہی پورا ہوا اور اسی قبیل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور ایک ایک مہینہ کی مسافت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اور پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

پچیسویں فصل

آپ ﷺ کے روشن معجزات

اور آپ ﷺ کے روشن معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علوم و معارف کا جامع کیا اور تمام دین و دنیا کے مصالح پر آپ ﷺ کو مطلع کر کے مخصوص فرمایا اور آپ ﷺ کو امور شرعیہ، قوانین دینیہ سیاست دینیہ (حکومت کے آئین) کی معرفت عطا فرمائی اور آپ ﷺ سے پہلے گزری ہوئی امتوں کے حالات کی خبر دی اور انبیاء و رسل علیہم السلام اور بادشاہوں کے قصے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کے زمانہ اقدس تک تمام گزرے ہوئے زمانوں کی اطلاع بخشی اور ان کی شریعتوں اور کتابوں سے باخبر کیا اور ان کی سیرتیں، ان کی خبریں، ان میں اللہ تعالیٰ کے دنوں، ان کے اشخاص کی صفات، ان کی مختلف آراء، ان کی عمروں کی مدتیں، ان کے عقلمندوں کی حکمتیں، ہر ایک امت کے کفار سے جھگڑے ہر فرقے کا ان کی ان کتابوں سے معارضے ہیں جو وہ کتابیں رکھتے تھے ان کے بھیدوں اور ان کے چھپے ہوئے علوم کی خبریں دینا اور ان خبروں کو بتانا جس کو وہ چھپاتے تھے، لغات عرب کے ان تغیرات کو بتانا جن کو وہ بدل چکے تھے اور مختلف فرقوں کے نادر الفاظ، ان کی فصاحت کی اقسام کا احاطہ ان کے دلیل و بند اور مثالوں، حکمتوں، اشعار کے معانی وغیرہ کی حفاظت یہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کھول دیئے۔

اور آپ ﷺ کو جوامع کلم، امثال صحیحہ کے منطبق کرنے کی معرفت، روشن حکمتیں تاکہ باریک باتیں سمجھ کے قریب ہوں۔ مشکل الفاظ کی وضاحت عطا فرمائی اور قواعد شریعہ کی بایں طور درستگی فرمائی کہ جس میں تناقض و تخاذل نہ ہو اور آپ ﷺ کی شریعت پاکیزہ اخلاق، عمدہ تعریف و آداب کی حامل ہو اور ہر چیز اس خوبی کے ساتھ مفصل ہو کر کسی منکر ملحد صاحب عقل سلیم کو کسی جہت سے تنگی نہ محسوس ہو بلکہ جو بھی اس کا منکر و کافر اور جاہل ہو جب اس کو سنے اور اس کی طرف بلایا جائے تو اس کو درست و مستحسن ہی مانے اور کسی دلیل و حجت کے قائم کرنے کی اس پر حاجت نہ رہے۔

پھر مسلمانوں کیلئے وہ چیزیں حلال کی گئیں جو طیب ہیں اور ان پر خبیث چیزوں کو حرام کیا گیا اور ان کی حیاتوں، عزتوں اور مالوں کو آخرت کے عذاب اور جلدی حدود کے نفاذ سے اور مدت تک عذاب نار سے ڈرا کر بچایا یہاں تک کہ وہ بہت سے علوم و فنون کو شامل ہے جن کو جاننے والا ہی جانتا ہے۔ جیسے فن طب، تعبیر، فرائض حساب اور نسب وغیرہ اور ان کے بعض علماء نے تو حضور ﷺ

کے کلام مبارک کو بطور سند واصول کے اپنے علوم میں بیان کیا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

خواب سب سے پہلے دیکھنے والے کیلئے ہے (سنن ابن ماجہ ۲/ ۲۸۸) اور وہ پرندے کے پاؤں پر ہے۔ (سنن ابوداؤد ۵/ ۲۸۱ سنن ترمذی ۳/ ۳۶۶، ابن ماجہ کتاب الرؤیا ۲/ ۱۲۸۸) (یعنی فورا ہونے والی ہے) اور فرمایا: خواب تین قسم کے ہوتے ہیں (صحیح مسلم کتاب الرؤیا ۴/ ۱۷۷۲، سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۲۸۵) ایک رویا حق ہے دوسرا رؤیا وہ کہ جو مرد کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ (خطرہ وغیرہ) اور تیسرا رؤیا غمگین ہے جو شیطان کے وسوسہ سے ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہوگا (قرب قیامت یا دن رات کی برابری) تو مسلمان کی خواب جھوٹی نہ ہوگی (صحیح مسلم کتاب الرؤیا ۴/ ۱۷۷۳، سنن ابوداؤد کتاب الادب ۵/ ۲۸۲ سنن ترمذی ۳/ ۳۶۳) اور یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر بیماری کی جڑ بدہضمی (البردۃ) ہے۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (مجمع الزوائد ۵/ ۸۶ واللالی للمصنف ۲/ ۲۰۸) نے آپ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس میں آنے والی ہیں اگرچہ اس حدیث کو ہم صحیح نہیں کہتے کیونکہ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ اس کو موضوع بیان کرنے میں کلام کرتے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر دوا جو تم کرتے ہو وہ سعوط (نسوار) اور لدود (جو دوائی پی جائے) اور پچھنے (حجامت) اور مسہل (سنن ترمذی کتاب الطب ۳/ ۲۶۲) ہے۔ حجامت کیلئے بہتر دن ۱۷، ۱۹، ۲۱ تاریخ (قمری) ہے (مستدرک کتاب الطلب ۴/ ۲۱۰) اور عود ہندی کے بارے فرمایا: اس سے سات بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ منجملہ ان میں ذات الجعب ہے (صحیح بخاری کتاب الطلب ۷/ ۱۰۸) اور فرمایا: ابن آدم نے پیٹ سے بڑھ کر کوئی بڑا برتن نہیں بھرا یہاں تک فرمایا کہ اگر ضروری ہی بھرنا ہو تو تہائی کھانے کیلئے دو تہائی پانی کیلئے اور ایک تہائی سانس کیلئے۔

اور فرمایا: بیشک سبا کے بارے میں پوچھا گیا کیا وہ مرد ہے یا عورت یا زمین۔ فرمایا: وہ مرد حق جس کے دس بیٹے تھے چھ یمن میں اور چار شام میں جا کر آباد ہوئے۔ (ترمذی باب التفسیر ۵/ ۳۹)

یہ حدیث طویل ہے۔ اسی طرح قضاعہ کے نسب کے بارے میں جواب دیا۔

(مجمع الزوائد ۱/ ۱۹۵، ۱۹۴)

اس کے علاوہ وہ باتیں جن میں عرب پریشان تھے بتائیں باجودیکہ وہ لوگ نسب میں مشغول رہا کرتے تھے مگر آپ ﷺ سے پوچھنے میں مجبور تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا حمیر عرب کا سردار تھا اور اچھا تھا۔ اور اس کا مذحج سر اور گردن ہے اور ازد اس کا کاہل یعنی پیٹھ اور کھوپڑی ہے۔ شکم دان اس کا غارب (کیشرط) اور چوٹی ہے۔

(کشف الاستار ۳/ ۳۰۵، مجمع الزوائد ۱۰/ ۴۱)

اور فرمایا زمانہ بیشک دور میں ہے۔ اپنی اس کے ساتھ جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا۔ (صحیح بخاری ۶/ ۵۵ صحیح مسلم کتاب القسامۃ ۳/ ۱۳۰۵)

اور حوض کوثر کے بارے میں فرمایا اس کے زادئے (گوشے) برابر ہیں۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۷۹۳)

اور ذکر کی حدیث میں فرمایا۔ ایک نیکی دس گنا ہوگی۔ پس وہ ایک سو پچاس تو (نماز میں) زبان پر ہیں اور ایک ہزار پانچ سو میزان میں ہیں۔

(سنن ابوداؤد کتاب الادب ۵/ ۳۰۹، سنن ابن ماجہ کتاب الاقامہ ۱/ ۲۹۹)

اور ایک جگہ کے بارے میں فرمایا: یہ حمام کی اچھی جگہ ہے (طبرانی، مجمع الزوائد) اور فرمایا: مشرق و مغرب کے مابین (مکہ میں) قبلہ ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الصلوۃ ۱/ ۲۱۴)

اور عینیہ یا اقرع سے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ گھوڑے کو پہچانتا ہوں اور آپ ﷺ نے اپنے کاتب سے فرمایا: قلم کو اپنے کانوں پر رکھ کیونکہ یہ لکھنے والے کو خوب یاد دلاتا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب الطہارۃ ۱/ ۱۹)

اس کو یاد رکھو کہ باوجود اس کے کہ آپ ﷺ لکھتے نہ تھے مگر اللہ نے آپ کو ہر چیز کا علم دیا ہے حتیٰ کہ بلاشبہ ایسی حدیثیں مروی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ حروف کی کشش کو جانتے تھے اور اسکی خوبصورتی کو پہچانتے ہیں۔ جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو لمبا نہ لکھو۔ ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے اس کو روایت کیا۔ (الفردوس ۱/ ۲۹۶)

دوسری وہ حدیث جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے لکھ رہے تھے اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: دوات کو ٹھیک کرو اور قلم کی نوک نکالو باء کو کھڑا کرو اور سین کے دندانہ نکالو اور میم کے دائرے کو بند نہ کرو۔ لفظ اللہ تعالیٰ کو خوبصورت لکھو اور الرحمٰن کو لمبا لکھو اور لفظ الرحیم کو عمدہ لکھو یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔ (مسند الفردوس دیلمی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی / ۱۶۸)

اگرچہ یہ بات ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے کچھ لکھا ہو مگر یہ آپ ﷺ سے بعید نہیں کیونکہ آپ ﷺ کو ہر چیز کا علم تو دیا گیا ہو مگر پڑھنے لکھنے سے منع کر دیا ہو لیکن لغات عرب کا آپ ﷺ کو علم ہونا اور اشعار کے معانی کا یاد کرنا یہ ایسی چیزیں ہیں جو مشہور و معروف ہیں۔ بیشک کتاب (شفاء) کے اول فصلوں میں اس پر ہم نے تم کو خبردار کر دیا ہے۔ اسی طرح گزشتہ امتوں کی بہت سی نعمتوں کا

یاد کرنا ثابت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: سنہ سنہ جس کے معنی حسنہ حبش کی لغت میں ہے۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس ۷/۱۳)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ہرج بہت ہو گیا یعنی قتل بہت ہو گیا۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن ۹/۴۱ صحیح مسلم کتاب العلم ۴/۲۰۵۶)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اشکنب۔ درد۔ یعنی فارسی زبان میں پیٹ کے درد کو کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے ایسے علوم ہیں جن کے کل یا بعض کو وہی اچھی طرح جان سکتا ہے جس نے ساری عمر کتابوں کے پڑھنے میں صرف کی ہو اور ہر وقت کتابوں میں ہی مشغول ہو اور اہل فن سے لگاؤ رکھتا ہو۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الطب ۲/۱۱۵۴)

اور آپ ﷺ ایسے مرد تھے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ امی ہیں جو نہ لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں اور نہ ایسے لوگوں کی مجلسوں میں رہے ہیں۔ جن کی یہ صفت تھی اور نہ ان کے علموں میں سے کسی علم کو پڑھا اور نہ پہلے آپ ﷺ ان میں سے کسی علم میں مشہور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ۔ (العنکبوت ۴۸)

ترجمہ اور نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے۔

اہل عرب کا انتہائی علم یہ تھا کہ وہ نبیوں کو اور پہلوں کی خبروں کو اور شعر و بیان کو صرف جانتے تھے اور یہ بھی ان کو جب حاصل ہوتا تھا جبکہ وہ حصول علم کی کوشش کرتے اور طلب علم میں مشغول رہتے اور اہل علم سے مذاکرہ کرتے تھے۔

حالانکہ یہ فن تو آپ ﷺ کے دریائے علم کا صرف ایک قطرہ اور نقطہ ہے اور جو چیزیں ہم نے بیان کی ہیں ان میں ملحدین کے انکار کی اصلاً گنجائش نہیں اور کفار کو تو اس کے رفع کرنے میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا جو ہم نے واضح کیا ہے۔ کہ وہ یہ کہیں کہ یہ تو پچھلوں کی کہانیاں ہیں اور یہ کہ یہ تو انسان کا سکھایا ہوا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو مردود کر دیا کہ جو یہ نسبت جس کی طرف کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے حالانکہ یہ فصیح عربی زبان ہے۔

پھر وہ جو انہوں نے کہا وہ تو صریح مکابرہ ہے کیونکہ وہ جس کی طرف آپ ﷺ کی تعلیم کی نسبت کرتے تھے وہ یا تو مسلمان تھے یا رومی بلعام۔ حالانکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے تو آپ ﷺ کو ہجرت کے بعد پہچانا اور (اس سے پیشتر) قرآن بکثرت نازل ہو چکا تھا اور بے شمار نشانیاں اور

معجزات ظاہر ہو چکے تھے۔ اسی طرح رومی بلعام۔ وہ بھی اسلام لا چکے تھے اور آپ ﷺ سے قرآن پڑھتے تھے۔

ان کے نام میں اختلاف ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کوہ مروہ پر اس کے پاس بیٹھا کرتے تھے (بہرصورت) یہ دونوں عجمی زبان والے تھے اور یہ جھگڑالو (کفار) فصحاء اور تیز وطرار خطباء بلاشبہ معارضہ میں قرآن کا مثل لانے میں عاجز رہے بلکہ اس کے وصف، ترکیب سوز اور نظم کلام کی سمجھ سے بھی قاصر تھے تو عجمی (گونگوں) کا کیا شمار۔

لیکن ہاں! حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہوں بَلْعَامُ رومی یا بَعِيْشُ یا جَبْرٌ یا يَسَارٌ کہ جس کے نام میں اختلاف ہے۔ یہ ان کے سامنے ان سے مدۃ العمر کلام کرتے رہے تھے تو کیا کوئی بھی یہ کہتا ملا کہ یہ جو آپ ﷺ لائے ہیں۔ یعنی قرآن وہ ویسا ہی ہے جیسے یہ باتیں کرتے ہیں اور کیا ان میں سے ایک سے بھی یہ باتیں مشہور ہوئی ہیں اور اس وقت دشمن کو باوجود ان کی کثرت تعداد اور سخت طلب معارضہ اور انتہائی حسد کے کسی نے ان کو نہ روکا تھا کہ وہ بھی ان میں کسی کے پاس بیٹھ کر ان سے حاصل کر کے معارضہ کرے اور ان سے ایسی باتیں سیکھیں جو معارضہ ومجادلہ میں ضروری ہیں۔

جیسا کہ نضر بن حارث نے کیا کہ وہ کتابوں سے من گھڑت خبریں بیان کرتا تھا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کسی وقت بھی اپنی قوم سے غائب نہ رہے اور نہ کثرت کے ساتھ اہل کتاب کے شہروں میں میل جول رہا۔

جو یہ کہا جاتا کہ آپ ﷺ نے ان سے مدد لی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ ان کے سامنے اپنے بچپنے اپنی جوانی میں انبیاء علیہم السلام کی عادت کے مطابق بکریاں چراتے رہے۔ پھر یہ کہ کبھی آپ ﷺ ان کے شہروں سے باہر نہ نکلے مگر ایک یا دو سفروں میں ان دونوں سفروں میں بھی اتنی مدت نہ لگائی جس سے احتمال ہو کہ آپ ﷺ نے تھوڑی سی بھی تعلیم حاصل کی چہ جائیکہ کثیر۔ بلکہ آپ ﷺ کے سفروں میں بھی آپ ﷺ کی قوم ساتھ رہی ہے اور اپنے قرباء کی رفاقت سے کسی حال میں پوشیدہ نہ رہے اور مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں بھی آپ ﷺ کی حالت نہ بدلی کہ آپ ﷺ تعلیم پانے اور نہ کسی یہودی عالم یا نصرانی راہب یا نجومی یا کاہن کے پاس رہے بلکہ اگر یہ سب باتیں بھی ہوتیں تب بھی آپ ﷺ کا وہ چیز لانا جو قرآن مجید کا اعجاز ہے۔ یقیناً ان کے ہر ایک عذر کو قطع کرنے والا اور ہر دلیل کو دور کرنے والا اور ہر امر کو صاف کرنے والا ہے۔

چھبیسویں فصل

آپ ﷺ کی بتلائی ہوئی غیبی خبریں

آپ ﷺ کی خصوصیات و کرامات اور ظاہر معجزات میں سے وہ غیبی خبریں ہیں جو ملائکہ اور جنات کے ساتھ ہوئیں اور فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کی مدد فرمانا اور جنات کو آپ ﷺ کا مطیع فرمان بنانا اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان کو دیکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ۔ (التحریم۴)

ترجمہ اور اگر تم نے ایکا کرلیا آپ کے مقابلہ میں تو (خوب جان لو) کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے اور جبرائیل۔

اور فرمایا:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (الانفال۱۲)

ترجمہ یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو۔

اور فرمایا:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ۔ (الانفال۹)

ترجمہ یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد (اور فرمایا) یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری۔

اور فرمایا:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ (الاحقاف ۲۹)

ترجمہ اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں۔

حدیث: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالا سنا د روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ (النجم ۱۸)

یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو پر تھے۔

اور حدیث میں آپ ﷺ کا جبریل و اسرافیل علیہما السلام وغیرہ کے ساتھ باتیں کرنا ثابت ہے اور شب معراج آپ ﷺ کا بڑی اور چھوٹی صورتوں میں ان کو بکثرت مشاہدہ کرنا مشہور ہے اور بیشک آپ ﷺ کی مجلس میں مختلف مقامات پر جماعت صحابہ نے ان کو دیکھا۔ پس آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے جبریل علیہ السلام کو آپ ﷺ کے پاس ایک مرد کی صورت میں دیکھا کہ وہ آپ ﷺ سے اسلام اور ایمان کے بارے میں سوال کر رہے ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۳۷۔۳۶ مقدمہ سنن ابوداؤد ۱/ ۲۴ سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۳۴۳، مجمع الزوائد ۲۷۶/۹)

اور حضرت ابن عباس، اسامہ بن زید وغیرہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام کو وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں دیکھا۔ (صحیح مسلم ۱۹۰۶/۴، صحیح بخاری ۲/ ۱۶۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۷/ ۶۸)

اور سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے داہنے اور بائیں حضرت جبریل و میکائیل علیہما السلام دو آدمیوں کی صورت میں ہیں جن پر سفید کپڑے ہیں۔

(صحیح بخاری ۷/ ۱۲۸، صحیح مسلم ۴/ ۱۸۰۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۲۵۵)

اس کے مثل دوسروں سے بھی مروی ہیں اور بعض صحابہ نے بدر کے دن ملائکہ کو اپنے گھوڑوں کو جھڑکتے سنا۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد ۳/ ۱۳۸۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۵۲)

اور بعض صحابہ نے کفار کے سروں کو اڑتے تو دیکھا مگر مارنے والے کو نہ دیکھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۵۶)

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے اس دن چند سفید پوش مردوں کو چتکبرے گھوڑوں پر سوار زمین و آسمان کے درمیان دیکھا اور کوئی ان جیسا خوبصورت نہیں ہوسکتا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۵۷)

اور بے شک فرشتہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کیا کرتا تھا۔

(صحیح مسلم کتاب الحج ۹۰۰/۲ دلائل النبوہ للبیہقی ۷/ ۷۹)

نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ میں جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج باب جواز التمتع ۸۹۹/۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ۷/ ۸۱)

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے جنوں والی رات میں جنات کو دیکھا اور ان کی باتیں سنیں اور ان کو قوم زط سے تشبیہ دی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۲۳۱، تفسیر درمنثور ۸/ ۳۰۷)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب احد کے دن شہید ہو گئے تو ان کا

جھنڈا فرشتے نے پکڑ لیا جوان کی صورت پر تھا پس نبی کریم ﷺ فرماتے تھے۔ آگے بڑھوائے معصب رضی اللہ عنہ! فرشتے نے آپ ﷺ سے عرض کیا: میں مصعب رضی اللہ عنہ نہیں ہوں تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ ہے۔ (الخصائص الکبریٰ ۲۱۵/۱)

بکثرت مصنفین نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک بوڑھا جس کے ہاتھ میں عصا تھا آیا، اس نے آپ ﷺ پر سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو جن کی آواز ہے تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں ہامہ بن الھیم بن لاقس بن ابلیس ہوں۔

اس نے بیان کیا کہ میں حضرت نوح علیہ السلام سے ملا ہوں اور ان کے بعد اور پیغمبروں سے۔ یہ حدیث طویل ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو قرآن کی چند سورتیں لکھائیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۱۸/۵)

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عزیٰ (درخت) کے گراتے وقت اس کالی عورت کو جو برہنہ بدن منتشر بالوں کے ساتھ نکلی تھی اپنی تلوار سے قتل کر ڈالا اور اس کی خبر نبی کریم ﷺ کو دی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عزیٰ تھی (یعنی وہ بت جس کو لوگ پوجتے تھے اس کے ساتھ اس جنہ کو تشبیہ دی)۔ (تحفۃ الاشراف ۲۳۵/۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۷۷/۵)

آپ ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ شیطان نے آج رات ارادہ کیا کہ میری نماز قطع کر دے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی اور میں نے اس کو پکڑ لیا۔ میں نے چاہا کہ مسجد کے کسی ستون سے اسے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اسے دیکھو۔ لیکن مجھے اپنے بھائی (رسالت میں) حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَھَبْلِیْ مُلْکًا۔ (ص ۳۵)

ترجمہ عرض کی میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت۔

پس اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ناکام کر کے مردود کر دیا یہ باب بھی بہت وسیع ہے۔

(صحیح بخاری کتاب بداء الخلق ۹۹/۴)

ستائیسویں فصل

دلائل وعلامات نبوت و رسالت

آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور رسالت کی علامتوں میں وہ احادیث ہیں جو راہبان و احبار اور علماء اہل کتاب سے آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کی امت کی تعریف اور آپ ﷺ کے نام و علامات میں مروی ہیں اور آپ ﷺ کی اس مہر کا ذکر ہے جو دونوں کندھوں کے درمیان تھی اور اس بارے میں پچھلے موحدین کے اشعار ہیں جیسے تبع، اوس بن حارثہ، کعب بن لوئی، سفیان بن مجاشع، قس بن ساعدہ وغیرہ سے منقول ہیں اور وہ جو زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور عشکلان حمیری، علماء یہود اور ان کا عالم شامول جو تبع کا مصاحب تھا نے آپ ﷺ کی تعریف اور خبر میں بیان کئے ہیں اور وہ ہمیں جو توریت و انجیل میں وحی کی گئی ہیں۔ جس کو علماء نے جمع کیا اور بیان کیا ہے اور ان دونوں کتابوں سے اسلام لانے کے بعد ان کے ثقہ حضرات نے نقل کیا ہے۔ جیسے عبداللہ بن سلام، بنی سعیہ، ابن یامین، مخریق اور کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ جو علماء یہود میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور بحیراء، نصطو رحبشہ اور صاحب بصری اور ضغاطر اور شام کے پادری اور جاردو اور سلمان اور نجاشی اور حبشہ کے نصاری، نجران کے پادری وغیرہ سے منقول ہے جو نصاری کے علماء میں سے مسلمان ہوئے تھے۔

نصاری کے عالم و سردار ہرقل اور صاحب رومہ نے اس کا اقرار کیا اور مقوقس صاحب مصر اور اس کا مصاحب شیخ اور ابن صوریا اور ابن اخطب اور اس کا بھائی اور کعب بن اسد اور زبیر بن باطیا وغیرہ علماء یہود نے اقرار کیا جن کو حسد نے بقا پر بدبختی کو برانگیختہ کیا۔

اس بارے میں خبریں بکثرت ہیں۔ جن کا حصر نہیں کیا جا سکتا۔

بلاشبہ آپ ﷺ نے یہود و نصاری کے کانوں کے پردوں کو جھنجوڑا کہ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی صفتیں ہیں اور ان پر حجت قائم کی کہ ان کے صحیفے ان پر مشتمل ہیں اور ان کی تحریف، کتمان (چھپانا) اور نبی آخر زمان کی صفت کے اظہار کے وقت زبانوں کے مڑنے کی آپ ﷺ نے مذمت فرمائی اور مباہلہ کا چیلنج کیا کہ تم جھوٹے ہو۔ تو ان میں سے ہر ایک معارضہ سے بھاگا اور جو الزام ان کی کتابوں سے کیا گیا۔ اس کے اظہار سے وہ کنی کترا گئے

کیونکہ اگر وہ اپنی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان و الزام کے خلاف پاتے تو یقیناً اس کا اظہار ان پر آسان ہوتا بہ نسبت جانوں اور مالوں اور گھروں کی بربادی اور جنگ و جدال کے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اگر تم سچے ہو تو توریت کو لا کر اس کی تلاوت کرو۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہنوں کو بھی ڈرایا جیسے شافع بن کلیب، شق، سطیح، سواد بن قارب، خنافر افعی نجران، جذل بن جذل کندی، ابن خلعۃ دوسی، سعید بن بنت کریز، فاطمہ بنت نعمان اور وہ لوگ جن کا شمار ان کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہوسکتا۔ حتیٰ کہ بتوں کی زبانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بوقت اظہار رسالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار تھا اور غیبی آوازوں سے اور بتوں پر قربانیوں سے اور عورتوں کے شکموں سے سنا گیا اور وہ چیزیں جن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی پتھروں اور قبروں پر پرانے خط میں مکتوب تھا پائی گئیں اور وہ بہت سی چیزیں اس قسم کی مشہور ہیں اور جو لوگ ان اسباب معلومہ و مذکورہ کی وجہ سے اسلام لائے بیان ہو چکا ہے۔

اٹھائیسویں فصل

بوقت ولادت معجزات

اور آپ ﷺ کے معجزات میں دو نشانیاں ہیں جو بوقت سعادت ظاہر ہوئیں جن کو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بیان کیا اور ان عجائبات کو ان لوگوں نے بیان کیا جو اس وقت موجود تھے۔

وہ یہ کہ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت آپ ﷺ کا سر مبارک اٹھا ہوا تھا اور آپ ﷺ کی نظریں آسمان کی طرف تھیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۱۱۳)

اور آپ ﷺ کی والدہ نے اس نور کو دیکھا جو آپ ﷺ کی ولادت کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ نکلا اور ان عورتوں نے دیکھا جو آپ ﷺ کی ولادت کے وقت موجود تھیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۸۳۔۸۰، مسند امام احمد ۴/ ۱۲۸، ۱۲۷)

اس وقت ام عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ستارے قریب آگئے اور یہ کہ بوقت ولادت نور نکلا یہاں تک کہ ہر طرف نور پھیل گیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۱۱۱ دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/ ۱۳۵)

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ شفاء کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہو کر میرے ہاتھ پر لائے گئے تو آپ ﷺ کو چھینک آئی تو اس وقت کسی کہنے والے کو کہتے سنا کہ رَحِمَكَ اللهُ (اللہ تم پر رحم کرے) اور مشرق و مغرب کے درمیان مجھے روشنی معلوم ہوئی حتی کہ میں نے روم کے محل دیکھ لئے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/ ۱۳۶)

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر جو آپ ﷺ کے رضاعی والدین ہیں، نے آپ ﷺ کی برکت کی تعریف کی ہے کہ ان کا اور ان کی اونٹنی کا دودھ بڑھ گیا تھا اور بکریاں فربہ ہو گئی تھیں اور آپ ﷺ کی نشو ونما بہت جلد ہوئی تھی۔

(مجمع الزوائد ۸/ ۲۲۰، سیرت ابن اسحاق ۱/ ۱۳۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۱۳۳)

شب ولادت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور کنگرے گر پڑے۔ بحیرہ طبریہ کا پانی کم ہو گیا۔ فارس کی آگ بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے برابر جل رہی تھی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۱۲۶)

اور یہ کہ جب آپ ﷺ اپنے چچا ابوطالب اور ان کے بچوں کے ساتھ اپنے بچپنے میں کھاتے تو سب کے شکم سیر ہو جاتے اور جب آپ ﷺ ان کے ساتھ نہ ہوتے اور وہ سب مل کر کھاتے تو وہ

شکم سیر نہ ہوتے تھے اور ابوطالب کے بچے جب صبح کو اٹھتے تو پراگندہ حال اٹھتے مگر آپ صبح کرتے تو خوش باش اور سرگیں اٹھتے۔ (طبقات ابن سعد ۱/ ۱۱۹،۲۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/ ۱۶۶)

ام ایمن رضی اللہ عنہا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محافظہ تھی وہ کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپنے میں میں نے کبھی بھوک و پیاس کی شکایت نہ سنی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے ہونے کے بعد سنی۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/ ۱۶۷)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائبات ولادت میں سے یہ ہے کہ شہاب ثاقب سے آسمان کا محفوظ رہنا اور شیطان کی گھات کا موقوف ہونا اور ان کا چوری چھپے سننے سے رکنا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے ہی بتوں سے نفرت اور امور جاہلیت سے اجتناب تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمدہ اخلاق کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پردہ پوشی کے بارے میں یہ خبر مشہور ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تہبند کے دامن میں پتھر بھر کر کاندھے پر رکھنے کا ارادہ کیا تو وہ کھل گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم برہنہ ہو گئے تو زمین پر گر پڑے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً تہبند باندھ لیا۔

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے آپ سے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے برہنہ ہونے سے منع کیا گیا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ، صحیح مسلم ۱/ ۲۶۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۳۲)

انہیں میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر میں بادلوں سے سایہ کیا۔
(سنن ترمذی ۵/ ۲۵۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۲۵-۲۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا اور دوسری عورتوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس آئے تو دیکھا کہ دو فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر رہے ہیں۔ اس کا انہوں نے میسرہ (ان کے غلام تھے) سے تذکرہ کیا تو انہوں نے ان کو بتایا کہ جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کیلئے نکلے ہیں اسی طرح دیکھا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۱/ ۱۵۷)

حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بادل کو دیکھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر رہا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی سے مروی ہے۔ ان میں سے یہ کہ ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے ایک خشک درخت کے نیچے اترے تو اس نے تروتازہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد سایہ کر دیا اور دیکھتے دیکھتے اس کی شاخیں نکل

آ ئیں۔ (طبقات ابن سعد ۱/ ۱۵۷، الخصائص الکبریٰ ۱/ ۹۱)

اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ پر ایک درخت نے جھک کر سایہ کیا۔

(سنن ترمذی ۵/ ۲۵۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۲۵، ۲۴)

اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ کے وجود گرامی کا چاند وسورج کے وقت سایہ نہ پڑتا تھا کیونکہ آپ ﷺ نور تھے اور مکھی آپ ﷺ کے جسم اور کپڑوں پر نہ بیٹھی تھی۔ (الخصائص الکبریٰ ۱/ ۶۸)

اور اسی میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کو خلوت پسند تھی یہاں تک کہ آپ ﷺ کی طرف وحی کی گئی پھر آپ ﷺ نے اپنے وصال (موت طبعی) کی اور اپنی مدت حیات ظاہری کے پورے ہونے کی خبر دی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، فضائل فاطمہ k ۴/ ۱۹۰۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ۷/ ۱۶۵)

اور یہ کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے گھر میں ہو گی اور یہ کہ آپ ﷺ کے حجرہ شریف اور مسجد میں منبر کے درمیان ریاض جنت کا ایک باغ ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے وصال کا اختیار دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۷/ ۱۶۲۔ ۲۶۹، ۶۵۹، مستدرک ۳/ ۶۰۔ ۵۹)

اور حدیث وفات میں بہت سی آپ ﷺ کی کرامتیں اور بزرگیاں شامل ہیں اور یہ کہ فرشتوں نے آپ ﷺ کے جسد اقدس پر صلوۃ وسلام پڑھا۔ اس روایت کی بنا پر جن کو ہم نے بعض علماء سے روایت کیا ہے اور یہ کہ ملک الموت نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی حالانکہ آپ ﷺ سے پہلے کسی سے اجازت قبض روح کی نہ مانگی۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ۷/ ۱۶۲ مستدرک ۳/ ۵۹، ۶۰)

اور بوقت غسل ایسی آوازیں سنی گئیں کہ آپ کی قمیض مبارک نہ اتارو۔

(سنن ابوداؤد ۳/ ۵۰۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ۷/ ۲۴۲۔ ۲۴۳)

اور یہ کہ حضرت خضر اور ملائکہ نے اہل بیت سے وصال کے بعد تعزیت کی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے صحابہ پر آپ ﷺ کی کرامتیں، برکتیں اور آپ ﷺ کی حیات و وفات میں بکثرت ظاہر ہوئیں۔ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چچا کے توسل سے بارش کی دعا کی اور بہت سوں نے آپ ﷺ کی اولاد سے برکتیں حاصل کیں۔ (صحیح بخاری کتاب الاستسقاء ۱/ ۲۴)

انتیسویں فصل

قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیشک ہم نے اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر معجزات کے چند اشارے اور علامات نبوت میں سے ظاہر تر جو ملے بیان کئے ہیں۔ جو ایک (قرن) کو کافی و وافی ہوں گے اور بکثرت ہم نے چھوڑ دیئے جن کا ہم نے ذکر ہی نہیں کیا اور اکثر طویل حدیثوں میں سے صرف اصل مطلب اور گوہر مقصود پر اکتفا کیا اور بہت سی حدیث اور غریب میں سے وہ جو صحیح اور مشہور ہیں، لی ہیں اور بہت کم وہ غریب حدیثیں لی ہیں جن کو مشاہر آئمہ نے نقل کیا ہے اور ان کی سندوں کو بوجہ اختصار حذف کر دیا اور اس باب کو اس مضمون کے اعتبار سے پوری طرح پر لکھا جائے تو ایک جامع دیوان بن جائے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہو۔

اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام کی بہ نسبت دو وجہوں پر زیادہ ظاہر ہیں۔ اول یہ کہ وہ بکثرت ہیں۔ کیونکہ جس قدر نبیوں کو معجزات دیئے گئے ان سب کے برابر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئے یا ان سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے اور بیشک لوگوں نے اس پر اطلاع دی ہے۔ پس اگر تم چاہو تو اس باب کی فصلوں پر غور کرو اور گزشتہ نبیوں کے معجزات پر سوچو گے تو انشاء اللہ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات زیادہ ہیں۔

پس یہ قرآن مجید ہی سارے کا سارا معجزہ ہے اور بعض آئمہ محققین کے نزدیک جس میں کم سے کم معجزے ہیں وہ سورۂ کوثر ہے یا اس کے برابر کوئی ایک آیت اور بعض آئمہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہ مذہب ہے کہ اس کی ہر آیت وہ جیسی بھی ہے معجزہ ہے اور دوسروں نے اتنا زیادہ کہا کہ قرآن مجید کا ہر جملہ منتظمہ (مرکبہ) معجزہ ہے۔ اگرچہ وہ ایک کلمہ یا دو کلمے ہی کیوں نہ ہوں اور حق و صحیح وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (البقرہ ۲۳)

تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی۔

پس یہ کم سے کم ہے جس کے ساتھ کفار سے تحدی (طلب معارضہ) کیا گیا ہے باوجودیکہ نظر و تحقیق اس کی تائید کرتی اور مختصر کو طویل کرتی ہے اور جب یہ بات ایسی ہے تو قرآن مجید میں تقریباً ستر ہزار کلمے اور بعضوں کے شمار پر اس سے زیادہ ہیں اور اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ (الکوثر۱) میں دس

کلمے ہیں تو اب اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کے عدد پر پورے قرآن کو تقسیم کرو تو سات ہزار جز سے زیادہ ہوں گے اور ہر ایک ان میں سے فی نفسہ معجزہ ہے۔

پھر اس کا اعجاز جیسا گزر چکا دو وجہوں پر ہے۔ ایک اس کی بلاغت کے اعتبار سے دوسرا اس کے نظم کے اعتبار سے تو اب ہر ایک جز اسی اعتبار سے دو معجزے ہو گئے۔ اس طرح پر اب اس کی تعداد دوگنی ہوگئی پھر قرآن مجید میں دوسرے اعجاز کے وجوہات بھی ہیں۔ مثلاً غیبی علوم کے ساتھ خبریں وغیرہ۔ لہٰذا اس تجزیہ کے اعتبار سے ہر ایک سورت غیبی چیزوں میں سے ایک خبر ہوگی اور اس کی ہر خبر فی نفسہ معجزہ ہے اور دوبارہ اس کی تعداد دوگناہ ہو جائے گی۔ پھر دوسری وہ وجوہات اعجاز ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا ہے تو قرآن مجید کے حق میں ہی ان کی تعداد کئی گنا لازمی طور پر بڑھ جاتی ہے۔ پس قریب ہے کہ کوئی عدد اس کے معجزات کی تعداد کو نہ لے سکے گا اور نہ اس کے دلائل کا حصر کر سکے گا پھر آپ ﷺ سے وہ احادیث مرویہ اور اخبار منقولہ جو اس باب میں مروی ہیں اور وہ چیزیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں اور جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا تو فی الجملہ کس تعداد تک پہنچیں گی۔

دوسری وجہ یہ کہ حضور ﷺ کے معجزات واضح ہیں کیونکہ دیگر رسولوں کے معجزات ان کے زمانہ کے لوگوں کی ہمتوں کی تعداد اور اس فن کے اعتبار سے تھے جو ان کے زمانہ میں رائج تھے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا تو اس زمانہ کے لوگ جادو میں کمال رکھتے تھے تو موسیٰ علیہ السلام کو اس کے مشابہ معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا جس پر وہ قدرت کا ادعا کرتے تھے۔ تو وہ ان کے پاس وہ معجزہ لائے جو (چیز) ان کی عادتوں کو مجبور کرتی تھی اور جو ان کی قدرت سے باہر تھا۔ جس کے ذریعے ان کے جادو کو باطل کیا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فن طب کمال پر تھا اور اس میں لوگ بھرپور تھے۔ تو وہ ان کے پاس ایسا معجزہ لائے جس پر وہ قدرت نہ رکھتے تھے اور وہ چیز سامنے لائے جس کا وہ گمان بھی نہ کر سکتے تھے۔ جیسے مردوں کا زندہ کرنا اور بغیر معالجہ طبی کے جذامی اور کوڑھی کو تندرست کرنا وغیرہ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا درانحالیکہ عرب کے جملہ معارف وعلوم چار تھے۔

(۱) بلاغت (۲) شعر (۳) خبر اور (۴) کہانت

تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا جو ان چاروں فصلوں میں خارق اور برخلاف عادت ہے یعنی فصاحت، اختصار، وہ بلاغت جو ان کے کلام کے طرز وطریق سے خارج ہے اور اس

میں وہ نظم غریب اور اسلوب عجیب ہے کہ نظم میں جن کی ادائیگی سے وہ واقف ہی نہ تھے اور وہ لوگ اوزان کے طریقوں کے سوا اور اسلوب جانتے ہی نہ تھے اور یہ کہ اس میں گزشتہ و آئندہ کی خبریں ہیں اور واقعات و اسرار، خفیہ باتیں اور دلوں کے حالات کی خبریں ہیں تو وہ ویسی ہی ہوئیں جیسی کہ بیان کی گئیں اور وہ اس کی صحت پر خبر دینے والے کا اعتراف کرتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اگر چہ کتنا ہی بڑا دشمن ہو اور کہانت کو باطل کیا جو ایک مرتبہ سچی ہوتی ہے اور دس مرتبہ جھوٹی اور اس کے پانسہ پھینکنے اور ستاروں کی گھاتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور قرآن مجید میں گزشتہ زمانوں کی خبریں، نبیوں اور ان کی گذری ہوئی امتوں کے حالات اور سابقہ واقعات کا ذکر ہے کہ اس شخص کو جو اس علم کیلئے مشغول ہو اس کے بعض حصے ہی اس کو عاجز کر دیتے ہیں چہ جائیکہ کل قرآن مجید ان وجوہ کے اعتبار سے جن کو ہم نے بیان کیا اور اس میں ہم نے معجزات کا ذکر کیا ہے۔

پھر یہ جامع معجزہ ان وجوہ وفصول کے ساتھ جن کو ہم نے اعجاز قرآن مجید میں بیان کیا قیامت تک ثابت و باقی رہے گا اور ہر آنے والی امت کیلئے حجت ظاہرہ رہے گا اور اس کے وجوہ اس پر مخفی نہیں جو اس میں غور وفکر کرے اور اس کے وجوہ اعجاز میں تدبر کرے کہ کس طرح اور کس نہج پر اس میں غیبی خبریں ہیں۔

پس اب کوئی عہد اور زمانہ ایسا نہ گزرے گا جس میں اس کے مخبر کا صدق ظاہر و غالب نہ رہے اور خبر واقع کے مطابق نہ ہو۔ پس ایمان تازہ ہوتا رہے گا اور دلائل ظاہر ہوتے رہیں گے حالانکہ خبر عینی مشاہدہ کے برابر نہیں ہوتی اور مشاہدہ سے یقین زیادہ ہوتا ہے اور دل عین الیقین سے بہ نسبت علم الیقین کے زیادہ مطمئن ہوتا ہے۔ اگر چہ ہر ایک اس کے نزدیک حق ہوتا ہے اور انبیاء و رسل علیہم السلام کے تمام معجزات ان کی مدت کے بعد ختم ہو گئے اور ذاتوں کے ساتھ ان کا وجود معدوم ہو گیا لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہ پرانا ہوا اور نہ منقطع ہوا اور اس کی نشانیاں تازہ ہوتی رہتی ہیں جو کبھی کمزور نہیں ہوتیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان میں ارشاد فرمایا۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو ان کے مطابق معجزات دیئے گئے جس پر لوگ ایمان لاتے رہے اور جو چیز مجھ پر وحی کی گئی یا جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن اس کی اتباع کرنے والے ان سے زیادہ ہوں گے۔ حدیث کے یہ معنی بعض علماء کے نزدیک ہیں۔ یہی ظاہر و صحیح ہے۔ انشاء اللہ اور اکثر علماء نے اس حدیث کی تفسیر میں اور آپ کے معجزات کے ظہور میں دوسرے معنی بیان کئے ہیں۔

یعنی ان کا ظہور یہ ہے کہ یہ وحی اور کلام ہے جس میں تخیل یا حیلہ جوئی یا تشبیہ کا امکان نہیں ہے کیونکہ دوسرے نبی و رسول علیہم السلام کے معجزات میں بیشک معاندین نے قصد کیا کہ اس میں دوسری چیزیں ملا دیں اور انہوں نے اس کی خواہش کی ان کو خیال بنا کر ضعیف الاعتقاد لوگوں کو پھیر دیں جیسے کہ جادوگروں کا رسی اور لکڑیاں وغیرہ ڈالنا یہ اس کے مشابہ ہے کہ جادوگر اس کو خیال بنا سکے یا اس میں حیلہ کر سکے اور قرآن مجید ایسا کلام ہے جس میں حیلہ اور جادوگروں کے تخیل کی گنجائش ہی نہیں۔

پس اس وجہ سے ان علماء کے نزدیک دیگر معجزات سے زیادہ ظاہر ہے۔ جیسا کہ جو شاعر اور خطیب نہ ہو وہ کسی حیلہ یا بناوٹ سے شاعر و خطیب نہیں بن سکتا لیکن پہلی تفسیر اور معنی زیادہ صاف اور پسندیدہ ہے اور یہ دوسری تفسیر و معنی وہ ہے جس پر آنکھ بند ہوتی ہے اور جھپکتی ہے۔

تیسری وجہ اعجاز کی اس مذہب پر ہے جو پھیر دینے کے قائل ہیں کیونکہ معارضہ کرنا انسان کی قدرت میں تھا پس وہ اس سے پھیر دیئے گئے یا اہلسنت کے دو مذہبوں میں سے ایک مذہب پر یہ ہے کہ اس کی مثال کا لانا انسان کی قدرت کی جنس سے ہے لیکن وہ ایسا نہ پہلے کر سکے اور نہ بعد میں کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قدرت ہی نہ دی اور نہ وہ اس پر ان کو قدرت دے گا اور دونوں مذہبوں کے درمیان ظاہر فرق ہے اور دونوں مذہبوں کا اجتماع ہے کہ عرب اس چیز کو نہ لا سکے جو ان کے مقدور میں تھا یا ان کے مقدور کے جنس میں سے تھا اور ان کا بلا، جلاوطنی، اسیری اور ذلت (جزیہ) نیز احوال، جان و مال کی اضاعت، نہ زجر و توبیخ، مجبوری و لاچاری اور دھمکی و ڈراوے پر راضی ہونا۔ اس کے مثل لانے سے عاجز ہونے پر کھلی دلیل ہے اور اس کے معارضہ سے منہ موڑ گئے اور بلاشبہ وہ اس چیز سے روک دیئے گئے تھے جو ان کے مقدور کی جنس سے تھا۔ یہ مذہب امام ابو المعالی جوینی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔

امام ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ہمارے نزدیک فی نفسہ خرق عادت میں زیادہ بہتر ہے بہ نسبت قادر افعال کے جیسے لاٹھی کو اژدھے سے پھیرنا وغیرہ کیونکہ دیکھنے والے کے دل میں فوراً یہ خدشہ گزرتا ہے کہ یہ خصوصیت اس کے صاحب میں اس لئے ہے کہ اس فن اور علم میں اس کی معرفت زیادہ ہے حتی کہ کوئی صحیح النظر ہی اس خدشہ سے اس کو پھیرتا ہے۔

لیکن صدہا سالوں سے ایسے کلام کے ساتھ جو ان کے کلام کی نس سے ہے۔ تحدی اور معارضہ کرنا کہ اس کی مثل لاؤ۔ پس وہ نہ لا سکے۔ اس کے بعد اب باقی نہیں ہے کہ معارضہ پر پورے وجوہات بیان کریں پھر ان کا نہ لانا سوائے اس بات کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مثل لانے

سے مخلوق کو روک دیا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر نبی علیہ السلام یہ فرمائیں کہ میری نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو قیام سے روک دے باوجود اس پر ان کی قدرت کے اور ایک زمانہ اس پر گزر جائے۔ پس اگر ایسا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ قیام سے ان کو عاجز کر دے تو یقیناً یہ اس نبی علیہ السلام کی روشن نشانی اور معجزہ اور نبوت پر ظاہر دلیل ہوگی۔ وباللہ التوفیق۔

اور بیشک بعض علماء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیگر تمام نبیوں کے معجزات پر غالب ہونے کی وجہ پوشیدہ رہی۔ یہاں تک کہ اس بارے میں اس عذر کے محتاج ہوئے کہ عرب کی عقلیں دقیق تھیں ان کی ذکاوت تیز تھی اور ان کی سمجھ پوری تھی اور انہوں نے اپنی فطرت سے جان لیا کہ اس میں معجزہ ہے اور ہر بات ان کو اپنی سمجھ کے موافق حاصل تھی اور ان کے علاوہ قبطی، بنی اسرائیل وغیرہ کی کیفیت یہ نہ تھی بلکہ وہ لوگ غبی اور کم سمجھ تھے۔ اسی وجہ سے تو فرعون نے ان پر جائز رکھا کہ وہ ان کا رب (خدا) ہے۔ (معاذ اللہ) اور سامری نے جائز رکھا کہ اس بچھڑے میں (معاذ اللہ) خدا ہے یہ بات ان کے ایمان لانے کے بعد ہوئی اور مسیح کی انہوں نے پرستش کی باوجودیکہ ان کا یہ اجماع ہے کہ وہ مصلوب ہوئے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ (النساء ۱۵۷)

ترجمہ حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ مشتبہ ہوگئی ان کیلئے (حقیقت)۔

(پس ان بے سمجھوں کیلئے) ظاہر اور کھلے معجزات آئے جو ان کی موٹی سمجھوں کے موافق تھے تاکہ اس میں انہیں شک وشبہ نہ ہو باوجود اس کے انہوں نے کہا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ (البقرہ ۵۵)

ترجمہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کو واضح طور پر دکھاؤ اور من وسلویٰ پر انہوں نے صبر نہ کی۔

استتبدلون الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ۔ (البقرہ ۶۱)

ترجمہ کیا تم لینا چاہتے ہو۔ وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو عمدہ ہے۔

اور عرب اپنی جاہلیت کے باوجود ان میں سے بہت زیادہ خدا کے معترف تھے اور وہ بتوں میں تَقَرَّبْ اِلَى اللّٰهِ کو تلاش کرتے تھے اور بعض ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان رسالت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل عقلیہ سے دل کی صفائی کے ساتھ ایمان رکھتے تھے اور جب

اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ کتاب لے کر تشریف لائے تو اس کی حکمت کو سمجھا اور انہوں نے پہلی مرتبہ میں ہی اپنی سمجھ کی برتری سے جان لیا کہ یہ معجزہ ہے تو وہ ایمان لے آئے اور ہر روز ان کا ایمان بڑھتا رہا اور تمام دنیا سے کنارہ کش ہو کر آپ ﷺ کی صحبت اختیار کی۔ اپنے گھروں اور مالوں سے ہجرت کی اور اپنے باپوں اور بیٹوں کو آپ ﷺ کی مدد میں قتل کیا۔

اسی معنی میں یہ باتیں ہیں جن سے آراستگی ہوتی ہے اور عجیب لذت معلوم ہوتی ہے۔ اگر اس کی طرف احتیاج اور تحقیق کی جائے لیکن ہم نے اپنے نبی ﷺ کے معجزات کے بیان اور اس کے ظہور میں پہلے ہی وہ باتیں ذکر کر دی ہیں جو ان خفیہ اور ظاہر راستوں پر چلنے سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔

وَبِاللّٰهِ اسْتَعِيْنُ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلِ۔

تمت بالخير

الحمد للہ علی احسانہ کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ ﷺ مصنفہ علامہ قاضی ابوالفضل محمد عیاض مالکی اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے حصہ کا ترجمہ مسمّیٰ بنام تاریخی نعیم الطاء فی حدیث المجتبیٰ ﷺ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ بروز جمعہ بعد مغرب سے شروع ہو کر ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۷۹ھ بروز یک شنبہ بعد مغرب مکمل ہوا۔ اب اس کے بعد حصہ دوم یعنی کتاب الشفاء کی قسم ثانی جس میں لوگوں پر حضور ﷺ کے کیا حقوق واجب ہیں، کا بیان ہے۔ شروع ہوگی۔ وَاللّٰهُ مُتَمِّمٌ بِالْخَيْرِ۔

غلام معین الدین نعیمی

سوادِ اعظم لاہور

سب ٹائٹل حصہ دوم

قسم دوئم

حضور سید عالم ﷺ کے کون سے حقوق امت پر واجب ہیں؟

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ انہیں توفیق مرحمت فرمائے، کہتے ہیں کہ اس حصہ (دوم) کو ہم نے چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جیسا کہ شروع کتاب میں اس کا تذکرہ بھی کیا جا چکا ہے۔ ان تمام ابواب کا حاصل یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی تصدیق کا وجوب اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع و فرمانبرداری اور آپ ﷺ کی محبت و خیر خواہی اور آپ ﷺ کی عزت و تکریم اور آپ ﷺ کے ساتھ بھلائی لازم ہے اور یہ کہ آپ ﷺ پر درود شریف (صلوٰۃ وسلام) پڑھنا اور آپ ﷺ کی قبر انور (روضہ مقدسہ، گنبد خضراء) کی زیارت (ہر مسلمان پر) واجب وضروری ہے۔

پہلا باب

یہ کہ حضور سید عالم ﷺ پر ایمان لانا فرض اور آپ کی اطاعت اور سنت کا اتباع واجب ہے۔
جبکہ ہم (حصہ اوّل میں) حضور سید عالم ﷺ کی نبوت کا ثبوت اور آپ ﷺ کی رسالت کی صحت ثابت کر چکے ہیں تو اب آپ ﷺ پر ایمان لانا اور جو (شریعت) آپ ﷺ لائے ہیں اس کی تصدیق کرنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا۔ (التغابن ۸)
ترجمہ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (الفتح ۹۔۸)
ترجمہ بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے والا (عذاب سے) بروقت ڈرانے والا تا کہ (اے لوگو) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔

اور فرمایا:
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ۔ (الاعراف ۱۵۸)
ترجمہ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے۔
تو اب نبی کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانا (ہر بندے پر) فرض عین ہے اور یہ جب ہی کامل ہوگا کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور اسلام اس وقت تک صحیح ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ آپ ﷺ کے ساتھ ایمان کامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا۝ (الفتح ۱۳)
ترجمہ اور جو نہ ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر تو بیشک ہم نے ان تمام کافروں کیلئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مرفوعا مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال (جہاد) کروں جب تک کہ وہ گواہی نہ دیں کہ اللہ

تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ مجھ پر اس طرح ایمان لائیں کہ جو کچھ میں لایا ہوں اس کی تصدیق کریں، جس وقت انہوں نے ایسا کرلیا اس وقت انہوں نے مجھ سے اپنا جان و مال بچا لیا سوائے ان حقوق کے جن کا حساب و کتاب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الزکوۃ ۲/۹۱ صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۵۳،۵۲،۵۱)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے، فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی یہ تصدیق کرے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جو کچھ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس کی بھی تصدیق کرے۔

تصدیق قلبی کے مطابق اس کی زبان سے شہادت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس وقت دل کے ساتھ تصدیق اور زبان کے ساتھ اس کی شہادت جمع ہوگی تب اس کا ایمان مکمل ہوگا اور تصدیق درست ہوگی۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت نہ دیں۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان ۱/۱۱، صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۵۳)۔

اور حدیث جبریل علیہ السلام میں اس سے زیادہ وضاحت ہے جبکہ جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اسلام یہ ہے کہ) شہادت دے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور ارکان اسلام کو بیان فرمایا۔

پھر جبریل علیہ السلام نے ایمان کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں پر ایمان لائے۔ (آخر حدیث تک)

(صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۵۳)

اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایمان محتاج ہے کہ دل میں اس کی مضبوط گرہ بٹھائی جائے اور اسلام یہ ہے کہ زبان سے اس کی شہادت دی جائے۔ تکمیل وصحت ایمان کیلئے بھی حالت محمود و مختار ہے لیکن یہ حالت نہایت مذموم اور بری ہے کہ زبان سے تو شہادت دے اور دل اس کی تصدیق سے خالی ہو۔ اس کا نام نفاق ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ○ (منافقون ۱)

ترجمہ (اے نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے۔ کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔

یعنی یہ منافقین زبان سے اس کی تصدیق و اعتقاد کے اظہار میں جھوٹے ہیں کیونکہ وہ (دل سے) اس کا اعتقاد ہی نہیں رکھتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جب ان کے دلوں نے اس کی تصدیق نہیں کی جو ان کی زبانوں پر ہے کہ دل اس پر ایمان لانے سے عاری ہیں تو ان کا یہ زبانی اقرار کچھ نفع نہ دے گا۔ لہٰذا ایمان کی تعریف سے یہ خارج ہیں۔ ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں کہ انہیں مومن کہا جائے۔ جب وہ مومنین کے ساتھ نہیں ہیں تو ان کا شمول جہنم کے نچلے درجہ میں کافروں کے ساتھ ہوگا۔ البتہ دنیا میں زبان سے اقرار کی وجہ سے ان کے اسلام کا حکم دیا جائے گا یہ بھی صرف دنیاوی معاملات کی حد تک جو کہ امام وحاکم سے متعلق ہے کہ امام وحاکم صرف ان کی ظاہری حالت پر حکم دینے کا مجاز رکھتے ہیں جس طرح پر بھی اسلام کی علامتوں کا ظاہری طور پر ان سے اظہار ہو۔ کیونکہ انسان کو دل کے بھیدوں پر اختیار نہیں اور نہ انہیں ان سے بحث کی اجازت دی گئی بلکہ نبی کریم ﷺ نے ضمیروں اور ان کے بھیدوں پر حکم دینے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس کی مذمت فرمائی ہے اور فرمایا کہ هَلَّاشَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ کیا تو نے اس کا دل چیر کے دیکھ لیا ہے؟ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۹۶، ولائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۲۹۸)

زبانی اقرار اور دل سے اعتقاد کا فرق حدیث جبریل علیہ السلام سے ظاہر ہے کہ شہادت یعنی زبانی اقرار اسلام ہے اور تصدیق یعنی دل سے اس کا اعتقاد ایمان ہے۔ اب دو ایسی حالتیں اور باقی رہ گئیں جو ان دونوں کے درمیان ہیں۔

ایک تو یہ کہ دل سے تصدیق کرے پھر وہ قبل اس کے کہ زبانی شہادت دینے کیلئے اس کو وسیع وقت ملے، فوت ہو جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے تو ایمان کامل کیلئے قول وشہادت کو شرط مانا ہے اور بعض نے ایسے شخص کو مومن و مستحق جنت خیال کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کہ دوزخ سے وہ شخص بھی نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۱۷۲)

آپ ﷺ نے دل کی بات کے سوا کچھ مزید ذکر نہ فرمایا۔ ایسا شخص دل کا مومن ہے جو کہ نہ تو گنہگار ہے اور نہ اس کے غیر (یعنی زبانی شہادت) کے ترک پر قصوروار ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات بالکل صحیح ہے۔

دوسرے یہ کہ دل سے تصدیق کرے اور اس کو مہلت بھی ملے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی شہادت (زبانی اقرار) بھی ضروری ہے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہ کہا اور نہ اپنی تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی اس کی شہادت دی۔ تو اس صورت میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ایک روایت کے بموجب وہ مومن ہے کیونکہ وہ (دل سے) مُصَدِّقٌ وَمُعْتَقِدٌ ہے اور (زبانی) شہادت اعمال کے قبیل سے ہے لہٰذا وہ ترک شہادت (زبانی) کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور دائمی جہنم کا سزاوار نہ ہوگا۔

اور دوسری روایت کے بموجب وہ مومن نہیں ہوگا جب تک زبانی اقرار و شہادت، تصدیق قلبی کے ساتھ متصل و مقارن نہ ہو اس لئے شہادت و اقرار زبانی انشاء عقد اور التزام ایمان (یعنی ظاہری حالت کو باطن کی اعتقاد کے مطابق بنانے) کا نام ہے اور وہ عقد یعنی تصدیق قلبی کے ساتھ مربوط ہے اور تصدیق اس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک کہ مہلت وسعت ہوتے ہوئے شہادت کا اظہار نہ کرے۔ یہی قول صحیح ہے۔ (یہی صاحب کتاب قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے)

یہ مختصر وضاحت کلام کافی ہے جو اسلام و ایمان اور ان دونوں کے ابواب اور دونوں کی زیادتی و کمی کی وسعت و طوالت تک بھی لے جاتا ہے اور کیا مجرد تصدیق پر تجزی و تقسیم ممتنع و محال ہے کہ اس میں اجمال و اختصار صحیح نہ ہو حالانکہ عمل میں وہ اس سے زیادہ ہی کی طرف راجع ہے یا اس میں اس کی قوت و یقین میں، اس کی صفات میں اختلاف اور اس کے حالات میں تباین اور اعتقاد میں پختگی اور معرفت میں وضاحت، کسی حالت کا دوام اور حضور قلب وغیرہ پیش آجاتے ہیں یہ ایک وسیع کلام ہے جو کہ مقصد و غرض تالیف سے باہر ہے اور جس قدر کہ ہم نے ذکر کر دیا وہ ہمارے مقصد کیلئے از بس کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

پہلی فصل

آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض، آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع

حضور سید عالم ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا لازم و واجب ہونا (اس طرح پر ہے کہ) جب آپ ﷺ پر ایمان لانا اور جو کچھ آپ (شریعت اسلامیہ) لائے اس کی تصدیق کرنا واجب ہوگیا تو آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری بھی فرض ہوگئی کیونکہ یہ بھی منجملہ انہیں چیزوں میں سے ہیں جس کو آپ ﷺ لائے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (النساء ۵۹)

ترجمہ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو (اپنے ذی شان) رسول کی۔

اور ارشاد ہوا کہ:

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ (ال عمران ۳۱)

آپ فرمایئے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی۔

اور فرمایا:

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (ال عمران ۱۳۲)

ترجمہ اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (کریم) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور فرمایا:

وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا۔ (النور ۵۴)

اور اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اور فرمایا:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء ۸۰)

ترجمہ جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی۔

اور فرمایا:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (الحشر٧)

ترجمہ اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرما دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ۔ (النساء ٦٩)

ترجمہ اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اسکے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

اور فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (النساء ٦٤)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے۔

(ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (سید عالم ﷺ) کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنایا اور آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا اور اس پر ثواب عظیم کا وعدہ شامل کیا اور آپ ﷺ کی نافرمانی پر بڑے عذاب سے ڈرایا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے ہر حکم کو بجا لانا اور آپ ﷺ کی ہر ممانعت سے اجتناب کرنا اور بچنا فرض ہے۔

مفسرین کرام اور ائمہ عظام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت کو لازم پکڑا جائے اور جو کچھ آپ ﷺ حکام (امر ونواہی) لائے ہیں اس کیلئے سر تسلیم خم کیا جائے۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر رسول علیہ السلام کو اسی لئے بھیجتا ہے کہ اس کی اطاعت اور جو کچھ اس کی طرف بھیجا جائے وہ سب امت پر فرض بن جائے۔

مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے رسول ﷺ کی سنت میں فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرائض میں اطاعت کی۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ''شرائع اسلام'' کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو کچھ رسول ﷺ دیں اس کو لازم پکڑ لو۔

(فقیہہ ابواللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اس کے فرائض اور رسول ﷺ کی اطاعت سے ان کی سنت کی بجا آوری مراد لی ہے اور بعض سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اس چیز میں جس کو تم پر اس نے حرام کیا ہے اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اس میں جس کی انہوں نے تبلیغ و دعوت دی اور یہ بھی مروی ہے کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ سے مراد اللہ تعالیٰ

کی ربوبیت کی شہادت اور نبی ﷺ کی، (اطاعت سے مراد) اس کی رسالت ونبوت کی شہادت ہے۔
حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی بلاشبہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر (قائم مقام) کی اطاعت کی یقیناً اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی یقیناً اس نے میری نافرمانی کی۔
(صحیح بخاری کتاب الجہاد ۴/ ۴۰ صحیح مسلم کتاب الامارۃ ۳/ ۱۴۶۶)

لہٰذا (ثابت ہوا کہ) رسول ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے کیونکہ اللہ نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ پس آپ ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ حکم دیا ہے اس کو بجالایا جائے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کا وہ مقولہ نقل فرمایا ہے جبکہ طبقات جہنم میں ان کے چہروں کو آگ میں الٹ پلٹ کیا جائے گا اس وقت کفار کہیں گے:

يَا لَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۔ (الاحزاب ۶۶)

ترجمہ (بصد یاس) کہیں گے اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم ﷺ کی۔

پس کفار ایسے وقت میں آپ ﷺ کی اطاعت کی تمنا کریں گے جب کہ ان کی یہ تمنا کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو تم اس سے باز رہو اور جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اس کو حد استطاعت تک بجالاؤ۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام ۹/ ۷۷ صحیح مسلم کتاب الحج ۲/ ۹۷۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت کا ہر ایک فرد جنت میں جائے گا سوائے اس کے جو انکار کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: وہ کون انکار کرنے والا ہے؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے بیشک اس نے میرا انکار کیا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام ۹/ ۸۶ مستدرک کتاب الایمان ۱/ ۵۵)

دوسری صحیح حدیث میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ میری مثال اور اس چیز کی (مثال) جس

کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو قوم کے پاس آیا اور کہا۔

کہ اے میری قوم میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے۔ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں نجات کی تلاش کرو۔ اس پر ایک گروہ نے اس کی اطاعت کی راتوں رات مہلت سے فائدہ اٹھا کر چلے گئے اور نجات پا گئے اور دوسرے گروہ نے جھٹلایا۔ انہوں نے اپنے گھروں میں صبح کی تو صبح کے وقت ان پر لشکر نے چھاپہ مارا اور ان کو ہلاک و تباہ کر دیا۔

اسی طرح یہ مثال ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اور جو میں لایا اس کی اتباع کی (وہ نجات پا گیا) اور یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو میں لایا ہوں اس کی حقانیت کی تکذیب کی تو وہ تباہ و ہلاک ہوا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام ۱/ ۶۷ صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۸۸۷ ادلائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۳۶۹)

دوسری حدیث میں اس کی مثال یوں بیان کی ہے کہ جیسے کسی نے ایک گھر بنایا اور اس میں ضیافت کے عمدہ کھانے تیار کئے اور ایک پکارنے والے (داعی) کو بھیجا جو داعی کی پکار کو قبول کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوا تو اس نے عمدہ سامان ضیافت کو کھایا اور جس نے داعی کی آواز پر کان نہ دھرے تو نہ وہ گھر میں داخل ہو گا اور نہ عمدہ ماکولات و مشروبات ضیافت سے کچھ کھا سکے گا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام ۹/ ۸۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۳۷۱)

(سنو) وہ گھر جنت ہے اور داعی سید عالم ﷺ ہیں پس جس نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ ﷺ کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے آپ ﷺ کی دعوت پر کان نہ دھرے اور نافرمانی کی وہی اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے کیونکہ حضور سید عالم ﷺ کی ذات اقدس لوگوں میں (حق و باطل) کی تفریق کرنے والی ہے۔

دوسری فصل

وجوب اتباع وتعمیل سنت کا کتاب وسنت سے ثبوت

لیکن آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کی سنت بجا لانے اور آپ ﷺ کی ہدایت کی اقتداء کرنے کے وجوب میں (دلائل یہ ہیں) کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ (ال عمران ۳۱)

ترجمہ (اے محبوب) آپ فرمایئے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ۔

اور فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (الاعراف ۱۵۸)

ترجمہ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر اور اس کے کلام پر اور تم پیروی کرو اس کی تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

اور فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا۔ (النساء ۶۵)

ترجمہ پس (اے مصطفیٰ ﷺ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان پھر نہ پائیں گے اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا۔

مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت کریں (یونہی) کہا جاتا ہے کہ سَلَّمَ یعنی سپرد کیا، اَسْتَسْلَمَ سپردگی چاہی اور اَسْلَمَ اطاعت و انقیاد کے ساتھ سر جھکا دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ۔ (الممتحنہ ۶)

ترجمہ بیشک تمہارے لیے ان میں خوب صورت نمونہ ہے اس کیلئے جو اللہ اور روز قیامت کا امیدوار ہے۔

محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسوۂ رسول ﷺ یہ ہے کہ ان کی اقتداء اور ان کی سنت کی

پیروی کی جائے اور ان کی مخالفت خواہ قولی ہو یا فعلی اس کو ترک کر دیا جائے۔ بکثرت مفسرین یہی معنی بیان کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جہاد سے پیچھے رہنے والے (متخلفین) پر عتاب ہے۔

آیہ کریمہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر میں سہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے سنت کی پیروی مراد ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا اور آپ کی ہدایت کے اتباع پر وعدہ فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ۔ (الفتح ۲۸)

ترجمہ جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر۔

تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو پاک کریں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمادیں اور دوسری آیت میں مسلمانوں سے اپنی محبت کا وعدہ کیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اتباع کریں تو ان کی مغفرت کا مژدہ دیا اور مسلمان اپنی خواہشوں پر اور ان پر بھی جن کی طرف ان کے دل مائل ہوں (آپ کی اتباع کریں گے) بلاشبہ مسلمانوں کے ایمان کی صحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انقیاد و اطاعت پر اور اس کی رضا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی متابعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کے ترک پر موقوف ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ۔ (ال عمران ۳۱)

ترجمہ (اے محبوب) آپ فرمایئے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے۔

اور یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ کعب بن اشرف وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے (معاذ اللہ) بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہم ہی اللہ تعالیٰ کے بڑے چاہنے والے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (درمنثور ۲/۱۷۸ آل عمران۔۳۲)

زجاج رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو چاہتے ہو یعنی اس کی اطاعت کا دم بھرتے ہو تو جو وہ حکم دیتا ہے اس کو کرو۔ اس لئے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرنا یہی ہے کہ وہ دونوں کی فرمانبرداری اور پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے کہ جو وہ حکم دے اس پر عمل کیا جائے یا یہ کہ

اللہ تعالیٰ کی محبت مسلمانوں کیلئے ہو۔ سو یہ ان کی بخشش اور ان پر انعام و اکرام اپنی رحمت و

کرم سے ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت یہ ہے کہ وہ بندے کو (معاصی سے) بچائے اور توفیق (عبادت کی) دے اور بندوں کی محبت اللہ تعالیٰ سے یہ ہے کہ اس کی پیروی و اطاعت کرے۔ جیسا کہ کسی نے کہا کہ

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ   هٰذَا لَعَمْرِيْ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعُ

یعنی تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے حالانکہ تو اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ بات میری زندگی میں، قیاس میں انوکھی ہے۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَ طَعْتَهٗ   اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعُ

اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی ضرور اطاعت کرتا۔ بیشک محبّ جس سے محبّ کرے اس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ بندے کی محبت اللہ تعالیٰ سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و تکریم کرے اور اس سے خوفزدہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت بندے سے یہ ہے کہ اس کی رحمت اس پر ہو اور اس کا ارادہ بھلائی سے ہو اور کبھی یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کی تعریف و توصیف کرے۔

قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پس جبکہ محبت کے معنی رحمت، ارادت اور تعریف و مدح کے ہوں تو یہ ذات کی صفات میں شامل ہوگیا۔

اور عنقریب بعد میں بندے کی محبت کے ذکر میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان کے علاوہ باتیں آئیں گی۔

حدیث: عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے موعظہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بالاسناد مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمُهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔

ترجمہ   میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم پکڑو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑو۔ (سنن ابوداؤد ۳/۱۳، سنن ترمذی ۴/۱۵۱-۱۵۰، مستدرک کتاب العلم ۱/۹۷-۹۵)

(دین میں) نئی نئی باتوں سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ ہر محدث بدعت (سیئہ) ہے اور ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔ اسی حدیث کے ہم معنی جابر رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں یہ زیادہ ہے ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الجمعہ ۲/۵۹۲)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ (حضور نے یہ غیبی خبر ارشاد فرمائی کہ) خبردار تم میں سے کسی کو وہ شخص فتنہ میں نہ ڈالے جو بستر پر ٹیک لگائے ہوئے ہے (کیونکہ

وہ اپاہج ہوگا) کہ اس کے پاس میرا حکم آئے جس کو میں نے حکم کیا ہو یا اس سے باز رہنے کا حکم کیا ہو اس پر وہ کہے کہ میں نہیں جانتا ہم نے کتاب اللہ تعالیٰ میں نہیں پایا کہ ہم اس کی اتباع کریں۔
(سنن ابوداؤد ۵/۱۲، سنن ترمذی کتاب العلم ۴/۱۴۴، مقدمہ ابن ماجہ ۱/۷)

نوٹ: یہ فرمان نبوت حضور ﷺ کا ایک غیبی معجزہ ہے۔ جو ہو بہو ایسا ہی واقعہ ہوا کہ قریب ایام میں ایک منکر حجیت حدیث عبداللہ چکڑالوی پیدا ہوا جو اپاہج اور تکیہ لگائے بیٹھا رہتا تھا۔ وہ ایسا ہی کچھ کہتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔ (مترجم)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کیا کہ اس میں رخصت تھی تو اس سے باز رہنے کی بابت (یعنی نہ کرنے پر) ایک قوم نے پوچھا۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے فرمایا کہ

لوگوں کا کیا حال ہے کہ جس کام کو میں نے کیا ہے اس سے باز رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی زیادہ معرفت ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کا بہت خوف (خشیت) ہے۔
(صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۸۲۹)

حضور سید عالم ﷺ سے مروی ہے کہ قرآن مجید اس شخص پر بہت سخت ہو جاتا ہے اور وہ مشکل میں پڑ جاتا ہے جو اس سے کراہت کرتا ہے۔ خالانکہ وہ حکم (فیصلہ) کرنے والا ہے پس جو شخص میری حدیث سے حجت پکڑے اور اس کو سمجھے اور یاد رکھے تو وہ (بروز حشر) قرآن مجید کے ساتھ اٹھے گا اور جو شخص قرآن مجید اور میری حدیث کے ساتھ سستی واہانت کرے وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہے۔

میں اپنی امت (مستجاب) کو حکم دیتا ہوں کہ وہ میری حدیثوں کو (حجت جان کر) مضبوط تھامے اور میرے حکم کی اطاعت کرے اور میری سنت کا اتباع کرے پس جو میرے قول (حدیث) سے راضی ہے بیشک وہ قرآن مجید سے راضی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ۔ (الحشر ۷)

اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرما دیں وہ لے لو۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اقتداء کی پس وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت سے روگردانی کی پس وہ مجھ سے نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۹۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک عمدہ کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین ہدایت (سید عالم) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی ہے۔ برے کام وہ ہیں جو (دین میں) نئی

باتیں ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الجمعہ ۱/۵۹۲، مقدمہ ابن ماجہ ۱/۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم تین ہیں جو اس کے سوا باقی ہے وہ زیادتی ہے۔(1) آئیہ محکمہ یا (2) سنت قائمہ یا (3) فریضہ عادلہ (یعنی فقہ و قیاس وغیرہ) (سنن ابوداؤد ۳/ ۳۰۶، مقدمہ سنن ابن ماجہ ۱/۲۱)

حسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنت کے مطابق تھوڑا عمل بہتر ہے اس عمل سے جو بدعت (سیئہ) میں زیادہ ہو۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۱/۲۹۱، مسند الفردوس ۳/۴۱)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ بندے کو سنت پر عمل کرنے پر جنت میں داخل فرمائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتنہ و فساد کے زمانہ میں میری سنت پر (سختی سے) عمل کرنے والے کیلئے سو شہیدوں کا اجر ہے۔

(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد ۱/۱۷۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر (۷۲) گروہوں میں بٹ چکے ہیں اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک کے سوا سب کے سب جہنمی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ وہ (ناجی) فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا: وہ وہ ہے جو آج جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(سنن ترمذی کتاب الایمان ۴/ ۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری (مردہ) سنت کو زندہ کیا اس نے (گویا) مجھے زندہ کیا اور جو مجھے زندہ کرے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

(الحدیث الاصبهانی فی الترغیب کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۷۸)

حضرت عمرو بن عوف مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال ابن حارث رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو جو میرے بعد مردہ ہو چکی ہو اسے زندہ کیا تو اسکا اجر ان کے برابر ہے جو اس پر عمل کریں بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے اور جو (دین میں کوئی) نئی بات گمراہی کی نکالے کہ جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہ ہو تو اس کا عذاب ان لوگوں کے برابر ہے جو اس پر عمل کریں (بغیر اس کے کہ) یہ گناہ لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ کم کیا جائے۔ (سنن ترمذی کتاب العلم ۴/ ۱۵۰، مقدمہ سنن ابن ماجہ ۱/ ۳۳۹)

تیسری فصل

سلف صالحین رحمہم اللہ سے اتباع سنت کا وجوب

لیکن وہ جو سلف وائمہ رحمہم اللہ سے آپ ﷺ کی سنت کے اتباع، آپ ﷺ کی ہدایت و سیرت پاک کی اقتداء کے وجوب کا ثبوت ہے، یہ ہے کہ:

حدیث: بالاسناد مروی ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن ہم قرآن میں صلوٰۃ خوف اور صلوٰۃ حضر تو پاتے ہیں مگر صلوٰۃ سفر نہیں پاتے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن اخی بیشک اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف حضور نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر بھیجا (اس سے زیادہ) ہم کچھ نہیں جانتے کہ ہم وہی کرتے ہیں جیسا ہم نے آپ ﷺ کو کرتے دیکھا۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الامامۃ ۱/ ۳۳۹، سنن نسائی کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۲۲۶)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد صاحب الامر (خلفاء راشدین وغیرہ) نے کسی سنت کو جاری کیا تو اس کو اخذ کرنا (اور اس پر عمل کرنا گویا) کتاب اللہ کی ہی تصدیق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر عمل ہے اور دین الٰہی کی تقویت کا موجب ہے۔ کسی کو یہ اختیار نہیں کہ سنت میں تغیر و تبدل کر سکے اور نہ کوئی اس کا مجاز ہے کہ اس کے مخالف کی کسی بات پر غور و فکر بھی کی جائے۔ جو شخص اس سنت کی پیروی کرتا ہے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو اس کی مدد کرتا ہے وہ منصور و مظفر ہے۔ جو اس کا مخالف ہے وہ مومنین کے راستہ کے برخلاف چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس پر مسلط کر دے گا جس کا وہ والی بنے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اس گمراہی میں ڈالے رکھے گا العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ ایسوں کو جہنم میں جھونک دے گا اور وہ نہایت ہی بری جگہ ہے۔ (مناہل الصفاء/ ۱۷۸)

حضرت حسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت کے مطابق عمل قلیل بہتر ہے اس سے جو بدعت (سیئہ) پر عمل کثیر کیا جائے۔

حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں چند مردان اہل علم (علماء کرام) سے یہ بات پہنچی کہ وہ فرماتے تھے: اَلْاِعْتِصَامُ بِالسُّنَّةِ نَجَاةٌ "سنت پر سختی سے عمل کرنا نجات ہے"۔

(مناہل الصفاء/ ۱۷۸)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (فاروق اعظم) نے اپنے عمال کی طرف یہ خط لکھا کہ سنت،

فرائض اور لحن یعنی لغت کو سیکھو اور فرمایا کہ کچھ لوگ تم سے قرآن کے بارے میں جھگڑیں گے (تو خبردار) تم ان سے سنن سے مواخذہ کرنا بلاشبہ اصحاب سنن (اہلسنت) کتاب اللہ کو زیادہ جاننے والے ہیں۔ (مقدمہ سنن دارمی ۱/ ۴۹)

اور آپ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک حدیث مروی ہے کہ جس وقت (حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے) ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں تب فرمایا تھا کہ میں نے ویسا ہی کیا ہے جیسا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا تھا۔ (صحیح مسلم کتاب الحج ۲/۹۸۱)

حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جب آپ نے (حج کے موقعہ پر) قران کیا تو آپ سے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ جانتے ہیں کہ میں لوگوں کو اس سے منع کرتا ہوں اور آپ اس کو کر رہے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں یہ کس طرح کرسکتا ہوں کہ کسی کے کہنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دوں۔

(صحیح بخاری کتاب الحج ۳/۹۲۰، سنن نسائی کتاب القرآن ۵/ ۱۴۸)

اور حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے یہ بھی مروی ہے کہ (آپ نے فرمایا) مگر میں نبی نہیں ہوں اور نہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ حتی المقدور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتا ہوں۔

حضرت مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت میں غور وفکر کرنا بدعت (سیئہ) میں اجتہاد کرنے سے بہتر ہے۔ (دارمی باب فی کراھیۃ اخذ الرأی ۱/۷۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفر کی نماز (قصر) کی دو رکعتیں ہیں (یعنی چار رکعت والی نماز کی دو رکعتیں ہیں) جس نے سنت کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔

(مسند حمید بسند حمید بسند صحیح کما فی مناہل الصفاء/ ۱۷۹)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طریقہ سنت کو لازم پکڑو کیونکہ زمین میں کوئی ایسا نہیں کہ جو طریق سنت پر ہو وہ اپنے دل میں خدا کو یاد کرتا ہو اور اس کی آنکھوں سے آنسو خوف خدا (خشیت) سے جاری رہتے ہوں۔ پھر اس کو اللہ تعالیٰ ابدی عذاب دے (یعنی سنت پر عمل کرنے والے کو ہمیشگی جہنم کا عذاب نہیں ہوگا) اور زمین پر کوئی بندہ ایسا نہیں جو طریق سنت پر ہو اور جب وہ اپنے دل میں خدا کو یاد کرے تو اس کا رُواں رُواں خشیت الٰہی سے کھڑا ہو جائے مگر اس کی مثال اس درخت کی سی ہے جس کے پتے خشک ہوگئے ہوں پھر وہ اس حالت میں ہو کہ اچانک اس کو آندھی پہنچے تو اس کے پتے جھڑ کر گر جائیں (اسی طرح اس کے گناہ جھڑ جائیں گے) بلاشبہ سبیل و سنت پر

عمل کرنا بہتر ہے اس پر کوشش کرنے سے جو خلاف سبیل و سنت ہو اور بدعت (سیئہ) کے موافق ہو۔ (اے مسلمانو!) تم غور کرو تمہارا عمل اگر اجتہادی یا معتدل ہے تو یہ انبیاء علیہم السلام کے طریق و سنت پر ہے۔ (الاصبہانی الترغیب، واللالکائی فی السنۃ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی/۱۷۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے بعض عمال نے اپنے شہروں کا حال لکھتے ہوئے لکھا کہ یہاں چوروں کی بہت زیادتی و کثرت ہے کیا ان کو محض اپنے گمان پر گرفتار کرلیا کروں یا ان کیلئے ثبوت و شہادت کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ اس پر سنت جاری ہے۔ آپ نے ان کی طرف لکھا۔ ان کو کسی دلیل بینہ سے پکڑو جیسا کہ سنت جاری ہے۔ پس اگر ان کی حق و انصاف بھی اصلاح نہ کرسکے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ان کی اصلاح نہ فرمائے گا۔ (مطلب یہ کہ حق بینہ ہی ان کی درستی کردے گا) حضرت عطا رحمہ اللہ نے آیہ کریمہ

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (النساء ۵۹)

ترجمہ پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف۔

کی تفسیر میں مروی ہے کہ (الی اللہ سے مراد) کتاب اللہ اور (الرسول سے مراد) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا جائے۔ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آپ کی نظر حجر اسود پر پڑی کہ اے حجر اسود تو ایک ایسا ہی پتھر ہے جو ذاتی طور پر نہ نفع پہنچا سکے نہ ضرر۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو بوسہ (استلام) دیا ہے تو ہرگز میں تجھ کو بوسہ (استلام) نہ دیتا اس کے بعد آپ نے (حجر اسود کو) بوسہ دیا۔

(صحیح بخاری کتاب الحج ۳/۱۲۷)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اونٹنی کو ایک جگہ پر چکر دیا۔ اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا۔ فرمایا: اس سے زیادہ میں نہیں جانتا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس مقام پر) ایسا کرتے دیکھا۔ لہٰذا میں نے بھی ایسا کیا۔ (مناہل الصفا للسیوطی ۱۸۰)

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے آپ پر سنت قولی و فعلی کو حاکم بنالیا اس نے حکمت کی باتیں کیں اور جس نے خواہشات نفسانی کو اپنا حاکم بنالیا اس نے بدعت کی باتیں کیں۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمارے مذہب کے تین اصول ہیں۔ (۱) اخلاق و افعال

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا۔ (۲) حلال کھانا۔ (۳) اور نیت کا تمام اعمال میں خالص ہونا۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ۔ (فاطر ۱۰)

اور نیک عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے۔

کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا ایک دن ایک ایسی جماعت کے ساتھ گزر ہوا جس نے برہنہ ہو کر پانی میں داخل ہو کر غسل کیا۔ اس وقت میں نے اس حدیث پر عمل کیا (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھے وہ تہبند باندھے بغیر حمام میں داخل نہ ہو''۔ (سنن ترمذی ۴/ ۱۹۹)

چنانچہ میں برہنہ نہ ہوا۔ تب اسی رات میں نے یہ ندا سنی کہ اے احمد خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے تمہارے گناہ بخش دیئے اور تم کو پیشوا بنا دیا گیا کہ لوگ تمہاری پیروی کریں۔ (آپ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس ہاتف غیبی سے پوچھا تم کون ہو؟ جواب ملا کہ جبریل (علیہ السلام)

چوتھی فصل

سنت کی مخالفت موجب عذاب آخرت ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تبدیلی ایسی گمراہی و بدعت ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے ذلت و عذاب کی وعید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (النور ۶۳)

ترجمہ پس ڈرنا چاہیے انہیں جو خلاف ورزی کرتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آئے۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى۔ (النساء ۱۱۵)

ترجمہ اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اسکے بعد کہ روشن ہوگی س کیلئے ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھرنے دیں گے اسے جدھر وہ خود پھرا ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کی طرف تشریف لے گئے اور اپنی امت کے حال میں حدیث بیان فرمائی۔ اس (حدیث) میں یہ ہے کہ بعض لوگ میرے حوض سے (قیامت کے دن) ہٹا دیئے جائیں گے جیسا کہ بھولا ہوا اونٹ ہٹا دیا جاتا ہے۔ پس میں انہیں پکاروں گا، ادھر آؤ، ادھر آؤ ادھر آؤ۔ اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد طریقہ بدل لیا تھا۔ تب میں فرماؤں گا: دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفرت و بیزاری کا اظہار فرمائیں گے) (صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/۱۸۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح ۷/۳ صحیح مسلم کتاب النکاح ۲/۱۰۲۰)

اور فرمایا جس نے ہمارے دین میں وہ بات داخل کی جو اس میں نہ تھی وہ مردود ہے۔

(صحیح بخاری کتاب العلم ۳/۱۶۰، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ ۱/۴۳، ۱۳)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بواسطہ اپنے والد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار تم میں سے کسی کو وہ شخص فتنہ میں نہ ڈالے جو فرش پر ٹیک لگائے ہوئے ہے، اس کے

سامنے جب میرا کوئی حکم جس کو میں نے فرمایا یا میری کوئی مخالفت پہنچتی ہے تو وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا، ہم نے کتاب اللہ میں نہیں پایا کہ ہم اس کی پیروی کریں۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ زیادہ ہے کہ خبردار بلاشبہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا، وہ اللہ کے حرام کرنے کی طرح ہے۔

(سنن ترمذی کتاب العلم ۴/۱۴۴، مستدرک کتاب العلم ۱/ ۱۰۸)

اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درانحالیکہ آپ کے سامنے ایک شانہ پر کچھ لکھا ہوا لایا گیا کہ قوم کی حماقت یا فرمایا گمراہی کیلئے یہ کافی ہے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیز سے روگردانی و انحراف کر کے غیر نبی کی طرف رجوع کرے یا اپنی کتاب کو چھوڑ کر دوسروں کی کتابوں کی طرف رغبت کرے۔ اس وقت یہ آیت اتری:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ۔ (العنکبوت ۵۱)

ترجمہ کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

(مراسیل ابوداؤد و ابن جریر و حاکم بحوالہ تفسیر درمنثور ۶/ ۴۷۱)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ کلام میں مبالغہ و شیخی خورے یا طعنہ زنی کرنے والے ہیں وہ ہلاک ہو گئے۔ (صحیح مسلم کتاب العلم ۴/ ۲۵۵)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس چیز کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے رہے ہیں مگر یہ کہ میں اس پر عمل کروں۔ اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو چھوڑا تو یقیناً گمراہ ہو جاؤں گا۔

(صحیح بخاری کتاب الخمس ۴/ ۶۳، سنن ابوداؤد کتاب الامارۃ ۳/ ۳۶۵)

دوسرا باب

امت پر آپ ﷺ کی محبت لازم واجب ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اٰبَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا۔ (التوبہ ۲۴)

ترجمہ تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں۔

یہ آیہ کریمہ آپ ﷺ کی محبت کے لزوم اور اس کے فرض واہم امر اور یہ کہ آپ ﷺ ہی اس محبت کے اصل مستحق ہیں، اس بارے میں ترغیب وتنبیہ اور دلیل و حجت کیلئے کافی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت سرزنش وتنبیہ کی ہے جس نے اپنی آل اولاد اور مال کی محبت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے زیادہ سمجھا۔ ایسوں کو ڈراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ (التوبہ ۲۴)

ترجمہ انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم۔

آخر آیت میں ایسوں کو فاسق (بے ایمان) فرمایا اور جتلایا کہ بلاشبہ یہ لوگ ان گمراہوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق نہ دی۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کی طرف اس کی اولاد اور اس کے والد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان ۱/ ۹ صحیح مسلم کتاب الایمان/ ۲۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اس نے ایمان کی حلاوت پائی۔ (۱) اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ان کے ماسوا سے سب سے زیادہ محبوب ہو (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہی کسی سے محبت کرے (۳) اور یہ کہ کفر پر لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان ۱/ ۹ صحیح مسلم کتاب الایمان/ ۱۱۔۶۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک دن آپ نے) حضور ﷺ سے عرض کیا: بیشک میرے نزدیک آپ سوائے اس اپنی جان کے جو دو پہلوؤں کے درمیان ہے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک

وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے۔اس وقت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب قرآن مجید نازل فرمایا۔ یقیناً آپ میری اس جان سے بھی جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے، زیادہ محبوب ہیں۔اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اب تم (کامل ایماندار) ہوگئے۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان والنذ ور باب کیف کانت ویمین النبی ۱۱/۵۲۲ الفتح)

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت وحکومت تمام حالات میں نہیں دیکھتا اور اپنی جان کو اپنی ملک جانتا ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی شیرینی کو نہ چکھے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

ترجمہ تم میں سے وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جسکے نزدیک میں اسکی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

پہلی فصل

آپ ﷺ سے محبت رکھنے کا اجر وثواب

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا: قیامت کب آئے گی یارسول اللہ ﷺ فرمایا: تو نے اس کیلئے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا: میرے پاس اس کیلئے نہ نمازوں کی کثرت ہے نہ روزہ وصدقہ ہے لیکن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کے ساتھ ہے جس کو تو محبوب رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب مناقب عمر ۵/۱۱ صحیح مسلم کتاب البر ۴/۲۰۳۳)

حضرت صفوان بن قدامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کی پھر میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول ﷺ اپنا دست مبارک دیجیے تا کہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک بڑھایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کو محبوب رکھتا ہوں۔ فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ مرد جس سے محبت رکھے اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب الزهد، ۴/۲۳)

اس حدیث کو لفظاً حضور ﷺ سے عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ اور انس رضی اللہ عنہم سے معنی مروی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الادب ۸/۴۴۔۴۳ صحیح مسلم کتاب البر ۴/۲۰۴۴، صحیح بخاری کتاب الادب ۸/۴۴ صحیح مسلم کتاب البر ۴/۲۰۴۴، صحیح بخاری کتاب الادب ۸/۴۴ مسلم کتاب البر ۴/۲۰۳۳۔۲۰۳۲ سنن ابوداؤد کتاب الادب ۵/ ۳۴۵، مسند امام احمد ۵/ ۱۵۶)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے اور ان کے والد و والدہ رضی اللہ عنہما سے محبت کرے وہ میرے ساتھ قیامت کے دن میرے درجہ میں ہوگا۔

(سنن ترمذی مناقب علی ۵/ ۳۰۵)

مروی ہے کہ ایک مرد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ میرے نزدیک میرے اہل ومال سے زیادہ پیارے ہیں اور میں آپ کو دل میں یاد رکھتا ہوں جب تک میں اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کر لیتا مجھے صبر وقرار نہیں آتا اور جب میں اپنی موت اور آپ کی جدائی (یعنی موت طبعی) کو یاد کرتا ہوں تو میں جانتا ہوں کہ آپ جب جنت میں تشریف لے جائیں گے تو آپ نبیوں کے ساتھ مقام ارفع میں تشریف فرما ہوں گے اگر میں جنت

میں داخل ہوا تو آپ کی زیارت نہ کرسکوں گا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء:٦٩)

ترجمہ اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اسکے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کیساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔

پھر آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر درمنثور ۲/۵۸۸)

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں آیا۔ اس نے نظر بچا کر آپ ﷺ کو دیکھنا شروع کیا حتیٰ کہ کسی طرف وہ مائل ہی نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا حال ہے؟ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، میں آپ کی طرف نظر کرنے سے حظ (لذت) حاصل کرتا ہوں جب آپ کو بروز قیامت اللہ تعالیٰ مقام رفیع عطا فرمائے گا (اسوقت میرا کیا حال ہوگا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مجھ سے محبت رکھے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (الاصبہانی فی الترغیب کمافی مناہل الصفاء/۱۸۲)

(اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِجَاهِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ)

دوسری فصل

آپ ﷺ سے محبت رکھنے کے بارے میں اقوال سلف

نبی کریم ﷺ کی محبت و اشتیاق کے سلسلہ میں جو ائمہ سلف رحمہم اللہ سے منقول ہیں (اب ان کا) ذکر کیا جاتا ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد بہت سے وہ لوگ آئیں گے جو مجھ سے محبت کریں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش اپنے اہل و مال کے بدلے میں میری زیارت ہو۔ (صحیح مسلم کتاب الجنۃ ۴/ ۲۱۷۸)

اسی کے مثل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (مسند امام احمد ۳/ ۱۵۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ مجھ کو میری جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس قسم کی محبت کا حال گزر چکا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مجھ کو اور کوئی محبوب نہ تھا۔ عبیدہ بنت خالد بن معدان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: جب خالد (ان کے والد) اپنے بستر پر آتے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اپنا شوق اور آپ ﷺ کے صحابہ مہاجرین و انصار سے اپنی محبت کا ذکر نام لے کر کیا کرتے اور کہتے یہ لوگ میری اصل و نسل (یعنی حسب و نسب) ہیں ان کی طرف میرا دل میلان کرتا ہے۔ میرا شوق ان سے طویل ہے۔ اے میرے رب میری روح ان کی طرف کی قبض کر (یہی کہتے کہتے) ان پر نیند غالب آ جاتی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ حضرت ابوطالب کا اسلام لانا میرے لئے ان کے اسلام لانے یعنی ان کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے زیادہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب ہے کیونکہ حضرت ابوطالب کا اسلام لانا آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے۔

اس کے مثل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ (میرے والد) خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ (ابوطالب) اسلام لائیں اس لئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ (مجمع الزوائد ۹/ ۲۶۸)

ابواسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری عورت کا باپ، بھائی اور شوہر غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں قتل ہوگئے تھے۔ اس وقت اس نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد اللہ بخیریت ہیں جیسا کہ تم چاہتی ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے بتاؤ تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لوں۔ جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہا کہ آپ کی سلامتی کے بعد اب مجھے ہر مصیبت آسان ہے (مجھے ان باپ، بھائی، شوہر کی پرواہ نہیں) (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/۳۰۲)

حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہاری محبت کیسی تھی؟ فرمایا: خدا کی قسم مجھے اپنے مال، اپنی اولاد اپنے ماں باپ اور پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بہت زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب تھے۔ (مناہل الصفا للسیوطی ۱۸۳)

زید ابن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہرا دیتے ہوئے نکلے تو ایک مکان میں چراغ جلتے دیکھا اور ایک بوڑھی عورت اون دھنتے ہوئے کہہ رہی تھی:

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوۃُ الْاَبْرَارِ صَلّٰی عَلَیْهِ الطَّیِّبُوْنَ الْاَخْیَارِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نیکوں کا درود ہو۔ آپ پر ہر اچھے برگزیدہ لوگ درود پڑھتے ہیں۔

قَدْ کُنْتَ قَوَّامًا بُکًا بِالْاَسْحَارِ یَالَیْتَ شِعْرِیْ وَالْمَنَایَا اَطْوَارِ

بیشک آپ راتوں کو کھڑے رہنے والے صبح تک رونے والے تھے۔ اے کاش! مجھے معلوم ہوتا حالانکہ نیندیں (موتیں) مختلف قسم کی ہیں۔

هَلْ یَجْمَعُنِیْ وَحَبِیْبِیْ الدَّارَ۔

ترجمہ کیا (اللہ) مجھ کو اور میرے محبوب کو ایک گھر (جنت) میں جمع کرے گا۔

اس تمنا کے اجتماع سے مراد اس عورت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں مصاحب و مقاربت ہے۔ وہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور روتے رہے۔ یہ واقعہ طویل ہے۔ (الزہد/۳۶۳۔۳۶۲)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں شل ہوگیا۔ کسی نے ان سے کہا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب کو یاد کیجئے یہ جاتا رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے زور سے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اسی وقت ان کا پاؤں کھل گیا۔ (عمل الیوم والیلہ ۷۲)

اسی طرح جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی بیوی نے کہا:

وَاحُزْنَاہ (ہائے افسوس) اسی وقت انہوں نے کہا: وَاطَرَبَاہِ غَدًا اَلْقَی الْاَحِبَّۃَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَہٗ یعنی خوش ہو کہ کل میں اپنے محبوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملاقات کروں گا۔

مروی ہے کہ ایک عورت نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کو میرے لئے کھول دیجئے۔ آپ نے اس کیلئے کھلوایا تو وہ رونے لگی حتی کہ وہ وہیں انتقال کر گئی۔

جس وقت اہل مکہ نے (فتح مکہ سے پہلے) زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو حرم سے نکالا کہ ان کو قتل کر دیں تب ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے (اپنی حالت کفر کے زمانہ میں) اس سے کہا: اے زید رضی اللہ عنہ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیری جگہ ہوں اور ان کی (معاذ اللہ) گردن ماری جائے اور تو واپس اپنے اہل و عیال میں چلا جائے؟ تب زید رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جہاں بھی رونق افروز ہوں اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس میں کانٹا تک بھی چبھے اور میں اپنی جگہ (یونہی) بیٹھا رہوں۔ اس وقت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی کو اس قدر محبوب رکھتا ہو جس قدر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم ان کو محبوب رکھتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/۳۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اللہ تعالیٰ کی قسم لیتے کہ (کہئے کہ) میں نہ تو خاوند کی دشمنی کی وجہ سے اور نہ کسی زمین کی طمع میں نکلی بلکہ میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں نکلی ہوں۔

(تفسیر ابن جریر سورۃ ممتحنہ ۲۸/۴۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے پاس ٹھہرے اور ان کیلئے استغفار کیا اور کہا کہ خدا کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ تم بڑے روزے دار، شب بیدار اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رکھنے والے تھے۔

تیسری فصل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی علامت

اس بات کو خوب جان لو کہ جو شخص جس کی محبت رکھتا ہے وہ اس کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی کی موافقت کرتا ہے ورنہ وہ اس کی محبت میں صادق نہیں جس کی محبت کا وہ دم بھرتا ہے۔ لہٰذا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں وہ سچا ہے جس پر اس کی علامتیں ظاہر ہوں۔

پہلی علامت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا عامل ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال کا اتباع کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بجا لائے اور نواہی سے اجتناب کرے عزت و عشرت، مسرت و کربت ہر حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سے مواعظت و نصیحت حاصل کرے۔ اس علامت کی حجت و دلیل اس آیت کریمہ میں ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (ال عمران ۳۱)

ترجمہ (اے محبوب!) آپ فرمایئے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ۔

اور علامت محبت یہ ہے کہ جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع فرمایا اور اس پر عمل کی ترغیب و تنبیہ فرمائی اس کو اپنی خواہشات نفسانی و شہوانی پر ترجیح دے چونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (الحشر ۹)

ترجمہ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد سے پہلے)۔

دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف حجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور بندوں کو خدا کی رضامندی حاصل کرنے میں ناراض کر دیتے ہیں۔

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے فرزند اگر تم اس کی قدرت رکھو کہ تمہاری صبح اور شام اس حالت میں ہو کہ تمہارا دل ہر ایک کی کدورت سے پاک وصاف ہو تو ایسا کرو۔ اس کے بعد پھر مجھ سے فرمایا:

اے فرزند! یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت کو زندہ رکھا اس نے مجھ سے محبت کی اور

جس نے ، مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (سنن ترمذی کتاب العلم ۴/۱۵۱)

لہٰذا اب جو شخص اس صفت سے متصف ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں کامل ہوگا اور جو شخص ان میں سے بعض امور کی مخالفت کرے گا اس کی محبت اتنی ہی ناقص ہوگی اور وہ محبت کے نام سے خارج نہ ہوگا۔ اس کی دلیل حضور ﷺ کا اس شخص کے بارے میں وہ فرمان ہے کہ جس کو شراب پینے پر حد جاری کی گئی اور اس وقت بعض لوگوں نے اس پر لعنت کی تھی اور کہا تھا تعجب ہے اس کو ایسی حالت میں لایا گیا۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت مت کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود ۳/۱۳۳)

علامات محبت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل با کثرت کرے۔ اس لیے کہ جو شخص جس چیز کو زیادہ محبوب رکھتا ہے اس کا ذکر با کثرت کیا کرتا ہے۔

انہیں علامات محبت میں سے آپ ﷺ کے لقاء و دیدار کا زیادہ شوق رکھنا ہے اس لئے کہ ہر محب اپنے محبوب کے دیدار کی تمنا رکھتا ہے۔ اشاعرہ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جب حضور ﷺ (بوقت ہجرت) مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو یہ (لوگ) رجز پڑھتے تھے۔

غَدًا نَلْقَ الْاَحِبَّة   مُحَمَّدًا وَصَحْبِه

ہم کل پیاروں سے ملیں گے۔ یعنی حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ سے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۵/۳۵۱)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اپنے شہید ہونے سے پہلے کہا تھا۔ اور وہ جو اسے ہم نے خالد بن معدان رضی اللہ عنہ کے قصہ میں بیان کیا۔

اور آپ ﷺ سے محبت کرنے کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ کثرت کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر جمیل کرے گا اور آپ ﷺ کے ذکر کے وقت غایت تعظیم و توقیر بجالائے گا اور آپ ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کے وقت انتہائی عجز و انکساری کا اظہار کرے گا۔

ابن اسحٰق تجیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل جب آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کرتے تھے تو انتہائی عاجزی و فروتنی سے کرتے اور ان کے بال کھڑے ہو جاتے اور رونے لگتے تھے۔ یہی حال اکثر تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا تھا۔ ان میں سے کچھ تو آپ ﷺ سے محبت و شوق کی بنا پر روتے اور کچھ آپ کی ہیبت و عظمت کی وجہ سے۔

آپ ﷺ سے محبت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے کی وجہ

سے کسی سے محبت رکھے اور اسی علاقہ کے سبب و وجہ سے آپ ﷺ کے اہل بیت اور آپ ﷺ کے صحابہ مہاجرین و انصار سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے عداوت رکھے ان سے عداوت رکھتا اور جو ان سے بغض و فساد رکھے ان سے بغض رکھتا ہے۔ جو شخص جس سے محبت رکھتا ہے وہ اس کو بھی محبوب جانتا ہے جن سے اس کا محبوب محبت کرے۔

بلاشبہ حضور ﷺ نے حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا کہ اے خدا میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب فرما۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۵/۲۳، صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/۱۸۸۳، سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۳۲۷)

ایک روایت میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ بے شک میں ان کو محبوب رکھتا ہوں پس جو ان سے محبت رکھے اس کو بھی محبوب رکھتا ہوں اور فرمایا: جو ان دونوں سے محبت رکھتا ہے بیشک وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص ان دونوں سے بغض و عداوت رکھتا ہے بلاشبہ وہ مجھ سے بغض و عدوت رکھتا ہے اور جو شخص مجھ سے بغض و عداوت رکھتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ بھی اس کو مبغوض رکھتا ہے۔

(مقدمہ سنن ابن ماجہ ۱/ ۵۱، مجمع الزوائد ۹/ ۱۸۰)

اور فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی اَصْحَابِی ہوشیار، خبردار میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں۔ میرے بعد ان کو اپنی اغراض کا آلہ کار نہ بنانا جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھنے کی بنا پر ہے اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر ہے۔ جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی بہت جلد اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پکڑ میں لے گا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۳۵۸، مسند امام احمد ۵/۵۴)

حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا ٹکڑا ہے جو چیز ان کو غصہ میں لاتی ہے وہ مجھ کو بھی غصہ میں لاتی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۵۴/۲۴، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ ۴/۱۹۰۳)

آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے محبت و شفقت کرو کیونکہ میں بھی ان کو محبوب رکھتا ہوں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/۳۴۲) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے اور نفاق کی علامت ان سے دشمنی۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۵/ ۲۷، صحیح بخاری کتاب الایمان ۱/ ۹ صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۸۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جس نے اہل عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر کی۔
(مناہل الصفا للسیوطی ۱۸۶)

درحقیقت بات یہ ہے کہ جس شخص نے کسی سے محبت کی تو وہ ہر اس چیز سے محبت کرے گا جس کو وہ محبوب رکھتا ہوگا اور یہی عادت سلف رحمہم اللہ کی تھی حتی کہ مباحات اور خواہشات نفسانیہ میں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہانڈی میں کدو کے قتلوں (ٹکڑوں) کو تلاش فرمایا کرتے تو میں نے اس دن سے ہمیشہ کدو کو محبوب رکھا۔
(صحیح مسلم کتاب الشربہ ۳/ ۱۶۱۵ شمائل ترمذی ۱۴۲)

حضرت امام حسن بن علی، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہم ،حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا کے پاس آئے ان سے انہوں نے فرمائش کی کہ آپ ہمیں وہ کھانا تیار کر دیجئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرمایا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی/ ۱۵۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بسنتی جوتی اور زرد رنگ کے کپڑے پہنا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی لباس پہنے دیکھا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس ۷/ ۱۳۲ صحیح مسلم کتاب الحج ۲/ ۸۴۴)

انہیں علامات محبت میں سے یہ ہے کہ اس چیز سے دشمنی رکھے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنی رکھی اور اس سے عداوت رکھے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عداوت رکھی اور اس شخص سے کنارہ کشی کرے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مخالف ہو اور جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہو اور ہر مخالف شریعت بات کو سختی سے گراں اور برا جانے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (المجادلۃ ۲۲)

ترجمہ تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔

بلاشبہ یہی کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی کہ انہوں نے اپنے دوستوں کو قتل کیا اور آپ کی مرضی و خواہش پر اپنے والدین (آباء) اور اولاد کو قتل کیا اور ان سے لڑائی کی۔

عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کی مرضی مبارک ہو تو میں اس کا یعنی اپنے باپ کا سر کاٹ کر پیش کردوں۔ (کشف الاستار ۳/ ۲۶۰)

اور انہیں علامات محبت میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن مجید سے محبت رکھے

کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے ہدایت فرمائی اور خود پائی اور اسی کے موافق آپکے اخلاق کریمہ تھے۔

یہاں تک کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن مجید ہے اور قرآن مجید سے محبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تلاوت کرے اور اس پر عمل کرے اور اس کو خوب سمجھے اور اس کی سنت (طریقہ) کو پسند کرے اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم سے محبت کرے اور قرآن مجید سے محبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرے اور آپ ﷺ سے محبت کرنے کی پہچان یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت سے محبت کرے اور آپ ﷺ کی سنت سے محبت کرنے کا مطلب یہ کہ آخرت سے محبت کرے اور آخرت سے محبت کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بغض رکھے اور دنیا کا بغض یہ ہے کہ "قوت لایموت" اور توشہ آخرت کے سوا کچھ جمع نہ کرے تا کہ آخرت میں فلاح سے ہمکنار ہو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی سے اپنی جان کے بارے میں نہ پوچھے سوائے قرآن کریم کے کیونکہ اگر اس کی محبت قرآن کریم سے ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہے۔ (بیہقی فی الآداب ۵۲۲)

اور آپ کی علامات محبت میں سے یہ ہے کہ آپ کی امت کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے، ان کو اچھی بات بتائے اور ان کی خیر خواہی کی کوشش کرے۔ ان کے نقصانات کو دور کرے جیسے کہ حضور ﷺ مسلمانوں پر رؤف و رحیم تھے اور آپ ﷺ سے کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کا مدعی دنیا میں زاہد ہو اور فکر کا خوگر ہو کر فقراء سے ترجیحی سلوک کرے۔

حضور ﷺ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے مجھ سے محبت رکھے گا اس کی طرف فقر اسی رو سے زیادہ تیز دوڑ کر آئے گا جیسے کہ جنگل کی بلندی کی طرف سے یا پہاڑ سے نیچے کو آتا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الزہد ۴/۷)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا غور کرلیا کہ کیا کہہ رہا ہے؟ عرض کیا واللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اس طرح تین مرتبہ کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو فقر کیلئے سامان (صبر) کی تیاری کر۔ اس کے بعد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل اس کے معنی بیان فرمائے۔ (سنن ترمذی کتاب الزھد ۴/۷)

چوتھی فصل

محبت کے معنی اور اس کی حقیقت

نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے کے معنی اور اس کی حقیقت کے بیان میں علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ کی محبت کی کیا تفسیر و مراد ہے۔ ان کی عبارتیں تو بکثرت ہیں لیکن حقیقت میں کچھ اختلاف اقوال نہیں البتہ احوال و کیفیات ضرور مختلف ہیں۔ چنانچہ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا محبت اتباع رسول ﷺ کا نام ہے۔ گویا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف توجہ کی کہ فرمایا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ (ال عمران ۳۱)

ترجمہ (اے محبوب!) آپ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو۔

بعض علماء نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی محبت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نصرت و مدد کو لازم جانے اور مخالفین سنت کو مٹائے اور سنت کی پیروی کرے اور سنت کی مخالفت سے خوفزدہ رہے۔

بعض نے کہا کہ ہمیشہ محبوب کا ذکر کرتے رہنے کا نام محبت ہے اور دوسروں نے کہا کہ محبوب پر جاں نثاری محبت ہے بعض کہتے ہیں کہ محبت محبوب کے ساتھ شوق کا نام ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ دل رب کی مراد کے موافق کرے کہ جس کو وہ پسند کرے اس کو یہ پسند کرے جس کو وہ برا کہے اس کو یہ برا جانے اور بعض نے کہا کہ موافقت کی طرف دل کے میلان کا نام محبت ہے۔

مذکورہ اکثر عبارتیں محبت کے نتیجہ و ثمرہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں نہ کہ اس کی حقیقت کی طرف اور محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جس انسان کے موافق چیز ہو اس کی طرف اس کا میلان ہو۔ اب اس کی یہ موافقت یا تو اسلئے ہوگی کہ اس کے پالینے سے اس کو لذت حاصل ہوگی۔ جیسے حسین و جمیل صورتیں، عمدہ آوازیں اور لذیذ کھانا پینا وغیرہ کہ ہر سلیم الطبع اسکی طرف مائل ہے کیونکہ یہ اس کی طبیعت کے موافق ہے۔

یا اس لئے اس کے پانے سے لذت حاصل کرتا ہے کہ وہ اپنے حواس عقلیہ سے دل کے اعلیٰ معانیٔ باطنیہ معلوم کر لیتا ہے۔ جیسے علماء، وصلحاء، عرفاء اور وہ لوگ جن کی سیرتیں پاکیزہ وعمدہ مشہور ہیں اور ان کے افعال پسندیدہ ہیں۔ کیونکہ انسان کی طبیعت ان امور کی طرف مائل ہے۔ یہاں تک

کہ ایک طبقہ کی محبت کی وجہ سے دوسرے طبقہ سے تعصب تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایک گروہ کی حمایت دوسروں کے حقوق میں اس حد تک تجاوز کر جاتی ہے کہ اس کی محبت میں جلا وطنی (ترک سکونت) کرتے، بڑوں کی ہتک کرتے اور جانوں کو ہلاک کرتے ہیں۔

یا اس کی محبت خاص اس کیلئے ہوتی ہے کہ اس کے احسان و انعام کی وجہ سے اس کی طبیعت اس کے موافق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ طبائع انسانیہ اسی پر پیدا کی گئی ہیں کہ جو شخص اس پر احسان کرے وہ اس سے محبت کرے۔

جب یہ حقیقت[1] تم پر آشکار ہو چکی تو اب ان تمام اسباب و علل کے لحاظ سے حضور ﷺ کے حق میں غور کرو۔ یہ تو تم خوب جان چکے ہو گے کہ نبی کریم ﷺ ان تینوں معانی جو محبت کرنے کے موجب اور سبب ہیں کے جامع ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ظاہری صورت کا جمال، کمال، اخلاق اور باطنی خوبیاں ہم پہلے حصہ میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں۔ مزید بیان کی اصلاً حاجت نہیں۔

اب رہا آپ ﷺ کا اپنی امت پر احسان و انعام، سو وہ بھی پہلے حصہ میں گزر چکا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے امت پر آپ ﷺ کی شفقت و رحمت کے اوصاف حسنہ بیان فرمائے ہیں کہ کس طرح ان کو ہدایت فرمائی اور کیونکر ان پر شفقتیں کیں اور خدا نے ان کو کیسے دوزخ سے آپ ﷺ کی وجہ سے بچایا اور یہ کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ رؤف و رحیم اور رحمۃ اللعالمین ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ مبشر، نذیر، داعی الی اللہ باذنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت فرمائیں ان کا تزکیہ نفس کیا۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے کر صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی وغیرہ۔ (جو سب سے پہلے مذکور ہو چکا ہے)

لہٰذا اب وہ کون سا احسان ہے جو آپ ﷺ کے احسان سے بڑھ کر قدر و مرتبہ والا مسلمانوں کیلئے ہے اور کونسی کرم گستری ایسی ہے جو منفعت کے اعتبار سے آپ ﷺ کے انعام سے زیادہ تمام مسلمانوں پر زیادہ عام اور سودمند ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ ہی تو ان کی ہدایت کا ذریعہ تھے۔ آپ ﷺ ہی تو ان کو جہالت و ضلالت سے نکالنے والے اور فلاح و کرامت کی طرف بلانے والے تھے اور آپ ﷺ ہی تو ان کے رب کی طرف وسیلہ، شفیع اور ان کی طرف سے کلام کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ ہی ان کے گواہ اور ان کی دائمی بقاء اور لازوال نعمتوں کے موجب ہیں۔

یقیناً اب تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضور ﷺ ہی حقیقی محبت کے شرعی طور پر لائق و مستحق ہیں جیسا کہ ہم پہلے صحیح حدیثوں سے بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح عادت و طبیعت کے اعتبار سے بھی

حضور ﷺ ہی مستحق ہیں جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا کیونکہ آپ ﷺ کے احسانات عام ہیں پس جب انسان اس شخص کو محبوب رکھتا ہے جو دنیا میں اس پر ایک یا دو دفع احسان کرے یا اس کو کسی ہلاکت و نقصان سے بچائے جس کی ایذا کی مدت تھوڑی اور کسی نہ کسی وقت منقطع ہونے والی ہو۔ اس کے برعکس جو ذات کریم اس کو وہ نعمتیں مرحمت فرمائے جو کبھی ختم نہ ہوں اور اس کو دوزخ کے ایسے عذاب سے بچائے جو کبھی فنا نہ ہو تو وہی محبت کرنے کے زیادہ لائق و مستحق ہے۔

اور جب انسان طبعی طور پر اس بادشاہ کو جو اچھی خصلت رکھتا ہو یا وہ حاکم جس کا حسن سلوک معروف ہو یا وہ قاضی جو دور ہو مگر اس کا علم و کرم اور عمدہ خصائل مشہور ہوں۔ ان کو محبوب رکھتا ہے تو وہ ذات اقدس جس میں یہ تمام خصائل جلیلہ کمال کے انتہائی مرتبہ تک مجتمع ہوں زیادہ محبت کی مستحق ہے اور زیادہ لائق ہے کہ اس کی طرف طبیعت مائل ہو۔

یقیناً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی صفت میں فرمایا کہ جو شخص آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا وہ خوفزدہ ہو جاتا اور جو آپ ﷺ کی جان پہچان والا ہوتا وہ آپ ﷺ سے محبت کرتا تھا۔

ہم نے بعض صحابہ سے پہلے بیان کیا ہے وہ آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے آنکھ آپ ﷺ کی طرف سے نہ پھیرتے تھے۔ (صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیہم اجمعین)

پانچویں فصل

حضور ﷺ سے خیر خواہی واجب ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَايُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَاعَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَّ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبہ ۹۱)

ترجمہ اور نہ ان پر جونہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں (اگر یہ پیچھے رہ جائیں) کوئی حرج جبکہ وہ مخلص ہوں اللہ کیلئے اور اس کے رسول کیلئے۔ نہیں ہے نیکو کاروں پر الزام کی کوئی وجہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے خیر خواہی یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں پورے اخلاق کے ساتھ مسلمان ہو۔

حدیث: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک دین ایک خیر خواہی ہے بلاشبہ دین خیر خواہی ہے۔ یقیناً دین خیر خواہی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کس کیلئے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور ائمہ مسلمین و عام مسلمانوں کیلئے خیر خواہی واجب ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۸۴، سنن ابوداؤد کتاب الادب ۵/۲۳۳)

امام ابوسلیمان بُستی، رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نصیحت ایک کلمہ ہے جس سے ایسے تمام امور خیر سے تعبیر کی جاتی ہے جو کہ اس شخص کیلئے ہو جس کیلئے خیر خواہی کی جائے اور یہ ممکن نہیں کہ نصیحت کی تعبیر کسی ایسے ایک کلمہ سے کی جائے جو اس کو حصر (قید) کرے۔

اس (نصیحت) کے لغوی معنی اخلاق کے ہیں۔ جیسے اہل عرب کا مقولہ ہے کہ نَصَحْتُ الْعَسَلَ اِذَا خَلَّصْتَهٗ مِنْ شَمْعِهٖ یعنی ''شہد کو صاف کیا'' جب کہ تم اسے موم سے پاک کر دو۔

ابوبکر بن ابی الحق خفاف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''نُصْحٌ'' وہ فعل ہے کہ جس کے باعث درستی و مناسبت یا موافقت ہو۔ اور یہ ''نِصَاحٌ'' سے ماخوذ ہے۔ نصاح اس دھاگہ کو کہتے ہیں جس سے کپڑا سیا جاتا ہے۔ ابوالحق زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی کہا۔

پس اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ صحیح اعتقاد ہو۔ اس کو واحد جانے، اس کی ایسی تعریف کرے جس کا وہ اہل ہے اور ان باتوں سے اسے پاک سمجھے جو اس پر جائز نہیں۔ محبوبانِ

خدا سے رغبت رکھے اور جو اسکا دشمن (باغی غدار) ہو اس سے دور رہے اور اسکی عبادت میں اخلاص ہو۔

اور قرآن کریم سے خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرے۔ اس کی تلاوت اچھی طرح کرے۔ اس کے نزدیک عاجزی کرے۔ سرکش غالیوں کی تاویلات اور ملحدین کے طعنوں کو دور کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خیر خواہی یہ ہے کہ آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں یا منع کریں اس کی بجا آوری کرے۔ اس کو ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری اور وفات طبعی میں ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاونت و نصرت اور حمایت کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا احیاء بہ کوشش کرے اور اس کے مخالفوں کا رد کرے اور سنت کی اشاعت کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ، سیرت جمیلہ کے موافق اپنے اخلاق بنائے۔

ابو ابراہیم اسحٰق تجیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اس کی تصدیق کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سختی سے تھامے اور اس کی اشاعت کرے اس پر دوسروں کو رغبت دلائے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت دے اور ان کی فرمانبرداری و عمل کی تبلیغ کرے۔

احمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دلوں کے فرائض میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کا معتقد ہو۔ ابوبکر آجری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کی خیر خواہی دو خیر خواہیوں کی متقاضی ہے۔ ایک خیر خواہی آپ کی زندگی حیات ظاہری میں دوسری آپ کی حیات باطنی (بعد وفات) میں۔ آپ کی حیات میں آپ کے صحابہ کی خیر خواہی کرنا یہ تھی کہ وہ آپ کی نصرت کرتے آپ سے برائی دور کرتے جو آپ کا دشمن ہوتا اس سے دشمنی کرتے اور آپ کی پیروی و فرمانبرداری کرتے اور آپ پر اپنا جان و مال نذر کر دیتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔ (الاحزاب ۲۳)

ترجمہ ایسے جواں مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا۔ جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔

وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (الحشر ۸)

اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔

لیکن مسلمانوں کی خیر خواہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت محبت کو لازم جانیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سیکھنے کی ہمیشہ کوشش کرنا اور

آپ ﷺ کی شریعت میں تفقہ (حاصل) کرنا اور آل و اصحاب سے محبت کرنا اور جو آپ ﷺ کی سنت سے روگرداں اور منحرف ہو اس سے اجتناب کرنا اور اس سے دشمنی رکھنا اور اس سے بچنا اور آپ ﷺ کی امت پر شفقت کرنا، آپ کے اخلاق و آداب سے بحث کرنا اور تلاش کرتے رہنا اور اس پر صبر کرنا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا یہ سب خیر خواہی محبت ثمرات اور اس کی علامتوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن لیث خراسان کا ایک بادشاہ تھا جو مشہور حاکم تھا اسے صفار کہتے تھے۔ خواب میں دیکھا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تیرے ساتھ خدا نے کیا کیا۔ اس نے کہا کہ اس نے مجھے بخش دیا۔ پوچھا گیا کہ کس سبب سے؟

کہا کہ میں ایک دن پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اوپر سے اپنے لشکر کو جھانکا تو ان کی کثرت سے میں خوش ہوا۔ اس وقت میں نے تمنا کی اگر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ کی نصرت و اعانت کرتا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند آئی اور مجھے بخش دیا۔

اور آئمہ مسلمین کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے امور حقہ کی اطاعت کرے اور اس میں ان کی مدد کرے اور ان کا حکم حق کے ساتھ ہو اور ان کو حق کے عمدہ اسلوب سے یاد دلانا اور غفلت پر ان کو آگاہ و خبردار کرنا اور جو مسلمانوں کے امور ان سے پوشیدہ رہیں ان کو یاد دلانا ہے اور ان پر خروج کرنا۔ لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانا۔ ان کے دلوں کو ان کے برخلاف بگاڑنا ترک کردے۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کو ان کی خیر خواہیوں کی ہدایت کرنا۔ ان کو اپنے دینی اور دنیوی امور میں قول و فعل میں مدد دینا۔ ان کے غافل کو خبردار اور ان کے جاہل کو آگاہ کرنا۔ ان کے محتاجوں کی مدد کرنا۔ ان کے بروں کی ستر پوشی کرنا، ان کے نقصانات و ضرر کو رفع کرنا اور ان کی طرف ان کے منافع کو پہنچانا وغیرہ ہے۔

تیسرا باب

آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور ادائے حقوق کا حکم اور اس کا وجوب

حضور ﷺ کا حکم اور آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور نیکی کے وجوب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔ (الفتح ۸،۹)

ترجمہ بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے والا (عذاب سے) بروقت ڈرانے والا۔ تاکہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تاکہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (الحجرات ۱)

ترجمہ اے ایمان والو! آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے۔

ويٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (الحجرات ۲)

ترجمہ نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی (کریم) کی آواز سے۔

لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (النور ۶۳)

ترجمہ نہ بنالو رسول ﷺ کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو۔

ان آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی عزت وتکریم کو لازم فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تُعَزِّرُوْهُ یعنی آپ ﷺ کی تعظیم کرو اور مبرد رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں خوب مبالغہ کرو اور اخفش رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی مدد کرو اور طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اعانت کیا کرو۔ (تفسیر ابن جریر ۲۶/۴۷)

اور ایک قرات میں وَتُعَزِّزُوْهُ بزائین مِنَ الْعِزِّ یعنی دونوں زاء کیساتھ بمعنی عزت مروی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ سے آگے کلام میں بڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے یعنی گفتگو کرنے میں آپ ﷺ سے پہلے بات کرنے کو سوء ادب گردانا۔ یہ مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے اور ثعلب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پسند فرمایا۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمانے سے پہلے بات مت کرو اور جب حضور ﷺ کلام فرماتے ہوں تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو اور آپ ﷺ کے فیصلہ سے قبل کسی معاملہ پر فیصلہ کی جلدی کرنے سے منع کیے گئے ہو اور یہ کہ وہ کسی چیز کا حکم دیں خواہ وہ جہاد سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ امور دینیہ میں سے ہو تو آپ ﷺ ہی کے ارشاد پر چلیں۔ آپ ﷺ سے پہلے کسی معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ حضرت حسن، مجاہد، اضحاک، سدی اور ثوری رحمہم اللہ کا قول بھی اسی طرف واقع ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی اور ان کو آپ ﷺ کی مخالفت سے ڈرایا چنانچہ فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے سبقت کرنے میں خدا سے ڈرو۔

سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی حق تلفی کرنے اور آپ ﷺ کی عزت وتکریم میں کوتاہی کرنے سے خدا سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو سنتا اور تمہارے عملوں کو جانتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند کرنے اور زور سے بولنے کی ممانعت فرمائی۔ جیسا کہ آپس میں کرتے ہو کہ اپنی آوازوں کو بلند کر لیتے ہو اور ایک قول یہ ہے کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا نام لیکر پکارتے ہو ویسا آپ ﷺ کو نہ پکارو۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ سے بات کرنے میں سبقت نہ کرو۔ مخاطب کرو تو عزت وتوقیر سے مخاطب کرو۔ اور آپ ﷺ کو ان القاب سے پکارو اور یاد کرو جن سے پکارا جانا آپ ﷺ کو پسند ہو مثلاً یارسول اللہ ﷺ یا نبی صلی اللہ علیک وسلم وغیرہ۔

ایسا خطاب کرنا دوسری آیت کے مطابق ہے کہ رسول ﷺ کو پکارنے میں تم ایسا نہ کرو جیسے کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یہ معنی ان کے دو معنوں میں سے ایک ہے۔ دیگر علماء نے فرمایا کہ آپ ﷺ سے اس طرح مخاطب ہو کہ جس طرح کوئی سائل یا طالب فہم ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے پر مسلمانوں کو ڈرایا کہ ان کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اس سے ڈرتے رہو۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت بنی تمیم کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی (تفسیر درمنثور ۷/۵۵۲) اور ایک روایت میں ہے کہ دیگر اہل عرب کیلئے نازل ہوئی کہ وہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو "یا محمد ﷺ" کہہ کر مخاطب کرنے لگے کہ اے محمد ﷺ ہماری طرف آیئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی اور ان کی جہالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ (الحجرات۴)

اکثر ناسمجھ ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ پہلی آیت اس قضیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جو آپ ﷺ کے سامنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا تھا اور اختلاف کی صورت میں باہم ان کی آوازیں بلند ہوگئی تھیں۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر ۶/۱۱۴)

ایک روایت میں ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ جو کہ حضور ﷺ کی طرف سے بنی تمیم کی مفاخرت میں خطیب تھے اور ان کے کان بہرے تھے اور زور سے بولا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور وہ اس سے خوفزدہ ہوگئے کہ مبادہ کہیں ان کے عمل ضائع نہ ہو جائیں۔

(تفسیر ابن جریر ۲۶/ ۷۵، سورۃ الحجرات، صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۱۰)

پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا نبی اللہ ﷺ میں ڈرتا ہوں کہ ہلاک نہ ہو جاؤں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو منع فرمایا ہے کہ بلند آواز سے نہ بولیں حالانکہ میں 'جہیر الصوت' یعنی بلند آواز والا ہوں۔

تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ثابت رضی اللہ عنہ! کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تم محمود زندگی گزارو اور شہادت حاصل کر کے جنت میں جاؤ۔ چنانچہ یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا خدا کی قسم آئندہ آپ ﷺ سے اسی طرح عرض ومعروض کروں گا جیسے کہ چھپ کر باتیں کرتے ہیں۔

(کشف الاستار ۳/ ۲۹)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بات کرتے تو ایسے ہی باتیں کرتے جیسے پوشیدہ (بات) کرتا ہے۔

(صحیح بخاری مسلم ۶/ ۱۱۴)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تو اتنی آہستہ بات کرنے لگے کہ بسا اوقات حضور ﷺ کو دوبارہ دریافت کی ضرورت ہوتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(ابن جریر ۲۶/ ۷۶ الحجرات)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ○ (الحجرات۳)

ترجمہ بیشک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے۔ یہی وہ لوگ ہیں مختص کرلیا ہے اللہ نے ان کے دلوں کوتقویٰ کیلئے انہی کیلئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

بعض کہتے ہیں یہ آیت ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ۔ (الحجرات ۴)

ترجمہ بیشک جولوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے۔

یہ بنی تمیم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ لوگ آپ ﷺ کا نام لے کر پکارتے تھے۔

صفوان بن عسال رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ اتنے میں ایک اعرابی نے جس کی آواز بلند تھی اس نے آپ کو پکارا ''یا محمد! یا محمد (ﷺ)!'' ہم نے اسے کہا کہ اے اعرابی اپنی آواز کو پست کر کیونکہ بلند آواز کرنے سے ہم روکے گئے ہیں۔

(سنن ترمذی ۴/۲۳، تحفۃ الاشراف ۴/۱۹۲)

اللہ تعالیٰ نے (حضور ﷺ کی مجلس کے آداب سکھاتے ہوئے) فرمایا کہ:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا۔ (البقرہ ۱۰۴)

ترجمہ اے ایمان والو! (میرے حبیب سے کلام کرتے وقت) مت کہا کرو راعنا۔

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ انصار میں ایک لغت تھی جس کے بولنے سے نبی کریم ﷺ کی تعظیم وعزت کیلئے منع کیا گیا اس لیے کہ اس کے معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ ہماری رعایت کریں ہم آپ ﷺ کی رعایت کریں گے۔ لہٰذا ان کو ایسا کہنے سے روک دیا گیا۔ کیونکہ اس کا اقتضاء یہ بھی تھا کہ گویا وہ آپ ﷺ کی رعایت کرنے سے رعایت کریں گے۔ حالانکہ یہ آپ ﷺ کا حق (نبوت) ہے کہ آپ ﷺ کی ہر حال میں رعایت کی جائے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہود اس کلمہ (راعنا) سے نبی کریم ﷺ کی تعریض کیا کرتے تھے اور اس سے وہ رعونت (تکبر) مراد لیتے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس قول سے منع کر دیا گیا کہ ایسا کلمہ نہ کہو جس سے کوئی شبہ پیدا ہو۔ گویا کہ آپ ﷺ کے حضور ایسے الفاظ جس میں مشابہت کا پہلو نکلتا ہو منع کر دیا گیا۔ اس کے سوا اور بھی اقوال ہیں۔ (مناہل الصفا للسیوطی ص ۱۸۸)

پہلی فصل

تعظیم وتوقیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر، عزت وتکریم کرنے کی عادت کے بیان میں یہ حدیث ہے کہ:

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی محبوب. اور میری آنکھوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ نہ تھا اور مجھ میں یہ طاقت نہ تھی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت وجلالت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے آنکھوں کو بھرلوں۔ اگر کوئی مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرنے کو کہتا تو میں اس کی بھی طاقت نہ پاتا تھا۔ کیونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ بھر کے دیکھا ہی نہ تھا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۱۱۲)

حدیث: ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ مہاجرین و انصار کے پاس تشریف لایا کرتے جہاں یہ صحابہ بیٹھا کرتے تھے ان میں حضرت ابوبکر وعمر بھی موجود ہوتے۔ حضرت ابوبکر وعمر کے سوا کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہ کرتا تھا۔ یہی دونوں صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے اور آپ ان کو دیکھتے اور باہم متبسم ہوتے۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/۲۷۴)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف اصحاب جمع تھے۔ ان کی یہ کیفیت تھی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ (سنن ابوداؤد کتاب الطب ۴/۱۹۳۔۱۹۲) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں ایک حدیث ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے سروں کو جھکا دیتے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں (صلح حدیبیہ کے وقت) قریش کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قاصد بن کر آیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی تعظیم کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے پانی کی طرف جلدی کرتے اور قریب تھا کہ غسالہ وضو حاصل کرنے میں باہم لڑ مریں گے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لعاب مبارک ڈالتے یا ناک صاف کرتے تو صحابہ جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اپنے چہرے اور جسموں پر مل لیتے۔ جب کوئی بال (موئے مبارک) جسم سے گرتا تو وہ دوڑ کر اس کو حاصل کر لیتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم دیتے تو وہ بسرعت (جلدی سے) اس کو بجا لاتے۔ جب کلام فرماتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کر لیتے آپ کی طرف تعظیم کی وجہ سے نظر جما کر نہ دیکھتے۔

چنانچہ جب میں قریش کی طرف لوٹ کر گیا تو کہا اے گروہ قریش! میں کسریٰ کے ملک میں بھی گیا ہوں اور قیصر (روم) کے ملک میں بھی۔ اور نجاشی کے ملک میں بھی پہنچا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو اپنی قوم میں ایسا نہیں دیکھا جیسا کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ میں شان رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے کسی بادشاہ کو کبھی نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جس قدر کہ محمد ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ بلاشبہ میں نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو کبھی بھی ان کو نہ چھوڑے گی۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط ۳/ ۱۷۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کا سر مونڈھ رہا ہے اور آپ ﷺ کے صحابہ آپ کے گرداگرد گردش کر رہے ہیں۔ ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ آپ ﷺ کا ہر موئے مبارک (بال) کسی نہ کسی ہاتھ پر پڑے (زمین پر نہ گرے)۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۸۱۲)

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب قریش نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بیت الحرام (خانہ کعبہ) کے طواف کی اجازت دی جبکہ آپ کو حضور ﷺ نے حدیبیہ کے وقت مکہ بھیجا تھا تو انہوں نے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کرلیں گے میں ہرگز طواف نہیں کروں گا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۴/ ۱۳۵)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ نے ایک جاہل اعرابی سے کہا تم رسول اللہ ﷺ سے مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔ (الاحزاب ۲۳) ان جواں مردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے کے بارے میں مطلب دریافت کرو کیونکہ خود صحابہ آپ ﷺ سے ڈرتے اور غایت تکریم کرتے تھے پس اس اعرابی نے پوچھا آپ ﷺ نے اس سے اعراض کرتے ہوئے جواب نہ دیا۔ اتنے میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آئے اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ان میں سے ہیں جنہوں نے اپنی منت کو پورا کیا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۳۰۹۔۳۰۸)

قیلہ کی حدیث میں ہے کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو قرفُصاء کی نشست پر بیٹھے دیکھا تو آپ ﷺ کی ہیبت وعظمت سے میں کانپنے لگا (قرفصاء ایک نشست ہے جو بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے کپڑے یا ہاتھوں سے گھٹنوں کو ملا کر باندھ لیا جائے)۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کے دروازے کو ناخنوں سے کھٹکایا کرتے تھے۔ براءؓ بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کرتا تو آپ ﷺ کے رعب کی وجہ سے برسوں اس میں دیر ہو جایا کرتی تھی۔ (علوم الحدیث ۱۹)

دوسری فصل

بعد وفات تعظیم وتوقیر کا وجوب

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ حضور ﷺ کی حرمت و تعظیم، عزت و تکریم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ایسی واجب ہے جیسے کہ آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں لازم تھی۔

اور یہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت اور آپ ﷺ کی حدیث و سنت اور آپ ﷺ کے اسم گرامی اور سیرت مبارکہ کے سنتے وقت اور آپ ﷺ کی آل واہل بیت اور صحابہ کے ذکر سنتے وقت تعظیم وتوقیر واجب ہے۔

ابوابراہیم تجیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسلمان پر واجب ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کرے یا اس کے سامنے اس کا ذکر ہو۔ تو خشوع و خضوع کے ساتھ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کرے۔ اپنی حرکات میں سکون و قرار اور آپ ﷺ کی ہیبت و جلال کا مظاہرہ کرے اور یہ ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر وہ آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے دربار میں موجود ہو تو جیسی اس وقت اس کی حالت ہو ویسی ہی اس وقت بھی ہو۔ اور جیسا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ادب سکھایا ویسا ادب کرے۔

قاضی ابو الفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سلف صالحین اور ائمہ متقدمین رحمہم اللہ کی یہ عادت تھی۔

اثر: ابن حمید رحمۃ اللہ علیہ سے بالاسناد مروی ہے ابوجعفر امیر المومنین نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد شریف میں مناظرہ کیا۔ تو امام صاحب نے اس سے کہا!

اے امیر المومنین اس مسجد میں بلند آواز سے نہ بولو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کو ادب سکھایا کہ تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز پر بلند مت کرو اور دوسری جماعت کی مدح فرمائی کہ بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک پست کرتے ہیں اور ایک قوم کی مذمت و برائی بیان کی فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ۔ (الحجرات ۴) بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو بلاشبہ آپ ﷺ کی عزت وحرمت اب بھی اسی طرح ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں تھی۔ یہ سن کر ابوجعفر خاموش ہو گیا۔

پھر دریافت کیا کہ اے ابوعبداللہ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگوں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ نے فرمایا تم کیوں حضور ﷺ سے منہ پھیرتے ہو حالانکہ

حضور ﷺ تمہارے اور تمہارے والد حضرت آدم علیہ السلام کے بروز قیامت اللہ تعالیٰ کی جناب میں وسیلہ ہیں۔ بلکہ تم حضور ﷺ ہی کی طرف متوجہ ہو کر آپ ﷺ سے شفاعت مانگو پھر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ۔ (النساء ۶۴)

اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا میں تم میں سے جس کو بھی حدیث بیان کروں گا ایوب رحمۃ اللہ علیہ اس سے افضل ہو گا پھر فرمایا میں نے اسے دو حج کرتے دیکھا میں اس کو دیکھتا اور سنتا تھا کہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ اتنا روتا کہ مجھے اس پر رحم آ جاتا۔ میں نے اس کی یہ بات دیکھی سو دیکھی لیکن نبی کریم ﷺ کی انتہائی تعظیم کرتے دیکھا تب میں نے ان سے حدیث لکھی۔

مصعب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ بدل جاتا اور خوب جھک جاتے (متواضع ہو جاتے) حتیٰ کہ ان کے مصاحبوں کو گراں معلوم ہوتا۔ ایک دن اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

اگر تم وہ دیکھو جو میں دیکھتا ہوں تو ضرور میرے دیکھے ہوئے کا انکار کرو۔

میں نے محمد بن منذر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ قاریوں کے سردار تھے۔ جب کبھی بھی ہم اُن سے حدیث کے بارے میں سوال کرتے تو وہ اتنا روتے کہ ہمیں ان پر رحم آتا۔

بیشک میں نے امام جعفر بن محمد (صادق) رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ انتہائی خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے لیکن جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل کیا جاتا تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور میں نے ان کو کبھی بے وضو حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا۔ میں نے ان کے پاس طویل زمانہ گزارا ہے۔ میں نے ان میں تین خاص عادتیں دیکھیں یا تو وہ نماز پڑھتے ہوتے یا خاموش رہتے تو تلاوت قرآن کریم میں مشغول ہوتے اور وہ بیہودہ بات تو کرتے ہی نہ تھے۔

یہ ان علماء و عباد میں سے تھے جو اللہ سے ڈرتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے تو ان کے چہرے کا رنگ دیکھا جاتا کہ وہ ایسا ہو گیا کہ گویا اس سے خون نچوڑ لیا گیا ہے اور حضور ﷺ کی ہیبت و جلال سے ان کا منہ اور زبان خشک ہو جاتی اور عامر بن عبداللہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میں آیا کرتا تھا۔ جب بھی ان

کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل کیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تک نہ رہتا۔

اور میں نے زہری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ بڑے نرم دل اور ملنسار تھے۔ پس جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ ایسے ہو جاتے گویا کہ نہ تم نے ان کو دیکھا اور نہ انہوں نے تم کو دیکھا۔

اور میں صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا جاتا تھا بلاشبہ وہ عبادت گزار مجتہدین میں سے تھے۔ پس جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا تو رو پڑتے۔ اتنی دیر روتے رہتے کہ لوگ انہیں چھوڑ کر چلے جاتے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب بھی حدیث سنتے تو چیخ مارتے اور گھبرا جاتے تھے۔

اور جب حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ بکثرت آنے لگے تو ان سے عرض کیا گیا۔ اگر آپ ایک مستملی بنالیں تو لوگ سننے لگیں۔ مستملی اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنے شیخ سے حدیث سنتا ہے۔ پھر اس کو ایک جماعت کے سامنے پڑھ کر سنا دیتا ہے۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ آپ کی حرمت وعزت حیات و وفات میں برابر ہے۔

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ایک ہنس مکھ آدمی تھے۔ لیکن جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کی جاتی تو متواضع ہو جاتے۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ جب حدیث نبی کریم ﷺ پڑھتے تو خاموش رہنے کا حکم فرماتے اور فرماتے کہ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ۔(الحجرات۲) اس کی تاویل میں کہتے کہ قرأت حدیث کے وقت خاموش رہنا واجب ہے جیسا کہ خود آپ ﷺ سے سننے کے وقت سکوت واجب ہے۔

تیسری فصل

روایت حدیث کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کا طریقہ

حدیث رسول اللہ ﷺ کی روایت کے وقت اس کی تعظیم و توقیر میں سلف کی یہ عادت ہے کہ:

حدیث: عمرو ابن میمون رحمۃ اللہ علیہ سے بالا سناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک سال حاضر رہا۔ میں نے نہیں سنا کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ ''رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا۔'' مگر ایک دن حدیث بیان کرتے ہوئے ان کی زبان سے یہ جاری ہوگیا۔ پھر وہ اتنے رنجیدہ ہوئے کہ پیشانی پر پسینہ دیکھا اور وہ ٹپک رہا تھا۔ پھر فرمایا: انشاء اللہ ایسا ہی ہے یا اس سے کم وزیادہ یا اس کے قریب قریب (اللہ اللہ یہ روایت میں ادب اور احتیاط ہے۔ مترجم) اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ان کی رگیں پھول گئیں۔

(سنن دارمی ۱/۸۲)

ابراہیم بن عبداللہ بن قریم انصاری رحمۃ اللہ علیہ قاضی مدینہ منورہ کہتے ہیں کہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے گزرے کہ وہ حدیث بیان کرر ہے تھے سو آپ وہاں سے گزر گئے اور فرمایا کہ میں نے ایسی جگہ نہ پائی کہ بیٹھ سکوں اور اس کو ناپسند کرتا ہوں کھڑے کھڑے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی سماعت کروں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ اس نے ایک حدیث دریافت کی۔ آپ لیٹے ہوئے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پھر یہ حدیث بیان کی۔ تب اس شخص نے آپ سے کہا: میری خواہش تو یہ تھی کہ حضرت لیٹے لیٹے ہی حدیث بیان فرما دیتے، اٹھنے کی زحمت نہ فرماتے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث لیٹے لیٹے بیان کروں۔

اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر وہ ہنس بھی رہے ہوں اس وقت بھی اگر کوئی انہیں حضور ﷺ کی حدیث سناتا تو معاً سن کر اور متواضع ہو جاتے۔

ابومصعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ اظہار عظمت و جلالہٗ کیلئے وضو کرکے حدیث رسول ﷺ بیان کرتے تھے۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ جب کوئی حدیث بیان

فرماتے تو وضو کرتے، مؤدب بیٹھتے اور عمدہ لباس پہنتے، پھر حدیث بیان کرتے۔

مصعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اہتمام کے بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ (گویا بیان حدیث میں جتنا بھی اہتمام و ادب ملحوظ رکھا جائے درحقیقت اس سے عظمت شان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ہوتا ہے۔ مترجم)

مُطَرِّف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تو پہلے آپ کی لونڈی (جاریہ) آتی اور ان سے کہتی کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا ہے کہ کیا تم حدیث کی سماعت کرنے آئے ہو یا مسئلہ دریافت کرنے۔ پس اگر وہ کہتے کہ مسئلہ دریافت کرنے آئے ہیں تو آپ فوراً ہی باہر تشریف لے آتے اور اگر وہ کہتے کہ حدیث کی سماعت کرنے آئے ہیں تو آپ پہلے غسل خانہ جاتے، غسل کرتے، خوشبو لگاتے اور عمدہ لباس پہنتے۔ عمامہ باندھتے، پھر اپنے سر پر چادر لپیٹتے، تخت بچھایا جاتا پھر آپ باہر تشریف لاتے اور اس تخت پر جلوہ افروز ہوتے۔ اس طرح کہ آپ پر انتہائی عجز وانکسار طاری ہوتا۔ جب تک درس حدیث سے فارغ نہ ہوتے برابر اگر کی خوشبو سلگائی جاتی رہتی۔ دیگر راویوں نے کہا کہ اس تخت پر آپ جب ہی تشریف فرما ہوتے جبکہ آپ کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنی ہوتی۔

ابن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: میں اسے بہت محبوب رکھتا ہوں کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب تعظیم کروں۔ میں باوضو بیٹھ کر حدیث بیان کرتا ہوں۔ فرمایا: میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ راستہ میں یا کھڑے کھڑے یا جلدی میں حدیث بیان کی جائے اور فرمایا کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب سمجھا کر بیان کروں۔

ضرار بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک بلاوضو حدیث کی قرأت مکروہ ہے، اس طرح قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب حدیث بیان کرتے۔ اگر بے وضو ہوتے تو تیمم کرلیا کرتے تھے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ وہ بلاوضو حدیث بیان ہی نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا اور آپ حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اس حال میں آپ کو سولہ مرتبہ بچھو نے ڈنک مارا۔ (شدت الم سے) آپ کا رنگ متغیر ہوگیا اور چہرہ مبارک زرد پڑ گیا مگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قطع نہ فرمایا۔

پس جب آپ مجلس سے فارغ ہوئے اور لوگ چلے گئے تو آپ سے میں نے عرض کیا: اے

ابوعبداللہ! آج میں نے ایک عجیب بات دیکھی۔ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے حدیث رسول ﷺ کی عظمت وجلال کی بنا پر صبر کیا۔

ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ (بازار) عقیق گیا۔ راہ میں میں نے آپ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے جھڑکا اور فرمایا کیا تم میرے نزدیک اس سے بزرگ تر ہو کہ راستہ میں حدیث رسول ﷺ کو دریافت کرو۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ سے جریر بن عبدالحمید قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حال میں حدیث دریافت کی کہ آپ کھڑے تھے تو آپ نے ان کو قید کر دینے کا حکم فرمایا۔ کسی نے آپ سے کہا: یا امام یہ قاضی ہے؟ فرمایا: قاضی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے۔

اسی طرح ایک روایت میں یہ ہے کہ ہشام بن غازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس حال میں حدیث دریافت کی کہ آپ کھڑے تھے۔ تب آپ نے اس کو بیس (۲۰) درے (کوڑے) مارے اس کے بعد آپ نے مہربانی فرمائی اور بیس (۲۰) حدیثیں اسے بیان فرمائیں۔

اس وقت ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کاش آپ رحمۃ اللہ علیہ اور زیادہ دُرّے (کوڑے) لگاتے اور زیادہ حدیث پاک بیان فرماتے یہ مجھے محبوب ہے۔

عبداللہ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ دونوں بے وضو حدیث کی کتابت نہیں کرتے تھے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ حدیث نبوی ﷺ کی بغیر وضو کے نہ قرات کرتے تھے اور نہ بیان کرتے تھے اور حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب حدیث بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو اگر بے وضو ہوتے تو تیمم ہی کر لیتے۔

چوتھی فصل

اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات کی تعظیم وتوقیر

حضور سید عالم ﷺ کی تعظیم وتوقیر میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی آل و اولاد اور ازواج و امہات المومنین کی تعظیم وتوقیر کی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کی ترغیب وتلقین فرمائی ہے اور اسی پر سلف صالحین کا عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ۔ (الاحزاب ۳۳)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو!

وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ۔ (الاحزاب ۶)

اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں

حدیث: حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں۔ یہ تین مرتبہ فرمایا (یعنی اہل بیت کی تعظیم توقیر کرو)۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل الصحابہ ۴/۱۸۷۳)

ہم نے زید رضی اللہ عنہ سے اہل بیت کی تشریح دریافت کی۔ فرمایا: یہ آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس رضی اللہ عنہ۔

اور حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں تم میں وہ چیز چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم اس کو مضبوط پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری میری عترت اہل بیت ہے۔ اب تم غور کرو کہ کس طرح تم ان دونوں کے بارے میں میری نیابت کرو گے۔

(سنن ترمذی کتاب مناقب اہل بیت ۵/ ۳۲۹۔۳۲۸)

حضور ﷺ نے فرمایا: آل نبی ﷺ کی معرفت دوزخ سے نجات اور آل نبی ﷺ سے محبت صراط پر گزرنے میں آسانی اور آل نبی ﷺ کی ولایت کا اقرار عذاب الٰہی سے حفاظت ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ آل نبی ﷺ کی منزلت کی معرفت نبی کریم ﷺ کی معرفت وعزت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ جس نے آل نبی ﷺ کی عزت پہچان لی بلاشبہ اس نے ان کی اس عزت و حقوق کی معرفت پالی جو نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (الاحزاب ۳۳)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کرے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو!

یہ آیت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اتری تھی تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ایک چادر میں ان کو ڈھانپ لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پس پشت بیٹھے تھے۔ پھر حضور نے یہ دعا کی: اے خدا یہ میری اہل بیت ہے ان سے رِجس (پلیدی) کو دور فرما کر طیب و طاہر بنا دے۔ (سنن ترمذی کتاب مناقب اہل بیت ۵/ ۳۲۸)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت مباہلہ اتری تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کو بلایا اور کہا کہ اے خدا یہ لوگ میرے اہل ہیں۔

(صحیح مسلم کتاب فضائل علی ۴/ ۱۸۷۱)

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: جس نے علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھا تو علی رضی اللہ عنہ بھی اسکے دوست ہیں۔ اے خدا جس نے ان سے دوستی رکھی تو بھی اس کو دوست رکھ اور جس نے ان سے دشمنی کی تو بھی اسے مبغوض رکھ۔ (مسند امام احمد ۱/ ۱۱۹۔۱۱۸)

اور یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں فرمایا:

اے علی کرم اللہ وجہہ الکریم تم سے مسلمان ہی محبت رکھے گا اور منافق ہی تمہارا دشمن ہوگا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۸۶)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان نہ ہوگا یہاں تک کہ تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے درست نہ رکھے اور جس نے میرے چچا کو ایذا دی یقیناً اس نے مجھے ایذا دی اس لیے کہ چچا کا مرتبہ بمنزلہ باپ کے ہے اور (ایک دن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا کل صبح اپنے بچوں کے ساتھ میرے پاس آنا۔ چنانچہ وہ سب آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو اپنی چادر مبارک میں ڈھانپ لیا اور فرمایا: یہ میرے چچا ہیں جو بمنزلہ باپ کے ہیں اور یہ میری اہل ہے اور خدا ان کو آگ سے اس طرح چھپائے رکھ جس طرح میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپا لیا ہے۔ اس پر گھر کے در و دیوار نے آمین آمین کہا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۷۱)

(اسی طرح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ بن زید اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑتے اور دعا مانگتے:

اے خدا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی انہیں محبوب رکھ۔ (صحیح بخاری فضائل صحابہ ۵/۲۱)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تکریم آپ کی اہل بیت میں کرو۔

(صحیح بخاری کتاب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵/ ۱۸)

اور یہ بھی فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اپنی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵/ ۱۸، صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر ۴/ ۱۳۸۰)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حسن رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھی۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۳۲۴، مقدمہ سنن ابن ماجہ ۱/ ۵۱)

اور یہ بھی فرمایا: جس نے مجھ سے محبت رکھی اس نے ان دونوں (یعنی حسن و حسین رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھی اور یہ کہ ان دونوں کے والدین میرے ساتھ میری جگہ پر بروز قیامت ہوں گے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۳۲۴، مقدمہ سنن ابن ماجہ ۱/ ۵۱)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قریش کی بے عزتی کی اللہ تعالیٰ اس کی بے عزتی کرے۔

(ترمذی کتاب المناقب ۵/۳۷۳)

اور فرمایا: قریش کو آگے بڑھاؤ تم ان سے آگے نہ بڑھو۔ (البزارنی فضل قریش ۳/۲۹۶)

اسی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دو۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ۵/ ۲۵)

عقبہ بن حرث رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے کندھوں پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سوار ہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے ماں باپ قربان یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہیں اپنے والد علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مشابہ نہیں ہیں اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مسکرا رہے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ۵/۲۲)

حضرت عبداللہ بن حسن بن حسین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی ضرورت سے گیا۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا: جب تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے تو کسی کو میرے پاس بھیج دیا کرو یا خط لکھ دیا کرو کیونکہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ آپ بنفس نفیس خود کسی ضرورت سے میرے دروازہ پر تشریف لائیں۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے جنازہ کی صلوٰۃ پڑھی اس

کے بعد ان کے پاس ان کا خچر لایا گیا تاکہ وہ اس پر سوار ہو جائیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر اس کی رکاب کو تھام لیا۔ تب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اسے چھوڑ دیجئے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم علماء کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں اس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دست اقدس کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہمیں اہل بیت نبی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسی طرح پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے حضرت محمد بن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو کہا: کاش یہ میرے غلام ہوتے۔ اس وقت کسی نے آپ سے کہا کہ یہ تو محمد بن اسامہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ تب آپ نے اپنا سر جھکا لیا اور زمین کو ہاتھوں سے کریدنے لگے اور کہا: اگر انہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو ضرور محبوب رکھتے۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں اپنے غلام کا ہاتھ پکڑے پہنچی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس صاحبزادی کیلئے کھڑے ہوگئے اور دوڑ کر ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس بچی (صاحبزادی) کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں کپڑا لپیٹ کر تھام لیا اور ان کو ساتھ لے کر اپنی مجلس میں لے آئے اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے اور جو بھی ضرورت تھی، اسے پورا فرما دیا۔

(اسی طرح) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ کیلئے تین ہزار (درہم یا دینار سالانہ) اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کیلئے ساڑھے تین ہزار (درہم یا دینار سالانہ) مقرر فرمائے تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد سے کہا: آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا اتنا کیوں زیادہ مقرر فرمایا حالانکہ خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے کسی جنگ میں بھی سبقت نہیں لی ہے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔ لہٰذا میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو اپنے محبوب (فرزند) پر ترجیح دی ہے۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/۳۴۰)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ کابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت صوری رکھتے ہیں۔ چنانچہ (ایک مرتبہ) جب وہ گھر کے دروازہ میں داخل ہوئے اور آپ کے دربار میں پہنچے تو آپ اپنے تخت پر (تعظیم کیلئے) کھڑے ہوگئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور مرغاب کا علاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت صوری کی بنا پر ان کو عنایت فرما دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جب جعفر بن سلیمان نے کوڑے مارے

تھے اور وہ امام پر بہت ناراض ہوا تھا اور آپ کو بے ہوش وہاں سے اٹھا کر لایا گیا تھا۔ جب آپ کو ہوش آیا تو لوگ (مزاج پرسی کیلئے) آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: میں نے اپنے مارنے والے (جعفر بن سلیمان) کو معاف کر دیا۔ کسی نے پوچھا: کیوں آپ معاف فرما رہے ہیں؟

فرمایا: اس لئے کہ میں خوف کرتا ہوں کہ اگر مجھے موت آ گئی اور اس وقت نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہوئی تو مجھے شرمندگی ہوگی کہ میری مار کے سبب سے حضور کے کسی قرابتی کو جہنم میں ڈالا جائے۔ (اللہ اکبر یہ عظمت ہے آل نبی ﷺ کی) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ منصور نے امام کا بدلہ جعفر سے لینے کا ارادہ کیا تو امام نے فرمایا: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں واللہ اس کے کوڑوں میں سے جو کوڑا بھی میرے جسم سے ہٹتا تھا میں اسی وقت معاف کر دیتا تھا۔ اس لئے کہ اس کی رسول ﷺ سے قرابت ہے۔

حضرت ابوبکر بن عیاش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ اگر میرے پاس حضرت ابوبکر، حضرت عمر حضرت علی رضی اللہ عنہم کسی ضرورت سے تشریف لائیں تو پہلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ضرورت کو پورا کروں گا کیونکہ انہیں رسول اللہ ﷺ سے قرابت ہے۔ اگر مجھے آسمان سے زمین پر بھی ڈال دیا جائے تو بھی مجھے یہ محبوب ہوگا کہ ان دونوں پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مقدم رکھوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں زوجہ نبی کریم ﷺ انتقال کر گئی ہیں تو آپ نے سجدہ کیا۔ کسی نے کہا کہ یہ کون سا سجدہ کا وقت ہوا۔ فرمایا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ جب تم کسی نشانی (آیت) کو دیکھو تو سجدہ کرو۔ لہٰذا زوجہ نبی ﷺ کے انتقال سے بڑھ کر کون سی نشانی ہوگی۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۷۰۶ سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/ ۷۰۳)

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جو کہ رسول اللہ ﷺ کی مولاۃ (باندی) تھیں زیارت کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں زیارت سے نوازا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۹۰۷)

اس طرح جب دایہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس آتیں تو حضور ﷺ ان کیلئے اپنی چادر بچھاتے اور ان کی ضرورت کو پورا فرماتے۔ جب حضور ﷺ کا وصال ہو گیا اور وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے پاس آتیں تو وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے۔ (طبقات ابن سعد ۱/ ۱۱۴)

پانچویں فصل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت وتکریم

حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت وتعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت وتوقیر، ان کے حقوق کی نگہداشت، ان کی پیروی، خوبی سے ان کو یاد کرنا، ان کیلئے طلب رحمت کرنا، ان کے باہمی تنازعات و اختلافات سے پہلوتہی اور اعراض کرنا اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کرنا ہے اور (اس میں سے یہ بھی ہے کہ) مورخین (کی بے سروپا) خبریں اور جاہل راویوں، گمراہ رافضیوں، اہل بدعت و ہوا کی وہ خبریں جس میں کسی صحابی کی شان رفیع میں جرح وقدح کی گئی ہے اور ہر وہ بات جو ایسے لوگوں کی طرف سے (بلاتحقیق) منقول ہوں ان سب سے بچنا اور اعتماد نہ کرنا لازم ہے اور (اسی طرح) صحابہ کرام میں جو باہمی تنازعات ہوئے تھے انہیں تاویل حسن اور عمدہ مخرج پر محمول کرنا چاہئے اس لئے کہ صحابہ کرام کی علو مرتبت اسی کی مقتضی اور مستحق ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی کو برائی اور سوفہمی سے یاد نہ کیا جائے اور نہ کسی پر کوئی عیب و الزام منسوب کیا جائے بلکہ ان کے فضائل و مناقب، حسنات و برکات اور خصائل محمودہ کو یاد کیا جائے اور ان کے سوا دیگر امور سے سکوت و خاموشی اختیار کی جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میرے صحابہ کو (برائی سے) یاد کیا جائے تو خاموش رہو۔ (طبرانی کبیر ۱۰/۲۴۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ (الفتح ۲۹)

ترجمہ (جان عالم) محمد اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور وہ (سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ (التوبہ ۱۰۰)

ترجمہ اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین و انصار سے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ (الفتح ۱۸)

ترجمہ یقیناً راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔ (الاحزاب ۲۳)

ترجمہ ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔

حدیث: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء و پیروی کرو۔

(سنن ترمذی ۵/ ۲۷۱، مقدمہ سنن ابن ماجہ ۱/ ۳۷)

اور فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مثال ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے تم راہ یاب ہو جاؤ گے۔ (مناہل الصفاص ۱۹۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کھانے میں نمک کی مثل ہیں کہ کھانا بغیر نمک کے عمدہ ہوتا ہی نہیں۔ (کشف الاستار ۳/۲۹۱)

اور فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو انہیں اپنی اغراض مشؤمہ کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض و عداوت رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی وہ بہت جلد اس کی پکڑ میں آئے گا اور فرمایا:

کہ میرے صحابہ کو برا (گالی) نہ دو کیونکہ اگر تم میں سے (جو صحابی نہیں ہے) کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو میرے صحابہ کے ایک مد یعنی دو رطل یا اس کے آدھے کی برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۹۶۷)

اور فرمایا: جس نے میرے صحابہ کو گالی دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور اس کے ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کا کوئی فرض و نفل قبول نہ فرمائے گا۔ (الالیلیمی ۵/ ۱۴)

اور فرمایا: جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو خاموش رہو اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے جہان کے لوگوں پر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے علاوہ میرے صحابہ کو فضیلت بخشی ہے پھر ان میں سے میرے لئے چار صحابہ کو منتخب فرمایا۔ وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ میرے صحابہ میں سب سے بہتر ہیں۔ درآنحالیکہ تمام صحابہ ہی بہترین ہیں۔

(مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۶)

اور فرمایا: جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی تو اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔ (مجمع الزوائد ۹/ ۶۹)

حضرت مالک ابن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے صحابہ سے دشمنی کی اور انہیں گالیاں دیں تو اس کا کوئی حق مسلمانوں کے مال غنیمت میں نہیں ہے اور یہ مسئلہ سورۂ حشر کی اس آیت وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ سے استخراج کیا اور امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بغض رکھا وہ کافر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ (الفتح ۲۹)

تاکہ (آتش) غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس میں یہ دو خصلتیں ہوں گی وہ نجات پا جائے گا ایک صدق (سچائی) دوسری حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت۔

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت کی بیشک اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی اس پر سیدھا راستہ کشادہ ہوگیا اور جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی تو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے مستفیض ہوا اور جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی بلاشبہ اس نے عروۂ وثقی (مضبوط رسی) تھام لی اور جس نے تمام صحابہ کرام کی خوبی کے ساتھ تعریف کی تو وہ نفاق سے بری ہوگیا اور جس نے ان میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص شان کی وہ مبتدع، مخالف سنت اور طریقہ سلف صالح کا دشمن ہے۔ میں خوف کرتا ہوں کہ ایسے شخص کا کوئی عمل (خیر) آسمان پر صعود نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ تمام صحابہ سے محبت نہ رکھے اور ان سے اس کا دل سالم ہو۔

اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں تم بھی ان کو پہچان لو۔ اے لوگو! میں حضرت عمر عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم سے راضی ہوں تم بھی ان سب کو پہچان لو۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمام اہل بدر وحدیبیہ کو بخش دیا ہے۔ اے لوگو! میرے صحابہ میرے خسر اور میرے داماد کی عزت و احترام کے بارے میں میری نصیحت یاد رکھو۔ ان میں سے کوئی تم سے اپنا ظلم (بدگوئی لعن طعن وغیرہ کر کے) طلب نہ کرے کیونکہ وہ ظلم ہے جو کل بروز قیامت نہ بخشا جائے گا۔ (مجمع الزوائد ۹/ ۱۵۷)

ایک شخص نے معافی بن عمر سے کہا: کہاں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور کہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بوجہ عدل فضیلت ہے) اس پر وہ غصہ ہوئے اور کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ دوسروں کو قیاس مت کرو کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صہر (سالے یعنی زوجہ کے بھائی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی اور اللہ تعالیٰ کی وحی کے امین تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک جنازہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ نہ پڑھی اور فرمایا کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض و دشمنی رکھتا تھا لہٰذا خدا بھی اس سے دشمنی رکھتا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/۲۹۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارے میں فرمایا: مسلمانو! ان کی برائیاں (لغزشیں) معاف کر دو اور نیکیاں قبول کرلو۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/ ۲۹۰ صحیح مسلم کتاب الفضائل ۶/ ۱۹۴۹)

اور فرمایا: میرے صحابہ اور سسرال کی عزت و احترام کے بارے میں میری نصیحت کی حفاظت کرو جس نے ان کے بارے میں میری نصیحت یاد رکھی اسے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں محفوظ رکھے گا اور جس نے ان کے بارے میں میری نصیحت یاد نہ رکھی تو وہ خدا کی امان سے علیحدہ ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کی امان سے علیحدہ ہوا تو وہ بہت جلد اس کی پکڑ میں آنے والا ہے۔ (مجمع الزوائد ۹/ ۱۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس نے میرے صحابہ کے بارے میں میری نصیحت کی حفاظت کی تو میں بروز قیامت اس کا محافظ ہوں گا اور فرمایا:

جس نے میرے صحابہ کے بارے میری نصیحت کی حفاظت کی وہ میرے پاس حوض کوثر پر آئے گا اور جس نے حفاظت نہ کی وہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ آئے گا۔ یہی نہیں بلکہ مجھے دیکھ بھی نہ سکے گا مگر یہ کہ وہ مجھ سے بہت دور ہوگا۔ (مجمع الزوائد ۹/ ۱۶)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ نبی محترم ہیں جو لوگوں کو ادب سکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہمیں ہدایت دی اور یہ وہ نبی ہیں جو سارے جہان کیلئے رحمت ہیں۔ آدھی رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع کی طرف تشریف لے جاتے ہیں ان کیلئے دعا مانگتے اور استغفار کرتے ہیں۔ اس طرح پر جیسے کہ کوئی انہیں رخصت کرتا ہے اور اسی بات کا تو حضور کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی محبت، دوستی کا حکم دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دشمنی کا حکم دیا جو ان سے دشمنی رکھے۔ (صحیح مسلم کتاب الجنائز ۲/ ۶۶۹)

حضرت کعب نے خواہش کی کہ آپ بروز قیامت میری شفاعت کریں۔ (طبقات ابن سعد ۵/۲۳)

سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی عزت و توقیر نہیں کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و نصیحت کی عظمت نہیں کرتا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتا۔

چھٹی فصل

آثار و مقامات متبرکۂ نبویہ ﷺ کی تعظیم

حضور ﷺ کی عظمت و احترام میں سے یہ بھی ہے کہ جو چیز بھی آپ ﷺ سے منسوب ہو اس کی عزت و عظمت کی جائے۔ آپ ﷺ کی محافل مقدسہ، مقامات معظّمہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر مکانات منسوبہ اور ہر وہ چیز جس کو آپ ﷺ نے کبھی چھوا ہو یا جو آپ ﷺ کے ساتھ مشہور ہوگئی ہو ان سب کی تعظیم و توقیر کرنا (اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر واجب ہے)

صفیہ بنت نجدہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ابو مخدورہ رضی اللہ عنہ کے سر کے اگلے بال اتنے دراز تھے جب وہ بیٹھ کر لٹکاتے تو زمین سے لگ جاتے تھے۔ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ تم اسے کٹواتے کیوں نہیں؟ فرمایا: میں اسے ہرگز کٹوانے کیلئے تیار نہیں کیونکہ اسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے چھوا ہے۔

اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند موئے مبارک (بال) تھے جب وہ ٹوپی کسی جہاد میں گر پڑی تو اس کے لینے کیلئے تیزی سے دوڑے۔ جب اس جہاد میں بکثرت صحابہ کرام شہید ہوئے تو لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا۔ فرمایا:

میں نے صرف ٹوپی حاصل کرنے کیلئے اتنی تگ و دو نہیں کی ہے بلکہ اس ٹوپی میں حضور ﷺ کے موئے مبارک (بال) تھے۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اگر مشرکین کے ہاتھ میں پڑ گئی تو اس کی برکت سے میں محروم ہو جاؤں گا۔ (مجمع الزوائد ۹/۳۴۹، مستدرک ۳/۲۲۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ حضور ﷺ کے منبر شریف کے اس مقام پر جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے وہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنا ہاتھ رکھتے پھر ان کو اپنے چہرہ پر ملتے۔

(کمافی مناہل الصفا ۱۹۶)

اسی عظمت و مقام کی وجہ سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں جانور پر سوار ہو کر نہ چلتے اور فرماتے کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں سواری کے جانور سے اس ارض مقدس کو پامال کروں جہاں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ جلوہ فرما ہیں۔ بروایت خود آپ نے یہ اس وقت فرمایا جبکہ آپ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سے گھوڑے عنایت فرمائے تو انہوں نے عرض کیا: ایک گھوڑا تو آپ اپنے لئے روک لیتے اس کے جواب میں مذکورہ قول فرمایا۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ، احمد بن فضلویہ زاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوات (جہاد)

میں (معروف) تیرانداز تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کمان کو کبھی بغیر وضو نہیں چھوا جب سے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک میں لیا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو بیس کوڑے مارنے اور قید کرنے کا حکم دیا تھا کہ اس نے (معاذ اللہ) یہ کہا تھا کہ مدینہ کی زمین ردی ہے حالانکہ وہ شخص عزت دار تھا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ شخص تو گردن ماردینے کے قابل تھا کہ جس مقدس زمین میں حضور ﷺ دفن ہوں وہ اسے پاک (طیب) گمان نہیں کرتا۔

حدیث صحیح میں مروی ہے کہ سرکار ابدقرار ﷺ نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا: جو شخص اس مقدس سرزمین میں نئی بات (بدعت سیۂ) رائج کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اس سے کوئی فرض و نفل اللہ تعالیٰ قبول نہ فرمائے گا۔

ایک روایت ہے کہ جہجاہ غفاری نے حضور ﷺ کی چھڑی مبارک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اس لئے چھینی کہ اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دے۔ لوگ اس پر چیخ پڑے۔ بالآخر اس کے گھٹنے میں آکلہ پیدا ہوگیا (جب وہ گلنے لگا) تو وہ گھٹنہ کاٹا گیا اور اسی سال وہ مرگیا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے منبر کے پاس کھڑے ہو کر جھوٹی قسم کھائی تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الایمان ولنذور ۳/۵۶۸)

اور ابوالفضل جوہری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت مجھے ملی کہ جب وہ زیارت کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آبادی شروع ہوتے ہی سواری سے اتر پڑے اور روتے ہوئے پیدل چلنے لگے۔ اس وقت یہ شعر ان کی زبان پر جاری تھا۔

وَلَمَّا رَاَیْنَا رَسْمَ مَنْ لَّمْ یَدَعْ لَنَا   فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

ترجمہ جب ہم نے اس ہستی مقدس کے نشانات کو دیکھا جس نے ہمارے عقل وخرد کو نشانات کی معرفت کیلئے نہ چھوڑا۔

نَزَلْنَا عَنِ الْاَکْوَارِ نَمْشِیْ کَرَامَةً   لِمَنْ بَانَ عَنْهُ اَنْ نُلِمَّ بِهٖ رُکْبًا

ترجمہ تو ہم اس محبوب کی بزرگی کی خاطر اپنی سواریوں سے اتر پڑے تاکہ اس لئے بچیں جس نے سوار ہو کر زیارت کی اور دربار سے دور کردیا گیا تھا۔ پاپیادہ چلتے ہیں۔

کسی ایک طالبان حق سے مروی ہے کہ جب وہ مدینہ میں حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھا تو بے ساختہ کہنے لگا۔

رُفِعَ الْحِجَابُ لَنَا فَلَاحَ لِنَاظِرٍ   قَمَرٌ تَقَطَّعَ دُوْنَهُ الْاَوْهَامُ

ترجمہ ہم سے جب پردہ اٹھایا گیا تو دیکھنے والے کو ایسا چاند نظر آیا جس سے تمام اوہام فنا ہو جاتے ہیں۔

وَاِذَا الْمَطِيُّ بِنَا بَلَغْنَ مُحَمَّدًا فَظُهُوْرُ هُنَّ عَلَى الرِّجَالِ حَرَامُ

ترجمہ جب ہماری سواری کی حضور تک رسائی ہو جائے تو اب کجاووں پر بیٹھنا حرام ہے۔

قَرَّبْنَنَا مِنْ خَيْرِ مَنْ وَطِئَ الثَّرٰى فَلَهَا عَلَيْنَا حُرْمَةٌ وَذِمَامٌ

ہم کو ایسی بارگاہ میں رسائی میسر آ گئی جو زمین کے پامال کرنے والوں میں سے سب سے بہتر ہیں تو اب سواریوں کو ہماری جانب سے امن و امان ہو۔

مشائخ کرام سے مروی ہے کہ کسی بزرگ نے پیدل حج کیا۔ کسی نے ان سے وجہ دریافت کی فرمایا: کیا نافرمان یا بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس سوار ہو کر آتا ہے؟ اگر مجھے قدرت ہوتی تو سر کے بل چل کر حاضر ہوتا نہ کہ قدموں کے بل۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان مقامات مقدسہ کی بھی تعظیم لازم ہے جہاں وحی، قرآنی آیات اور جبریل و میکائیل علیہما السلام وغیرہ اترے ہیں اور وہاں سے فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اور وہ میدان جہاں تسبیح و تقدیس کی آوازیں گونجا کرتی تھیں اور وہ سرزمین مقدس جہاں حضور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات عزیزہ گزارے اور وہاں سے دین اسلام اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نام کی تبلیغ و اشاعت ہوئی اور وہ نشانیاں اور مسجدیں جہاں درس دیا جاتا رہا اور نمازیں پڑھی گئیں، فضائل و برکات اور معاہدہ براہین و معجزات اور دینی احکام و مسائل، مسلمانوں کیلئے شعائر اسلام، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام پذیر ہونے کے مقامات، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ منازل و جائے سکونت جہاں سے نبوت کے چشمے جاری ہوئے اور بکثرت فیضان رسالت جہان میں پھیلے اور وہ مکانات جہاں رسالت کے فیض و برکات شامل ہیں اور وہ زمین مقدس جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مقدس سے چھو کر سرفراز ہوئی، ان تمام میدانوں کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ وہاں کی خوشبوؤں کی ہوا لی جائے، ان کے مکانوں، دیواروں کو چوما (بوسہ دیا) جائے۔

يَا دَارَ خَيْرِ الْمُرْسَلِيْنَ وَمَنْ بِهٖ هُدَى الْاَنَامِ وَخُصَّ بِالْاٰيَاتِ

ترجمہ اے سید المرسلین کے کاشانہ، اقدس اور ہر وہ چیز جو ان سے منسوب ہے جن سے لوگوں نے ہدایت پائی اور وہ معجزات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عِنْدِىْ لِاَ جَلِكِ لَوْعَةٌ وَصَبَابَةٌ وَتَشَوُّقٌ مُسْتَوَقِّدُ الْجَمَرَاتِ

ترجمہ میرے پاس تمہارے لئے سوزش، عشق اور ایسا شوق ہے جس سے چنگاریاں روشن ہیں۔

وَعَلَیَّ عَهْدٌ اِنْ مَلَأْتُ مَحَاجِرِی مِنْ تِلْكُمُ الْجُدُرَاتِ وَالْعَرَصَاتِ

ترجمہ قسم بخدا میں اپنی آنکھوں کو تمہارے ان دیواروں اور میدانوں سے بھرلوں گا۔

لَاُ عَفِّرَ نَّ مَصُوْنَ شَیْبِیْ بَیْنَهَا مِنْ كَثْرَةِ التَّقْبِیْلِ وَالرَّشْفَاتِ

ترجمہ میں ان مقامات کو کثرت سے بوسہ دے کر اور لپٹ کر اپنی سیاہ داڑھی کو گرد آلود کرلوں گا۔

لَوْلَا الْعَوَارِیْ وَالْاَعَادِیْ زُرْتُهَا اَبَدًا وَلَوْ سَحْبًا عَلَی الْوَجْنَاتِ

ترجمہ اگر مجھے موانع اور میرے دشمن نہ ہوتے تو میں ہمیشہ ان کی زیارت کرتا۔ اگرچہ میرے رخسار گرد آلود ہو جائیں۔

وَلٰكِنْ سَاُهْدِیْ مِنْ حَفِیْلِ تَحِیَّتِیْ لَقُطِیْنِ تِلْكَ الدَّارِ وَالْحُجُرَاتِ

ترجمہ لیکن میں بہت جلد ان گھروں اور کمروں کے رہنے والوں پر صلوٰۃ و سلام کے بکثرت تحفے پیش کروں گا۔

اَزْكٰی مِنَ الْمِسْكِ الْمُفَتِّقِ نَفْحَةً تَغْشَاهُ بِالْاٰصَالِ وَالْبُكُرَاتِ

ترجمہ جو مشک سے زیادہ خوشبو کی لپٹیں مارتی ہوں گی۔ جسے صبح و شام ڈھانک لیں گی۔

وَتَخُصُّهٗ بِزَوَاكِیَ الصَّلَوَاتِ وَنَوَامِیَ التَّسْلِیْمِ وَالْبَرَكَاتِ

ترجمہ ان کو پاکیزہ درود اور زیادتی سلام و برکات سے مخصوص کرتی ہیں۔

چوتھا باب

درود وسلام کی فرضیت وفضیلت

یہ باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی فرضیت اور اسکی فضیلت کے بیان کرنے میں ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔ (الاحزاب ۵۶)
ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر برکت نازل کرتے ہیں۔ (تفسیر درمنثور ۶/ ۶۴۶)

اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی پاک پر رحم فرماتا اور اس کے فرشتے دعا کرتے ہیں اور میسرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ صلوٰۃ کے اصل معنی رحم کرنے کے ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحم اور فرشتوں کی طرف سے نرمی اور اللہ تعالیٰ سے رحمت فرمانے کی استدعا ہے۔

اور حدیث میں ملائکہ کی صلوٰۃ کی تعریف میں وارد ہے کہ وہ شخص جو نماز کے انتظار میں بیٹھے (اس کیلئے فرشتے دعا کرتے ہیں کہ) اے خدا اسے بخش دے اے خدا اس پر رحم فرما گویا یہ فرشتوں کی دعا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ ۱/ ۴۵۹)

بکر قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے صلوٰۃ کے نازل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہیں ان پر رحمت نازل فرماتا ہے اور خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ نازل فرمانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و کرامت میں اضافہ کرنا ہے۔

ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ یہ ہے کہ مجمع ملائکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا کرے اور فرشتوں کی صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ دعا کریں۔

حضرت قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ (خود) پر درود پڑھنے کی تعلیم کی اور حدیث میں لفظ صلوٰۃ اور لفظ برکت کے درمیان فرق فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ دلیل اس امر کی ہے کہ ان دونوں لفظوں کے جدا گانہ معنی ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجیں تو اس بارے میں قاضی ابوبکر ابن بکیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ حضور پر اس آیت کریمہ کے نازل فرمانے کا

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ آپ پر سلام پیش کریں۔ اسی طرح صحابہ کے بعد والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بوقت حاضری قبر انور اور بوقت ذکر حضور ﷺ آپ پر سلام عرض کریں۔

آپ ﷺ پر سلام عرض کرنے کے معنی میں تین قول ہیں۔

ایک یہ کہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے رفیق پر سلامتی ہو۔ اس معنی میں ''سلامت'' مصدر ہوگا جیسے لذاذ اور لذاذت۔

دوسرا قول یہ کہ سلام کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے محافظین، آپ ﷺ کی رعایت کرنے والوں، آپ ﷺ کے اصحاب اور آپ ﷺ کی کفالت کرنے والوں پر سلام ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے سلام اللہ تعالیٰ کا نام (اسمائے حسنیٰ میں سے) ہوگا۔

تیسرا قول یہ کہ سلام بمعنی مسالمت یعنی آپ ﷺ سے صلح و فرمانبرداری کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء ۶۵)

ترجمہ پس (اے مصطفیٰ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کرلیں دل و جان سے۔

پہلی فصل

درود شریف کی فرضیت

واضح ہونا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا فی الجملہ فرض ہے۔ کسی خاص وقت کے ساتھ محدود معین نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر علی الاطلاق درود بھیجنے کا حکم دیا۔

ائمہ و علماء نے اس حکم کو وجوب پر محمول کیا ہے اور اسی پر ان کا اجماع ہے اور ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو استحباب پر حمل کر کے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے ممکن ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ ایک مرتبہ سے زیادہ مستحب ہو چونکہ ایک مرتبہ درود پڑھنے سے بوجہ حرج کے واجب ساقط ہو جاتا ہے اور وہ گناہ جو ترک واجب و فرض سے لازم آتا ہے وہ صرف ایک مرتبہ ہے جس طرح حضور ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا (کہ صرف عمر میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا فرض ہے) اس کے بعد مستحب و محبوب ہے اور اہل اسلام کے شعار و علامات میں سے ہے۔

قاضی ابوالحسن بن قصاء رحمۃ اللہ علیہ جو مالکیوں میں مشہور (فقیہہ ہیں) فرماتے ہیں کہ درود بھیجنا فی الجملہ انسان پر واجب ہے اور اس پر فرض ہے کہ اپنی تمام عمر میں باوجود قدرت زیادتی کے ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود پڑھے۔

اور قاضی ابوبکر بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق پر فرض کیا ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کریں۔ اس کیلئے کوئی معین وقت لازم نہیں ہے۔ لہٰذا انسان پر واجب ہے کہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے اور اس سے غفلت نہ برتے۔

قاضی ابومحمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فی الجملہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔

قاضی ابوعبداللہ محمد بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب اہل علم وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ فی الجملہ بعد ایمان حضور ﷺ پر درود پڑھنا فرض ہے۔ نماز میں پڑھنے کی تخصیص نہیں ہے۔ کسی نے ایک مرتبہ بھی اپنی تمام عمر میں آپ ﷺ پر درود پڑھ لیا تو فرض اس سے ساقط ہو گیا۔

اور شوافع کا یہ مذہب ہے کہ جس درود شریف کے پڑھنے کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے وہ صرف نماز میں فرض ہے اور اصحاب شوافع کہتے ہیں کہ نماز کے علاوہ بالاتفاق

واجب نہیں ہے اور امام ابوجعفر طبری اور امام طحاوی رحمہما اللہ وغیرہ نے تمام متقدمین و متاخرین علماء امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر تشہد (قعدہ نماز) میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں صرف امام شافعی رحمہ اللہ تنہا ہیں۔ ان کا قول ہے کہ جس نے تشہد کے بعد سلام سے پہلے درود نہ پڑھا، اس کی نماز فاسد ہے۔ اگر چہ وہ حضور ﷺ پر اس سے پہلے درود پڑھ چکا ہو پھر بھی جائز نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول میں نہ تو کسی سلف کا قول ہے اور نہ سنت مروی۔ جس کی پیروی کی جائے۔ اس مسئلہ کے انکار و مخالفت میں متقدمین کی ایک جماعت نے مبالغہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ متقدمین کے برخلاف ہے۔ ان میں سے طبری اور قشیری رحمہما اللہ وغیرہ ہیں۔

ابوبکر بن منذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو نماز پڑھے اس پر نماز میں حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے اور جس نے نماز میں درود شریف کو چھوڑ دیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، اہل کوفہ وغیرہ کے مذہب میں نماز ہو جائے گی اور یہی مذہب تمام اہل علم کا ہے۔

حضرت امام مالک اور سفیان رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ آخری تشہد میں مستحب ہے اور اگر اس نے چھوڑ دیا تو گناہگار ہوگا۔ صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا منفرد قول ہے کہ نماز میں چھوڑنے والے پر نماز کا اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہے اور اسحق رحمۃ اللہ علیہ قصداً چھوڑنے والے پر اعادہ واجب بتاتے ہیں نہ کہ بھول کر چھوڑنے والے پر۔

ابومحمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن مواز رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا فرض ہے اور ابومحمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم فرائض نماز میں سے نہیں ہے۔ اسے محمد بن عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان کیا اور ابن قصار و عبدالوہاب رحمہما اللہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن مواز رحمۃ اللہ علیہ نماز میں درود کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح فرض خیال کرتے ہیں۔

اور ابویعلی عبدی رحمۃ اللہ علیہ مالکی مذہب کے تین قول بیان کرتے ہیں۔

(۱) وجوب، (۲) سنت اور (۳) مستحب۔

شوافع میں سے خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اور دیگر علماء نے اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نماز میں درود واجب نہیں ہے اور یہی قول تمام فقہاء کا ہے بجز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ میرے علم میں نہیں کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی پیشوا ہو۔ اب رہی اس کی دلیل کہ یہ فرائض نماز میں سے نہیں ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے تمام سلف صالحین کا عمل اور ان کا اجماع ہے۔ بلاشبہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر لوگوں نے خوب مخالفت

میں شدت برتی ہے اور وہ تشہد جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ ہے جسے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا۔ مگر ان کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا ذکر نہیں ہے اسی طرح ہر وہ تشہد کی روایت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے مثلاً روایت حضور ابو ہریرہ، ابن عباس، جابر، ابن عمر، ابوسعید خدری، ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہم کسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۳۰۲۔۳۰۱۔۳۰۴، سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ ۱/ ۵۹۷۔۵۹۴)

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تشہد اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح سورۃ قرآنی سکھاتے تھے۔ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر اس طرح ہمیں تشہد سکھاتے تھے جس طرح بچوں کو کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر تشہد کو سکھایا۔

(مستدرک کتاب الصلوۃ ۱/ ۲۲۶، للبیھقی کتاب الصلوۃ ۲/ ۱۴۲)

اور ایک حدیث میں ہے کہ اس کی نماز نہیں جس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الطہارۃ ۱/ ۱۴۰، دارقطنی کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۳۵۵، سنن کبریٰ ۲/ ۳۷۹، مستدرک کتب الصلوٰۃ ۱/ ۲۶۹)

اس روایت کو تمام محدثین نے ضعیف بتایا ہے۔

ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے نماز پڑھی اور مجھ پر اور میری اہل بیت پر درود نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہ کی جائے گی۔

دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح قول وہ ہے جو ابوجعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اگر میں ایسی نماز پڑھوں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت پر درود نہ پڑھوں تو یقیناً میرے نزدیک ایسی نماز پوری نہ ہوگی۔

دوسری فصل

وہ مواقع جہاں درود شریف مستحب ہے

حضور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا جہاں مستحب ہے اور جس کی ترغیب دی ہے اب ان مواقع کو بیان کیا جاتا ہے۔ اول مقام تو تشہد ہے جس کی حضور ﷺ نے ترغیب دی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے کہ یہ تشہد کے بعد دعا سے پہلے ہے۔

حدیث: فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سنا کہ ایک شخص نے اپنی نماز میں دعا مانگی مگر نبی کریم ﷺ پر اس نے درود نہ پڑھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی پھر اسے بلایا، اسے اور دوسروں کو تعلیم فرمائی کہ جب تم نماز پڑھو تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے شروع کرو پھر مجھ پر درود پڑھو اس کے بعد جو چاہو دعا مانگو۔ دوسری سند میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمجید سے شروع کرو یہی سند صحیح ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ ۲/۱۶۲، سنن ترمذی ۵/۱۸۰ سنن نسائی کتاب الصلوۃ ۳/۴۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دعا اور نماز آسمان و زمین کے مابین معلق رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس وقت تک باریاب نہیں ہوتی جب تک نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھے۔ (سنن ترمذی۔ ۱/۳۰۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے اسی کے ہم معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''وَعَلٰی آلِ مُحَمَّد'' بھی کہا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ دعا اس وقت تک محجوب (پردے میں) رہتی ہے جب تک دعا مانگنے والا نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو اسے چاہئے کہ پہلے اس کی شان جلالت و کبریائی کے مطابق اس کی حمد وثنا کرے پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے کیونکہ اس کے بعد سزاوار ہے کہ وہ جو مانگے قبول ہو۔ (مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۵۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشار فرمایا: مجھے سوار کے پیالے کی مانند نہ بناؤ کہ سوار اپنے پیالے کو پانی سے بھرتا ہے پھر اسے رکھتا ہے اور سامان اٹھاتا ہے جب اسے پانی کی حاجت ہوتی ہے تو اس سے پیتا ہے۔ وضو کرتا ہے ورنہ پھینک دیتا ہے لیکن مجھے تم اپنی دعا کے اول وآخر اور درمیان میں رکھو (یعنی تین مرتبہ درود پڑھو) (مجمع الزوائد ۱۰/۱۵۵)

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دعا کے ارکان، پر، سامان اور اوقات ہیں پس اگر دعا ارکان کے موافق ہوئی تو قوی ہوگیا اور اگر پروں کے موافق ہوئی تو آسمان کی طرف اڑ جائے گی اور اگر وقتوں کے موافق ہوئی تو کامیاب ہو جائے گی اور اگر اسباب کے موافق ہوئی تو کمال تک پہنچ جائے گی۔ دعا کے ارکان حضور قلب، رقت سکون و قرار، خشوع اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دلی لگاؤ ہے اور اسباب و علائق سے قطع تعلق ہے اور اس کے پر صدق و سچائی اور اس کے اوقات صبح اور اس کے اسباب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ دو (۲) درودوں کے درمیان کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ ہر ایک دعا آسمانوں میں محجوب (پردے میں) رہتی ہے جب وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو دعا بھی ساتھ ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ دعا جو حنش رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی جس کے آخر میں اَسْتَجِبْ دُعَائِی (میری دعا قبول فرما) ہے اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ درود ہے کہ اَنْ تُصَلِّیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ اَفْضَلُ مَاصَلَّيْتَ عَلٰی اَحْدٍ مِّنْ خَلْقِكَ اَجْمَعِيْنَ اٰمِيْن۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے مواقع اور مقامات میں سے یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سنے یا لکھے یا اذان سنے (تو درود پڑھے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل و رسوا ہو) جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (سنن ترمذی کتاب ۵/۲۱۰)

ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ جانور کے ذبح کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو مکروہ جانتے ہیں اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب کے وقت درود پڑھنے کو مکروہ کہا ہے اور کہا کہ حساب و کتاب اور ثواب کے نیت سے ہی درود شریف پڑھا جائے۔

اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہا: دو مقام ایسے ہیں جہاں بجز ذکر الٰہی کے کچھ نہ کہا جائے۔ ایک وقت ذبح دوسرے چھینک کے بعد۔ ان دونوں جگہوں پر ذکر الٰہی کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہا جائے اور اگر ذکر الٰہی کے بعد ''صلی اللہ علی محمد'' کہا تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس درود کا ذکر نہ ہوگا۔ (یعنی بوقت ذبح غیر خدا کا نام لینا ثابت نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں ذبیح تسمیہ کے ساتھ ہی حلال ہوگا اور یہ اضافہ بہ نیت تقریب الٰہی ہوگا جو مکروہ نہیں ہے۔ مترجم) اس روایت کو اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کہا: یہ سزاوار نہیں کہ بوقت ذبح یا چھینک کے ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر

درود پڑھے۔ (اس صورت میں ابہام وفساد کا خطرہ ہے)

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کی کہ بروز جمعہ کثرت سے درود شریف بھیجنے کا حکم دیا۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز ۱/۵۲۴ نسائی ۳/۹۰)

(اسی طرح) درود وسلام کے بھیجنے کے مواقع میں سے دخول مسجد ہے۔ ابواسحٰق بن شعبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ اس شخص کو لائق ہے (چاہئے) کہ جب مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر سلام عرض کرے پھر کہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (اے خدا میرے گناہ بخش دے اور مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے نکلے تو اسی طرح کرے کیونکہ مسجد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت کا مقام گردانا ہے۔

عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ اس آیہ کریمہ

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ۔ (النور ۶۱)

ترجمہ پھر جب تم داخل ہو گھروں میں تو سلامتی کی دعا دو اپنوں کو۔

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادَ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں بیوت (گھروں) سے مراد مسجدیں ہیں۔ (تفسیر درمنثور ۶/ ۲۲۷)

اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب مسجد میں کوئی نہ ہو تو کہو: اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اور جب گھر میں کوئی نہ ہو تو کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادَ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ"۔

علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میں مسجد میں جاتا ہوں تو کہتا ہوں: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ وَمَلٰئِكَتُهٗ عَلٰى مُحَمَّدٍ" اسی طرح کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مسجد میں داخل ہوتے یا نکلتے تو یہ کہتے مگر درود بھیجنے کا اس میں ذکر نہیں ہے۔

ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ نے جو ذکر کیا ہے تو ان کی دلیل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے ایسا ہی کرتے اور اسی کی مثل ابوبکر بن عمرو بن حرم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ انہوں نے سلام و رحمت کا ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کو ہم نے آخری قسم میں بیان کر کے لفظوں کے اختلاف کو ظاہر کیا ہے۔

مقامات درود میں سے جنازہ کے ساتھ درود پڑھنا بھی ہے۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کا مسنون ہونا ثابت ہے اور انہی مقامات درود میں سے وہ مقامات جن پر امت کا عمل برابر چلا آ رہا ہے اور کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر درود بھیجنے کا انکار نہیں کیا۔ مثلاً رسالوں اور کتابوں میں بسم اللہ کے بعد درود کے صیغے لکھنے کا تعامل (عمل) ہے۔ حالانکہ یہ عمل صدر اول میں نہ تھا بنی ہاشم کے دورِ حکومت کے وقت سے رائج ہوا۔ اس کے بعد تمام روئے زمین پر یہ عمل پھیل گیا اور انہی سے یہ ہے کہ رسالوں کتابوں کے اختتام پر بھی درود لکھا جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک میرا نام اس کتاب میں ہے فرشتے برابر ہمیشہ اس لکھنے والے کیلئے استغفار کرتے رہیں گے (اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنَامِنْ ھٰذَا الْفَضِیْلَةِ) اور مقامات درود میں سے نماز میں تشہد کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے بالاسناد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہے اَلتَّحِیَاتُ لِلّٰہِ آخر تک یعنی وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ جب تم یہ پڑھو گے تو اس کی وہ رحمت جو آسمان و زمین کے ہر نیک بندے کیلئے ہے اسے ملے گی۔ سلام کے مواقع میں سے یہ ایک موقع ہے اور سنت یہ ہے کہ یہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سے پہلے کہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ وہ یہ اس وقت پڑھا کرتے جب وہ تشہد سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرنے کا قصد کرتے تھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' میں اسے مستحب رکھا کہ ایسا ہی قبل سلام بھی دوبارہ پڑھے۔ محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کی مراد وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ دونوں سلام پھیرنے سے پہلے اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا کرتے تھے۔

اہل علم اسے مستحب جانتے ہیں کہ بوقت سلام انسان آسمان و زمین کے ہر صالح بندے خواہ وہ فرشتے ہوں، بنی آدم ہوں یا جن ہوں سب کی نیت کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''مجموعہ'' میں فرمایا: میں مقتدی کیلئے مستحب جانتا ہوں کہ جب اس کا امام سلام کہے تو وہ اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے۔

تیسری فصل

درود شریف کی کیفیت اور اس کے کلمات

حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کس طرح پیش کرے۔ چنانچہ

حدیث: ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ پر ہم کس طرح درود بھیجیں فرمایا یوں کہو "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ"۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ نسائی بحوالہ تفسیر درمنثور ۶/ ۶۴۹)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت جو حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یوں کہو "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ" اور سلام وہی ہے جیسا کہ تم کو سکھایا گیا ہے۔

اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ"

اور حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔ (کمافی مناہل الصفا ۲۰۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اور اس کے معنی بیان کئے۔

حدیث: حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان کلمات کو رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ میں شمار کرایا اور ارشاد فرمایا: ان کو جبریل علیہ السلام نے میرے ہاتھ میں شمار کرایا اور فرمایا کہ اسی طرح یہ رب العزت کی جناب سے نازل ہوئے۔ وہ یہ کہ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ وَتَحَنَّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ ۱/ ۲۰۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اس سے خوش ہو کہ اسے پورا ناپ (ثواب) دیا جائے جب وہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر درود پڑھے تو چاہئے کہ یہ پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيت عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"۔ (کما فی مناہل الصفا ۲۰۰)

اور زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ پر کس طرح درود بھیجیں تو فرمایا: درود پڑھو اور دعا میں خوب کوشش کرو پھر کہو: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

سلامہ کندی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا یوں سکھایا:

اَللّٰهُمَّ دَاحِيَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِى الْمَسْمُوكَاتِ اِجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَنَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ وَرَاْفَةَ تَحَنُّنِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ وَالْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَالْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ وَالدَّامِعِ لِجَيْشَاتِ الْاَبَاطِيْلِ كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ بِاَمْرِكَ لِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزًا فِيْ مَرْضَاتِكَ دَاعِيًا لِوَحْيِكَ حَافِظًا لِعَهْدِكَ مَاضِيًا عَلٰى نَفَاذِ اَمْرِكَ حَتّٰى اَوْرٰى قَبَسًا لِقَابِسٍ اٰلَاءُ اللهِ تَصِلُ بِاَهْلِهٖ اَسْبَابُهٗ بِهٖ هُدِيَتِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْاِثْمِ وَاَبْهَجَ مُوْضِحَاتِ الْاَعْلَامِ وَنَائِرَاتِ الْاَحْكَامِ وَ مُنِيْرَاتِ الْاِسْلَامِ فَهُوَ اَمِيْنُكَ الْمَاْمُوْنُ وَخَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُوْنِ وَشَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ وَبَعِيْثُكَ نِعْمَةً وَّرَسُوْلُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهٗ فِيْ عَدْنِكَ وَاجْزِهٖ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ مُهَنَّاٰتٍ لَّهٗ غَيْرَ مُكَدَّرَاتٍ مِّنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَحْلُوْلِ وَجَزِيْلِ عَطَائِكَ الْمَعْلُوْلِ اَللّٰهُمَّ اَعْلِ عَلٰى بِنَاءِ النَّاسِ بِنَاءَهٗ وَاَكْرِمْ مَثْوَاهُ لَدَيْكَ وَنُزُلَهٗ وَاَتِمَّ لَهٗ نُوْرَهٗ وَاَجْزِهٖ مِنِ ابْتِعَاثِكَ لَهٗ مَقْبُوْلَ الشَّهَادَةِ وَمَرْضِيَّ الْمَقَالَةِ ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ وَخُطَّةٍ فَصْلٍ وَبُرْهَانٍ عَظِيْمٍ۔ (کمافی مناہل الصفا ۲۰۰)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں یہ بھی منقول ہے:

اِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ رَبِّيْ وَسَعْدَيْكَ صَلَوَاةُ اللهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ

وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَمَاسَبَّحَ لَکَ مِنْ شَیْءٍ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ عَلٰی مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الشَّاھِدِ الْبَشِیْرِ الدَّاعِیْ اِلَیْکَ بِاِذْنِکَ السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ وَعَلَیْہِ السَّلَامُ

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰاتِکَ وَبَرَکَاتِکَ وَرَحْمَتَکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَّغْبِطُہٗ فِیْہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌو بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ ۱/۲۹۳)

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جو شخص یہ چاہے کہ حوض مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا پیالہ پئے تو وہ یہ پڑھے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَوْلَادِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِبَیْتِہٖ وَاَصْھَارِہٖ وَاَنْصَارِہٖ وَاَشْیَاعِہٖ وَمُحِبِّیْہٖ وَاُمَّتِہٖ وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ اَجْمَعِیْنَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ پڑھا کرتے تھے کہ: اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَۃَ مُحَمَّدِ الْکُبْرٰی وَارْفَعْ دَرَجَۃَ الْعُلْیَا وَاٰتِہٖ سُؤْلَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی کَمَا اٰتَیْتَ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی۔

وہب بن ورد رحمۃ اللہ علیہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُحَمَّدًا اَفْضَلَ مَاسَاَلَکَ لِنَفْسِہٖ وَاَعْطِ مُحَمَّدًا اَفْضَلَ مَا اَنْتَ مَسْئُوْلٌ لَّہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرو تو بہترین درود پڑھا کرو۔ تم نہیں جانتے کہ کون سا درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جائے؟

یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰاتِکَ وَرَحْمَتِکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَّغْبِطُہٗ فِیْہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا

صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اور اہل بیت اطہار وغیرہ سے بڑی بڑی طول وطویل درودیں اور بکثرت تعریفیں منقول ہیں اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ وہ سلام پڑھو جو تمہیں سکھایا گیا ہے تو اس سے تشہد میں وہ سلام مراد ہے جو آپ ﷺ نے سکھایا یہ کہ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے تشہد میں یوں آیا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَنْبِيَاءِ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ مَنْ غَابَ مِنْهُمْ وَمَنْ شَهِدَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِمُحَمَّدٍ وَّتَقَبَّلْ شَفَاعَتَهٗ وَاغْفِرْ لِاَهْلِ بَيْتِهٖ وَاغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَمَا وَلَدَ وَارْحَمْهُمَا اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حضور ﷺ کیلئے دعائے مغفرت آئی ہے اور اس سے پہلے درود کی حدیث میں بھی انہیں کی حدیث میں دعائے رحمت وارد ہے لیکن ان کے علاوہ کسی مشہور مرفوع حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کیلئے دعائے رحمت نہیں مانگنی چاہئے بلکہ آپ کیلئے صرف اس درود و برکت کی دعا مانگنی چاہئے۔ جو کہ حضور ﷺ کیلئے خاص ہے البتہ دوسروں کیلئے رحمت و مغفرت کی دعا مانگنی چاہئے۔

ابومحمد بن ابوزید رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ پر درود کی حدیث میں ذکر کیا کہ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ مُحَمَّدًا وَآلِ مُحَمَّدًا كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ۔ لیکن یہ بات بھی صحیح حدیث میں نہیں آئی۔ اس کی دلیل خود حضور ﷺ کا ارشاد حدیث سلام ہے کہ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

چوتھی فصل

درود وسلام کی فضیلت

حضور اکرم ﷺ پر درود وسلام اور دعا کی فضیلت یہ ہے کہ

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالا سناد مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جب مؤذن کی اذان سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی وہی کہو اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اس پر اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں ہوں گی۔ پھر میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک درجہ ہے جو صرف بندگان خدا میں سے کسی ایک کو حاصل ہو گا۔ میں خواستگار ہوں کہ وہ میں ہی ہوں تو جس نے میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگی تو اس پر شفاعت حلال ہوگئی۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوۃ ۱/ ۲۸۹، سنن نسائی ۲/ ۲۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں فرمائے گا اور اس سے دس گناہ محو (معاف) کر کے اسے دس درجے بلند کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(مستدرک کتاب الدعاء ۱/ ۵۵۰ سنن نسائی کتب الصلوۃ علی النبی ۳۱/ ۵۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی کہ جس نے آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس (رحمتیں) فرمائے گا اور دس درجے اسے بلند کرے گا۔ (تفسیر در منثور ۶/ ۶۵۱)

اور ایک روایت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

جبریل علیہ السلام نے مجھ سے ملاقات کر کے کہا: میں آپ ﷺ کو بشارت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے آپ ﷺ پر سلام پیش کیا میں اس پر سلامتی نازل کروں گا اور جس نے ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجا میں اس پر اتنی ہی رحمت نازل کروں گا۔ (مستدرک کتاب الدعا ۱/ ۵۵۰)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ، مالک بن اوس بن حدثان، عبداللہ بن ابی طلحہ، زید بن حباب رضی اللہ عنہم کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْهُ الْمُنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (تفسیر در منثور ۶/ ۶۵۴)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بروز قیامت میرے نزدیک لوگوں میں سب سے

بہتر وہ شخص ہوگا جس نے مجھ پر بکثرت درود بھیجا۔ (سنن ترمذی کتاب التطوع ۱/۳۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک اس کتاب میں میرا نام رہے گا فرشتے اس کے لکھنے والے کیلئے برابر استغفار کرتے رہیں گے۔ (طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد ۱/ ۱۳۶)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے مجھ پر درود بھیجا تو فرشتے اس پر اس وقت تک طالب رحمت رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے اب چاہے بندہ کم بھیجے یا زیادہ۔ (سنن ابن ماجہ ۱/۲۹۴، مسند امام احمد ۳/ ۴۴۵)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب چوتھائی رات گزر جاتی تو کھڑے ہو کر فرماتے: اے لوگو ذکر الٰہی کرو فتنہ و فساد کا وقت آ گیا اور اس کے پیچھے علامات قیامت ظاہر ہوگئیں۔ موت اپنی تکلیفوں کے ساتھ آ گئی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجتا ہوں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کیلئے کتنا وقت مقرر کرلوں۔

فرمایا: جتنا تم چاہو۔ عرض کیا: چوتھائی؟

فرمایا: جتنا تم چاہو اگر تم اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: تہائی؟

فرمایا: جتنا تم چاہو اگر تم اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: دو تہائی؟

فرمایا: جتنا تم چاہو اگر تم اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا تمام وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کیلئے وقف کرتا ہوں۔

فرمایا: اس وقت تمہیں کفایت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(سنن ترمذی کتاب ۴/ ۵۳)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر ایسی رونق و بشاشت دیکھی کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا تو فرمایا: مجھے ایسی مسرت سے کون روک سکتا ہے۔ بیشک ابھی ابھی جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور وہ میرے رب کی طرف سے خوشخبری لائے۔ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مجھے بھیجا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہر وہ شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے دس گنا رحمت فرمائیں گے۔

(سنن نسائی باب الفضل فی الصلوٰۃ علی النبیا ۳/ ۵۰ ابن حبان ۲/ ۱۳۴)

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے سماعت اذان کے بعد پڑھا اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مُقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اس کیلئے بروز قیامت میری شفاعت حلال ہوگئی۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جس نے سماعت اذان کے بعد کہا: ''وَاَنَا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا'' اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۲۹۰)

حضرت ابن وہب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے دس مرتبہ مجھ پر سلام عرض کیا تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا۔ (الترغیب والترہیب۔کمافی مناہل الصفا ۲۰۳)

بعض حدیثوں میں مروی ہے کہ میری بارگاہ میں کچھ ایسے لوگ پیش ہوں گے کہ میں انہیں کثرت درود کی بنا پر جوانہوں نے مجھ پر پڑھا پہچان لوں گا۔ (کشف الغمہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ بروز قیامت اس کی سختیوں اور اس کی شدتوں سے نجات پانے والا تم میں سے وہی ہوگا جس نے مجھ پر بکثرت درود بھیجا ہوگا۔

(تفسیر درمنثور ۶/ ۶۵۳ سورۃ الاحزاب ۵۶)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے سے گناہ اس طرح مٹ جاتے ہیں جس طرح ٹھنڈے پانی سے (پیاس یا آگ بجھتی ہے) اور آپ ﷺ پر درود بھیجنا غلام آزاد کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ صَلَوٰتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَسَلَامُہٗ۔ (تفسیر درمنثور ۶/ ۶۵۳ سورۃ الاحزاب ۵۶)

پانچویں فصل

درود وسلام نہ بھیجنے والے کی مذمت اور گناہ

جس نے نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجا اس کی برائی اور گناہ یہ ہے کہ

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل ورسوا ہو) کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور اس کی ناک خاک آلود ہو کہ ماہ رمضان آیا پھر وہ اس کے گناہ بخشائے بغیر گزر جائے (یعنی اس نے عمل خیر نہ کئے) اور اس کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین کے بڑھاپے کو پایا پھر وہ اسے جنت میں داخل کئے بغیر چلے جائیں۔ (سنن ترمذی کتاب الدعوات ۵/۲۱۰)

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غالباً حضور ﷺ نے والدین میں سے کسی ایک کیلئے فرمایا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ پھر جب دوسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ پھر جب تیسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ فرمایا کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا:

اے محمد ﷺ جس کے سامنے آپ ﷺ کا نام اقدس لیا جائے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے پھر وہ مر جائے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا اور اسے اپنے سے دور کر دے گا۔ آپ فرمائیں آمین۔ اور کہا کہ جس نے رمضان المبارک پایا اور اس نے اس سے کچھ حصہ نہ لیا پھر وہ مر گیا۔ پھر ویسا ہی کہا (آخر میں) کہا کہ جس نے والدین کو یا کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت نہ کی پھر وہ مر گیا آگے وہی کہا۔ (یعنی آپ کہیے آمین) (مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۶۶)

حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(سنن ترمذی کتاب الاعوات ۵/۱۶۴)

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے روایت کی۔ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو اسے جنت کا راستہ بھلا دیا جائے گا۔

(مجمع الزوائد ۱۰/۱۶۴)

حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک پورا بخیل وہ

ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (مجمع الزوائد ۱۰/۱۶۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے پھر وہ اس سے پہلے کہ خدا کا ذکر کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے بغیر اٹھ جائیں تو ان پر خدا کی طرف سے کوئی ذمہ نہیں چاہے وہ عذاب کرے یا انہیں بخش دے۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوات ۵/ ۱۲۹ مستدرک کتاب الدعا ۱/ ۴۹۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: جو مجھ پر درود بھیجنا بھول گیا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کا راستہ بھلا دے گا۔ (تفسیر درمنثور ۶/ ۶۵۳، الاحزاب ۵۶)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے کہ کسی شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (عبدالرزاق فی جامعہ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی ۲۰۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے سے پہلے جدا ہو جائے تو مردار کی بدبو اس کے ساتھ جاتی ہے۔

(تفسیر درمنثور ۶/ ۶۵۳، الاحزاب ۵۶)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: جو قوم مجلس میں بیٹھے اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجے تو ان پر حسرت ہوگی اگرچہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں جب وہ اس کے ثواب کو دیکھیں گے۔ (تفسیر درمنثور ۶/ ۶۵۳ الاحزاب ۵۶)

حضرت ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل علم سے نقل کر کے کہا جب کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ مجلس میں درود پڑھ لے تو جب تک وہ اس مجلس میں بیٹھے اسے اتنا ہی کافی ہے۔

چھٹی فصل

حضور ﷺ پر خصوصیت سے درود پیش ہوتا ہے

سید عالم ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ مخلوق میں سے جو بھی آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے وہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔

حدیث: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو واپس کرتا ہے پھر میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد کتاب المناسک ۲/۵۳۴، مسند امام احمد ۲/۵۲۷)

حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور کہا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جو میری قبر انور کے پاس سلام عرض کرتا ہے اسے خود سماعت کرتا ہوں اور جو دور سے بھیجتا ہے اسے پہنچایا جاتا ہے۔ (تفسیر درمنثور ۶/۶۵۴ الاحزاب ۵۶)

اسی کی مثل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن تم اپنے نبی ﷺ پر کثرت سے سلام عرض کرو کیونکہ وہ تمہاری جانب سے ہر جمعہ کو (خصوصیت کے ساتھ) پیش کیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جو بھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو اس وقت اس کی فراغت کے بعد فوراً میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ (کمافی مناہل الصفا ۲۰۹)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تم جہاں بھی ہو وہیں سے مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے حضور پہنچتا ہے۔ (کمافی مناہل الصفاص ۲۰۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی کہ حضور ﷺ کی امت میں سے جو کوئی درود وسلام آپ ﷺ پر بھیجتا ہے وہ آپ ﷺ کے حضور میں پیش ہوتا ہے۔ (ابن راہویہ فی مسندہ کمافی مناہل الصفاء ۲۰۶)

بعض علماء نے بیان کیا۔ بندہ جب نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں اس کا نام بھی پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر سلام بھیجو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے کاشانہ اقدس کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ۔ تم مجھ پر درود بھیجو جہاں بھی تم ہو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ (مجمع الزوائد ۴/۳)

حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن درود کی خوب کثرت کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (سنن ابوداؤد فی الجمعۃ ۱/۶۳۰)

سلیمان بن سحیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ حاضر ہوتے ہیں اور آپ پر سلام عرض کرتے ہیں۔ کیا حضور ان کے سلام کو پہچانتے ہیں؟ فرمایا: ہاں اور انہیں سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ ہمیں یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَيْلَةُ الزَّهْرَاءِ اور يَوْمُ الْأَزْهَرْ (یعنی جمعرات اور جمعہ) کو خوب کثرت سے مجھ پر سلام بھیجا کرو کیونکہ یہ دونوں تمہاری طرف سے مجھ کو پہنچتے ہیں اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو زمین نہیں کھا سکتی۔ جو مسلمان بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس اس کے نام کے ساتھ لاتے ہیں یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ایسا ایسا عرض کیا ہے۔

ساتویں فصل

غیر نبی اور تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیجنے کا مسئلہ

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسروں پر اور تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیجنا چاہئے یا نہیں؟

قاضی عیاض بتوفیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عام علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسروں پر بھی درود بھیجنے کے جواز پر متفق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور کے سوا دوسروں پر درود بھیجنے کو ناجائز گردانتے ہیں۔ (تفسیر درمنثور ۶/ ۶۵۶ الاحزاب ۵۶)

اور ان میں سے یہ بھی مروی ہے کہ انبیاء کے سوا کسی پر درود بھیجنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی پر درود بھیجنا مکروہ ہے بجز نبی کے اور بعض مشائخ کے خط میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب پایا کہ وہ بجز سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی پر بھی درود بھیجنے کو جائز نہیں بتاتے۔ حالانکہ یہ مذہب ان کا مشہور نہیں ہے۔ بلاشبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مبسوط" میں یحییٰ بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ نبیوں کے سوا دوسروں پر درود بھیجنے کو مکروہ جانتا ہوں اور ہمیں یہ سزاوار نہیں کہ جو حکم دیا گیا ہے اس سے تجاوز کریں۔ یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں اس قول پر عامل نہیں۔ انہیں کوئی مضائقہ نہیں کہ تمام نبیوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر درود بھیجا جائے۔ انہوں نے حجت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث پیش کی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ پر درود بھیجنے کی تعلیم دی ہے۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ کی آل کا بھی ذکر ہے اور میں نے ابوعمران فارسی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق روایت پائی کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسروں پر درود بھیجنا مکروہ ہے۔

(تفسیر درمنثور ۶/ ۶۵۶ الاحزاب ۵۶)

کہا کہ ہم یہی کہتے ہیں گزشتہ لوگوں کا اس پر عمل نہ تھا۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ایسا ہی مبعوث فرمایا ہے جیسے مجھے مبعوث کیا۔ (تفسیر درمنثور ۶/۶۵۶)

محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو سندیں مروی ہیں وہ ضعیف ہیں حالانکہ

صلوٰۃ (درود) کے معنی زبان عرب میں رحم چاہنے اور دعا مانگنے کے ہیں اور یہ مطلق ہے جب تک کہ کوئی صحیح حدیث یا اجماع مانع نہ ہو اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ۔ (الاحزاب ۴۳)

ترجمہ اللہ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی (تم پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں)۔

اور ارشاد ہوا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ۔ (التوبہ ۱۰۳)

ترجمہ (اے حبیب ﷺ!) وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کریں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں اس ذریعے سے نیز دعا مانگئے ان کیلئے۔

اور فرمایا:

اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔ (البقرہ ۱۵۷)

ترجمہ یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے۔

اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ ابواوفیٰ کی آل پر رحمت فرما اور جب کوئی قوم آپ کی بارگاہ میں صدقہ لاتی تو فرماتے: اے اللہ فلاں کی آل پر رحمت فرما اور حدیث صلوٰۃ (درود) میں ہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ اور دوسری حدیث میں ہے کہ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔

بعض علماء نے فرمایا کہ "ال" سے مراد آپ ﷺ کے تمام پیروکار ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تمام امت (مستجاب) ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے متبعین؛ جماعت اور قبیلہ مراد ہے۔ کسی نے کہا کہ مرد کی آل اس کی اولاد ہے اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کی قوم مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وہ اہل مراد ہے جس پر صدقہ کھانا حرام ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ کہ کسی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ "ال مُحَمَّد" کون ہیں؟ فرمایا: ہر متقی پرہیزگار۔ (مناہل الصفا للسیوطی ۲۰۷)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں آئے گا کہ "ال محمد" سے مراد خود حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے کیونکہ حضور ﷺ خود اپنے پر درود میں پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔ اس سے مراد اپنی ذات اقدس ہوتی تھی۔ اس لئے کہ حضور فرض کو چھوڑا نہ کرتے اور نفل کو بجالاتے تھے۔ کیونکہ فرض تو وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا وہ تو خود حضور کی

اپنی ذات پر درود پڑھنا ہے۔ یہ فرمان خود حضور ﷺ کے قول کے موافق ہے کہ (آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ کیلئے فرمایا کہ) یقیناً آل داؤد علیہ السلام کی لحن میں سے انہیں کچھ حصہ لحن عطا فرمایا گیا۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن ۶ / ۱۶۱، صحیح مسلم کتاب المسافرین ۱ / ۵۴۶)

اس جگہ آل داؤد علیہ السلام سے خود حضرت داؤد علیہ السلام کی ذات مراد ہے۔

ابوحمید ساعدی رحمۃ اللہ علیہ کی درود والی حدیث میں ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر درود بھیجا کرتے تھے۔ اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''موطا'' میں ذکر کیا جو کہ یحییٰ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ہے اور اس کے سوا دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کیلئے دعا مانگا کرتے تھے اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم اپنے اصحاب کیلئے غائبانہ دعا مانگا کرتے اور کہتے کہ اے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے فلاں شخص پر اس قوم ابرار (نیک) کی رحمتیں (درودیں) بھیج جو راتوں کو قیام کرتے اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔

قاضی (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ اقوال ہیں جن کی طرف علماء محققین گئے ہیں اور میرا رجحان اس قول کی طرف ہے جسے امام مالک اور سفیان رحمہما اللہ نے کہا اور وہ حدیث وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بکثرت فقہاء و متکلمین کا مذہب مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی دوسرے پر ان کے ذکر کے وقت درود نہ پڑھا جائے بلکہ درود و سلام انبیاء علیہم السلام کی عزت و توقیر کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ذکر کے وقت تنزیہہ، تقدیس اور تعظیم خاص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک و سہیم نہیں۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ اور تمام نبیوں کے ساتھ صلوٰۃ و سلام کی خصوصیت واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (الاحزاب ۵۶)

ترجمہ تم بھی آپ درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا کرو۔

انبیاء علیہم السلام کے سوا جو ائمہ وغیرہ ہیں ان کو غفران و رضوان کے ساتھ یاد کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔ (الحشر ۱۰)

ترجمہ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے۔

اورفرمایا: وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ (التوبہ ۱۰۰)

ترجمہ اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان سے۔

نیز یہ بات صدر اول میں معروف و مشہور نہ تھی بلکہ یہ روافض و شیعہ کی نوایجاد ہے جو بعض ائمہ کیلئے کرتے ہیں لہٰذا وہ ان کے ذکر کے وقت صلوٰۃ وسلام میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا شریک و مساوی بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یہ بدعتیوں کی مشابہت ہے جس کی شریعت میں ممانعت ہے۔ اس بارے میں ان کے اس لزوم کی مخالفت واجب ہے۔ البتہ آل و ازواج کا ذکر درود میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے اتباع و اضافت میں کر سکتے ہیں نہ کہ مستقلاً خصوصیت کے ساتھ۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن پر صلوٰۃ استعمال فرمایا ہے تو وہ دعا کے قائم مقام اور ان پر توجہ خاص کیلئے ہے نہ کہ اس سے ان کی تعظیم و توقیر مراد تھی۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا۔ (النور ۶۳)

ترجمہ نہ بنالو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو۔

لہٰذا اس لحاظ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دعا کے الفاظ ایک دوسرے کی دعا کے الفاظ سے مخالف و مغائر ہونا واجب ہے۔ یہ مذہب مختار امام ابوالمظفر اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو ہمارے مشائخ میں سے ہیں۔ اسے ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

آٹھویں فصل

قبر انور کی زیارت کا حکم اور زائر کی فضیلت

حضور اکرم ﷺ کے قبۂ خضراء (سبز گنبد) کی زیارت کا حکم اور زائر حرم نبوی ﷺ کی فضیلت اور وہاں حاضر ہو کر کس طرح سلام، دعا عرض کرنا چاہئے تو واضح ہو کہ روضۂ انور کی زیارت کرنا تمام اہل اسلام کیلئے طریقہ مسنون ہے اس پر سب کا اجماع ہے اس میں ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد ۴/۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بہ نیت ثواب مدینہ منورہ میں میری زیارت کی تو وہ میری پناہ میں ہوگا اور بروز قیامت میں اس کا شفیع ہوں گا۔ (بیہقی ۵/ ۲۴۵)

دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات ظاہری میں زیارت کی۔ (سنن دار قطنی ۲/ ۲۷۸)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی یہ کہے ہم نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔ اس (مکروہ جاننے) کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نام کی کراہت ہے کیونکہ حضور ﷺ کے ارشاد مبارک میں ہے۔ اللہ قبروں کی زیارت کرنے والوں پر لعنت کرے حالانکہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد خود حضور ﷺ کے اس ارشاد سے منسوخ ہے کہ فرمایا کہ تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا گیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''جس نے میری قبر کی زیارت کی''۔ تو حضور ﷺ نے خود اسم زیارت کا اطلاق فرمایا۔

(مسلم شریف کتاب الجنائز ۲/ ۶۷۲)

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس لئے مکروہ ہے کہ یوں کہا جاتا ہے کہ زائر نے جس کی زیارت کی اس سے افضل ہوتا ہے۔ یہ بات بھی کچھ نہیں ہے اس لئے کہ ہر زیارت کرنے والا اس صفت کا نہیں ہوتا اور نہ یہ عام قاعدہ ہے۔ بلاشبہ جنتیوں کی حدیث میں آیا ہے کہ اہل جنت اپنے رب کی

زیارت کریں گے۔ لہٰذا زیارت کے لفظ کا اطلاق جناب باری کیلئے کہیں ممنوع نہیں۔

بو عمران رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے طواف زیارت اور زیارت قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے مکروہ کہا کہ عام لوگ ایک دوسرے کیلئے باہمی استعمال کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام لوگوں کے ساتھ ایسے لفظوں میں بھی برابری کرنا مکروہ ہے۔ لہٰذا مستحب یہ ہے کہ خاص طور پر یوں کہا جائے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کیا۔

ایک وجہ کراہت یہ بھی ہے کہ عام لوگوں کی زیارت کرنا مباح ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی طرف رخت سفر باندھنا، سواریوں کو لے جانا واجب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مراد وجوب سے وجوب استحباب ترغیب اور تاکید ہے نہ کہ وجوب بمعنی فرض کے اور میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ زیارت کو منع کرنا اور مکروہ فرمانا قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اضافت اور نسبت کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ ''ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے''۔ تو اسے وہ مکروہ نہ فرماتے۔

کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ میرے بعد اس کی عبادت کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ کا اس قوم پر بڑا غضب ہے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا یعنی ان کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ اس بنا پر امام نے اس لفظ کی نسبت کو قبر کی طرف کرنے اور ان لوگوں کی مشابہت کے ذریعہ کو منقطع کرنے اور اس دروازے کو بند کرنے کیلئے مکروہ بتایا۔ واللہ اعلم۔

اسحٰق بن ابراہیم فقیہہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ ہمیشہ سے مسلسل جاری ہے جو حج کا ارادہ رکھے وہ مدینہ منورہ ضرور جائے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا قصد کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور، منبر، قبر شریف، مجلس اور جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس نے مس فرمایا اور جہاں آپ کا قدم شریف پہنچا اور وہ ستون جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگایا کرتے اور جہاں جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لاتے اور وہ لوگ جو وہاں آباد ہیں اور جنہوں نے وہاں کا قصد کیا۔ صحابہ کرام اور ائمہ مسلمین وغیرہ ان سب کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرے اور ان سب سے نصیحت حاصل کرے۔

ابن ابی فدیک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بعض ان علماء سے جن سے ملا ہوں، سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے پاس کھڑا ہوا یہ آیہ کریمہ پڑھے کہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (الاحزاب ۵۶) پھر کہے: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ

اور اسے ستر مرتبہ کہے تو فرشتہ اسے خبردار کرتا ہے کہ اے فلاں شخص تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تیری کوئی حاجت ضائع نہ جائے گی۔

یزید بن ابوسعید مہری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا تو جب رخصت ہونے لگا تو آپ نے فرمایا: تم سے میری ضرورت ہے وہ یہ کہ جب تم مدینہ منورہ حاضر ہو تو بہت جلد روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر میری طرف سے سلام عرض کرنا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صرف سلام عرض کرانے کیلئے مستقلاً شام سے قاصد بھیجا کرتے تھے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر حاضر ہوئے، وہاں ٹھہرے اور دونوں ہاتھ اٹھائے میرا خیال ہے کہ انہوں نے صلوٰۃ و سلام عرض کیا۔ پھر وہ چلے گئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی وہب رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرو اور دعا مانگو تو قبر شریف کے سامنے آپ کے چہرۂ انور کے مواجہ کی جگہ کھڑے ہو قبلہ کی طرف کھڑے نہ ہو اور قریب ہو کر سلام عرض کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو اپنے (گنہگار) ہاتھ سے نہ چھوؤ (کہ یہ ادب کے خلاف ہے)۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' میں فرمایا: میں اسے مناسب خیال نہیں کرتا کہ قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگے لیکن وہ سلام عرض کرے اور گزر جائے۔

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ (کی جگہ) کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ اس قندیل کو جو قبر شریف کے پاس قبلہ کی جانب ہے اپنے سر کے اوپر رکھے۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سو مرتبہ دیکھا کہ وہ قبر انور کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کرتے: اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَبِي بَكْرٍ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَبِيْ اس کے بعد وہ واپس چلے جاتے۔ (بیہقی فی الحج ۵/ ۲۴۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ منبر شریف کی اس جگہ پر جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے۔ وہ اپنا ہاتھ رکھتے پھر اپنے چہرہ پر مس کرتے۔ ابن قُسَیْط اور عُتَیْبِی رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ جب وہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتے، منبر کے اس کنارہ (کنگرہ) کو جو قبر انور کے قریب ہے اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ اس کے بعد قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگا کرتے تھے۔ ''موطا'' میں بروایت یحییٰ بن یحییٰ لیثی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ حضرت

ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہوتے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر درود بھیجتے۔

ابن قاسم اور قطبی رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ہے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کیلئے دعا مانگتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ابن وہب رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرماتے ہیں کہ سلام عرض کرنے والا کہے۔ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' اور ''مبسوط'' میں فرمایا کہ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کرے۔ قاضی ابوالولید باجی رحمہ اللہ نے کہا کہ میرے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کیلئے لفظ صلوۃ سے دعا مانگے۔ جیسا کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں خلاف وراد ہے اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب مسجد نبوی میں داخل ہو تو بسم اللہ پڑھ کر کہو۔

وَسَلَامٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سَلَامٌ عَلَیْنَا مِنْ رَّبِّنَا وَصَلَّی اللّٰهُ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَجَنَّتِكَ وَاحْفَظْنِیْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

اس کے بعد روضہ مطہرہ کی طرف متوجہ ہو وہ قبر و منبر کے درمیان ہے۔ وہاں پہلے دو رکعت (تحیتہ المسجد) پڑھے یہ مواجہ شریف میں کھڑے ہونے سے پہلے ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرے پھر اپنی وہ تمام حاجتیں خدا سے مانگے جس کیلئے نکلا ہے اور اس پر اس کی مدد مانگے۔ اگر یہ دو رکعتیں روضہ شریف کے علاوہ کسی اور جگہ مسجد میں ہوں تو مضائقہ نہیں۔ مگر روضہ شریف میں افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ (روضہ) ہے۔ (مجمع الزوائد ۴/ ۸)

پھر مواجہ شریف میں تواضع وقار کے ساتھ کھڑا ہو اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور جتنا ہو سکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ثنا بیان کرے اور سلام کرے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں کیلئے دعا مانگے۔ پھر رات دن اکثر اوقات میں مسجد نبوی میں درود شریف پڑھے۔ مسجد قبا اور قبور شہداء کی زیارت کو نہ چھوڑے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ'' میں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرے جب مدینہ منورہ میں داخل ہو یا نکلے یا وہاں رہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب مدینہ سے باہر نکلنے کا قصد ہو تو سب سے آخر میں مواجہ شریف میں کھڑا ہو اسی طرح مسافرین کریں جب وہ واپس لوٹیں۔

ابن وہب رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہو تو مجھ پر درود بھیجو اور کہا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب مسجد سے نکلو تو تب بھی مجھ پر درود پڑھ کر کہو۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ

فَضْلِكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللهم احفظنی من الشیطان۔

(سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ا/۱۳۱۸ ابن ماجہ ا/۲۵۳)

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگ جب مسجد میں داخل ہوتے تو کہتے:
صَلَّى اللهُ وَمَلٰئِكَتُهٗ عَلٰى مُحَمَّدٍ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ بِاسْمِ اللهِ خَرَجْنَا وَبِسْمِ اللهِ دَخَلْنَا وَعَلَى اللهِ تَوَكَّلْنَا اور جب وہ نکلتے تو اس کے مثل کہتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے پڑھتے صَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔ (مسند امام احمد ۶/۲۸۳)

اس کے بعد وہی الفاظ مذکور ہیں جو پہلے حدیث فاطمہ رضی اللہ عنہا میں گزرے اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اور اسی کے مثل ذکر کیا اور ایک روایت میں ہے ''بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ''۔

(سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ ا/ ۱۹۷ سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعت ا/ ۲۵۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَيَسِّرْلِيْ اَبْوَابَ رِزْقِكَ۔ (سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ ا/ ۱۹۷)

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور کہے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' میں فرمایا کہ اہل مدینہ کیلئے یہ لازم نہیں ہے کہ جب بھی وہ مسجد میں داخل ہوں تو مواجہ شریف میں کھڑے ہوں۔ یہ تو مسافروں کیلئے لازم ہے۔ اس میں یہ بھی کہا کہ جو شخص سفر سے آئے یا سفر کیلئے نکلے تو اسے مضائقہ نہیں کہ مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر درود پڑھے اور دعا کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کیلئے۔

کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اہل مدینہ نہ تو سفر کرتے ہیں اور نہ سفر سے آتے ہیں لیکن ہر روز ایک مرتبہ یا اکثر ایسا کرتے ہیں اور بسا اوقات جمعہ کے دن ضرور مواجہ شریف میں حاضری دیتے ہیں یا کئی دنوں میں ایک یا دو مرتبہ مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے اور ایک گھڑی تک دعا مانگتے ہیں۔ فرمایا: مجھے یہ بات کسی فقیہہ مدینہ سے نہیں پہنچی۔ اس کا ترک بہتر ہے۔ اس امت کے آخری لوگ جب ہی درست ہو سکتے ہیں جب کہ پہلے والے اپنی اصلاح کی درستگی کر لیں اور مجھے اس وقت کے صدر اول کے لوگوں سے یہ بات نہیں پہنچی کہ وہ ایسا کرتے تھے لہٰذا یہ مکروہ ہے بجز اس کے کہ

وہ سفر سے آئے یا سفر کیلئے نکلنے کا ارادہ کرے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ جب سفر کو نکلتے یا سفر سے داخل ہوتے ہیں تو مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ کہا کہ یہ ایک رائے ہے۔ باجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اہل مدینہ اور مسافروں کے درمیان فرق ہے کیونکہ مسافر تو اسی ارادہ سے آتے ہیں اور اہل مدینہ وہاں کے مقیم ہیں۔ انہوں نے مواجہ شریف میں حاضر ہونے کیلئے سفر نہیں کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اسے پوجیں۔ اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہے۔ جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے۔ (جامع الصلوٰۃ امام مالک/۱۴۲)

اور فرمایا کہ میری قبر کو عید بھی نہ بنانا (کہ سال میں صرف ایک مرتبہ حاضر ہو گئے یا یہ کہ حاضری پر اترانے لگو۔ مترجم)

احمد بن سعید ہندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے جو شخص مواجہ شریف میں کھڑا ہو تو نہ اسے چومے اور نہ لپٹے اور نہ زیادہ دیر کھڑا ہو (کہ یہ ادب کے خلاف ہے) اور ''عتبیہ'' میں ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مین داخل ہونے کے بعد سلام عرض کرنے سے پہلے دوگانہ پڑھے اور نوافل پڑھنے کیلئے بہترین جگہ مصلی نبوی ہے اور وہ ستون ہے جو مزین ہے اور فرض نمازوں میں سب سے اگلی صف افضل ہے اور مسافروں کیلئے گھر میں نفل پڑھنے سے مسجد میں نفل پڑھنا مستحب ہے۔

نویں فصل

مسجد نبوی شریف کی فضیلت وآداب

مسجد نبوی میں داخل ہونے اور وہاں نماز پڑھنے کے وہ آداب وفضیلت جو اس سبق کے سوا ہیں اور مسجد مکہ، قبرانور اور منبر شریف کا ذکر اہل مدینہ ومکہ کی فضیلت یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْلَ فِیْہِ۔ (التوبہ ۱۰۸)

ترجمہ البتہ وہ مسجد جن کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں۔

مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ کون سی مسجد ہے؟ فرمایا: یہ میری مسجد یہ قول ابن مسیّب، زید بن ثابت، ابن عمر، مالک بن انس رضی اللہ عنہم وغیرہ کا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الحج ۲/ ۱۰۱۵، مسند امام احمد ۵/ ۱۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد قبا ہے۔ (درمنثور ۴/ ۲۸۸ التوبہ ۱۰۸)

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تین مسجدوں کے سوا کسی کیلئے رخت سفر نہ باندھو۔ ایک مسجد حرام، دوسری یہ مسجد نبوی، تیسری مسجد اقصیٰ ہے۔

(سنن ابوداؤد کتاب المناسک ۲/ ۵۲۹، صحیح مسلم کتاب الحج ۱/ ۱۰۱۴، صحیح بخاری باب فضل الصلوۃ فی مسجد مکہ والمدینہ ۱/ ۵۳)

(اس سے مطلقاً سفر یا کسی بزرگان دین کے عرس یا حضور سید عالم ﷺ کے روضہ کی زیارت کیلئے خصوصیت کے ساتھ سفر کرنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ ہر اس سفر کی ممانعت ہے جو ان تین کے سوا نیت عبادت سے سفر کیا جائے روضہ مقدسہ اور اعراس اولیاء وغیرہ کیلئے سفر بہ نیت عبادت نہیں ہوتا بلکہ زیارت کیلئے ہوتا ہے جو مستحب ہے مترجم غفرلہ)

اس سے پہلے ہم دخول مسجد کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے متعلق احادیث بیان کر چکے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْہِہِ الْکَرِیْمِ وَسُلْطَانِہِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

(سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ ۱/ ۳۱۸)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کسی کی آواز سنی تو بولنے

والے کو بلایا۔ پوچھا: تم کس قبیلہ کے ہو؟ کہا۔ قبیلہ ثقیف سے ہوں۔ فرمایا اگر تم مکہ ومدینہ کی بستی کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا بلاشبہ ہماری ان مسجدوں میں آواز بلند کرنے کا حکم نہیں ہے۔
(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ ۱/ ۸۵)

محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ کسی کیلئے جائز نہیں کہ مسجد میں قصداً آواز بلند کی جائے یا ایسی اذیت رساں کوئی چیز لائی جائے جس سے لوگ نفرت کرتے ہوں۔

قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ ''مبسوط'' کے باب فضل مسجد نبوی میں فرماتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم باقی تمام مسجدوں کیلئے بھی ہے۔ قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نمازیوں کو اتنی بلند آواز سے پکارنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو مکروہ ہے۔ اس طرح کے پکارنے میں کسی خاص مسجد کی خصوصیت نہیں۔ مسجد جماعت میں بلند آواز سے لبیک پکارنا بھی مکروہ ہے سوائے مسجد حرام اور مسجد منیٰ کے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا مسجد حرام کے سوا تمام مسجدوں سے ایک ہزار نمازوں سے زیادہ افضل ہے۔
(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ ۱/ ۵۴، صحیح مسلم کتاب الحج ۲/ ۱۰۱۲)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا اس استثناء کے معنی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف مکہ ومدینہ کی باہمی فضیلت کے سلسلہ میں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت میں جو اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بیان کی ہے اور اسے ان کے شاگرد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کے اصحاب کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایک نماز تمام مسجدوں سے بجز مسجد حرام کے ایک ہزار گنا افضل ہے کیونکہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا مکہ میں نماز پڑھنے سے ہزار سے کم افضل ہے۔ ان کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں کی نسبت سو درجہ افضل ہے۔ (مسند حمیدی ۲/ ۴۲۰)

گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھنی نو سو درجے مکہ کی مسجد میں نماز سے افضل ہوئی اور دوسری مساجد کی نسبت ہزار نماز کے برابر ہوئی۔ یہ قول اس پر مبنی ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ یہی قول سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر اہل مدینہ کا ہے۔

لیکن اہل مکہ وکوفہ کا مذہب مسجد مکہ کی افضلیت پر ہے اور یہی قول عطاء بن وہب ابن حبیب

رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور اسے ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے او اوپر کی حدیث کے استثناء کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔

(جو علماء یہ کہتے ہیں کہ) مسجد حرام میں نماز افضل ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل بیان کیا ہے۔

(مسند امام احمد ۳/ ۳۹۷ـ۳۴۳، ابن حبان ۳/ ۷۲)

اس میں یہ ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا میری اس مسجد سے سو درجے افضل ہے اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے اسی کی مثل روایت کیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا بہ نسبت اس کے باقی تمام مساجد سے ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔

اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی جگہ روئے زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے (بلکہ کعبہ وعرش سے بھی افضل ہے کذافی الشرح مترجم)

قاضی ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حدیث کا اقتضاء یہ ہے کہ مسجد مکہ تمام مساجد سے حکم میں مختلف ہے۔ اس سے اس کا حکم مدینہ کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ یہ تفضیل (فضیلت) صرف فرض نماز میں ہے اور مالکیوں میں سے مطرف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ تفضیل نوافل میں بھی ہے، کہا کہ وہاں کے جمعہ کا ثواب دیگر مقامات کے جمعہ اور وہاں کے رمضان کا ثواب دوسری جگہ کے رمضان سے افضل ہے۔ (مجمع الزوائد ۳/۱۴۵)

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں رمضان مبارک اور دیگر عبادات کی فضیلت کے بارے میں اسی کے مثل ایک حدیث بیان کی ہے۔ (مجمع الزوائد ۳ صفحہ ۱۴۵)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے حجرۂ شریفہ اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۵۴، صحیح مسلم کتاب الحج ۲/ ۱۰۱۱)

حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اتنا زیادہ کیا کہ میرا منبر، میرے حوض پر واقع ہے۔ (موطا امام مالک باب جاء فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم/ ۱۶۰)

دوسری حدیث میں ہے کہ میرا منبر جنت کے درجوں میں سے ایک درجہ پر ہے۔

(موطا امام مالک باب جاء فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم/ ۱۶۰)

طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ بیت (گھر وحجرہ) سے مراد وہ ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکونت پذیر رہے اور یہ ظاہری معنی ہیں باوجودیکہ مروی ہے جو حدیث میں

بیان ہوا کہ ''میرے حجرے اور میرے منبر'' دوسرے معنی یہ کہ بیت سے مراد قبر انور ہے۔ یہ قول زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کا ہے جیسا کہ اس حدیث میں مروی ہے کہ ''میری قبر اور میرے منبر کے درمیان اس کے بعد طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہے تو ساری روایتیں متفق ہوئیں۔ ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ رہا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ شریفہ میں ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تھا۔ اب رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ''میرا منبر میرے حوض پر ہے''۔ ایک قول کی بنا پر ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بعینہ وہ منبر جو دنیا میں ہے مراد ہو اور یہ زیادہ ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں پر منبر ہو گا۔ تیسرے یہ کہ حضور کے منبر کی طرف قصد کرنا اور اس کے سامنے یا متصل اعمال صالحہ کی بجا آوری کیلئے حاضر ہونا یہ حوض پر لے آئے گا اور اس سے پانی پینا واجب کر دے گا۔

باجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ''رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ'' میں دو معنی کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ وہ دخول جنت کو واجب کرتا ہے اور یہ کہ اس جگہ دعا مانگنا، نماز پڑھنا، اس ثواب کا مستحق کر دیتا ہے جو مروی ہے کہ ''جنت تلواروں کے سایہ میں ہے'' دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ بعینہٖ یہ بقعہ طاہرہ جنت میں منتقل فرما دے گا جیسا کہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت صحابہ سے مروی ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص مدینہ کی سختیوں پر صبر کرے گا میں اس کا بروز قیامت گواہ یا شفیع ہوں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جو مدینہ سے چلا گیا تھا کہ درحقیقت مدینہ ہی ان کیلئے بہتر تھا۔ اگر انہیں معلوم ہوتا اور فرمایا: مدینہ بھٹی کی مثل ہے جو میل و گند کو جلاتی ہے اور طیب و طاہر بناتی ہے اور فرمایا: مدینہ سے کوئی خوشی و رغبت سے نہیں نکلے گا لیکن اللہ تعالیٰ اس سے بہتر شخص کو وہاں لے آئے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص دونوں حرم میں سے کسی ایک میں حج یا عمرہ کرتا ہو امر گیا اللہ تعالیٰ روز قیامت بلا حساب و کتاب و عذاب اٹھائے گا دوسری سند سے ہے کہ وہ بروز قیامت مامون لوگوں میں محشور ہوگا۔

(صحیح مسلم کتاب الحج ۹۹۲/۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو اس کی استطاعت رکھتا ہے کہ وہ مدینہ میں مرے تو وہیں اسے مرنا چاہئے کیونکہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ الَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا (اِلٰى قَوْلِه) اٰمِنًا۔ (ال عمران ۹۷۔۹۶)

ترجمہ بیشک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کیلئے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑا برکت والا۔ (آخر

آیت تک)

بعض مفسرین نے فرمایا: نار جہنم سے وہ محفوظ رہے گا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص جس نے حرم سے باہر آگ کو طلب کیا اور جہالت کے زمانہ کی نئی باتیں پیدا کیں اور اس کی طرف پناہ لے گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مثل ہے کہ:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا۔ (البقرہ ۱۲۵)

ترجمہ اور یاد کرو جب ہم نے بنایا اس گھر (خانہ کعبہ) کو مرکز لوگوں کیلئے اور امن کی جگہ۔

یہ بعض کا قول ہے۔ منقول ہے کہ کچھ لوگ سعدون خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مقام مُنَسْتِیْر میں آئے اور اسے بتایا کہ قبیلہ کتامہ نے ایک آدمی کو مار ڈالا اور اسے جلا دیا۔ وہ ساری رات جلتا رہا مگر اس پر آگ کا کچھ اثر نہ ہوا اس کا بدن ویسا ہی سفید رہا۔ خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شاید اس نے تین حج کئے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ جس نے ایک حج کیا اس نے اپنا فرض ادا کیا اور جس نے دو حج کئے اس نے اپنے رب کو قرض دیا اور جس نے تین حج کئے تو اللہ تعالیٰ اس کے بالوں اور بدن کو آگ پر حرام کر دے گا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف نظر مبارک ڈالی تو فرمایا: تجھے ایک گھر ہونے کی وجہ سے مرحبا، تیری کتنی بڑی عظمت ہے، تیرا کتنا بڑا احترام ہے۔ (مجمع الزوائد ۳/۲۹۲)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی اللہ تعالیٰ سے رکن اسود کے نزدیک دعا مانگے گا اسے ضرور قبول فرمائے گا۔

اسی طرح میزاب (پرنالہ) کے پاس ایک حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس نے مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور بروز قیامت مامون و محفوظ لوگوں میں حشر ہوگا۔ (مناہل الصفا/۲۱۴)

فقیہہ قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی حافظ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی کہ

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالا سناد مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے جو بھی دعا اس ملتزم کے پاس مانگی وہ ضرور قبول ہوگی۔ (سنن بیہقی ۵/۱۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے ملتزم کے پاس جو بھی دعا مانگی ہے وہ قبول ہوئی ہے۔ حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

جب سے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سنا اس مقام پر جو بھی دعا مانگی وہ قبول ہوئی۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت سنی اس مقام پر جو بھی دعا مانگی وہ مقبول ہوئی اور حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے جب یہ سنا تو وہاں جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی اور محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے حمیدی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو ملتزم کے پاس جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی اور ابوالحسن محمد الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو وہاں جو دعا مانگی قبول ہوئی۔ ابو اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ حسن بن رشیق رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں کچھ کہا ہو لیکن میں نے جب سے حسن بن رشیق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی۔ دنیا کے بارے میں قبول کی گئی مگر امید ہے کہ آخرت کے بارے میں بھی ضرور قبول کی جائے گی اور عذری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے ابو اسامہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا مقام ملتزم پر جو دعا مانگی ضرور قبول ہوئی اور ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اس مقام پر بہت سی دعائیں مانگی ہیں۔ کچھ تو مقبول ہوگئی اور جو باقی ہیں اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل سے امید ہے وہ بھی قبول ہوں گی۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس فصل میں ہم نے تھوڑے نکات بیان کئے ہیں اگرچہ ان کا تعلق اس باب سے نہ تھا بلکہ اس فصل سے تھا جو اس سے پہلے گزری مگر فائدے کے تکمیل کی خاطر لکھ دیا۔ واللہ الموفق للصواب برحمۃ۔

قسم سوئم

وہ امور جو آپ ﷺ پر جائز یا ممتنع ہیں اور احوالِ بشریہ کا بیان

اس حصہ میں ان چیزوں کا بیان ہے جو نبی کریم ﷺ کیلئے واجب، محال، جائز یا ممتنع ہیں اور ان کیفیات و حالات بشریہ کا بیان جن کی نسبت آپ کی جانب کرنا صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَامُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ۔ (آل عمران ۱۴۴)

ترجمہ اورنہیں محمد (مصطفیٰ ﷺ) مگر (اللہ کے) رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیے جائیں۔

اور فرماتا ہے:

مَاالْمَسِيْحُ بْنُ مَرْيَمَ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلاَنِ الطَّعَامَ۔ (المائدہ ۷۵)

ترجمہ نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول ﷺ ور ان کی ماں بڑی راست بازتھیں۔ دونوں کھایا کرتے تھے کھانا۔

اور فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلاَّ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطُّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ۔

(الفرقان ۲۰)

ترجمہ اورنہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں۔

اور ارشاد ہوا:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَىَّ۔ (الکہف ۱۱۰)

ترجمہ (اے پیکر رعنائی و زیبائی) آپ فرمائیے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے میری طرف۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام انسان تھے اور انسانوں کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ ان سے جنگ و جدال کی طاقت نہ رکھتے اور نہ وہ ان کی ہدایتیں قبول کرتے اور نہ ان کی جانب توجہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَا رَجُلًا۔ (الانعام۹)

ترجمہ اور اگر ہم بناتے نبی کسی فرشتہ کو تو بناتے اس کو انسان (کی شکل میں)

یعنی وہ فرشتہ بھی انسانوں ہی کی صورت میں ہوتا تاکہ تم اس سے مل جل سکتے کیونکہ تم فرشتے سے جنگ و جدال سرور انس و میلان اور فرشتے کی اپنی صورت دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُوْلًا۔ (الاسریٰ۹۵)

فرمایئے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (ان کی ہدایت کیلئے) ان پر اتارتے اسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر۔

سنت الٰہیہ یہ نہیں ہے کہ فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا جائے مگر یہ کہ وہ رسول ﷺ اس نوع کی جنس میں سے ہو یا وہ شخص ہو جسے اللہ تعالیٰ رسالت کیلئے خاص کر لے اور اس کیلئے برگزیدہ کر کے اسے مقابلہ کی طاقت مرحمت فرما دے جیسے انبیاء و رسل ہیں (صلوات اللہ علیہم اجمعین) پس انبیاء و رسل اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں جو کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے احکام، منہیات اور وعدہ پہنچاتے ہیں اور انہیں وہ باتیں بتاتے ہیں جو وہ نہیں جان سکتے ہیں یعنی اس کے احکام، اس کی تخلیق، اس کا جلال، اس کی ہیبت و جبروت اور اس کی حکومت و ملکوت وغیرہ۔

پس انبیاء علیہم السلام کے ظاہری اعضاء اجسام اور تخلیق انسانی بشری اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اور ان پر وہ تمام باتیں طاری ہوتی ہیں جو انسانی عوارضات کیلئے خاص ہیں۔ مثلاً بیماریاں، موت فنا وغیرہ۔ لیکن ان کی ارواح قدسیہ اور باطنی کیفیات انسانیت کی ان اعلیٰ درجہ کی صفات پر فائز ہوتی ہیں جو ملاء اعلیٰ سے متعلق ہوتی ہیں اور وہ صفات فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں۔ جو ہر قسم کے تغیر و آفات سے منزہ و محفوظ ہیں۔ اکثر حالات میں بشری کمزوریاں اور انسانی ناطاقتی ان تک پہنچ ہی نہیں سکتیں کیونکہ اگر ان کا باطن بھی ان کے ظاہری انسانی اعضاء کی طرح خالص ہوتے تو یقیناً وہ ملائکہ سے (وحی) لینے، ان کو دیکھنے ان سے کلام کرنے اور ان سے میل جول (دوستی و انس) کی طاقت نہ رکھتے جس طرح دوسرے عام انسان و بشر اس کی طاقت نہیں رکھتے اور اگر ان کے اجسام اور ظاہری حالت ملائکہ پر انسانی صفات کے خلاف ہوتے تو ہرگز انسان و بشر اور وہ لوگ جن کی طرف انہیں بھیجا گیا ہے ان سے ملنے جلنے کی طاقت نہ رکھتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں پہلے گزر چکا ہے۔

تو وہ اپنی ظاہری حالت اور اجسام کے لحاظ سے تو بشر و انسان کے مشابہ ہیں لیکن اپنی باطنی حالت اور ارواح کے لحاظ سے ملائکہ کے ساتھ ملتے ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل (دوست) بناتا تو یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میں خلیل و دوست بناتا لیکن یہ اسلامی بھائی ہے۔ تمہارا مصاحب رحمٰن عزوجل کا خلیل ہے۔

اور فرمایا کہ میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے اور فرمایا کہ میں ہرگز تم جیسا نہیں ہوں مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصیام ۳/۴۴،۴۳، صحیح مسلم کتاب الصیام ۲/۷۷۴)

لہٰذا (ثابت ہوا کہ) ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی باطنی حالت (انسانی، بشری حالت سے) پاک و منزہ اور ہر عیب و نقص اور علتوں سے مبرا ہے۔ یہ ایک ایسا مجمل بیان ہے کہ ہر ذی ہمت کیلئے اس کا مضمون ہرگز کفایت نہیں کرے گا بلکہ اکثر لوگ بسط و تفصیل کی ضرورت محسوس کریں گے۔ چنانچہ ہم آگے اس خصوص پر دو باب بیان کرتے ہیں۔ وَھُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلِ۔

پہلا باب

امور دینیہ اور عصمت انبیاء علیہم السلام

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے امور دینیہ اور عصمت کے بیان اور جو اس سلسلہ میں گفتگو وکلام ہے۔ یہ ہے کہ

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ تبوفیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ واضح ہو کہ لوگوں پر جو تغیرات اور آفتیں آتی ہیں وہ اس سے باہر نہیں کہ یا تو بغیر قصد واختیار ان کے جسم وحواس پر طاری ہوتی ہیں۔ جیسے امراض وعوارض وغیرہ یا قصد و اختیار کے ساتھ ہوں گی۔

درحقیقت یہ سب کے سب ہیں تو عمل وفعل لیکن مشائخ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کو تین قسموں پر منقسم کرتے ہیں۔ (۱) عقد بالقلب، (۲) قول باللسان اور (۳) عمل بالجوارح۔

انسان پر جو بھی آفت وتغیر واقع ہوتا ہے خواہ وہ اس کے قصد واختیار سے ہو یا بغیر قصد و اختیار کے ان تین ہی قسموں پر منحصر ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ نوع انسان میں سے بشر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبلت (طبیعت) پر ان باتوں کا اطلاق جائز وممکن ہے جو دیگر انسانوں کی جبلت وطبیعت پر ہوتی ہیں لیکن یقینی طور پر دلائل قاطعہ قائم ہوچکیں ہیں اور کلمہ اجماع پورا ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی جبلت وطبیعت سے باہر ہیں اور ہر اس آفت سے منزہ ومبرا ہیں جو قصد و اختیار کے واقع ہوں۔ جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ ہم بیان کریں گے۔

پہلی فصل

حضور ﷺ کی دلی پختگی

نبی کریم ﷺ کی دلی پختگی اظہار نبوت کے وقت سے ہی تھی۔ چنانچہ ہمیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ معلوم ہونا چاہئے کہ حضور سید عالم ﷺ کو توحید باری، علم و صفات الٰہی، ایمان باللہ اور جو کچھ آپ ﷺ پر وحی کی گئی ان سب پر اعلیٰ درجہ کی معرفت، علم واضح اور یقین کامل حاصل تھا۔ ان میں نہ تو کسی قسم کی جہالت تھی اور نہ شک و شبہ۔ اس معرفت و یقین کے جو مخالف ہوسکتا تھا ان سب سے آپ ﷺ معصوم اور منزہ تھے۔ یہ ایسی بات ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور براہین واضح سے یہ بات صحیح نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا اعتقاد اس کے سوا ہو۔ اب یہ اعتراض بے جا ہے اگر کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مقولہ پر معترض ہو کہ انہوں نے رب تعالیٰ سے عرض کیا کہ

بَلٰی وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔ (البقرہ ۲۶۰)

ترجمہ عرض کی ایمان تو ہے لیکن (یہ سوال اس لیے ہے) تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل

(۱) اس لئے کہ اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی خبروں میں قطعاً شک نہ تھا ان کی مراد تو اطمینان قلب اور مردوں کے مشاہدہ سے متنازعہ کو ختم کرنا تھا ورنہ انہیں اس واقعہ سے پہلے علم حاصل تھا۔ اب ان کیفیات احیاء موتی کے مشاہدہ کے ذریعہ مزید علم کا حصول مقصود تھا۔

(۲) دوسری وجہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی میں اپنی قرب و منزلت معلوم کرنی مقصود تھی اور یہ کہ اس کی بارگاہ الٰہی میں اپنے سوال کی مقبولیت کا علم حاصل کرنا تھا (کہ اپنا مرتبہ پہچانیں) اس وجہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ (کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟) یعنی اے ابراہیم علیہ السلام کیا تم اس مرتبہ اور اپنی اس برگزیدگی و خلت پر یقین نہیں رکھتے جو میری بارگاہ میں ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یقین کی زیادتی اور اطمینان کی تقویت کا سوال کیا اگرچہ انہیں پہلے ہی سے شک نہیں تھا کیونکہ علوم ضروریہ اور نظریہ کبھی اپنی قوت میں بڑھتے رہتے ہیں اور ضروریات میں شکوک کا جاری رہنا محال اور نظریات میں جائز ہوتا ہے۔ لہٰذا نظر یا خبر سے مشاہدہ کی طرف جانے اور علم الیقین سے عین الیقین تک ترقی کرنے کا ارادہ کیا۔ اس لئے کہ خبر ہرگز مشاہدہ کا مقام نہیں رکھتی۔ اسی بنا پر تو سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ انہوں نے آنکھوں سے ظاہری پردے

اٹھا دینے کا سوال کیا تا کہ نور یقین کے ساتھ اپنی اس حالت پر مزید یقین حاصل ہو جائے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ کہ مشرکوں پر اس طرح پر حجت قائم کر دی جائے کہ یوں اللہ تعالیٰ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے اپنے رب سے سوال کیا تا کہ اعلانیہ طور سے ان پر حجت قوی ہو جائے۔

(۵) پانچویں وجہ کہ بعض کا قول ہے کہ ان کا یہ سوال بطریق ادب تھا لیکن مراد یہ تھی کہ اے خدا تو مجھے مردے زندہ کرنے کی قدرت مرحمت فرما اور ''لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ'' سے یہ مراد تھی کہ میرا دل اس تمنا سے تسلی پائے۔

(۶) چھٹی وجہ یہ کہ انہوں نے اپنے دل میں شک دیکھا۔ حالانکہ انہیں شک نہ تھا مگر یہ کہ اس طرح پر شک دور کر کے قرب مزید کا حصول ہو جائے۔

اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نَحْنُ اَحَقُّ بِالْشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِیْم (ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کے زیادہ مستحق ہیں) یہ در حقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک کی نفی ہے اور کمزور طبیعتوں کی مقام معرفت سے دوری ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ایسے گمان کی نسبت کریں۔

مطلب یہ کہ ہم اٹھائے جانے اور اللہ تعالیٰ کے احیاء موتی پر یقین رکھتے ہیں۔ پس اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا تو یقیناً ہم ان سے زیادہ شک کریں گے یہ بطریق ادب فرمایا اس سے آپ کی وہ امت مراد ہے جن پر شک جائز ہے یا بطریق تواضع و شفقت فرمایا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو ان کی اپنی حالت کی آزمائش یا یقین کی زیادتی پر محمول کیا جائے۔

اس کے بعد اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ۔ (یونس ۹۴)

ترجمہ اور (اے سننے والے) اگر تجھے کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے (اپنے نبی کے ذریعے) تیری طرف اتارا ہے۔

اے پڑھنے والے تو اس سے خوفزدہ رہ اور تیرے دل کو اللہ تعالیٰ مضبوط رکھے کہ تیرے دل میں اس خطرے کی گنجائش نکلے جو بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا کہ جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے بارے میں (معاذ اللہ) شک کا اثبات ہے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اس قسم کے خطرات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اطلاق ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے بارے میں ہرگز شک نہیں کیا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کسی سے استفسار کیا۔ (تفسیر درمنثور ۴/ ۳۸۹ یونس ۹۴)

اسی طرح ابن جبیر اور جریج رحمہما اللہ سے مروی ہے جسے قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ کبھی مجھے شک گزرا اور نہ اس بارے میں کسی سے دریافت کیا۔

(تفسیر درمنثور ۴/ ۳۸۹ یونس ۹۴)

بالعموم مفسرین اسی قول پر ہیں۔ البتہ مفسرین نے اس کے معنی میں کئی قول بیان کئے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم شک کرنے والوں کو فرما دیجئے اگر تم شک کے مریض ہو تو ...... الآیۃ۔ مفسرین نے کہا کہ اس سورۃ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس تاویل پہ دلالت کرتی ہو اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ۔ (یونس ۱۰۴)

ترجمہ اے لوگو اگر تمہیں کچھ شک ہو میرے دین کے بارے میں۔

اس تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس میں اہل عرب کو خطاب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں ہے۔ جیسا کہ خود ہی فرمایا:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ۔ (الزمر ۶۵)

ترجمہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال۔

اگرچہ اس آیت میں مخاطب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر مراد حضور کے سوا ہیں۔ اسی کے مثل یہ قول باری ہے۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰؤُلَاءِ۔ (ھود ۱۰۹)

ترجمہ: تو (اے سننے والے!) نہ ہو جاؤ شک میں ان کے متعلق جن کی یہ پوجا کرتے ہیں۔

اس طرح کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت ہیں۔

بکر بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تم نے یہ نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ (یونس ۹۵)

ترجمہ اور ہرگز نہ ہونا ان لوگوں سے جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو۔

حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ ہیں کہ جس دعوت کی تبلیغ فرماتے ہیں یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مکذبین کی ہمنوائی کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ یہ تمام دلیل اس بات پر شاہد ہے کہ بظاہر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے لیکن

دوسرے لوگ مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا۔ (الفرقان ۵۹)

وہ رحمٰن ہے سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال سے۔

ایسا جنہیں حکم دیا جا رہا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے سوا لوگ ہیں تا کہ وہ حضور ﷺ سے سوال کریں اور نبی کریم ﷺ تو خبر دینے والے اور مسئول عنہ ہیں نہ کہ خبر طلب کرنے والے اور سوال کرنے والے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ شک جس کے ساتھ غیر نبی کو ان لوگوں سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا جو کتاب پڑھتے ہیں سو وہ اس بارے میں ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے قصہ بیان کیا ہے یعنی امتوں کی خبریں وغیرہ نہ کہ وہ امر جس کی طرف آپ کو بلایا ہے یعنی توحید و شریعت۔ اسی کے مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا۔ (الزخرف ۴۵)

ترجمہ اور آپ پوچھیے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے۔

عُتبیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بموجب بظاہر خطاب حضور ﷺ سے ہے لیکن مراد مشرکین ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ہم سے ان نبیوں کے بارے میں دریافت کرو جو آپ سے پہلے ہم نے بھیجے ہیں یہاں خافض (یعنی حرف جر عن مَنْ اَرْسَلْنَا میں) محذوف ہے اور کلام پورا ہوگیا۔ پھر شروع کیا کہ

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ۔ (الزخرف ۴۵)

کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمٰن کے علاوہ

یہ بطریق انکار ہے یعنی ہم نے نہیں کیا۔ اسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم فرمایا گیا کہ شب معراج انبیاء علیہم السلام سے اس بارے میں استفسار فرمائیں۔ مگر آپ کا یقین اس سے زیادہ پختہ تھا کہ آپ ﷺ ان سے استفسار کے محتاج ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں سوال نہیں کروں گا مجھے اسی پر یقین ہے۔

اسے ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ ہمارے رسولوں کی امتوں سے دریافت کیجئے کیا وہ بغیر توحید کے آئے تھے۔ اسی معنی میں مجاہد، سدی، ضحاک اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔

اسی آیہ کریمہ اور ماقبل کی آیت کے معنی و مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ کو یہ آگاہ فرمانا تھا کہ اسی کے ساتھ تمام رسول علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم نہیں

دیا۔ دراصل اس میں مشرکین عرب وغیرہ کا رد فرمانا مقصود ہے کہ وہ کہتے تھے کہ

مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (الزمر ۳)

ترجمہ ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○

(الانعام ۱۴۴)

ترجمہ اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ (اچھی طرح) جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) اتارا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تو (اے سننے والے!) ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے۔

مطلب یہ کہ ان کے علم میں یہ شک ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ نہیں۔ اگر چہ وہ زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے ہیں۔ اس سے حضور ﷺ کا شک مراد نہیں ہے جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہوا اور ممکن ہے یہ آیت بھی پہلے معنی کی طرح حامل ہو۔

یعنی اے حبیب ﷺ! آپ ﷺ ان لوگوں سے فرما دیں جو اس میں شک و تردد رکھتے ہیں کہ تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اس پر پہلی آیت دلیل بن جائے گی۔ ارشاد ہوا:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا۔ (الانعام ۱۱۴)

ترجمہ (آپ ﷺ ان سے پوچھئے) کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور منصف۔

بلاشبہ نبی کریم ﷺ اس طرح پر دوسروں کو خطاب فرما رہے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ تقریر و بیان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (المائدہ ۱۱۶)

ترجمہ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا۔

یقیناً انہیں معلوم تھا کہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم کو تو شک نہیں ہے۔ پس سوال کرو تمہارا اطمینان و علم اپنے علم و اطمینان کے ساتھ زیادہ ہو جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اگر تم کو اس بارے میں شک ہے کہ جو ہم نے تم کو شرافت و فضیلت عنایت فرمائی تو ان سے اپنی صفت اور فضیلت کے بارے میں سوال کرو جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ سے مراد آپ ﷺ کے غیر وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے اتارا ہے۔ اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں کہ

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا۔ (یوسف ۱۱۰)

ترجمہ جب (نصیحت کرتے کرتے) مایوس ہوگئے اور وہ منکرین گمان کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ اس کے وہ معنی ہیں جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ معاذ اللہ کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے یہ گمان کریں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب مایوس ہوگئے تو گمان کیا کہ وہ متبعین جنہوں نے ان سے مدد کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔ اسی قول پر اکثر مفسرین ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ظَنُّوْا کی ضمیر متبعین اور امتوں کی طرف راجع ہے نہ کہ انبیاء و رسل کی طرف۔

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اور نخعی، ابن جبیر رحمہما اللہ اور ایک جماعت علماء کا ہے۔ اسی معنی کی رعایت سے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے كَذَّبُوْا (فتح کے ساتھ) پڑھا ہے اس کے بعد اب تیرا دل کسی شاذ تفسیر کی طرف راغب نہیں ہونا چاہئے۔ جب یہ علماء کے منصب کے لائق نہیں تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیونکر درست ہوسکتا ہے۔ اسی طرح جو سیرت کی حدیث اور ابتداء وحی کے حال میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ "میرے دل میں خوف گزرا تھا"۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر ۱۴۳/۶ صحیح مسلم کتاب الایمان ۱۳۹/۱)

اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ کو فرشتہ کی روایت کے بعد اللہ تعالیٰ جو آپ کو عطا فرمائے گا اس میں کوئی شک تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ خشیت قوت تحمل و برداشت مقابلہ و ملک اور تنزیل وحی کی وجہ سے ہو کہ شاید کہ قلب اطہر برداشت نہ کر سکے یا جان چلی جائے۔ یہ اس روایت کی تاویل ہے جو صحیح حدیث میں وارد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرشتہ کی ملاقات کے بعد فرمائی یا یہ کہ فرشتہ کی ملاقات اور اللہ تعالیٰ کی نبوت سے اطلاع کی خبر دینے سے پہلے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عجائبات پیش ہو رہے تھے کہ شجر و حجر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوابیں اور بشارتیں آنی شروع ہوئیں۔ اس وقت فرمایا ہو۔ جیسا کہ اسی حدیث کی دیگر سندوں میں مذکور ہے کہ یہ باتیں پہلے تو خواب میں ہوئیں اس کے بعد بیداری میں۔ اسی طرح دوبارہ دکھائی گئیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یکدم اعلانیہ اور بالمشافہ دیکھنے سے گھبراہٹ نہ پیدا ہو اور خلقت بشری کی بنا پر ممکن ہے کہ برداشت نہ فرما سکیں۔

حدیث صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتداء جو ہوئی تو رویائے صادقہ (سچی خواب) سے ہوئی۔ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی (خلوت) محبوب

ہوگئی۔فرماتی ہیں یہاں تک کہ حق (قرآن یا فرشتہ یا وحی) غار حرا میں آنے لگا آخر حدیث تک۔

(صحیح بخاری کتاب بدء الوحی ۱/۳ صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۱۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پندرہ سال قیام پذیر رہے آواز سماعت فرماتے اور سات سال تک صرف روشنی ملاحظہ فرماتے کچھ اس میں نظر نہ آتا اور آٹھ سال تک آپ پر وحی کی گئی۔ (طبقاب ابن سعد کمانی مناہل الصفام ۲۱۵)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صحابی سے روایت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور قریبی مقام غار حرا کا ذکر کیا۔فرمایا کہ پس میرے پاس فرشتہ آیا درانحالیکہ میں سورہا تھا۔ مجھ سے کہا: اِقْرَاءْ (پڑھو) میں نے کہا: مَا اقْرَاءُ (میں نہیں پڑھوں گا) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی مثل بیان کیا کہ فرشتہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چپٹایا اور قرات کرائی کہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ (العلق ۱) تین مرتبہ ایسا کیا۔

فرماتے ہیں پھر وہ فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا اور میں نیند سے بیدار ہوگیا گویا کہ وہ سورت میرے دل نشین ہوگئی۔ حالانکہ میرے نزدیک شاعر اور دیوانہ پن سے بڑھ کر کوئی مبغوض نہ تھی۔ میں نے خیال کیا کہیں قریش مجھ سے ہمیشہ ایسا گمان کرنے لگیں اگر قریش نے ایسا گمان کیا تو یقیناً میں کسی بلند و بالا پہاڑی پر چڑھ کر اپنے کو گرا کر ہلاک کرلوں گا۔ میں ایسا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ آسمان سے ایک ندا سنی:

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور میں جبریل علیہ السلام ہوں۔ اس وقت اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ مرد کی صورت میں جبریل علیہ السلام ہیں اور حدیث کو بیان کیا۔ (للبیھقی فی الدلائل النبوہ ۲/ ۱۴۷، ۱۴۸)

اس کے بعد (راوی حدیث حضرت اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے) بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا یا جو ارادہ کیا وہ تو اس وقت کا حال ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبریل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت سے خبردار اور اس کے اظہار اور رسالت کے ساتھ سرفرازی کی خبر سے مطلع فرمانے سے پہلے کی بات تھی۔

اور اسی طرح عمرو بن شرجیل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب میں خلوت میں تنہا ہوتا ہوں تو ایک ندا سنتا ہوں اور مجھے خوف ہے خدا کی قسم کہ یہ کوئی خاص بات ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۱۵۸)

حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میں ایک آواز سنتا ہوں اور ایک (خاص قسم کی) روشنی دیکھتا ہوں مجھے خوف ہے کہ یہ کہیں میرا جنون

نہ ہو۔ (مجمع الزوائد ۸/۲۵۵)

اس کی اس طور پر تاویل کی جائے گی کہ آپ کا قول جو ان بعض احادیث میں ہے چونکہ ایسی باتیں شاعر اور مجنون سے بہت دور ہوتی ہیں اور اس میں ایسے الفاظ ہیں جن سے شک کے معنی اس امر کی تصحیح میں جس کو آپ نے دیکھا سمجھے جاتے ہیں (اس کی یوں تاویل کریں گے) یہ تمام باتیں اس وقت کی ہیں جب کہ آپ ﷺ نے ابھی فرشتے سے ملاقات نہ فرمائی تھی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ دی تھی کہ آپ ﷺ اس کے رسول علیہ السلام ہیں اور ان الفاظ کے بعض طریقے صحیح نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اطلاع اور فرشتے کی ملاقات کے بعد اس میں اصلاً شک نہ ہوا تھا اور اس پر شک جائز بھی نہیں ہے۔ جو آپ ﷺ پر القاء (وحی) فرمائی گئی تھی۔

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھ میں منتر تھا نزول قرآن سے پیشتر منتر کیا جاتا تھا جب قرآن پاک نازل ہوا اور آپ ﷺ کو وہی (آنکھ کی) تکلیف ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں اس شخص کو بھیجوں جو آپ ﷺ پر منتر کرے۔ فرمایا: اب کوئی ضرورت نہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ انہوں نے اپنا سر کھول کر جبریل علیہ السلام کا امتحان لیا۔ (آخر حدیث تک) (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/۱۵۲)

تو یہ حدیث صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حق میں خاص ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صحت کی تحقیق کی آیا کہ جو شخص آپ ﷺ کے پاس آتا ہے وہ جبریل علیہ السلام ہی ہے۔ (یا کوئی اور) سو ان کا شک جاتا رہا۔ یہ اس لئے نہ تھا کہ انہوں نے یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ کیلئے کیا تھا اور یہ کہ اس طرح پر آپ ﷺ کے حال کی خبر چاہی تھی بلکہ عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں جو کہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ورقہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ تم اس معاملہ کا اس طرح پر امتحان کرو۔

(کمافی مناہل الصفا/۲۱۶)

اور اسماعیل بن ابوحکیم رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اے ابن عم کیا آپ ﷺ یہ کر سکتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کے صاحب (جبریل علیہ السلام) آئیں تو آپ ﷺ مجھے فرما دیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور جب آئے تو آپ ﷺ نے ان کو خبر دی۔ تب انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ میرے پہلو میں بیٹھیں اس کے بعد پوری حدیث بیان کی اس حدیث میں یہ ہے۔ (ابونعیم فی الدلائل النبوۃ ۱/۲۱۷ بیہقی فی الدلائل النبوۃ ۲/۱۵۲)

کہ اے ابن عم! یہ شیطان نہیں فرشتہ ہی ہے آپ ﷺ ثابت قدم اور خوش رہئے اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ یہ بات تو اس کی پختہ دلیل ہے کہ انہوں نے یہ جو کچھ کیا اپنے لئے طلب ثبوت تھا۔ اسی طرح وہ اپنے ایمان کو مضبوط کرنا چاہتی تھیں نہ کہ یہ نبی کریم ﷺ کیلئے تھا۔

انقطاع وحی (وحی کا نہ آنا)

انقطاع وحی میں معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہماری معلومات کی حد تک اس کا اتنا غم کیا کہ کئی مرتبہ عزم کیا کہ بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ کر گر پڑیں۔ وہ اس کی اصلیت میں قدح نہیں کرتے کیونکہ معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے ہماری معلومات کی حد تک۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۱۳۷)

انہوں نے اس کی نہ تو حضور ﷺ تک اسناد کی ہے اور نہ اس کے راوی بیان کئے ہیں اور نہ اس کا ذکر کیا جس نے یہ حدیث بیان کی ہے اور نہ یہ کہا کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور اس قسم کی روایت نبی کریم ﷺ سے معروف ہے باوجودیکہ اس کا احتمال ہوسکتا ہے کہ یہ ابتداء امر کی بات ہو۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ یا یہ کہ آپ ﷺ نے یہ اس لئے کیا کہ آپ کو ان لوگوں نے پریشان کیا ہو جن کو آپ ﷺ نے تبلیغ فرمائی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ (الکہف ۶)

ترجمہ تو کیا آپ (فرط غم سے) تلف کر دیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس (قرآن کریم) پر افسوس کرتے ہوئے۔

اس تاویلی معنی کی تصحیح وہ حدیث بھی کر رہی ہے جسے شریک رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عبداللہ بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مشرکین مکہ جب دارالندوہ میں مشاورت کیلئے جمع ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے متعلق انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ سب کہیں کہ (معاذ اللہ حضور ﷺ) ساحر ہیں۔ (درمنثور ۸/ ۳۱۱ المزمل ۱)

یہ بات آپ ﷺ پر غایت درجہ گراں خاطر ہوئی اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے اور بدن اقدس کو کپڑوں سے ڈھانپ لیا۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور تلاوت کی کہ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (اے چادر لپیٹنے والے) يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (اے چادر لپیٹنے والے) یا یہ کہ انقطاع وحی کا سبب کسی ایسے

سبب سے نہ ہو جس کا مسدور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ہو تو اس سے خائف ہوئے کہ یہ انقطاع وحی کہیں خدا کی جانب سے بطور مواخذہ نہ ہو تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ارادہ کیا حالانکہ اس وقت تک شریعت میں ایسے خیال کرنے کی بھی ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی۔ جس کی بنا پر کوئی اس پر اعتراض لازم آسکے۔

اسی سلسلہ میں سے حضرت یونس علیہ السلام کا اس اندیشہ سے بھاگنا کہ کہیں ان کی قوم ان کی تکذیب نہ کرے۔ جو کہ انہوں نے عذاب الٰہی کا وعدہ اپنی قوم سے کیا تھا اور حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ

فَظَنَّ اِنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ۔ (الانبیاء ۸۷)

اور یہ خیال کیا کہ ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کریں گے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ ہم ان پر سختی نہ فرمائیں گے۔ اس میں مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ انہوں نے اپنے فرار (چلے جانے میں) میں رحمت الٰہی کی خواہش سمجھی کہ ان کے چلے جانے سے اللہ تعالیٰ ان کی قوم پر تنگی نہ فرمائے گا اور بعض کا قول ہے کہ انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان کی قوم پر وہ عذاب لائیں گے جس میں ان کی قوم مبتلا کی گئی۔ نَقْدِرَ کو نُقَدِّرَ (دال کی تشدید کے ساتھ) بھی پڑھا ہے۔ یعنی انہوں نے گمان کیا ہم ان پر یہ عذاب مقدر نہ کریں گے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کے فرار اور غصہ پر مواخذہ نہ کریں گے اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی یہ کئے کہ اَفَظَنَّ کیا انہوں نے گمان کیا یعنی یہ کلام بطور استفہام صادر ہوا ہے اور ہمزہ استفہام تخفیف کیلئے محذوف ہے (یہ مسلمہ امر ہے کہ) کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی نبی علیہ السلام پر یہ گمان کرے کہ نبی اپنے رب کی صفات میں سے کسی صفت سے ناواقف ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ

اِذْهَبَ مُغَاضِبًا۔ (الانبیاء ۸۷)

جب وہ چل دیا غضبناک ہو کر

اور صحیح تفسیر یہی ہے کہ وہ اپنی قوم سے ان کے کفر کی بنا پر ناراض ہو کر چلے گئے یہی قول ابن عباس، ضحاک رضی اللہ عنہما وغیرہ کا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے رب سے ناراض ہو کر چلے گئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے ناراضگی تو اس سے عداوت و بغاوت ہے اور اللہ تعالیٰ سے عداوت کفر ہے۔ یہ تو مسلمانوں کیلئے بھی جائز نہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنی قوم سے حیا

کی وجہ سے چلے گئے کہ انہیں کوئی جھوٹا نہ کہہ دے یا انہیں قتل نہ کر دے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ کسی بادشاہ سے اس بات پر ناراض ہو کر چلے گئے کہ اس کو جو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی علیہ السلام کی وساطت سے حکم الٰہی بجا لانے کا حکم دیا تھا (اور اس نے ان کی نافرمانی کی تھی) تو اس سے حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے فلاں نبی علیہ السلام اس (بادشاہ) پر زیادہ قوی ہے تو اس نے ان پر سختی کی تو وہ اس بنا پر ناراض ہو کر چلے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی نبوت کی بعثت اس کے بعد ہوئی کہ مچھلی نے ان کو اپنے شکم سے باہر نکال دیا تھا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيمٌ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ وَّ اَرْسَلْنَاهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ۔

(الصفت ۱۴۵۔۱۴۶۔۱۴۷)

ترجمہ پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے اور (ان کی حفاظت کیلئے) ہم نے لگا دی کدو کی بیل اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ لوگوں کی طرف۔

اور اس سے بھی استدلال کیا کہ

وَلَاتَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ (القلم ۴۸)

اور نہ ہو جایئے مچھلی والے کی مانند۔

اس کے بعد قصہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَاجْتَبَاهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ (القلم ۵۰)

ترجمہ پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے۔

پس واقعہ قبل نبوت کا ہے۔

اور اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ میرے دل پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ (جس کی وجہ سے میں) اپنے رب سے استغفار دن میں سو مرتبہ کرتا ہوں اور ایک روایت میں ہے ستر مرتبہ سے زیادہ ہر دن کرتا ہوں۔

تو اے پڑھنے والے! تو اس وسوسہ سے اپنے کو محفوظ رکھ تاکہ تیرے دل میں یہ خیال گزرے کہ یہ "غین" وسوسہ یا شک ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں گزرتا ہے نہیں بلکہ اس جگہ "غین" سے مراد وہ شے ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ابو عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ "غین" غین السما (آسمان کے بادل) سے مشتق ہے۔ وہ ایک ابر کا ٹکڑا ہے جو آسمان پر چھا جاتا ہے۔

دوسروں نے کہا کہ ''غین'' ایک ایسی شے ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے مگر اسے چھپاتی نہیں جیسے ہلکا بادل جو ہوا میں چھا جاتا ہے لیکن آفتاب کی شعاع کو روکتا نہیں ہے۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ آپ ﷺ کے قلب اقدس پر ہر دن سو مرتبہ یا ستر مرتبہ سے زیادہ غین طاری ہوتا ہے کیونکہ لفظ مذکور جس کو ہم نے بیان کیا اس کا مقتضی نہیں ہے اور وہی اکثر روایتوں میں آیا ہے۔ اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ یہ تعداد استغفار کی ہے نہ کہ غین کی۔

نبی کریم ﷺ کیلئے اس غین سے مراد غفلات قلبی، فترات نفسانی اور سہو انسانی ہے جو بوقت ذکر و مشاہدۂ حق آپ پر بوجہ مقاسات بشری، سیاست امت، شفقت اہل و عیال، مقارمت دوست و دشمن، مصالحت نفس کی وہ کلفتیں جو خاص آپ ﷺ کو عطا ہوئیں، ادائے رسالت، حمل امانت وغیرہ ہو۔

آپ ﷺ ان سب حالتوں میں اپنے رب کی طاعت اور اپنے خالق کی عبادت ہی میں مشغول رہتے تھے لیکن چونکہ آپ ﷺ کا مرتبہ ومقام بارگاہ الٰہی میں تمام مخلوق سے زیادہ ارفع واعلیٰ تھا اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے زیادہ تھی اور آپ ﷺ کی وہ حالت جب کہ آپ ﷺ کا قلب مبارک ملاحظہ غیر سے خالی ہوتا اور آپ ﷺ کی ہمت رفیع اس کے ماسوا سے فارغ ہوتی اور آپ ﷺ اپنے رب کے ساتھ متفرد اور ہمہ تن ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوتے اور آپ ﷺ کی وہ حالت ان دونوں حالتوں سے رفیع تر ہوتی تھی۔ تو آپ ﷺ اس حالت فترت اور شغل بالغیر کو اپنی حالت رفیعہ اور مرتبت جلیلہ کا نقصان اور انحطاط خیال فرماتے۔ اس بنا پر آپ ﷺ اپنے رب سے استغفار کرتے تھے۔

اس حدیث کے معنی ومفہوم کے بیانات میں سے یہ معنی ومفہوم سب سے زیادہ قوی اور مشہور تر ہے۔ اسی معنی مذکورہ کی طرف اکثر علماء کا میلان ہے۔ اگرچہ وہ اس کے اردگرد گردش کرتے رہے ہیں لیکن جو بیان ہم نے کیا ہے اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ بلاشبہ ہم نے اس کے گہرے معنی کو فہم سلیم کے قریب کر دیا ہے اور اس شخص کیلئے جو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے بلکل روشن کر دیا ہے۔ یہ تاویل اور توجیح اس پر مبنی ہے کہ طریق تبلیغ کے سوا اور امور میں انبیاء کرام علیہم السلام پر سہو ونسیان اور غفلت کا طاری ہونا جائز ہے جیسا کہ عنقریب آنے والا ہے۔

اور ارباب باطن ومشائخ تصوف کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس فہم کی غفلت اور فترت سے بھی مبرا اور منزہ ہیں ان کا مذہب ہے کہ اس سے وہ غم وانکار مراد ہیں جو کہ وفور شفقت وراحت کی وجہ سے امت کیلئے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر وارد ہوتے رہتے تھے۔

مطلب یہ کہ آپ ﷺ یہ استغفار ان کیلئے فرماتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث مذکور میں ''غین'' سے مراد سکینہ واطمینان ہو جو کہ آپ کے قلب سلیم کو حاصل ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ۔ (الفتح ۲۶)

تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے رسول (مکرم) پر۔

اس توجیح پر آپ ﷺ کا استغفار کرنا اظہار عبودیت و احتیاج رب کیلئے ہوگا۔ ابن عطا رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ ﷺ کا استغفار فرمانا تعلیم امت کیلئے ہے تا کہ انہیں استغفار میں رغبت ہو علاوہ بریں دوسروں نے بھی کہا کہ اس سے مقصود بچاؤ کی دریافت اور جائے امن کی طرف میلان ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''غین'' سے مراد حالت خشیت اور وہ عظمت الٰہی مراد ہو جو آپ ﷺ کے قلب اطہر پر وارد ہوتی ہو ایسی حالت میں ادائے شکر اور التزام عبودیت کیلئے استغفار فرماتے ہوں جیسا کہ عبادت کے (دوام) پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں شکر گزار خدا کا بندہ نہ بنوں۔ انہیں آخری وجوہات پر وہ حدیث محمول ہے جو اس حدیث کی دوسری سندوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے دل میں ایک خاص حالت دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ اگر تم یہ دریافت کرو کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے جو یہ فرمایا تو اس کا کیا مطلب ہے کہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ۔ (الانعام ۳۵)

ترجمہ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو جمع کر دیتا انہیں ہدایت پر تو آپ نہ ہو جائیں ان سے جو (حقیقت کا) علم نہیں رکھتے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ

فَلَا تَسْئَلْنِ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ۔ (ھود ۴۶)

ترجمہ پس نہ سوال کیا کرو مجھ سے جسکا تجھے علم نہ ہو میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو جانا نادانوں سے۔

تو واضح ہونا چاہئے کہ اس بارے میں اس قائل کی طرف توجہ نہ کی جائے گی جو ہمارے نبی ﷺ کے بارے آیت کی تفسیر میں کہتا ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو اس سے جاہل ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہ آپ علیہ السلام ان میں سے نہ بنیں جو اس سے جاہل ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے کیونکہ فرماتا ہے:

اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔ (ھود ۴۵)

یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے۔

اس تفسیر کی طرف التفات اس لئے نہ ہوگا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں ایک صفت (معاذاللہ) ''جہل'' کا اثبات ہوتا ہے جس کا صدور انبیاء علیہم السلام کی طرف سے جائز نہیں اور مقصود تو ان کو نصیحت کرنا ہے کہ وہ اپنے امور میں جاہلوں کی روش کی مشابہت نہ کریں۔ جیسا کہ فرمایا: اِنِّیْ اَعِظُكَ (میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں) اور ان آیتوں میں کوئی دلیل اس پر نہیں ہے کہ وہ اس صفت پر تھے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا بھلا یہ کیسے ان سے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ آیت نوح علیہ السلام اس سے پہلے ہے۔

فَلَا تَسْئَلْنِ مَالَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ (ھود ۴۶)

پس نہ سوال کیا کرو مجھ سے جس کا تجھے علم نہ ہو۔

لہٰذا اس کے مابعد کو ماقبل پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا مثل اذن کا محتاج ہوتا ہے اور ابتداء میں اس کا سوال کرنا جائز ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع فرمایا جسے اس کا علم حاوی اور اس کا غیب اس پر طاری جو ایسا سبب تھا جس میں ان کے بیٹے کی ہلاکت تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت یہ بتا کر پوری فرما دی کہ

اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ۔ (ھود ۴۶)

ترجمہ وہ تیرے گھر والوں سے نہیں کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں۔

یہ معنی مکی رحمت اللہ علیہ نے بیان کئے۔ اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کی روگردانی پہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لزوم صبر کی تلقین فرمائی تاکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنگ دل نہ ہوں کہ لاعلمی میں کہیں شدت کی ساتھ افسردگی نہ فرمائیں۔ اسے ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے یعنی تم لوگ جاہلوں میں سے نہ بنو۔ اسے ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کہا: قرآن میں اس کی مثالیں بکثرت ہیں اور اسی فضیلت کی بنا پر نبوت کے بعد قطعی طور پر انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا قائل ہونا ضروری ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ جب تم نے انبیاء علیہم السلام کی اس سے عصمت ثابت کی اور یہ کہ ان پر ان باتوں میں اسے کچھ بھی جائز نہیں تو پھر اس وقت اللہ تعالیٰ کی اس وعید کے کیا معنی ہوں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے فرمائی اگرچہ ایسا کریں۔ چنانچہ فرمایا:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ۔ (الزمر ۶۵)

ترجمہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال۔

اور فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ۔ (یونس ۱۰۶)

ترجمہ اور نہ عبادت کر اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔

اور فرمایا:

اِذًا لَّاَذَقْنَاكَ ضِعْفَا الْحَیٰوۃِ۔ (الاسراء ۷۵)

ترجمہ (بفرض محال اگر آپ ﷺ ایسا کرتے) تو اس وقت ہم آپ کو چکھاتے دوگنا عذاب دنیا میں۔

اور فرمایا:

لَاَخَذْنَا بِالْیَمِیْنِ۔ (الحاقۃ ۴۵)

تو ہم اس کا دائیاں ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔

اور فرمایا:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (الانعام ۱۱۶)

ترجمہ اور (اے سننے والے) اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ تعالیٰ کی راہ سے۔

فرمایا:

فَاِنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ۔ (الشوریٰ ۲۴)

ترجمہ پس اگر اللہ چاہتا تو مہر لگا دیتا آپ کے دل پر۔

فرمایا:

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔ (المائدہ ۶۷)

ترجمہ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام۔

فرمایا:

اِتَّقِ اللّٰہِ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِیْنَ وَالْمُنَافِقِیْنَ۔ (الاحزاب ۱)

ترجمہ (حسب سابق) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے اور نہ کہنا مانئے کفار اور منافقین کا۔

تو بتوفیق الٰہی معلوم ہونا چاہیے کہ حضور ﷺ کی طرف اس امر کی نسبت جائز نہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ نہ کریں اور نہ یہ جائز کہ آپ ﷺ اپنے رب کی مخالفت کریں یا اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں

یا اللہ تعالیٰ پر وہ بات لگائیں جو اس کی شان کے لائق نہیں یا اس پر افتراء کریں یا خود گمراہ ہو جائیں یا اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے دل پر مہر لگا دے یا آپ ﷺ کافروں کی پیروی کرنے لگیں (ان سب باتوں کا صدور آپ ﷺ سے ممکن ہی نہیں) لیکن یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف کر کے اور ایک ایک کر کے بیان کر کے مخالفوں پر تبلیغ کرنا آسان کر دیا اور یہ بتا دیا کہ اگر آپ ﷺ کی تبلیغ اس نہج پر نہ ہوئی تو گویا آپ ﷺ نے تبلیغ ہی نہیں کی۔ اس طرح آپ ﷺ پر حقائق واقعی واضح کر کے آپ ﷺ کو خوش کر دیا اور آپ ﷺ کے دل کو مضبوط بنا دیا اور فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ ۶۷)

اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں کے شر سے۔

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ تم دونوں خوف نہ کرو تاکہ تبلیغ و اظہار دین میں ان کی بصیرت قوی ہو جائے اور دشمن کا خوف جاتا رہے جو دلوں کو کمزور بناتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان:

لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ۔ (الحاقہ ۴۴)

اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا۔

اور یہ کہ:

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ۔ (الاسراء ۷۵)

ترجمہ (بفرض محال اگر آپ ﷺ ایسا کرتے) تو اس وقت ہم آپ کو چکھاتے دوگنا عذاب دنیا میں۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس شخص کا بدلہ ہوگا۔ اگر آپ ﷺ بھی ایسا کریں گے تو آپ ﷺ کا بھی یہی بدلہ ہوگا۔ حالانکہ آپ ﷺ ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (الانعام ۱۱۶)

ترجمہ اور (اے سننے والے) اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ تعالیٰ کی راہ سے۔

اس آیت سے آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگ مراد ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (العمران ۱۴۹)

اگر پیروی کرو گے تم کافروں کی۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

فَاِنْ یَشَاءَ اللّٰہُ۔ (الشوری ۲۴)
پس اگر اللہ چاہتا۔
اور یہ کہ
وَلَئِنْ اَشْرَکْتَ۔ (الزمر ۶۵)
اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا۔
اس قسم کی دیگر تمام آیتیں درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے لوگوں کیلئے ہیں اور یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو شرک کرتے ہیں لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو اس کی نسبت بھی جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ
اِتَّقِ اللّٰہَ۔ (الاحزاب ۱)
(حسب سابق) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے۔
اور کافروں کی اطاعت نہ کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ان کی اطاعت کرلی ہے۔
حقیقتاً اللہ تعالیٰ جس سے چاہے جیسا چاہے منع فرما سکتا ہے اور جو چاہے حکم فرما سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:
ولا تطرد الذین یدعون ربھم۔ (انعام ۵۲)
اور دور ہٹاؤ انہیں جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو۔
حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ان کی سرزنش فرمائی اور نہ واقعتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظالموں سے تھے۔

دوسری فصل

قبل اظہار نبوت انبیاء علیہم السلام کی عصمت

عقد قلبی میں سے انبیاء علیہم السلام کا نبوت سے پہلے معصوم ہونا بھی ہے۔ چنانچہ اس خصوص میں لوگوں کا اختلاف ہے اور مذہب حق وصواب یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس میں شک کرنے سے معصوم ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے ان کی ولادت کے وقت سے ہی نہایت قوی ومضبوط اثار واخبار ہویدا (ظاہر) ہوتے ہیں اور وہ ہر عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف توحید وایمان پر ہی پرورش پاتے ہیں بلکہ معارف کے انوار اور سعادت کے الطاف کی بارشوں میں ان کی نشو ونما ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے حصہ اول کے دوسرے باب میں خبردار کیا ہے۔

اہل سیر وتواریخ میں سے کسی نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ کبھی بھی کوئی ایسا نبی چنا گیا ہو جو نبوت سے پہلے (معاذ اللہ) کفر وشرک میں معروف ومشہور رہا ہو جو کہ اس باب میں نقل پر اعتماد کیا جائے۔ حالانکہ بعض علماء استدلال میں کہتے ہیں کہ جس میں اس قسم کی عادت ہوتی ہے اس سے لوگ نفرت کیا کرتے ہیں۔

لیکن میں (فقیہہ قاضی عیاض) کہتا ہوں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قریش نے ہر قسم کے افتراءات اور بہتان اٹھائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر قسم کے طعن کئے اور نیز انبیاء وسابقین علیہم السلام کے کفار نے بھی اپنے اپنے نبی علیہ السلام پر جو ان سے ممکن تھا قسم قسم کی الزام تراشی کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا یا اہل سیر وتواریخ نے ہم سے نقل کیا۔ لیکن ہم نے ان پر اٹھائے گئے مطاعن میں یہ کہیں نہیں پایا کہ کسی نے ان پر یہ الزام لگایا ہو کہ انہوں نے اپنے معبود حقیقی یا اس حکم کی سرتابی کی ہو جو وہ لائے تھے اور اگر ایسا کہیں ہوا ہوتا تو یقیناً ایسے الزام دھرنے سے وہ کبھی نہ چوکتے اور اس پر انہیں عار دلاتے اور طعنہ زنی کرتے کہ ان کا کیا اعتبار! یہ تو اپنے معبود کے بارے میں ہی غیر مستقل ہیں۔ بلاشبہ وہ کفار اپنے نبی علیہ السلام کی اس پر زجر وتوبیخ کرنے میں، جس کی پرستش سے وہ نبی روکتے تھے ان کی حمایت کی خاطر زیادہ رسوا کن اور مضبوط دلیل ہوتی۔ حالانکہ انبیاء کرام ان کے اور ان کے آباؤ اجداد کے معبودان باطل کی پرستش پر برابر منع کرتے رہے ہیں۔ اب ان تمام کفار کا بالاتفاق اس طعن سے اعراض کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کو ایسا اعتراض کرنے کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ اگر

ایسا ہوتا تو وہ ضرور ہم تک منقول ہوتا اور وہ کبھی اس سے پہلوتہی نہ کرتے جیسا کہ وہ بوقت تحویل قبلہ خاموش نہ رہے اور کہہ اٹھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا کہ:

مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا۔ (البقرہ ۱۴۲)

ترجمہ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت و تقدس پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا کہ

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ۔ (الاحزاب ۷)

ترجمہ اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی۔

اور فرمایا: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ (العمران ۸۱)

ترجمہ اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں۔ تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی۔

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اسی آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روز میثاق پیدا فرمایا اور یہ بات تو بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل عہد لے اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے اس پر عہد لے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و مدد کریں گے ایسے عہد کے بعد یہ کیونکر ممکن ہے کہ (معاذ اللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شرک و معاصی وغیرہ کی نسبت کرنا جائز ہو سکے۔ ایسی نسبت کو وہی شخص جائز رکھ سکتا ہے جو ملحد ہو۔ یہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

اس کے علاوہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صغرسنی میں آکر شق صدر کر کے اس سے علقہ (لوتھڑا) نکالا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے اس کے بعد اسے غسل دے کر ایمان و حکمت سے پر کر دیا جیسا کہ ابتدائی خبریں اس کی تائید کرتی ہیں۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۴۷)

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول سے کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہونا چاہئے جب کہ انہوں نے ستارے، چاند اور سورج کو دیکھ کر کہا: یہ ہے رب؟ اگر چہ اس پر ایک قول یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ علیہ السلام کی ابتدائی عمر تھی جو بچپنے کی فکر و نظر ہے اور یہ عمر تکلیفات

شرعیہ کے لازم ہونے کی نہیں ہوتی لیکن اعاظم تبحر علماء ومفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اپنی قوم کو عاجز کرنے اوران پر حجت قائم کرنے کیلئے تھا۔

اوراس کے معنی میں ایک قول یہ ہے یہ ایسا استفہام ہے جو انکار کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ کیا یہ میرا خدا ہوسکتا ہے؟ (یعنی ہرگز نہیں!) اور زجاج رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ علیہ السلام کا قول ''هٰذَا رَبِّیْ'' کے معنی یہ ہیں تمہارے قول کے مطابق۔

جیسا کہ فرمایا ''اَیْنَ شُرَکَائِیَ'' یعنی جو کہ تم میرا شریک بناتے ہو وہ کہاں ہیں؟ اب رہی یہ بات کہ آپ علیہ السلام نے ایک آن کیلئے کبھی کسی معبود باطل کی عبادت نہ کی اور نہ ایک لحہ کیلئے بھی کسی کو خدا کا شریک بنایا اس پر خدا کا یہ فرمان شاہد ہے کہ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاتَعْبُدُوْنَo (الشعراء ۹) یعنی جب انہوں نے اپنے چچا اوراپنی قوم سے کہا کہ تم کسے پوجتے ہوتو انہوں نے جوا دیا کہ ہم بت پوجتے ہیں۔ فرمایا: اَفَرَئَیْتُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَo اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمُ الْاَقْدَمُوْنَ o فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّلِّیْ اِلَّارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (الشعراء ۷۷-۷۶-۷۵)

ترجمہ کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہوتم اورتمہارے اباؤ اجداد پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العلمین کے۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍo (الصفت ۸۴)

ترجمہ جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ (ابراہیم ۳۵)

ترجمہ اور بچالے مجھے اورمیرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی۔

اگر تم کہو کہ اس کے کیا معنی ہیں کہ

لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَکُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَo (الانعام ۷۷)

ترجمہ اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا رب تو ضرور ہوجاتا میں بھی اس گمراہ قوم سے۔

تو اس کا جواب ایک قول کے مطابق یہ ہے کہ اگر وہ اپنی مدد سے میری نصرت نہ فرماتا تو میں گمراہی اور عبادت میں تمہاری طرح ہو جاتا۔ آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا بر سبیل خوف خدا تھا ورنہ آپ علیہ السلام تو روز ازل سے ہی ضلالت وغیرہ سے معصوم تھے اور اگر تم یہ کہو کہ اس فرمان الٰہی کے کیا معنی ہیں کہ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْلَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا۔ (ابراہیم ۱۳)

ترجمہ اور کہا کفار نے اپنے رسولوں کو کہ ہم ضرور باہر نکال دیں گے تمہیں اپنے ملک سے یا تمہیں

لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی جانب سے فرمایا:

قَدِافْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِکُمْ بَعْدَ اِذْنَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا۔ (الاعراف ۸۹)

ترجمہ پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوٹ آئیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ نجات دے دی ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس سے۔

تو تم اس شک میں نہ پڑنا کہ "لوٹ آنا" (عود) اس کا مقتضی ہے کہ وہ اس دین پر لوٹ آئیں گے جس پر وہ پہلے سے تھے کیونکہ محاورتاً عرب میں یہ لفظ کبھی اس محل پر بھی بولا جاتا ہے جس کی ابتداء نہ ہو اس وقت اس عود کے معنی صَیْرُوْرَتْ یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹ جانے کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ جہنمیوں کیلئے فرمایا کہ عَادُوْا حُمَمًا (بخاری کتاب الرقاق الفتح ۱۱/ ۴۱۶، صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۷۰) (یعنی وہ کوئلہ ہو جائیں گے) اس جگہ پر عاد کا لفظ فرمایا گیا) حالانکہ وہ اس سے پہلے ایسے کوئلہ نہ تھے اور جیسا کہ شاعر نے کہا

تِلْکَ الْمَکَارِمُ لَاقَعْبَانِ مِنْ لَبَنٍ شِیْبَا بِمَاءٍ فَعَادَا بَعْدُ اَبْوَالًا

یعنی یہ مکارم جمیلہ اس دودھ کے برتنوں کی مانند نہیں ہیں جس میں پانی ملایا گیا۔ پھر اس کے بعد وہ پیشاب بن گئے ہوں حالانکہ اس سے پہلے وہ بول نہ تھا۔

اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں۔

وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَهَدٰی ۝ (الضحیٰ ۷)

اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

یہاں ضال کے معنی وہ گمراہی نہیں ہے جو کہ کفر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نبوت سے وارفتہ تھے تو آپ ﷺ کو اس کی طرف ہدایت فرمائی۔ اسے طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ اے محبوب آپ ﷺ کو گمراہوں میں پایا تو آپ ﷺ کی ان سے حفاظت کرکے ایمان و ارشاد کی راہ دکھائی اسی طرح سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی شریعت سے بے خبر تھے یعنی آپ جانتے نہ تھے تو ہم نے اس کی طرف ہدایت کی اور ضلال کے معنی اس جگہ حیرانی کے ہیں۔

اس لئے نبی کریم ﷺ غار حرا میں خلوت گزیں ہو کر اس چیز کے خواہش مند ہوتے تھے جو اپنے رب کی طرف راہ دکھائے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف راہ دکھائی۔ یہ مطلب

قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق کو نہ جانتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہدایت فرمائی۔ یہ معنی خدا کے اس قول کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ (النساء ۱۱۳)

اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے۔

اسے علی ابن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گمراہی معصیت نہ تھی اور ایک قول یہ ہے کہ ''ہدایت فرمائی'' یعنی دلائل کے ساتھ احکام کو واضح کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ یا مدینہ اختیار کرنے میں سرگرداں پایا تو اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی طرف ہدایت فرمائی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے گمراہوں کو ہدایت ہوئی۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ کو اپنی محبت سے جو ازل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی بے خبر پایا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے نہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی معرفت کرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان فرمایا اور۔

حسن ابن علی رحمۃ اللہ علیہ نے وَوَجَدَكَ ضَالٌ فَهَدٰى پڑھا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ نے پایا تو آپ کے سبب وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وارفتہ پایا یعنی ''میری معرفت کا دوست پایا'' ضال کے معنی دوست کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّكَ لَفِی ضَلَالِكَ الْقَدِيْمِ۔ (یوسف ۹۵)

آپ اپنی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔

یہاں دین میں گمراہی کے معنی نہیں ہیں اگر (برادران حضرت یوسف علیہ السلام) اس معنی میں اللہ کے نبی (حضرت یعقوب علیہ السلام) کو کہتے تو یقیناً وہ سب کافر ہو جاتے اسی طرح ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ

اِنَّا لَنَرٰهَا فِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ۔ (یوسف ۳۰)

ہم دیکھ رہے ہیں اسے کہ وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا. کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیز کے بیان کرنے میں متحیر پایا جو نازل ہوئی تو اس نے اس کے بیان کی راہ دکھائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ۔ (النحل ۱۶)

(اور اس طرح) ہم نے نازل کیا آپ پر یہ ذکر۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ آپ ﷺ کو نبوت کے ساتھ کوئی جانتا ہی نہ تھا حتیٰ کہ ہم نے تمہیں ظاہر کر دیا اب آپ ﷺ کے سبب سے نیک بخت ہدایت یافتہ ہو گئے۔

(قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ) میں کسی ایسے مفسر کو نہیں جانتا جس نے اس جگہ ضلال کے معنیٰ ایمان سے گمراہ کیے ہوں اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ

فَعَلْتُهَا اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّالِّيْنَ۔ (الشعراء ۲۰)

ترجمہ آپ نے جواب دیا میں نے ارتکاب کیا تھا اس کا اس وقت جبکہ میں ناواقف تھا۔

یعنی ان خطا کاروں میں سے تھا جو بلا قصد وارادہ کوئی کام کر لیتے۔ اسے ابن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنیٰ "بھولنے والوں میں سے" بیان کئے ہیں اور ایک قول وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو بھولنے والا پایا تو راہ دکھائی۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰاهُمَا۔ (البقرہ ۲۸۲)

تا کہ اگر بھول جائے ایک عورت۔

اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے کیا معنیٰ ہیں کہ

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ۔ (الشوریٰ ۵۲)

ترجمہ نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنیٰ میں کہا کہ آپ ﷺ وحی سے پہلے جانتے نہ تھے کہ قرآن کو پڑھو گے اور کیونکر مخلوق کو ایمان کی طرف دعوت دی جائے گی۔

قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا اور فرمایا کہ اس ایمان کو نہ جانتے تھے جو فرائض و احکام ہیں۔ کہا کہ آپ ﷺ پہلے توحید الٰہی پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کے بعد وہ فرائض نازل ہوئے جن کو آپ ﷺ پہلے جانتے نہ تھے۔ اب مکلف بنا کر ایمان میں زیادتی فرمائی اور یہی بہترین توحید ہے۔

اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے کیا معنیٰ ہیں کہ

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ۝ (یوسف ۳)

اگرچہ آپ ﷺ اس سے پہلے غافلوں میں سے تھے۔

تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ۝ (یونس ۷)

اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں۔

بلکہ ابو عبداللہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی میں بیان کیا کہ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے بے خبر (غافل) تھے ایسے کہ آپ کو معلوم نہ تھا مگر جبکہ ہم نے وحی فرمائی۔ اسی طرح وہ حدیث جسے عثمان بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مشرکوں کے ساتھ ان کی مجلس میں تشریف لے جا رہے تھے تو سنا کہ دو فرشتوں نے جو آپ کے پیچھے تھے ایک نے دوسرے سے کہا: تم جاؤ اور اس کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ تو اس نے کہا: میں کیسے کھڑا ہو جاؤں حالانکہ اس کا زمانہ بتوں کے چھونے کے قریب ہے۔ اس کے بعد آپ کبھی ان کے جلسوں میں نہیں گئے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/ ۳۵، ابن عدی ضعفاء الرجال ۴/ ۱۴۴۷)

یہ حدیث بھی وہ ہے جس کا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے شدت سے انکار کیا ہے اور کہا کہ یہ موضوع ہے یا موضوع کے مشابہ ہے اور دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ عثمان (راوی حدیث نے) اس کی سند میں وہم کیا اور حدیث فی الجملہ منکر ہے اس کی اسناد پر اتفاق نہیں لہٰذا یہ نا قابل توجہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے برعکس علماء میں مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا، مجھے بت پرستی سے طبعی طور پر نفرت تھی اور دوسری اس حدیث میں جو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کے چچا (ابو طالب) اور ان کی اولاد نے جب اپنی عید کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تشریف لے جانے کیلئے کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفرت کا اظہار فرمایا تو انہوں نے قسم کے ساتھ اصرار کیا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ گئے اور خوفزدہ واپس آئے۔ (طبقات ابن سعد ۱/ ۱۵۴)

اور بحیرہ کے قصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا جبکہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لات وعزیٰ کی قسم دلائی تھی۔ (طبقات ابن سعد ۱/ ۱۵۴، دلال النبوۃ للبیہقی ۲/ ۳۵)

اور یہ اس وقت کا قصہ ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا (ابو طالب) کے ساتھ شام کے سفر میں صغر سنی میں تشریف لے گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علامات نبوت ہویدا ہوئے تھے تو اس بحیرہ نے امتحاناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دلائی تھی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لات وعزیٰ کی قسم دیکر سوال مت کرو۔ خدا کی قسم! مجھے ان دونوں سے بڑھ کر کسی سے نفرت نہیں ہے۔ اس پر بحیرا نے کہا: تمہیں خدا کی قسم تم مجھے وہ بات بتلاؤ جو میں دریافت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب جو چاہو پوچھو۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں توفیق الٰہی سے یہ معروف و مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اظہار نبوت سے پہلے حج کے مواقعہ پر مزدلفہ میں مشرکین کے وقوف کے مخالف تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں وقوف فرماتے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وقوف فرمایا تھا۔

تیسری فصل

انبیاء علیہم السلام توحید ایمان اور وحی میں مضبوط تھے

قاضی ابوالفضل توفیق الٰہی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے جو کچھ بیان کر دیا ہے اس سے یہ بات ثابت اور ظاہر ہوگئی کہ انبیاء علیہم السلام توحید و ایمان اور وحی میں مضبوط تھے لیکن قطع نظر اس بات کے جوان کے قلوب صافیہ کا اعتقاد و یقین ہے وہ تو علم یقین سے علی وجہ الکمال بھرا ہوا ہے اور یہ کہ یہ حضرات قدس دین و دنیا کے امور کی معرفت وعلم میں اس قدر حاوی تھے کہ کوئی ان سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا۔ جس نے خبروں کا مطالعہ اور حدیث میں غور وفکر کیا ہے اور جو کچھ ہم نے کہا ہے اس نے اس پر گہری نظر وفکر کی ہے تو اسے ثابت ہو جائے گا کہ ہم نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کتاب کے چوتھے باب کی قسم اول میں جو تنبیہات کی ہیں اس کیلئے کافی ہیں مگر اب ہم ان کے ان حالات کو ظاہر کرتے ہیں جو بظاہر ان معارف سے مختلف اور امور دنیا سے متعلق ہیں۔

(تو معلوم ہونا چاہئے) انبیاء علیہم السلام کیلئے دنیاوی امور کی معرفت میں عصمت شرط نہیں ہے کیوں کہ انبیاء کو ان میں سے بعض امور کی یا تو اطلاع نہیں ہوتی ہے یا ان کا اعتقاد اس کے خلاف ہوتا ہے اور یہ بات ان کیلئے اصلاً عیب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے تمام عزائم امور آخرت، ان کی خبریں، امور شریعت اور اس کے قوانین اور احکام سے متعلق رہتے ہیں اور دنیاوی امور ان سب کی ضد اور غیر ہے بخلاف ان کے سوا اہل دنیا کے۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ ○ (الروم ۷)

ترجمہ وہ جانتے ہیں دنیوی زندگی کے ظاہری پہلو کو اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

جیسا کہ ہم عنقریب دوسرے باب میں انشاء اللہ بیان کریں گے لیکن بایں ہمہ انبیاء علیہم السلام کو یہ کہنا نہیں چاہئے کہ وہ دنیاوی امور کو بالکل جانتے ہی نہ تھے۔ اگر ایسی بات ہو تو یہ ان کو غفلت اور نادانی کی طرف لے جائے گی اور انبیاء کرام علیہم السلام اس سے پاک ومنزہ ہیں بلکہ ان کو تو دنیا والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور ان کی سیاست (حکومت) و ہدایت اور ان کی دینی ودنیاوی اصلاح کی ذمہ داری انبیاء کرام علیہم السلام کے سپرد کی گئی ہے اور ان امور کی بجا آوری کلیتہً دنیاوی امور سے لاعلمی کی صورت میں نہیں سکتی۔ اس سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کے حالات اور سیر تیں معلوم ہی ہیں۔

ان کی ان سب سے واقفیت مشہور ہے لیکن اگر یہ اعتقاد دین سے متعلق ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

ان کا معلوم ہونا ہی کہنا صحیح ہوگا اور فی الجملہ ناواقفیت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ لامحالہ اس کا علم کی جانب سے وحی کے ذریعہ ہوا ہوگا اور اس میں شک وشبہ کرنا جائز نہیں جیسا کہ پہلے گزرا۔ تو اب ناواقفیت کہاں رہی بلکہ آپ ﷺ کو علم الیقین ہوگیا یا یہ کہ آپ ﷺ نے اسے اپنے اجتہاد سے کیا ہوگا تو یہ اس وقت ہے جب کہ آپ ﷺ پر اس سلسلہ میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو تو اس قول کی بنا پر محققین کے نزدیک وقوع اجتہاد جائز ہے۔

جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا اقتضاء ہے کہ اس میں آپ نے فرمایا: میں اپنے اجتہاد سے تمہاری ان باتوں کا فیصلہ کرتا ہوں جہاں مجھ پر وحی نہیں آتی۔ (سنن ابوداؤد کتاب الاقضیہ، ۴/ ۱۵)

اس کی تخریج ثقہ راویوں نے کی ہے۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں کا قصہ اور جہاد میں پیچھے رہ جانے والوں کو اذن دے دینا ہے۔ یہ بعض کی رائے پر ہے تو یہ بھی جس پر آپ ﷺ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اپنے اجتہاد کا نتیجہ ہے یقیناً حق وصحیح ہوگا اور یہ ایسا حق وصحیح ہے کہ کسی مخالف کی خلاف رائے کی طرف ہرگز توجہ نہ کی جائے گی اور نہ اس شخص کے قول کے موافق جو کچھ مجتہدین کے صواب کی طرف گیا ہے جو کہ ہمارے نزدیک حق وثواب ہے اور نہ دوسرے قول پر کہ حق ایک طرف ہوگا۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا شرعیات میں اجتہاد فرمانا خطا سے معصوم ہونا ثابت ہے اور اس لئے بھی کہ مجتہدین کی خطائے اجتہادی تو شریعت سے ثابت ہو جانے پر ہے اور نبی کریم ﷺ کی نظر واجتہاد تو ان امور میں ہوتی ہے جہاں آپ ﷺ پر وحی سے کچھ حکم نہ ملا ہو اور نہ اس سے قبل جب کہ آپ ﷺ نے دل سے ارادہ فرمایا کوئی حکم مشروع ہوا ہو لیکن وہ امور شرعیہ جن پر آپ ﷺ کا دل مضبوط نہیں وہ بیشک ابتداء میں آپ ﷺ اس سے لاعلم تھے مگر جب ان کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا علم مرحمت فرما دیا تو اب ان کا علم بھی آپ ﷺ کو مکمل حاصل ہوگیا یا تو وحی کے ذریعہ یا کسی کام کو شروع کرنے کی اجازت مرحمت فرمانے کی صورت میں آپ ﷺ نے اس پر حکم فرمایا ہو جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دکھایا اور بلاشبہ آپ ﷺ اکثر امور میں وحی کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر ۳/ ۱۳۸۵، تفسیر ابن جریر سورۃ توبہ آیت ۱۰۸۱/ ۱۳۹)

بایں ہمہ آپ ﷺ نے اس وقت تک دنیا سے کوچ نہیں فرمایا جب تک کہ آپ ﷺ کو تمام علوم حاصل نہ ہوگئے اور تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ کو تمام معارف ثابت نہ ہوئے اور ہر قسم کا شک وشبہ اور علیٰ وجہ الکمال جہل کا انتفاء آپ ﷺ سے نہ ہوگیا۔ حاصل کلام یہ کہ نبی کریم ﷺ سے وہ تفصیلات شرعیہ جن کی دعوت کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا۔ ان سے ناواقفیت کی نسبت کرنا جائز

نہیں۔ اس لئے کہ یہ صحیح نہیں کہ آپ ﷺ نے ان امور کی دعوت دی جن کو آپ ﷺ (معاذ اللہ) خود نہ جانتے تھے۔

لیکن وہ امور جو آپ ﷺ کے اعتقاد سے متعلق ہیں مثلاً آسمانوں، زمینوں کے ملکوت مخلوقات الٰہیہ، اس کے اسماء حسنیٰ اور آیات کبریٰ کی تعیین، امور آخرت، علامات قیامت، نیک وبد کی حالت، علم مَاكَانَ مَايَكُوْنُ یعنی گذشتہ و آئندہ کی خبریں۔ ان سب کا علم آپ کو وحی الٰہی سے ہی حاصل ہوا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلے بیان کے موافق اس میں بھی آپ معصوم ہیں اور جو کچھ بھی آپ کو علم دیا گیا اس میں اصلاً شک و شبہ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کو وہ یقین کی اعلیٰ منزل پر معلوم ہے لیکن اس میں یہ شرط نہیں کہ ان سب کی تفصیل کا آپ ﷺ کو علم ہو۔ اگر چہ آپ ﷺ کو اس کا اتنا علم ہے کہ کسی اور بشر کو ہرگز اتنا علم نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نہیں جانتا مگر اسی قدر جتنا کہ مجھے میرے رب نے علم دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ کسی انسان کے دل پر گزرا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ۔ (السجدہ ۱۷)

ترجمہ پس نہیں جانتا کوئی شخص جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کیلئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ (الکہف ۶۶)

ترجمہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔

اور حضور ﷺ کا قول ہے کہ اے خدا بواسطہ اپنے اسماء حسنیٰ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنے اسماء کا علم سکھا خواہ میں اسے جانتا ہوں یا اس کا مجھے علم نہیں ہے۔ (دیلمی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی/ ۲۱۹)

اور ارشاد ہے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے ہر اس نام کا جو تو نے اپنا رکھا ہے یا اسے ترجیح دی ہے علم غیب میں جو تیرے پاس ہے۔ (مسند امام احمد ۱/ ۳۹۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عَلِيْمٍ ○ (یوسف ۷۶)

ہر صاحب علم سے برتر دوسرا صاحب علم ہوتا ہے۔

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کی آخری حد اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے اس لئے کہ معلومات الٰہیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کی کوئی آخری حد ہے۔ یہ حکم تو نبی کریم ﷺ کے اس اعتقاد کے بارے میں ہے جو توحید، شریعت اور امور دینیہ کے معارف و لطائف کے سلسلہ میں ہے۔

چوتھی فصل

حضور ﷺ اثر شیطان اور ہر شر وفساد پر معصوم تھے

واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ کا شیطان سے محفوظ و معصوم ہونے پر امت کا اجماع ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی آپ ﷺ کا محافظ ہے شیطان نہ تو آپ ﷺ کے جسم اقدس پر کسی قسم کی اذیت پہنچا سکتا ہے اور نہ آپ ﷺ کے قلب اطہر میں وسوسہ ڈال سکتا ہے۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کا ہم نشیں جن نہ بنایا گیا ہو اور ایک ہمنشیں فرشتہ نہ ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا آپ ﷺ کیلئے بھی ہے؟ فرمایا: ہاں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور وہ اسلام لے آیا۔ (صحیح مسلم کتاب المنافقین ۴/ ۲۱۶۷)

دوسری حدیث میں منصور رحمۃ اللہ علیہ سے اتنا زیادہ ہے کہ اب وہ مجھے صرف خیر کا ہی حکم کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے معنی میں مروی ہے اور یہ کہ فَاَسْلَمُ میم کے پیش کے ساتھ یعنی میں اس سے بچتا ہوں اور بعض نے اس روایت کی تصحیح کی اور اس کو ترجیح دی ہے اور مروی ہے کہ وہ اسلام لے آیا یعنی وہ اپنی حالت کفر سے اسلام کی طرف منتقل ہوگیا ہے اب وہ صرف خیر کی تلقین کرتا ہے۔ فرشتہ کی طرح۔ یہ ظاہر حدیث میں ہے اور بعض نے فَاسْتَسْلَمَ یعنی ''فرمانبردار ہوگیا ہے'' روایت کی ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) بتوفیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کہ وہ شیطان جو آپ ﷺ کا ہمنشیں ہے اور جو کہ بنی آدم پر مسلط ہے اس کا یہ حکم ہے تو اس کا کیا حال ہوگا جو آپ ﷺ سے دور ہے اور جس نے آپ ﷺ کی محبت کو لازم نہ کیا اور نہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ آپ ﷺ کے قریب بھی جاسکے۔

کیونکہ احادیث میں مروی ہے کہ شیاطین نے کئی موقعوں پر آپ ﷺ کے نور کو بجھانا چاہا اور آپ ﷺ کو ہلاک کرنے اور شغل میں مبتلا کرنے کی کوشش میں آپ ﷺ کا پیچھا کیا تھا۔ جب وہ آپ ﷺ کے اغوا کرنے سے مایوس ہوگیا تو وہ ناکام ہو کر رہ گیا جیسا کہ آپ ﷺ کو نماز میں ورغلانا چاہا تو آپ ﷺ نے اسے پکڑ کر قید کر دیا اور صحاح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے پاس شیطان آیا۔ (صحیح بخاری بدء الخلق ۱/ ۹۹، صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/ ۳۸۵)

عبدالرزاق رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ بلی کی صورت میں تھا تو اس نے مجھ پر حملہ کیا تا کہ نماز قطع کرا دے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ عنایت فرمایا اس کے بعد اس وقت مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کا قول یاد آ گیا کہ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا یعنی اے میرے رب مجھے ملک عنایت فرما غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ناکام لوٹا دیا اور ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دشمن خدا ابلیس میرے پاس آگ کا شعلہ لایا تا کہ وہ میرے چہرہ پر مارے درانحالیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور اس پر لعنت کا ذکر کیا۔ پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا اس کے بعد مذکورہ حدیث کے مطابق ذکر ہے اور فرمایا:

بلاشبہ صبح کے وقت تک بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/ ۳۸۵)

اسی طرح معراج کی حدیث میں ہے کہ عفریت (شیطان) نے ایک آگ کے شعلہ کی جستجو کی اس وقت جبریل علیہ السلام نے اعوذ باللہ کے پڑھنے کی ترغیب دی یہ موطا (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) میں مذکور ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیھقی ۷/ ۹۵، مسند امام احمد ۳/ ۴۱۹)

جبکہ شیطان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے پر قادر نہ ہوا تو پھر اس نے آپ کے دشمنوں کو ایذا رسانی پر برانگیختہ کر کے ذریعہ بنایا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں قریش کے ساتھ مکہ میں شہید کرنے کے قصد میں ہوا اور شیطان شیخ نجدی کی صورت میں آیا اور دوسری مرتبہ یوم بدر میں سراقہ بن مالک کی صورت میں نمودار ہوا۔ (تفسیر درمنثور ۴/ ۵۱)

اور خدا کا فرمان ہے:

اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ۔ (الانفال ۴۸)

ترجمہ اور یاد کرو جب آراستہ کر دیے ان کیلئے شیطان نے ان کے اعمال۔

ایک مرتبہ بیت عقبہ کے وقت قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و شوکت سے ڈراتا تھا ان تمام واقعات میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کے شر اور نقصان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفایت کرتے ہوئے معصوم و مصئون رکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت شیطان کے چھونے سے محفوظ رکھا جب کہ وہ آیا تھا کہ بوقت ولادت ان کو پہلو سے چھوئے مگر اس نے حجاب (پردے) میں چھوا۔

(صحیح بخاری بدء الخلق ۳/ ۹۹ صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۸۳۸)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوا (لد) پلائی گئی اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

باز پرس کے وقت کہا گیا کہ اس سے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ (خدانخواستہ) آپ کو ذات الجنب ہو گیا ہے۔

تب آپ ﷺ نے فرمایا: ذات الجنب تو شیطان کے چھونے سے ہوتا ہے اور مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا ہے کہ شیطان مجھ پر غالب آ سکے۔ (صحیح بخاری ۷/۱۱۰، صحیح مسلم کتاب السلام ۴/۱۷۳۳)

اب اگر کہا جائے اس ارشاد باری کے کیا معنی ہیں کہ

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ (الاعراف ۲۰۰)

ترجمہ اور اگر پہنچے آپ کو شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگیے اللہ سے۔

تو اس کے جواب میں بعض مفسرین نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف راجع ہے کہ

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۝ (الاعراف ۱۹۹)

اور رخ (انور) پھیر لیجئے نادانوں کی طرف سے۔

اس کے بعد کہا کہ اگر تمہیں نزغ پہنچ جائے یعنی اگر تم کو غضب ہلکا کرے جو کہ ان سے اعراض کے ترک پر برانگیختہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔ بعض نے کہا کہ نزغ کے معنی فساد کے ہیں۔

جیسا کہ فرمایا: ''اس کے بعد کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈالے''۔

اور ایک قول یہ ہے کہ نزغ سے مراد ابھارنا اور جوش میں لانا ہے اور نزغ وسوسہ کا ادنیٰ درجہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب دشمن پر آپ ﷺ کو غصہ حرکت میں لے آئے یا شیطان آپ ﷺ کو یوں پریشان کرے تو سے پناہ مانگو اور خطرات تو وسوسہ سے کم درجہ پر ہے۔ آپ ﷺ پر تو اس کا بھی راستہ نہیں جب ہی تو پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس میں بھی آپ ﷺ کی کفایت فرمائے گا اور یہ آپ ﷺ کی عصمت کی تکمیل کا سبب بنے گا کیونکہ آپ ﷺ کے اعراض سے بڑھ کر وہ غلبہ نہیں پا سکتا اور اسے آپ ﷺ پر ہرگز قدرت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس آیت کی تفسیر میں اقوال ہیں۔ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ آپ ﷺ کے سامنے شیطان فرشتہ کی صورت میں ظاہر ہو اور آپ ﷺ پر شبہ ڈالے نہ یہ قبل رسالت صحیح ہے اور نہ یہ بعد رسالت۔ اور اس میں اعتماد و دلیل معجزہ ہے بلکہ نبی کو اس میں قطعاً شک نہیں ہوتا۔ کہ فرشتہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتا ہے وہ حقیقتاً اسی کا قاصد ہے یا تو اس بدیہی علم سے کہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے پیدا فرما دیتا ہے یا اس دلائل سے جس کو ان پر اپنی جانب سے ظاہر فرما دیتا ہے تاکہ وہ اپنے رب کے کلام کو سچائی اور انصاف کے ساتھ پورا کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی نہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے کہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ۔ (الحج ۵۲)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول ﷺ ور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیے شیطان نے اس کے پڑھنے میں۔

تو معلوم ہونا چاہئے کہ لوگوں کیلئے اس آیت کی تاویل میں چند قول ہیں ان میں سے کچھ تو نرم وسہل ہیں اور کچھ سخت و بھاری ہیں۔ سب سے بہتر وہ قول ہے جس پر جمہور مفسرین ہیں وہ یہ کہ آرزو سے مراد تلاوت ہے اور دخل شیطانی سے مطلب یہ کہ وہ پریشاں خاطر کرے اور تلاوت کرنے والے کو دنیاوی امور یاد دلائے یہاں تک کہ اس پر تلاوت میں وہم ونسیان داخل ہو جائے یا سننے والے پر اس کے سوا تحریف اور بری تاویل داخل کر دے جن کو اللہ تعالیٰ زائل اور منسوخ کر دیتا ہے اور اس کا شبہ دور کر دیتا ہے اور آیات کو محکم کر دیتا ہے۔ اس آیت پر عنقریب گفتگو آنے والی ہے۔ انشاء اللہ۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کا انکار کیا جس میں یہ کہا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک پر شیطان نے تسلط کر کے اس پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اسی قسم کے تمام قصے غلط ہیں اور ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے کھول کر بیان کر دیئے ہیں اور اس شخص کا قول بھی ذکر کیا ہے جس نے یہ کہا کہ جس سے مراد وہ لڑکا ہے جو انکے پیدا ہوا تھا۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے اور ان کے اس قول میں کہ

اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔ (ص ۴۱)

ترجمہ (الٰہی!) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دکھ۔

کہا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ کوئی یہ تاویل کرے کہ شیطان نے انہیں بیمار کیا تھا اور ان کے بدن کو اذیت پہنچائی تھی۔ حالانکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوا تھا تا کہ وہ ان کا امتحان لے اور انہیں ثواب مرحمت فرمائے۔ اسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ شیطان نے جو انہیں تکلیف دی تھی وہ ان کی بیوی کا وسوسہ تھا۔

اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ جو حضرت یوشع علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ۔ (الکہف ۶۳)

ترجمہ اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

فَاَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهٖ۔ (یوسف ۴۲)

ترجمہ لیکن فراموش کرادیا اسے شیطان نے کہ وہ ذکر کرے اپنے بادشاہ کے پاس۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جب کہ ایک وادی میں سو جانے کی وجہ سے نماز سے رہ گئے تھے کہ "یہ ایسی وادی ہے جہاں شیطان ہے"۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/۱۴۷ موطا امام مالک/۳۲)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول جب کہ انہوں نے گھونسا مارا تھا کہ

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔ (القصص ۱۵)

(آپ نے فرمایا) یہ کام شیطان کی انگیخت سے ہوا ہے۔

تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ایسا کلام ہے جسے اہل عرب اپنے کلام میں ہر بری بات کو جو کسی سے صادر ہو یا کوئی برا فعل ہو جائے تو وہ اس کو ہمیشہ شیطان کی طرف سے سمجھا کرتے تھے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيَاطِيْنِ○ (الصفت ۶۵)

اس کے شگوفے گویا شیطان کے سر ہیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس شخص کیلئے جو نمازی کے آگے سے گزرے) کہ اس سے لڑو کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق ۴/۹۷، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ۱/۳۶۲)

اور یہ بھی ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے قول کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت تک ان کی نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ثابت نہیں ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ۔ (الکہف ۶۰)

اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو۔

چنانچہ مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی تب وہ نبی ہوئے اور ایک قول ہے کہ آپ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ان کی نبوت سے پہلے تھا جو قرآن کی دلیل سے ثابت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تو وہ آپ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول اَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ (یوسف ۴۲) لیکن فراموش کرا دیا اسے شیطان نے کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جسے شیطان نے اپنے رب کے ذکر سے بھلا دیا تو وہ جیل خانے کے دو ساتھیوں میں سے ایک کیلئے ہے اور رب سے مراد بادشاہ ہے یعنی بادشاہ سے

حضرت یوسف علیہ السلام کا حال بیان کرنے سے شیطان نے بھلا دیا اور یہ بھی ہے کہ اس قسم کے فعل شیطان سے مراد یہ نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام پر وسوسوں نے غلبہ کر لیا تھا بلکہ ان کا دل کسی دوسرے امور میں مشغول ہو گیا تھا۔ اب ان دونوں کو ان امور کو یاد دلانا مقصود ہے جس نے ان کو بھلا دیا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ

''یہ ایسی وادی ہے کہ جس میں شیطان ہے'' سو اس میں یہ کہاں ذکر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ غلبہ پا گیا تھا اور نہ یہ کہ اس نے وسوسہ میں مبتلا کر دیا تھا بلکہ اگر اس کو اس کے ظاہری معنی کے اقتضاء پر رکھیں تو اس سے تو صرف شیطان کا کام ظاہر ہوتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے کہ شیطان بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں تھپک تھپک کر سلا دیا جیسے بچے کو سلاتے ہیں یہاں تک کہ وہ سو گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۴/۲۷۴، مؤطا امام مالک/۳۲)

تو معلوم ہونا چاہئے کہ شیطان کا اس وادی پر غلبہ صرف بلال پر تھا جو کہ نماز فجر کے ادائیگی پر مقرر تھے۔

یہ اس صورت میں تاویل ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ''اس وادی میں شیطان ہے۔'' قضاء نماز پر نیند کو سبب بنا کر تنبیہ قرار دیں لیکن اگر اس کو ہم وادی سے کوچ کرنے پر تنبیہ قرار دیں اور اس کوچ کو وہاں نماز نہ پڑھنے کی عدت ٹھہرائیں تو یہ دلیل زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سیاق کی بنی ہے تو اب اس پر اس باب میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بیان ظاہر ہے اور اشکال اٹھ جاتا ہے۔

پانچویں فصل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں عصمت

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں عصمت کا ثبوت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر صحیح معجزہ کے ساتھ واضح دلائل قائم ہو چکے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تبلیغ پر امت کا اجماع ہے کہ جو خلاف واقعہ خبریں ہوں ان کی خبر دینے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں نہ تو قصدا، نہ سہوا اور نہ بطور غلط لیکن عمداً خلاف کہنا تو بالکل غلط ہے اس لئے کہ معجزہ دلیل ہے اس پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ میرے رسول نے جو کچھ فرمایا سچ فرمایا اور بالاتفاق تمام اہل ملت کا اس پر اجماع ہے۔ اور جو قول غلطی و سہو سے واقع ہو جائے تو استاد ابواسحٰق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ اوران کے متبعین فرماتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی پاک ومنزہ اور معصوم ہیں۔ مترجم)

قاضی ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کے نزدیک یہ محال ہونا بسبب اجماع اور شریعت میں اس کی نفی وارد ہونے اور عصمت نبی علیہ السلام کی جہت سے ہے نہ یہ کہ فی نفسہ معجزہ کے اقتضاء کی وجہ سے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک معجزہ کی دلیل کے اقتضاء میں اختلاف ہے ہم اس بحث میں اپنے بیان کو طویل نہیں کرنا چاہتے ورنہ اس بحث میں ہم کتاب کی غرض سے خارج ہو جائیں گے لہٰذا جس پر مسلمانوں کا اجماع واقع ہوگیا ہے اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔

یعنی یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جائز نہیں کہ تبلیغ شریعت میں اور جو رب کی طرف سے ہم کو پہنچائیں اور وہ جس کی وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے قصد و بلاقصد سے خلاف قول واقع ہو خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی یا غصہ کی حالت میں ہوں یا صحت و مرض کی حالت میں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنوں اسے لکھ لیا کروں۔ فرمایا: ہاں۔ عرض کیا: خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی میں ہوں یا غصہ میں۔ فرمایا: ہاں۔ کیونکہ میں ان تمام حالات میں سوائے حق کے کچھ نہیں فرماتا۔

(مستدرک کتاب العلم ۱/۱۰۵)

اور مناسب ہے کہ معجزہ کے دلیل ہونے کے بیان میں جیسا اس کی طرف ہم نے اشارہ کیا کچھ مزید بیان کیا جائے۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر معجزہ قائم ہو چکا اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق

کے سوا کچھ نہیں فرماتے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تبلیغ احکام میں صدق ہی صدق ہے اور یہ کہ معجزہ قائم مقام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ہے کہ ''اے رسول ﷺ تم نے جو کچھ میری طرف سے پہنچایا سچ پہنچایا'' چنانچہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا قول نقل فرماتا ہے:

اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ۔ (الاعراف ۱۵۸)

بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔

اور فرمایا:

وَاُبَلِّغُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِہٖ۔ (الاحقاف ۲۳)

ترجمہ اور میں (برابر) پہنچا رہا ہوں تمہیں وہ پیغام جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔

اور جو تمہارے لئے اترا ہے اسے تمہارے لئے ظاہر کر دوں۔

وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیo اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیo (النجم ۴-۳)

ترجمہ اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

نیز ارشاد ہے:

وَقَدْ جَآءَ کُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ۔ (النساء ۱۷۰)

ترجمہ تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس رسول حق کے ساتھ تمہاے رب کی طرف سے۔

اور فرمایا:

وَمَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخَذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ (الحشر ۷)

ترجمہ اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرما دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ۔

لہٰذا اس باب میں خلاف واقع جو خبر بھی پائی جائے گی خواہ وہ کسی درجہ سے ہو صحیح نہ ہوگی۔ اگر معاذ اللہ ہم غلط اور سہو کو آپ ﷺ پر جائز رکھیں تو یقیناً ہمیں غیر سے فرق کی تمیز نہ ہوگی اور لامحالہ حق باطل کے ساتھ مل جائے گا لہٰذا فی الجملہ معجزہ آپ ﷺ کی تصدیق پر بغیر کسی تخصیص کے مکمل شامل ہے اور نبی کریم ﷺ کا ان سب امور سے پاک ومنزہ اور معصوم ہونا دلیل سے بھی واجب ہے اور اجماع امت سے بھی۔ جیسا کہ ابو اسحٰق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

چھٹی فصل

معترضین کے جوابات

اب ہم معترضین کے سوالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک یہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سورۃ نجم تلاوت فرمائی۔ (تفسیر درمنثور ۷/ ۶۳۹)

اور ارشاد باری سنایا کہ

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰیO وَمَنَاۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰیO (النجم ۲۰-۱۹)

ترجمہ (اے کفار) کبھی تم نے غور کیا لات وعزیٰ کے بارے میں اور مناۃ کے بارے میں جو تیسری ہے۔

تو کہا: تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتُهَا لَتُرْجٰی اور یہ بھی مروی ہے کہ لَتُرْجٰی کی جگہ تُرْتَضٰی کہا اور ایک روایت میں ہے اِنَّ شَفَاعَتَهَا تُرْتَجٰی وَاِنَّهَا لَمَعَ الْغَرَانِیْقِ الْعُلٰی اور ایک روایت میں ہے وَالْغَرَانِقَةِ الْعُلٰی تِلْكَ شَفَاعَةَ تُرْتَجٰی پس جب سورۂ مبارکہ ختم فرمائی تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا۔

جب کفار نے سنا کہ حضور ﷺ ان کے معبودوں کی تعریف کرتے ہیں اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر القا کر دیا (معاذ اللہ) اور یہ کہ آپ ﷺ کی قوم کے درمیان نزدیکی ہو جائے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ (چاہتے تھے کہ) کوئی چیز ایسی نازل نہ ہو جس سے کفار کو نفرت پیدا ہو اور اس قصہ کو بیان کیا اور جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے ان کو یہ سورۃ سنائی تو جب ان دو کلموں پر پہنچے تو کہا یہ تو میں لے کر نہیں آیا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ غمزدہ ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی کیلئے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَآ اَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا۔ (الحج ۵۲)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول ﷺ اور نہ کوئی نبی۔

اور فرمایا کہ: وَاِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ۔ (بنی اسرائیل ۷۳)

ترجمہ اور انہوں نے پختہ اردہ کیا کہ وہ آپ کو برگشتہ کر دیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے کہ اس مشکل روایت میں کلام کرنے کیلئے ہمارے پاس دو ماخذ (دلیلیں) ہیں ایک تو یہ کہ یہ روایت ہی کمزور ضعیف ہے دوسری

یہ کہ ہم اس کو تسلیم کریں۔ لیکن پہلے ماخذ (دلیل) میں تمہیں اتنا ہی کافی ہے کہ یہ روایت کسی صحاح میں محدث نے نقل نہیں کی اور نہ اس کی سند میں معتبر راوی ہیں اور نہ درستی کے ساتھ متصل ہے۔ صرف ان مفسرین و مورخین نے جو عجیب و غریب روایتوں اور خبروں کے دلدادہ ہوتے ہیں اور وہ ہر صحیح و ضعیف روایت کو کتابوں سے نقل کر لیتے ہیں اس روایت کو بیان کیا ہے۔

قاضی بکر بن العلاء مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا سچ بات کہی ہے کہ بلاشبہ کچھ اہل ہوا بیوقوف واحمق لوگ ان تفسیروں کی وجہ سے گمراہ ہوگئے ہیں اور اس سے بعض ملحد باوجود ضعیف راویوں کے اور مضطرب و منقطع السند رِوایتوں کے اختلافی کلمات سے چمٹ گئے ہیں۔ چنانچہ کوئی تو یہ کہتا ہے کہ:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز میں پڑھا۔

(۲) اور کسی نے کہا کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو اپنی قوم کو بلا کر ان کے جلسہ میں پڑھا۔

(۳) اور کسی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آ گئی تھی اس میں یہ پڑھا۔

(۴) اور کسی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل میں باتیں کر رہے تھے تب بھول کر یہ پڑھا۔

(۵) اور کسی نے کہا کہ شیطان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات ڈال دیئے تھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کے سامنے تلاوت کی تو اس نے کہا: میں نے یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں سنایا تھا اور جب یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا: واللہ اس طرح نازل نہیں ہوئی وغیرہ وغیرہ مختلف روایتیں ہیں اور جس مفسر یا تابعی نے اس حکایت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت دی ہے کسی نے بھی اس کی سند صحابہ تک یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل و مرفوع نہیں بیان کی اور ان سے اکثر طریقے اس میں ضعیف اور موضوع ہیں۔

اس سلسلہ میں صرف شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مرفوع ہے جو ابی بشر رحمۃ اللہ علیہ سے وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اس حدیث میں گمان کرتا ہوں کہ یہ مشکوک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ النجم ۶ / ۱۱۸)

اور پورا قصہ بیان کیا۔

اس بارے میں ابوبکر بزاز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہمیں معلوم نہیں کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل السند ہو جس کا بیان کرنا جائز ہو اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے امیہ بن خالد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی جس کو وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے بطور ارسال بیان کرتا ہے۔ یہ حدیث صرف کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پہنچائی جاتی ہے۔

اب تمہیں معلوم ہوگیا ہوگا جو ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ یہ روایت کسی بھی ایسی سند سے مروی نہیں جس کی بنا پر اسے بیان کرنا بھی جائز ہو۔ سوائے اس طریق کے اور اس میں بھی کمزوری اور ضعف ہے جس پر انہوں نے تنبیہہ کی ہے نیز یہ مشکوک بھی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ لہذا یہ روایت نہ تو قابل اعتماد ہے اور نہ حقیقتاً اس میں کچھ واقفیت ہے۔ اب رہی کلبی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث تو یہ اس قبیل سے ہے جس کی روایت اس سے جائز ہی نہیں اور انتہائی ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر بھی جائز نہیں کیونکہ وہ متہم بالکذب ہے جیسا کہ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا اور وہ جوان سے صحیح میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم کو مکہ میں پڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور مشرکوں اور جن و انسان کے ساتھ سجدہ کیا تو یہ نقل کے لحاظ سے ہی کمزور ہے۔

اب رہی اس کی معنوی حیثیت تو اس پر مضبوط دلیل قائم ہو چکی ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی ذیل روایتوں سے منزہ معصوم ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر معبودان باطلہ کی تعریف میں آیتیں اتریں تو یہ کفر ہے یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان غالب آجائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مشتبہ کر دے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں وہ داخل کر دیں جو قرآن سے نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کا اعتقاد کرلیں کہ قرآن کی کچھ آیتیں ایسی ہیں جو قرآن کی نہیں ہیں حتی کہ جبریل علیہ السلام اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبردار کریں۔ یہ تمام باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں محال اور ممتنع ہیں یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمداً اپنی طرف سے ایسا فرمائیں یہ بھی کفر ہے یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہواً (بھول کر) ایسا فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام باتوں سے معصوم ہیں۔

بلاشبہ ہم نے براہین اور اجماع سے یہ ثابت کر دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب و زبان سے کلمہ کفر کا اجراء خواہ عمدا ہو یا سہوا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فرشتہ وحی لائے اس میں شیطانی القاہو جائے یا شیطان کو غلبہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی راستہ مل جائے یا اللہ تعالیٰ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل سے ایسی باتیں گھڑ کر نسبت کریں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوئیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ (الحاقہ ۴۴)

ترجمہ اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا۔

اور فرمایا کہ:

اِذًا لَّاَ ذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ۔ (الاسراء ۷۵)

ترجمہ (بفرض محال اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے) تو اس وقت ہم آپ کو چکھاتے دوگنا عذاب دنیا

میں اور دوگنا عذاب موت کے بعد

آپ ﷺ ان تمام باتوں سے پاک ومنزہ اور معصوم ہیں

دوسری وجہ یہ کہ نظر اور طرف کے لحاظ سے یہ قصہ ہی ناممکن الوجود ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ کلام ایسا ہو جیسا کہ قصہ میں مذکور ہے تو یہ باہمی اتصال سے بعید ہوگا کیونکہ یہ متناقض الاقسام ہے کہ تعریف و مذمت یکجا ہوں جو کہ تالیف ونظم کے خلاف ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو یقیناً نبی کریم ﷺ اور موجود مسلمانوں اور مشرکوں سے پوشیدہ نہ رہتی جبکہ یہ بات ادنیٰ تامل (غور) کرنے والے پر مخفی نہیں ہے تو اس ذات مبارکہ کا کیا حال ہوگا جس کا حلم سب سے زائد جس کا علم بیان ومعرفت اور فصاحت کلام میں اعلیٰ درجہ پر فائق ہو۔

اور تیسری وجہ کہ منافقوں، دشمن مشرکوں، کمزور دل اور جاہل مسلمانوں کی عادت معلوم ہے کہ پہلی ہی دفعہ ان کو نفرت ہو جاتی اور قلیل فتنہ کی خاطر نبی کریم ﷺ پر باتیں ملا دیا کرتے تھے اور مسلمانوں کو عار دلاتے تھے اور ان کے پے در پے مصائب پر خوش ہوا کرتے تھے اور وہ لوگ جو دل کے روگی ہوتے تھے مگر اسلام کا اظہار کرتے تھے ان کی یہ کیفیت تھی کہ ادنیٰ شبہ پڑجانے سے مرتد ہو جایا کرتے تھے لیکن اس قصہ میں سوائے اس کمزور روایت کے اور کچھ منقول نہیں اور اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو یقیناً قریش اس بنا پر مسلمانوں پر غالب آجاتے اور یہودی ضرور ان پر حجت قائم کرتے جیسا کہ انہوں نے قصہ معراج میں مکابرہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ ضعیف الایمان لوگ مرتد ہوگئے تھے۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر واقعہ ہوا۔ بلاشبہ اس فتنہ سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہ ہوتا اگر اس کا وجود ہوتا اور اگر دشمن موقع پاتے تو اس سے زیادہ شدید موقع شور مچانے کا نہ ہوتا۔ مگر کسی دشمن سے اس قصہ میں ایک کلمہ بھی منقول نہیں اور نہ کسی مسلمان سے اس سلسلہ میں کوئی بات منہ سے نکلی۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو اس قصہ کے باطل ہونے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے کافی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ کچھ شیاطین انس وجن نے اس روایت کو بعض بیوقوف نادان محدثین کے دل میں ڈال دیا تاکہ ضعیف الایمان مسلمان اس سے شبہ میں پڑ جائیں۔

چوتھی وجہ یہ کہ اس قصہ کے راویوں نے بیان کیا کہ اس سلسلہ میں آیہ کریمہ لَيَفْتِنُونَكَ (بنی اسرائیل ۷۳) نازل ہوئی۔ حالانکہ یہ دونوں آیتیں اس واقعہ کا رد کر رہی ہیں جو یہ بیان کر رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آپ ﷺ کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتا تھا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ پر افتراء

کریں۔ (معاذ اللہ) اور آپ ﷺ کو خدا ثابت قدم نہ رکھتا تو مائل ہی ہو جاتے۔ اس کا مضمون و مفہوم بتلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس امر سے معصوم رکھا کہ آپ ﷺ خدا پر افتراء کریں اور آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھا کہ ان کی طرف ادنیٰ جھکاؤ بھی نہ ہو چہ جائیکہ زیادہ۔

وہ اپنی اس واہی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے معبودان باطلہ کی تعریف میں میلان و افتراء سے بڑھ کر حصہ لیا (معاذ اللہ) کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا اور وہ بات کہی جو نہ کہی گئی تھی'' (معاذ اللہ) حالانکہ یہ مفہوم آیت کے بالکل خلاف ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو صرف یہی بات اس روایت کو بتا دیتی۔ اب جب کہ یہ بات سرے سے ہی درست نہیں تو اسکا حال ظاہر ہے اور یہ بات اس آیت کی مثل ہے جو دوسری جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَايُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْئٍ۔ (النساء ۱۱۳)

ترجمہ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل آپ پر اور اس کی رحمت تو تہیہ کر لیا تھا ایک گروہ نے ان سے کہ غلطی میں ڈال دیں آپ کو اور نہیں غلطی میں ڈال رہے مگر اپنے آپ کو اور نہیں ضرر پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ بھی قرآن کریم میں لفظ کَادَ آیا ہے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ وہ واقع نہ ہوگا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَكَادُ سَنَابَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ۔ (النور ۴۳)

ترجمہ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کی بینائی کو۔

حالانکہ وہ نہیں لے گئی اور فرمایا: اَكَادُ اُخْفِيْهَا ''عنقریب اسے مخفی کردوں گا'' حالانکہ نہیں کیا۔

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قریش اور بنی ثقیف نے اس وقت التجا کی جبکہ آپ ﷺ ان کے معبودوں کی طرف گزرے کہ آپ ﷺ ان کی طرف چہرۂ انور تو پھیریں اور انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر آپ ﷺ ایسا کریں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور آپ ہرگز ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے۔ ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ نہ تو ان کے قریب ہوئے اور نہ اظہار میلان کیا۔

اور اس آیت کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی مذکور ہیں جیسا کہ ہم نے عصمت رسالت کے بیان میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر آپ کی عصمت بیان فرمائی ہے جو ان نادانوں کی بیوقوفی کی تردید کر رہی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے مکر و فتنہ سے آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھ کر احسان فرمایا۔ اسی سے ہماری مراد آپ ﷺ کی پاکی اور آپ ﷺ کی عصمت ہے۔ یہی آیت کا مفہوم ہے۔

لیکن دوسرا ماخذ (دلیل) تو وہ بر بنائے تسلیم حدیث بشرط صحت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی صحت سے ضرور پناہ دی ہے لیکن بہر حال ائمہ مسلمین نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں جس میں کچھ ضعیف ہیں اور کچھ قوی ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے جو قتادہ اور مقاتل رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کو اس سورۃ کی قرات کے وقت اونگھ آ گئی تھی اور یہ کلام نیند کی وجہ سے آپ ﷺ کی زبان پر جاری ہو گیا تھا۔

یہ بالکل غلط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ پر یہ کسی حال میں جائز نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان پر اسے پیدا کیا اور نہ یہ جائز ہے کہ خواب یا بیداری میں آپ ﷺ پر شیطان غلبہ پا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں آپ ﷺ کو ہر عمد و سہو سے معصوم کیا۔

اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دل سے یہ بات بنائی لہٰذا یہ شیطان کا آپ ﷺ کی زبان پر القا ہے (معاذ اللہ) اور ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت جو ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے ہے، کہا کہ آپ ﷺ کو سہو ہو گیا جب آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا: اسے شیطان نے زبان پر جاری کر دیا اس قسم کی تمام باتیں غلط ہیں کہ نبی کریم ﷺ عمداً یا سہو سے ایسا فرما سکیں اور نہ شیطان ہی آپ ﷺ کی زبان پر قابو پا سکتا ہے۔

ایک قول ضعیف یہ ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی تلاوت کے دوران کفار کی مضبوطی اور تنبیہ کے طور پر ایسا فرمایا ہو جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ هٰذَا رَبِّیْ (یہ میرا رب ہے) اس کی کئی تاویلیں ہیں اور ان کا یہ قول کہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ (الانبیاء ۶۲) بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی۔

(تو آپ نے) سکوت اور دو کلاموں کے درمیان وقفہ کر کے فرمایا۔ اس کے بعد تلاوت جاری رکھی۔ ایسے وقفہ و فعل کے بعد ممکن ہے اور قرینہ اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قرآن سے نہیں ہے۔ یہ ایک تاویل ہے جسے قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو نماز میں پڑھنے کے بارے میں مروی ہے کیونکہ اس وقت تک نماز میں کلام کی مخالفت وارد نہ تھی۔

اور وہ بات جو قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محققین کے نزدیک اس کی تاویل میں ظاہر و قابل ترجیح تسلیم روایت میں ہے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمان الٰہی کے مطابق قرآن کو ترتیل سے پڑھا کرتے اور اپنی قرآت میں ایک ایک آیت جدا جدا کر کے تلاوت کرتے تھے جیسا کہ ثقہ راویوں نے آپ سے روایت کی۔ پس ممکن ہے کہ شیطان اس گھات میں رہتا ہو کہ حضور ﷺ کے سکتہ اور وقفہ کے درمیان اپنی طرف سے کلام بنا کر حضور ﷺ کی آواز کے مشابہ کر کے داخل کر دیتا ہو۔ تا کہ قریب کے کفار سن لیں اور وہ گمان کر لیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے اور اس کی وجہ اشاعت کرتے ہوں تو یہ بات مسلمانوں کے نزدیک ہرگز عیب نہیں کیونکہ سورۃ اترتے ہی اس واقعہ سے پہلے مسلمانوں نے اسے حفظ کر لیا تھا اور ان کو یہ بات ثابت تھی کہ نبی کریم ﷺ ہر حال میں بتوں کی مذمت اور ان کے عیوب بیان کرتے ہیں یہ بات خوب مشہور تھی۔

موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مغازی میں اس کے مثل بیان کر کے کہا کہ مسلمانوں نے اسے نہیں سنا۔ وہ تو شیطانی القا ہے جسے مشرکین کے کان اور دلوں نے سنا تھا اور جو مروی ہے کہ اس کی اشاعت، شبہ اور فتنہ کے سبب آپ غمزدہ ہو گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ۔ (الحج ۵۲)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہ کوئی نبی۔

تو معلوم ہوا کہ تَمَنّٰی کے معنیٰ یہاں تلاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

لَايَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ اِلَّآ اَمَانِيَّ۔ (البقرہ ۷۸)

جو نہیں جانتے کتاب کو بجز جھوٹی امیدوں کے۔

اور فرمایا:

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَايُلْقِي الشَّيْطَانُ۔ (الحج ۵۲)

پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو دخل اندازی شیطان کرتا ہے۔

یعنی اسے محو کر دیتا ہے اور اس کے فریب کو زائل کر دیتا ہے اور دینی آیتوں کو محکم بنا دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو جو سہو بوقت تلاوت ہو جاتا تھا معلوم ہونے پر اس سے آپ ﷺ رجوع کر لیتے تھے۔ سو یہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے جو کہ آیت کے بارے میں ہے کہ آپ ﷺ نے دل سے باتیں کیں اور کہا: جب آپ ﷺ نے تمنا کی یعنی دل سے باتیں کیں اور ابوبکر ابن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ قرات میں سہو جب ہی صحیح ہوتا ہے کہ اس کے

معانی اور لفظوں میں تغیر و تبدل اور ایسی زیادتی ہو جو قرآن میں نہ ہو بلکہ سہو تو یہ ہے کہ قرآن کی کسی ایت یا کلمہ کی تلاوت رہ جائے لیکن ایسا سہو قائم و باقی نہیں رہتا بلکہ اسی پر فوراً خبردار کر کے یاد دلایا جاتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب سہو کے جواز و عدم جواز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بحث کریں گے۔

اس روایت کی تاویل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ میں بیان کیا کہ ''وَالْفَرَانِقَةُ الْعُلٰی وَاِنْ شَفَاعَتُهُنَّ تُرتَجٰی'' اس سے فرشتے مراد ہیں۔

اس روایت کے موافق کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کی کہ اس سے فرشتے مراد ہیں یہ اس بنا پر کہ کفار یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرشتے اور یہ بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (معاذ اللہ) جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کی حکایت کر کے اسی سورۃ میں رد فرماتا ہے:

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى۔ (النجم ۲۱)

کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ کیلئے نری بیٹیاں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تمام باتیں مردود فرما دیں اور فرشتوں سے شفاعت کی امید صحیح ہے اور جب مشرکوں نے اس کی یہ تاویل کی کہ اس آیت میں ذَكَرَ سے مراد ان کے معبود ہیں اور شیطان نے انہیں فریب اور شبہ میں ڈال دیا اور ان کے دلوں کو یہ اچھی معلوم ہوئی جو ان کے دلوں میں شیطان نے ڈالی تو اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا جسے شیطان نے ڈالا اور اپنی آیات کو مضبوط کر دیا اور ان دونوں لفظوں کی تلاوت کو جن سے شیطان نے راہ پائی تھی اشتباہ کی وجہ سے اٹھا لیا۔

جیسا کہ قرآن میں اکثر نسخ واقع ہوا اور اس کی تلاوت اٹھالی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے اس اتارنے میں بھی حکمت تھی اور منسوخ کرنے اور اٹھانے میں بھی حکمت ہے تا کہ وہ یہ دیکھے اس طرح پر کون گمراہ ہوتا ہے اور کون راہ یاب ہوتا ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ۝ (البقرہ ۲۶)

اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمانوں کو۔

نیز فرمایا:

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ۔ (الحج ۵۳)

اور بیشک ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔

اور اس لئے بھی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے وہ اسے اپنے رب کی طرف سے حق جانیں تو وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس پر اور مضبوط ہو جائیں۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب اس سورۃ کی تلاوت کی اور اس آیت کریمہ اَللّٰاتَ وَالْعُزّٰی پر پہنچے تو کفار ڈرنے لگے کہ اس کے بعد ان کی مذمت میں آیت آئے گی تو انہوں نے جھٹ ان کی مدح میں ان دو کلموں کا اضافہ کر دیا تاکہ نبی کریم ﷺ کی تلاوت میں گڈ مڈ ہو جائے۔ پھر وہ کفار اپنی عادت کے مطابق حضور ﷺ پر طعنہ زنیاں کریں۔ جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝ (حم السجدہ ۲۶)

ترجمہ مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم (اس طرح) غالب آ جاؤ۔

اس فعل کی شیطان کی طرف نسبت اسلئے ہے کہ اس نے ان کو اس پر برانگیختہ کیا اور اس نے اسے شائع و ذائع کیا تھا اور نبی کریم ﷺ سے جب اسے کہا تو آپ ﷺ ان کے اس افتراء اور کذب پر غمگین ہوئے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی یوں تسلی فرمائی کہ

وَمَآ اَرْسَلْنَاكَ مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ۔ (الحج ۵۲)

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول ﷺ اور نہ کوئی نبی۔

اور قرآن کی حفاظت فرمائی اپنی آیتوں کو محکم بنایا اور جو دشمنوں نے اشتباہ ڈالا اسے دفع فرمایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود اس کا ضامن ہے کہ۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر ۹)

ترجمہ بیشک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید کو) اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اسی قبیل سے وہ روایت ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے اپنے رب کی طرف سے عذاب کا وعدہ کیا۔ جب انہوں نے توبہ کر لی تو ان سے عذاب دور کر دیا تب کہا کہ میں ان کی طرف جھوٹا بن کر کبھی نہ جاؤں گا اور غصہ ہو کر چلے گئے۔

خدا تمہیں عزت دے، معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بات کسی روایت تو اریخ میں مذکور نہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے کہا ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے اس میں تو صرف یہ ہے کہ انہوں نے ان کو ہلاک کر ڈالنے کی استدعا کی تھی اور دعا ایسی خبر نہیں جس کے صدق و پورا ہونے یا جھوٹے ہونے کا مطالبہ کیا جا سکے لیکن ان سے یہ کہا تھا۔

فلاں روز صبح کے وقت ایسا ایسا عذاب آنے والا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ فرمایا تھا۔ پھر

اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر کے ان پر مہربانی فرمائی۔ چنانچہ فرماتا ہے:

اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ۔ (یونس ۹۸)

ترجمہ بجز قوم یونس کے جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب۔

اخبار دسیر میں ہے کہ انہوں نے عذاب کے دلائل وعلامتیں دیکھی تھیں۔ اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قوم یونس کو عذاب نے اس طرح ڈھانپ لیا تھا جس طرح چادر قبر کو ڈھانپ لیتی ہے۔ (درمنثور ۴/۳۹۲)

اگر تم یہ کہو کہ اس روایت کے کیا معنی ہیں کہ عبداللہ بن سرح جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا پھر وہ مرتد اور مشرک ہو کر قریش سے مل گیا۔ ان سے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرف چاہتا تھا پھیر لیتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ لکھاتے تو میں کہتا یَاعَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ہے۔ فرماتے: ہاں ٹھیک ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے: ایسا لکھو۔ تو وہ کہتا: ایسا لکھ دوں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: جیسا تو چاہے لکھ۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: عَلِیْمًا حَکِیْمًا تو وہ کہتا: کیا سَمِیْعًا بَصِیْرًا لکھ دوں۔ فرماتے: جیسا چاہے لکھو اور صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نصرانی اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب بنا پھر وہ مرتد ہو گیا اور وہ کہتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا میں انہیں لکھ دیتا ہوں۔ (۲صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/۱۶۲)

تو اے مسلم تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حق پر ثابت قدم رکھے اور شیطان کو ہم پر راہ نہ دے کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ مشتبہ کر دے کہ اس قسم کی حکایتیں اولاً تو مسلمان کے دل میں کسی قسم کا شک ڈال ہی نہیں سکتیں کیونکہ یہ حکایتیں ان لوگوں کی طرف سے ہیں جو مرتد ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا۔ حالانکہ ہم اس مسلمان کی خبر کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو کذب وغیرہ کے ساتھ متہم ہو چہ جائے کہ اس کافر کے افتراء کو مانیں جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھا۔ وہ تو اس سے بڑھ کر ہے اور ہر ایسے سلیم العقل پر تعجب ہے جس نے ایسی حکایتوں کی طرف توجہ بھی کی۔ بلاشبہ یہ حکایتیں دشمن، کافر اور دین اسلام سے بغض وعناد رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھنے والے سے صادر ہوئیں اور کسی مسلمان سے اس قسم کی کوئی روایت منقول نہیں اور نہ کسی صحابی نے ایسا تذکرہ کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ اس نے کہا اس نے اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام پر افتراء کیا۔

اِنَّمَا يَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۝ (النحل ۱۰۵)

ترجمہ وہی لوگ تراشا کرتے ہیں جھوٹ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیات پر اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔

اور وہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے تو یہ ظاہر حکایت ہے اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ اس کا شاہد ہے کہ انہوں نے جو سنا حکایت کر دی۔ حالانکہ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ اسے ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس پر اس کا کوئی تابع نہیں ہے اور اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حمید رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور کہا کہ میرا گمان ہے کہ اسے ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ (واللہ اعلم) اسی وجہ سے کسی اہل صحاح نے اس روایت کو نہ تو ثابت رضی اللہ عنہ سے اور نہ حمید رحمۃ اللہ علیہ سے تخریج کی اور صحیح حدیث عبداللہ بن عزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اسے اہل صحت نے تخریج کی ہے اور ہم نے اسے بیان کیا ہے۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی قول نہیں ہے۔ صرف مرتد نصرانی کی حکایت ہے اگر یہ صحیح ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں اور نہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ہوئی وہم کا گمان ہوتا ہے اور نہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ پر سہو، غلطی اور تحریف کا جواز ہے اور نہ کوئی نظم قرآن کے منجاب اللہ تعالیٰ ہونے میں طعن ہے۔

اس لئے کہ اگر یہ صحیح ہے تو اس میں اس سے زیادہ نہیں کہ کاتب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: **یَاعَلِیْمٌ حَکِیْمٌ** اسے لکھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا ہی ہے تو ایک یا دو کلموں پر سبق لسان یا قلم نہیں ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار فرمانے سے قبل اس لئے کہ جو کچھ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھائی ہے وہ اس پر دلالت کر رہی تھی اور اسی کلمہ کا تقاضا کرتی تھی۔ اس میں تو کاتب کے کلام کی معرفت وقوت اور ذہانت وفطانت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ بسا اوقات ایسا اتفاق کسی سمجھ دار آدمی کیلئے ہو جاتا ہے جب کہ وہ کوئی شعر سنتا ہے تو اس کے قافیہ کی طرف اس کا ذہن سبقت کر جاتا ہے یا جب وہ کسی عمدہ کلام کے ابتدائی حصہ کو سنتا ہے تو ایسے جملہ کی طرف اس کا ذہن سبقت کر جاتا ہے جس سے کلام پورا ہو جاتا ہے اور یہ اتفاق پورے کلام میں نہیں ہوتا جیسا کہ ایک آیت یا ایک سورۃ میں نہیں ہوتا۔

یہی صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی ہے اگر وہ صحیح ہو "کہ سب ٹھیک ہے" تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آیت کے آخر میں دو وجہیں یا دو قراتیں ایک ساتھ حضور پر نازل ہوئی ہوں ان میں سے

ایک تو لکھا دی اور دوسری کی طرف کاتب کی اپنی ذہانت اور دانائی کہ مقتضائے کلام کے موافق ذہن دوڑ گیا۔ تو اس نے اس کا نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا اس پر آپ ﷺ نے اس کی تصویب کر دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا حکم فرما دیا اور جسے چاہا منسوخ اور محو فرما دیا۔ جیسا کہ بعض آیتوں کے آخری حصہ میں پایا جاتا ہے۔ مثلا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○ (المآئدۃ ۱۱۸)

ترجمہ اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے۔

یہ جمہور کی قرأت ہے اور قاریوں کی ایک جماعت نے فَاِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (تو ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے) پڑھا ہے حالانکہ یہ مصحف میں نہیں ہے۔ یہی صورت ان کلمات کی ہے جو درمیان میں دو وجہوں پر آئی ہیں۔ جس میں سے ایک کو تو جمہور نے پڑھا اور مصحف میں برقرار رکھا (اور دوسرا مصحف میں نہیں) مثلا وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا اور نُنْشِرُهَا دونوں ہیں۔ اور يَقْضِ الْحَقَّ اور يَقُصُّ الْحَقَّ دونوں ہیں۔ یہ اختلافات شک کے موجب نہیں اور نہ نبی کریم ﷺ کی طرف غلطی اور وہم کی نسبت کی جا سکتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے یہ ان خطوط میں لکھا گیا ہو جو حضور ﷺ کی طرف سے لوگوں کی طرف قرآن کے سوا لکھا گیا ہو اور اس میں اس نے خدا کی تعریف وتسمیہ میں جو چاہا لکھ دیا ہو۔

ساتویں فصل

دنیاوی امور میں صدق مقال اور احوال بشریہ

یہ بحث تو اس کلام میں تھی جو تبلیغ سے متعلق تھا لیکن وہ جو تبلیغ سے متعلق نہیں ہے یعنی وہ خبریں جو نہ تو احکام سے متعلق ہیں اور نہ وہ امور آخرت سے اور نہ وحی کی طرف اس کی اسناد ہے بلکہ وہ دنیاوی امور اور آپ ﷺ کے حالات میں وارد ہیں تو ان میں بھی نبی کریم ﷺ کو منزہ سمجھنا واجب ہے کہ آپ ﷺ کی کوئی خبر خلاف واقع ہو نہ عمداً نہ سہواً اور نہ غلطاً اور یہ کہ آپ ﷺ خوشی، غصہ، محبت، مزاج اور مرض وغیرہ ہر حالت میں معصوم تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سلف کا اس پر اتفاق و اجماع ہے۔

یہ یوں ہے کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صحابہ کے دین اور عادت یہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کے تمام حالات کی تصدیق میں سبقت کرتے تھے اور آپ ﷺ کی ہر بات پر ان کو بھروسہ اور اعتماد تھا خواہ وہ کسی معاملہ میں ہو اور کسی جانب سے واقعہ ہو اور ہرگز انہیں کسی وقت بھی توقف اور تردد نہ ہوتا تھا اور نہ وہ اس وقت اس بات کا ثبوت مانگا کرتے تھے کہ کہیں اس میں سہو ہے یا نہیں

جب ابن ابی الحقیق یہودی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر سے نکالا تو اس نے آپ رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کیا کہ یارسول اللہ ﷺ نے تو برقرار رکھا تھا (اور آپ نکال رہے ہیں) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو خیبر سے نکالا جائے گا۔ تو یہودی نے کہا: یہ تو ابو القاسم (رسول اللہ ﷺ) کا مذاق تھا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے دشمن خدا تو جھوٹ بولتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط ۳/ ۱۶۹)

آپ ﷺ کے اخبار و آثار، سیر و شمائل وہ ہیں جن کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور انہیں تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنی غلطی کا تدارک کیا ہو یا جو فرمان بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے یا جو خبر بھی آپ ﷺ نے دی ہے اس میں وہم کا اقرار کیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور وہ بھی منقول ہوتا۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ایک مرتبہ انصار سے کھجور کے پیوند لگانے کے قصہ میں رجوع کرنا منقول ہے حالانکہ یہ بھی ایک مشورہ تھا نہ کہ خبر تھی۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۸۳۵)

اس کے سوا اور بہت سے امور ہیں جو اس بات سے نہیں جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ خدا

کی قسم اگر میں کسی معاملہ میں قسم کھا لوں پھر اس کے سوا دوسری طرف بھلائی کو دیکھوں تو قسم کو توڑ کر اسے کر لوں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان ۸/ ۱۰۸، صحیح مسلم کتاب الایمان ۳/ ۱۲۶۹)

اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم لوگ میرے پاس جھگڑا لے کر آتے ہو۔

(صحیح بخاری کتاب الاحکام ۹/ ۵۷ صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ ۳/ ۱۳۳۷)

اور یہ فرمانا کہ اے زبیر رضی اللہ عنہ اپنی کھیتی کو اتنا پانی دے کہ پانی دیوار کو پہنچ جائے۔ وغیرہ۔

(بخاری کتاب التفسیر ۶/ ۳۹ صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۸۳۰ سنن ابوداؤد کتاب الاقضیۃ ۴/ ۵۲، سنن ترمذی کتاب الاحکام ۲/ ۴۰۸ سنن نسائی کتاب القضاء ۸/ ۲۳۸، سنن ابن ماجۃ کتاب الرھون ۲/ ۲۸۹)

جیسا کہ ہم ہر وہ قصہ جو اس باب میں مشکل نظر آتا ہے اور جو اس کے بعد ہے ان دونوں شبہوں کے ساتھ انشاء اللہ بعد میں بیان کریں گے۔

ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی جھوٹی خلاف واقعہ خبر معروف ہو جائے تو اسکی باتوں میں شک پڑ جاتا ہے اور وہ حدیث میں متہم کہلاتا ہے اس کا قول لوگوں کے دلوں میں نہیں پڑے گا۔ لہٰذا محدثین اور علماء کرام نے باوجود ثقہ ہونے کے وہم وغفلت، سوء حفظ اور کثرت غلط کی وجہ سے ایسوں سے حدیث لینے کو ترک کر دیا ہے۔

ایک یہ بھی ہے کہ عمداً دنیاوی امور میں جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بکثرت جھوٹ بولنا بالا جماع گناہ کبیرہ ہے اور مروت کو ساقط کر دیتا ہے اور ان سب امور میں منصب نبوت پاک و منزہ ہے اور جبکہ ایک مرتبہ جھوٹ بولنا جس میں برائی اور شناعت ہو اسے (منصب نبوت) داغدار اور عیب دار بنا دیتا ہے اور اس کے قائل کو گنہگار کر دیتا ہے وہ اسی کے ساتھ ملتا ہے جو اس مرتبہ پر نہ پہنچے پھر اگر ہم اس کو صغیرہ میں شمار کریں تو کیا اس کا حکم ایک مرتبہ جھوٹ بولنے کے حکم میں ہوگا اور مختلف فیہ بن جائے گا؟

لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ نبوت کو اس کے تھوڑے اور بہت سے اور سہو و عمد سے منزہ رکھا جائے اس لئے کہ نبوت کا مقصود تبلیغ اخبار اور تصدیق ہے جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں۔ اگر اس میں (سہو وعمد) سے کچھ جائز رکھا جائے تو یہ منصب نبوت کے مخالف اور شک پیدا کرنے والی اور معجزات میں متناقض ہوگا۔

لہٰذا ہمارا یقینی طور پر اعتقاد ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اقوال میں کسی وجہ سے خلاف نہیں ہے نہ قصداً اور نہ بدون قصد کے اور جو لوگ سستی کرتے ہیں اور اس کو جائز رکھتے ہیں کہ جو امور تبلیغ سے متعلق نہیں ہیں ان میں سہو ممکن ہے ہم اس سے تسامح نہیں کرتے البتہ بعد نبوت ہرگز نہیں اور اس

کے باوجود نبوت سے پہلے بھی ان پر جھوٹ جائز نہیں اور نہ ان کی طرف امور دنیا اور ان کے حالات میں اس کی نسبت کرنی جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ بات ان کو عیب دار اور شکی بناتی ہے لوگوں کے دل بعد کو ان کی رسالت و تبلیغ کی تصدیق سے نفرت کرنے لگیں گے۔ نبی کریم ﷺ کے ہم زمانہ قریش وغیرہ امت دعوت پر زرا غور کرو اور ان کے سوالات کو دیکھو کہ وہ کس طرح آپ ﷺ سے حالات اور آپ ﷺ کی سچائی کے معترف تھے۔ انہوں نے معروف باتوں کا اقرار کیا تھا۔

ناقلین کا ہمارے نبی ﷺ کی عصمت پر قبل نبوت اور بعد نبوت اتفاق ہے اور ہم نے ان آثار کو اس کتاب کے پہلے حصہ کے دوسرے باب میں بیان کیا ہے اب اس بات کی صحت کو جس کی طرف ہم ارشاد کر چکے ہیں، بیان کرتے ہیں۔

آٹھویں فصل

سہو حدیث

اب اگر تم یہ کہو کہ سہو حدیث میں حضور ﷺ کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ اس پر ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے نماز کو قصر فرمایا یا آپ کو سہو ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے کوئی بات نہیں۔

(صحیح بخاری کتاب السہو ۲/ ۶۰۔۵۹ صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/ ۴۰۴)

دوسری حدیث میں ہے کہ نہ تو میں نے قصر کیا اور نہ سہو ہوا۔

آپ ﷺ نے دونوں حالتوں کی نفی فرمائی کہ ان میں سے کوئی بات نہیں حالانکہ ان میں سے ایک بات ضرور ہوئی جیسا کہ ذوالیدین نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ان میں سے کچھ تو ہے۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں خیر کی توفیق بخشے کہ علماء کرام کے اس واقعہ میں چند جواب ہیں جن میں سے کچھ تو منصفانہ ہیں اور کچھ بنیت ظلم اور متعصبانہ ہیں۔

باخبر رہو میں کہتا ہوں کہ اس قول کے موافق جس میں آپ ﷺ پر وہم وغلط کو ان باتوں میں جو تبلیغ سے متعلق نہیں ہیں جائز رکھا ہے تو اس کو تو ہم نے دو قولوں سے کمزور کر دیا ہے۔ لہٰذا اس بنا پر تو اس قسم کی حدیث پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ لیکن اس مذہب کی بنا پر جس میں سہو و نسیان حضور ﷺ کے تمام افعال میں ممنوع ہے ان کے نزدیک تو اس قسم کی بظاہر نسیان کی صورتوں میں قصداً اور عمداً افعال کئے گئے ہیں تاکہ سہو میں سنت کی تعلیم مل جائے لہٰذا آپ ﷺ اپنی خبر میں صادق ہیں اس لئے کہ نہ تو آپ ﷺ سے سہو ہوا اور نہ قصر فرمائی لیکن اس قول پر یہ فعل قصد وارادہ سے آپ ﷺ نے فرمایا تاکہ اس شخص کو جسے ایسی صورت پیش آ جائے سنت ہو جائے۔ یہ قول ناپسندیدہ ہے ہم اسے اپنی جگہ پر بیان کریں گے۔ لیکن آپ ﷺ پر اقوال میں سہو کا محال ہونا اور غیر اقوالی میں سہو کا جائز ہونا ''ہم عنقریب انہیں بیان کریں گے'' اس (واقعہ مذکورہ) میں بھی کئی جواب ہیں۔

ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اعتقاد اور اپنے ضمیر سے خبر دی لیکن قصر سے انکار کرنا تو یہ صحیح ہے جو ظاہر و باطن پر صادق ہے۔ رہا نسیان تو اس کی آپ ﷺ نے اپنے اعتقاد سے خبر دی کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گمان میں سہو نہیں فرمایا گویا کہ اس خبر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گمان سے قصد وعمد مراد لیا۔ اگر چہ الفاظ میں اس اعتقاد وظن کا ذکر نہیں۔ یہ بھی صحیح ہے۔

دوسری وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میں بھولا نہیں اسلام کی طرف راہ ہے یعنی میں نے قصداً اسلام پھیرا ہے اور تعداد رکعات میں سہو واقع ہوا یعنی نفس سلام میں سہو واقع نہیں ہوا۔ یہ توجیہہ محتمل اور بعید ہے۔

اور تیسری توجیح اس سے بھی زیادہ بعید ہے جس کی طرف علماء گئے ہیں کہ الفاظ ہی محتمل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ان میں سے کچھ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قصر ونسیان دونوں جمع نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سے ایک ہے لفظوں کا یہ مفہوم دوسری صحیح روایت کے خلاف ہے کہ آپ نے فرمایا: ''نہ تو نماز قصر کی ہے اور نہ سہو واقع ہوا''۔ یہ باتیں میں نے اپنے ائمہ سے نقل کی ہیں۔ یہ سارے وجوہ (وجہیں) لفظ کیلئے محتمل ہیں باوجود اس کے بعض بعید ہیں اور بعض میں تعسف وعناد ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ جو میں کہوں گا اور جو مجھے ظاہر ہوا وہ ان تمام وجوہات میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں بھولا نہیں ہوں اس لفظ کا انکار ہے کہ جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ سے نفی کی ہے اور دوسروں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے اس کا انکار کیا کہ ''تمہارے لئے یہ بری بات ہے کہ تم یوں کہو کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا ہوں'' لیکن یوں کہو کہ میں بھلایا گیا ہوں۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیثوں کی روایتوں میں فرمایا کہ میں بھولا نہیں کرتا بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سائل نے عرض کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قصر کی ہے یا سہو واقع ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر کا انکار کیا جیسا کہ واقعہ میں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسیان سو یہ اپنے نفس کی جانب سے تھا اگر کوئی بات اس میں سے جاری ہوگئی تو یقیناً آپ بھلائے گئے۔ یہاں تک کہ دوسرے نے سوال کر ہی لیا تو یہ متحقق ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائے گئے تھے اور اس میں سے کچھ جاری کر دیا گیا تاکہ مسنون ہو جائے۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''نہ تو بھولا ہوں اور نہ قصر کی ہے ان میں سے کچھ بات نہیں'' صدق وحق ہے کیونکہ آپ نے نہ تو قصر کیا اور نہ حقیقتاً بھولے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائے گئے ہیں۔

اور ایک اور وجہ بھی ہے جسے میں نے بعض مشائخ کے کلام سے اشارتاً سمجھا ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو تو ہوتا تھا لیکن بھولتے نہ تھے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس سے نسیان (بھول)

کی نفی فرمائی۔

بعض مشائخ نے فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ نسیان ایک غفلت اور مصیبت ہے اور سہو وہ ایک شغل ہے۔ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نماز میں سہو ہو جاتا تھا لیکن اس سے غفلت اور نسیان واقع نہ ہوتا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حرکات کی ادائیگی میں کمال استغراق ہوتا تھا لہٰذا اس مشغولیت کی وجہ سے سہو ہو جاتا تھا نہ کہ اس سے غفلت ولا پرواہی کی بنا پر۔

اب اگر یہ معنی متحقق ہو جائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں کہ نہ میں نے قصر کیا اور نہ نسیان واقع ہوا کوئی اختلاف نہیں رہتا اور میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ نہ میں نے قصر کیا اور نہ نسیان واقع ہوا۔ اس کے معنی اس ترک کے ہیں جو نسیان کی دو وجہوں میں سے ایک ہے۔

(واللہ علم)

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد ہو کہ میں نے نہ تو دو رکعتوں پر سلام پھیرا ہے اور نہ پوری نماز کا تارک ہوا ہوں لیکن میں بھلایا گیا ہوں اور یہ میرے نفس کی جانب سے نہ تھا اس پر آپ کی یہ صحیح حدیث دلالت کر رہی ہے جو آپ نے فرمایا کہ میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تا کہ سنت بناؤں۔ (صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن ۶ / ۱۵۹۔۱۵۸ صحیح مسلم کتاب المسافرین ۱ / ۵۴۵)

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں مذکورہ کلمات جو کہ تین کذب تھے جس میں سے دو قرآن میں منصوص ہیں ایک یہ کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصفت ۸۹) میں بیمار ہوں اور دوسرا یہ کہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا (الانبیاء ۶۳) بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا اور تیسرا وہ قول جو بادشاہ سے اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ یہ ''میری بہن ہے''۔ (صحیح بخاری کتاب الفضائل ۵ / ۱۱۲، صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴ / ۱۸۴۰)

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے یہ تمام باتیں کذب سے خارج ہیں نہ قصداً صادر ہیں نہ بغیر قصد کے بلکہ یہ ان معارضات میں داخل ہیں جو کذب سے خارج ہیں اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصفت ۸۹) ''میں بیمار ہوں'' کے قول میں حسن رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں یعنی ہر مخلوق کو مرض لاحق ہوا ہی کرتا ہے تو انہوں نے اپنی قوم سے ان کے ساتھ ان کے میلے میں جانے سے اس طرح عذر کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ میں بیمار ہوں یعنی موت مجھ پر مقدر ہو چکی ہے ایک قول یہ ہے کہ انہیں ایک ستارۂ معلوم کے طلوع کے وقت بخار آ جایا کرتا تھا۔ پس جب انہوں نے وہ ستارہ طلوع ہوتا دیکھا تو اپنی عادت کے مطابق عذر کر دیا۔ ان تمام صورتوں میں کذب کہاں ہیں بلکہ ایک خبر صحیح و صادق ہے اور بعض نے کہا: انہوں نے اپنی بیماری کے ساتھ ان

پر تعریضا حجت قائم کی اور ان کی اس دلیل کو کمزور ثابت کیا جو وہ ستاروں کی وجہ سے مشغول رہا کرتے تھے اور یہ کہ آپ اسی دیکھنے کی حالت میں اور پہلے اس کے کہ آپ کی حجت ان پر قائم ہو کہ بیماری اور مرض کی حالت میں ہیں باوجود یکہ خود آپ کو شک نہ تھا نہ آپ کا ایمان ضعیف تھا لیکن جو استدلال ان کے سامنے پیش کیا تھا اس میں ضعف تھا اوراس کی دلیل کمزور تھی جیسا کہ کہا جاتا ہے دلیل کمزور ہے اور نظر معلول ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے استدلال کی صحت و حجت ہونے پر ستاروں، سورج چاند کی وحی فرمائی جس کا خدا نے ذکر کیا ہے۔اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

اب رہا آپ علیہ السلام کا یہ قول کہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا (الانبیاء ۶۳) سو یہ خبر گویائی کے ساتھ مشروط فرمائی گویا کہ آپ علیہ السلام نے یوں فرمایا کہ اگر وہ بول سکتا ہے تو اس نے یہ کیا ہے لہٰذا یہ قول اپنی قوم کو جھڑکنے کیلئے تھا۔ یہ کلام بھی صادق ہے اس میں بھی کوئی خلاف واقع نہیں۔

اب رہا تیسرا قول یہ ''میری بہن ہے'' سو اس کی وجہ تو حدیث میں ہی مذکور ہے کہ آپ نے کہا کہ تو اسلام میں میری بہن ہے۔ یہ بھی سچ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔

(الحجرات ۱۰)

اب اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کا کذب رکھا ہے اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے ہیں اور حدیث شفاعت میں فرمایا کہ وہ اپنے ان کذبوں کو یاد کریں گے۔

(صحیح بخاری کتاب التوحید ۹ / ۱۰۶)

سو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان تین کلموں کے سوا کبھی اور کوئی ایسا کلام نہیں کیا جو صورۃ تو کذب ہو مگر باطن میں واقعتاً وہ حق ہو اور جبکہ ان کے ظاہری معنی ان کے باطنی مفہوم کے خلاف تھے بنا بریں حضرت ابراہیم علیہ السلام مواخذہ سے خوفزدہ ہو گئے لیکن وہ حدیث جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اس کے سوا دوسری طرف بطور توریہ ذکر کیا کرتے۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد ۴/ ۳۹ ،صحیح مسلم کتب التوبہ ۴/ ۲۱۲۸)

تو اس میں بھی کوئی خلاف گوئی نہیں کیونکہ یہ تو اپنے ارادہ کو پوشیدہ رکھنے کیلئے تھا تا کہ دشمن اپنے بچاؤ کا سامان نہ تیار کر لے اور اپنے جانے کو پوشیدہ رکھنے کیلئے دوسری جگہ کا ذکر بطریق سوال کرتے اور اس کے حالات پر بحث اور اس کے ذکر کا توریہ کرتے تھے اور یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ فلاں جنگ کیلئے چلو اور ہمارا ارادہ فلاں مقام کا ہے جس جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ نہ رکھتے ہوں۔ لہٰذا یہ نہ ہوتا تھا اور یہ توریہ خبر نہیں ہے جس سے خلاف گوئی پائی جائے۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں کون زیادہ عالم ہے؟ فرمایا: میں زیادہ عالم ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی۔

(صحیح بخاری کتاب لفضائل ۵/۱۲۳ صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/۱۸۴۷)

اسی میں یہ ہے کہ فرمایا بلکہ مجمع بحرین میں ہمارا ایک بندہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ یہ وہ خبر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ایسے نہیں ہیں۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس حدیث کی بعض دوسری صحیح سندوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واقعہ ہے کہ کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جو تم سے زیادہ عالم ہے پس جبکہ ان کا جواب ان کے علم پر ہے تو وہ خبر حق و صادق ہے اس میں نہ خلاف گوئی ہے اور نہ شبہ ہے اور دوسری سندوں کی بنا پر تو اس کا محمول ان کا گمان و اعتقاد ہے جیسا کہ اگر آپ اس کی تصریح کر دیتے۔ اس لئے کہ نبوت و اصطفاء میں ان کی حالت اس کی مقتضی ہے۔ لہٰذا ان کا اس امر کی بابت خبر دینا بھی اپنے اعتقاد و گمان کے موافق سچ تھا اس میں کوئی خلاف گوئی نہیں ہے کبھی اَنَا اَعْلَمُ "میں زیادہ عالم ہوں" سے مراد وہ امور لئے گئے ہیں جو ان کے مقتضی تھے یعنی نبوت کے وظائف مثلاً علوم توحید، امور شریعت اور سیاست امت اور حضرت خضر علیہ السلام دوسرے امور کو ان سے زیادہ جانتے تھے جنہیں کوئی نہیں جانتا مگر عطائے الٰہی کے ساتھ علوم غیبیہ کا جاننا۔ جیسے وہ قصے جو ان دونوں کے حال میں مذکور ہیں۔ لہٰذا فی الجملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عالم تھے جیسا کہ گزرا اور حضرت خضر علیہ السلام خصوصی طور پر عالم تھے جیسا کہ انہیں سکھایا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان شاہد ہے:

وَعَلَّمْنَا مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ٥ (الکہف ٦٥)

اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم۔

اور اللہ تعالیٰ کا ان (موسیٰ علیہ السلام) کو اس پر عتاب کرنا جیسا کہ علماء نے کہا تو یہ ان کے اس قول کے انکار پر ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے علم کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا۔ جیسا کہ ملائکہ نے کہا تھا:

لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَاعَلَّمْتَنَ۔ (البقرہ ۳۲)

کچھ علم نہیں ہمیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا۔

یا یہ اس وجہ سے کہ ان کا یہ قول شرعاً اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا (واللہ اعلم) کیونکہ وہ شخص جو ان کے کمال کو ان کے تزکیہ نفس اور ان کے بلند درجے تک امت میں سے نہیں پہنچا اس میں ان کی

اقتداء کرے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا کیونکہ اس میں انسان کا اپنے نفس کی تعریف کرنا پایا جاتا ہے جس سے اس کو کبر و عجب، تعالٰی اور دعوی پیدا ہو جائے گا۔

اگر چہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت ان رزائل سے منزہ ہے لیکن دوسرے لوگ اس راہ پر چل سکتے ہیں اور ان کا اندھیرے میں گر پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں لے۔

لہٰذا اپنے نفس کی اس سے حفاظت کرنا بہتر ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے۔ اسی بنا پر ان جیسی باتوں سے حفظ ماتقدم کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں میں جن کو آپ نے جان لیا تھا۔ فرمایا: اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ میں اولاد آدم کا سردار ہوں فخر یہ نہیں کہتا۔ اور یہ حدیث قائلین نبوت حضرت خضر علیہ السلام کے دلائل میں سے ایک ہے کیونکہ ان کا قول ہے کہ میں موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عالم ہوں حالانکہ ولی نبی سے زیادہ عالم نہیں ہوتا لیکن انبیاء کرام علیہم السلام معرفتوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اور حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے پر) اس قول سے دلیل پکڑی ہے کہ ''یہ کام میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا۔'' تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ انہوں نے وحی سے کیا اور جو حضرت خضر علیہ السلام کو نبی نہیں کہتے انہوں نے کہا کہ ممکن ہے کہ انکا یہ کام کسی دوسرے نبی کے حکم سے ہو اور یہ ضعیف قول ہے کیونکہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا کوئی اور نبی موجود ہو اور کسی اہل سیر نے اس بارے میں ایسی کوئی بات نقل نہیں کی جس پر اعتماد کیا جا سکے اور جبکہ ہم نے اَعْلَمُ مِنْكَ ''تم سے زیادہ عالم'' کو عموم پر نہیں رکھا بلکہ سے خصوص پر محمول کیا جو خاص خاص واقعات میں سے تو اب ہمیں حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کے ثابت کرنے کی حاجت ہی نہیں۔ اسی بنا پر بعض مشائخ نے فرمایا کہ موسی علیہ السلام خضر علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ سے احکام لینے میں زیادہ عالم تھے اور حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان قضایا میں جو انہیں دیئے گئے تھے زیادہ عالم تھے اور کچھ نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حصول ادب کیلئے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف مجبور کئے گئے تھے نہ کہ حصول تعلیم کیلئے۔

نویں فصل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء جوارح کی عصمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ کے عمل سے متعلق عصمت کا بیان یہ ہے اور اسی قبیل سے وہ زبانی ارشادات بھی ہیں جو پہلے خبروں میں بیان ہو چکے ہیں اور وہ قلبی اعتقادات توحید کے ماسوا جو مخصوص معارف کے ضمن میں پہلے مذکور ہو چکے ان کے سوا ہیں۔ (یہ تمام اعضاء مبارکہ کے اعمال میں سے ہیں)

کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر قسم کے فواحش اور گناہ کبیرہ مہلکہ سے معصوم و منزہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جمہور کی دلیل یہی اجماع ہے جسے ہم نے بیان کیا اور یہی قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور دیگر علماء نے اجماع کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل سے بھی ان سب کی ممانعت اور عصمت ثابت کی ہے یہی قول سب کا ہے اور اس کو استاذ ابواسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے مختار رکھا ہے۔

اسی طرح تمام علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء کرام رسالت کے چھپانے اور تبلیغ میں کمی کرنے سے معصوم ہوتے ہیں کیونکہ عصمت کا اقتضاء ہی یہ ہے اور اسی سلسلہ میں سب سے اجماع کے ساتھ معجزہ (ثابت) ہے۔

اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ انبیاء کرام ان برائیوں سے جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معصوم ہوتے ہیں وہاں وہ بااختیار خود اور بکسب خویش بھی معصوم ہوتے ہیں سوائے حسین نجار رحمۃ اللہ علیہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں معاصی پر سرے سے قدرت ہی نہیں ہوتی۔

اب رہا گناہ صغیرہ! تو سلف صالحین وغیرہ کی ایک جماعت نے انبیاء علیہم السلام کیلئے ان کو جائز رکھا ہے اور یہی مذہب ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فقہاء و محدثین و متکلمین کا ہے۔ ہم عنقریب ان کے دلائل بھی بیان کریں گے جو وہ اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں اور ایک گروہ توقف کی طرف گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ محال عقلی نہیں ہے اور نہ شریعت سے کوئی قطعی دلیل متعدد وجوہ سے وارد ہے اور محققین فقہاو متکلمین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ کبیرہ سے عصمت کی طرح گناہ صغیرہ سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اس لئے ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ کی تعیین میں لوگوں کا اختلاف

اشکال ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جس سے خدا کی نافرمانی ہو وہ کبیرہ ہے اور ان میں سے وہ صغیرہ ہے جو کبیرہ کی نسبت چھوٹا ہو اور جس میں کسی امر الٰہی کی مخالفت ہو ضروری ہے کہ وہ کبیرہ ہو۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان ۱۱۲/۸، صحیح مسلم کتاب اللباس ۱۶۵۶/۳)

اور قاضی ابو محمد عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں چھوٹی (صغیرہ) ہیں بجز اس معنی کے کہ جب کبیرہ سے اجتناب کیا جائے تو وہ بخشے جا سکتے ہیں۔ اس کیلئے بھی یہ بات نہیں کہ اس کے بخشے جانے پر کوئی خدا کا حکم ہے۔ بخلاف کبائر کے کہ جب تک وہ ان سے توبہ نہ کرے تو کوئی شے ان کو نہیں مٹا سکتی۔ البتہ ان کی معافی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ یہی قول قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ اشعریہ کی ایک جماعت اور بکثرت ائمہ فقہا کا ہے اور کچھ مالکی ائمہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ دونوں قولوں کی بنا پر ضروری نہیں کہ اس میں اختلاف ہو کہ انبیاء علیہم السلام صغائر کی تکرار اور ان کی کثرت سے بھی معصوم ہوتے ہیں اس لئے کہ ان (صغائر) کی تکرار اور کثرت کبیرہ تک پہنچا دیتی ہے۔

اور اس صغیرہ میں بھی اختلاف نہیں جو حیا و عزت کو زائل کرے، مروت کو کم کرے اور برائی و کمینہ پن کو لازم کرے لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام ان سب سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ اس پر اجماع ہے اس لئے کہ یہ باتیں ان کے بلند و بالا مرتبے کو گراتیں، عیب دار بناتیں اور لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتی ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام ان باتوں سے منزہ و پاک ہیں۔ بلکہ ان کی اس عصمت و تنزیہہ میں کچھ مباح چیزیں شامل ہو جاتی ہیں جو پھر اس مباح کے کرنے سے اسم مباح سے نکل کر حرام تک نوبت پہنچتی ہے۔

اور کچھ علماء کا یہ مذہب ہے کہ مکروہات میں قصداً پڑنے سے معصوم ہیں۔ بعض ائمہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے صغائر سے معصوم ہونے پر اس سے دلیل پکڑی ہے کہ خدا کا حکم ہے کہ ان کے افعال کی پیروی اور ان کے نقش قدم کا اتباع اور ان کی خصلتوں، سیرتوں اور عادتوں کا مطلقا اتباع کیا جائے۔ یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کی اصحاب بدون التزام قرینہ شرعیہ کے اور بعض کے نزدیک مطلقاً ہے۔ اگرچہ اس کے حکم میں انکا اختلاف ہے۔

ابن خُوَیْزَ مِنْدَاز اور ابو الفرج رحمہم اللہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں التزام کو واجب نقل کرتے ہیں۔ یہی قول ابہری، ابن قصار رحمہما اللہ اور اکثر مالکیوں کا ہے اور یہ قول اکثر اہل عراق ابنسریج اصطخری اور ابن خیران رحمہم اللہ شوافع کا ہے اور اکثر شوافع استحباب پر ہیں اور ایک گروہ اباحت کی

طرف گیا ہے اور بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ جو امور دینیہ ہیں اور اس سے قربت کا مقدر پایا جائے اس میں اتباع ہے۔ اور جو افعال میں اباحت کے قائل ہیں انہوں نے کوئی قید نہیں لگائی اور کہا کہ اگر چہ انبیاء علیہم السلام پر صغائر کو جائز رکھتے ہیں لیکن ان میں ان کے افعال کی پیروی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ آپ کے افعال میں کوئی فعل ایسا نہیں کہ جس میں آپ کے مقصد میں تمیز ہو سکے۔ آیا کہ اس میں قربت ہے یا اباحت، منع ہے یا گناہ اور یہ صحیح نہیں کہ کسی شخص کو کسی حکم کے بجالانے کا حکم ہو پھر اس میں گناہ بھی ہو۔ خصوصا اصولیوں کے قواعد کی روشنی میں کیونکہ وہ فعل کو قول پر مقدم رکھتے ہیں جبکہ عمل و فعل میں تعارض واقع ہو۔

ہم اس دلیل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جس نے صغائر کو جائز رکھا اور جس نے اس کی نفی کی سب اس پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ کسی قولی یا فعلی منکر (برائی) پر کسی کو قائم نہیں رہنے دیتے تھے اور آپ ﷺ کی شان سے یہ ہے کہ آپ ﷺ جب کسی شے کو ملاحظہ فرما لیتے اور اس پر آپ ﷺ خاموش رہتے تو وہ اس کے جواز پر دلیل بن جاتی تھی۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دوسروں کیلئے تو آپ ﷺ کی یہ شان ہو اور خود آپ ﷺ سے منکر (برائی) کا وقوع جائز رکھا جائے۔ اسی بنا پر مکروہات کے مقامات سے آپ ﷺ کی عصمت واجب ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا اور اسلئے بھی کہ آپ ﷺ کے افعال کی پیروی کا واجب یا مستحب ہونا فعل مکروہ پر زجر و نہی کے منافی ہے۔ نیز صحابہ کرام کے دین و طریقے سے یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ آپ ﷺ کے تمام افعال کی ایسی ہی پیروی کرتے تھے خواہ وہ کسی جہت سے ہوں یا کسی فن میں ہوں جس طرح کہ وہ آپ ﷺ کے ارشادات کی پیروی کرتے تھے۔

بلاشبہ (ایک مرتبہ) جب آپ ﷺ نے اپنی انگوٹھی اتاری تو تمام صحابہ نے اپنی انگوٹھیاں اتار ڈالیں۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان ۸/ ۱۱۲، صحیح مسلم کتاب اللباس ۳/ ۱۶۵۶)

اسی طرح جب آپ ﷺ نے اپنی کفش مبارک اتاری تو تمام صحابہ نے اپنی جوتیاں اتار دیں۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ ۱/ ۴۲۶، مستدرک کتاب الطہارۃ ۱/ ۲۶۰)

اور صحابہ نے صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو حجت قرار دیا جبکہ انہوں نے حضور ﷺ کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے قضائے حاجت کرتے دیکھا۔

(صحیح بخاری کتاب الوضوء ۱/ ۳۵، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ ۱/ ۲۲۵)

اس کے علاوہ بہت سے صحابہ نے عبادت و عادت کے بکثرت امور میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ

کے اس قول کو دلیل و ماخذ قرار دیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور فرمایا: کیا رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نہیں بتائی کہ فرمایا کہ روزے کی حالت میں تقبیل کرتا ہوں۔
(موطا امام مالک کتاب الصیام/ ۲۳۷)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطور دلیل فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔ (موطا امام مالک کتاب الصیام/ ۲۳۸،۲۳۷)

اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر غصہ فرمایا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کیلئے جو چاہا حلال کر دیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً میں تم سے زیادہ خشیت الٰہی رکھتا ہوں اور تم سے بڑھ کر اس کی حدود کو جانتا ہوں۔

اس باب میں بکثرت احادیث و آثار ہیں جن کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن بحیثیت مجموعی قطعی طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے افعال کی پیروی اور اتباع کیا کرتے تھے۔ اگر وہ اس میں آپ ﷺ کی مخالفت کسی فعل میں جائز سمجھتے تو یہ انتظام نہ ہوتا اور ضرور یہ بھی ان سے منقول ہوتا اور ان سے اس میں ان کی بخششیں ظاہر ہوتی اور یقیناً دوسروں پر ان کے قول و اعتذار پر انکار نہ فرماتے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

البتہ انبیاء کرام علیہم السلام سے مباحات جائز الوقوع ہیں۔ اس لئے کہ اس میں اس پر کوئی برائی نہیں آتی بلکہ مباحات میں وہ اجازت یافتہ ہیں اور ان کے ہاتھ دوسروں کے ہاتھوں کی مانند مباحات پر مسلط ہیں بجز اس کے کہ انہیں کسی رفیع المنزلت مرتبہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہو اور ان کے سینے انوار معرفت سے کشادہ کر دیئے گئے ہوں اور وہ خدا اور دار آخرت سے اپنے دلی تعلق کی وجہ سے برگزیدہ کر دیئے گئے ہوں۔ ایسی صورت میں وہ مباحات کی طرف بھی توجہ نہیں فرماتے مگر اتنا ہی جتنی کہ ان کی ضرورت پوری ہو سکے جس سے کہ ان کو راستہ کے چلنے کی طاقت اور دین کی اصلاح کرنے کی قوت اور دنیاوی ضرورت حاصل ہو جائے اور جو چیز بھی اس راہ میں لے جاتی ہے وہ بھی طاعت میں شامل ہو جاتی ہے اور وہ قربت و عبادت بن جاتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے شروع کتاب میں اپنے نبی کریم ﷺ کی خصلتوں کے بیان میں ظاہر کیا ہے تو اب تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہمارے نبی ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اوپر اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل عظیم ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہو گا کہ ان کے افعال بھی عبادت اور بندگی میں شامل ہیں جو کہ مخالفت اور معصیت کی راہ سے بہت دور ہیں۔

دسویں فصل

قبل اظہار نبوت کی عصمت

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام قبل نبوت بھی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں؟ چنانچہ کچھ نے تو اسے محال کہا اور کچھ نے اسے جائز رکھا۔ لیکن درست بات یہی ہے کہ وہ مشیت الٰہی سے ہر عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہوتے ہیں اور ہر اس برائی سے بھی پاک ہوتے ہیں جو شک کا موجب ہو یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ اس مسئلہ کا تصور بھی محال ہے۔ اس لئے کہ گناہ اور منہیات تو شریعت کے تقرر کے بعد ہی ہوتے ہیں۔ نزول وحی سے قبل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حال میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے بھی متبع شریعت تھے یا نہیں؟

اس پر ایک جماعت نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شے کے متبع نہ تھے یہی قول جمہور کا ہے۔ اس قول کی بنا پر تو معاصی کا وجود ہی نہیں پایا جا سکتا اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ معتبر ہی نہ تھے۔ اس لئے کہ احکام شریعت اوامر ونواہی اور تقرر شریعت سے متعلق ہیں۔ پھر اس امر کے قائلین کے دلائل میں بھی اختلاف ہے۔

چنانچہ سیف السنہ، جماعت ہائے امت کے مقتدیٰ قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے باخبر ہونے کیلئے نقل اور بطریق سماعت حدیث کا وارد ہونا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ضرور منقول ہوتی اور عادتاً اس کا چھپانا ناممکن ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش میں یہ ایک مہتم بالشان اور بڑا معتبر امر تھا اور اس شریعت کے پیروکار اس پر فخر کرتے اور یقیناً وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے حجت لاتے۔ (کہ آپ نے پہلے تو اس شریعت پر عمل کیا اب کیوں اسے چھوڑتے ہیں وغیرہ) لیکن اس باب میں اصلاً کوئی شے مروی ہی نہیں ہے۔

اور ایک جماعت ممتنع عقلی کی طرف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ اس لئے محال عقلی ہے کہ جو متبوع ہو کر مشہور ہو جائے پھر اس کا تابع بننا بہت دور کی چیز ہے ان کی بنیاد حسن وقبح پر ہے اور یہ راستہ سیدھا نہیں ہے۔ اس سے تو بہتر ''نقل'' سے حجت لانا جیسا کہ قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا قول گزرا۔ بہت عمدہ اور ظاہر ہے۔

ایک اور جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے توقف کی قائل ہے اور اس میں کسی قسم کے قطعی حکم کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر متروک (رخصت ظاہر) کرتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک دونوں وجہوں کو عقل محال نہیں جانتی

اور ان کے نزدیک ان دونوں میں کوئی نقل ظاہر نہیں ہوئی۔ یہ مذہب ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اور ایک تیسرا گروہ کہتا ہے۔ آپ ﷺ پہلی شریعت کے عامل تھے۔ اس کے بعد وہ شریعت کی تعین میں مختلف ہوگئے۔ آیا آپ کسی خاص شریعت کے پابند تھے یا نہیں؟ چنانچہ کچھ لوگوں نے تو شریعت کی تعین میں توقف اختیار کیا اور کچھ نے دلیری اور جزم کیا اور کچھ لوگوں نے متعین و مقرر کیا۔ پھر یہ تعین کرنے والے بھی اس پر مختلف ہوگئے کہ آپ ﷺ نے کس کی شریعت کا اتباع کیا چنانچہ کسی نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کہا۔ یہ خلاصہ ان مذاہب کا ہے جو اس سلسلہ میں ہیں لیکن سب سے زیادہ ظاہر وہ مذہب ہے جس پر قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں یعنی پہلے آپ ﷺ نے کسی متعین شریعت پر عمل نہ فرمایا۔

اور سب سے زیادہ بعید مذہب، شریعت کی تعین کرنے والوں کا ہے۔ اس لئے اگر یہ بات ہوتی تو ضرور منقول ہوتی جیسا کہ پہلے گزرا اور اصلا یہ بات کسی سے پوشیدہ نہ رہتی اور ان کیلئے کوئی حجت باقی نہ رہتی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر الانبیاء (بنی اسرائیل) ہیں تو لازم آتا کہ جو نبی بعد کو آیا اس نے بھی ان کی شریعت کا اتباع کیا ہو جیسا کہ یہ ثابت ہی نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت عام تھی۔ بلکہ صحیح یہی ہے کہ کسی نبی کی بھی دعوت عام نہ تھی بجز ہمارے نبی ﷺ کی دعوت کے (کیونکہ آپ کی ہی دعوت سارے عالم کیلئے ہے) نیز دوسروں کیلئے یوں بھی حجت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا۔ (النحل ۱۲۳)

ترجمہ پیروی کر ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا۔

اور نہ دوسروں کیلئے حجت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا۔ (الشوریٰ ۱۳)

ترجمہ اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو۔

اس لئے کہ اس آیت میں اس کا محل یہ ہے کہ ان کا اتباع صرف توحید میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی نام لیا جو مبعوث نہ تھے اور وہ بھی ہیں جن کی کوئی خاص شریعت نہ تھی جیسے کہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام اس قول کی بنا پر جو ان کی رسالت کا قائل نہیں ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس جماعت کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کی شریعتیں باہم مختلف تھیں۔ جن کا اجتماع ممکن ہی نہیں۔

لہٰذا اب دلیل سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پر ان سب کا مجتمع ہونا توحید و عبادت باری تعالیٰ میں ہی مراد ہے۔ اس کے بعد اب کیا اس شخص پر یہ قول لازم نہیں آتا جو یہ کہتا ہے کہ اب ہمارے نبی ﷺ کے سوا کسی نبی کی پیروی لازم نہیں ہے یا وہ اس میں مختلف ہیں۔ لیکن جس نے اتباع کو عقلی طور پر ممنوع قرار دیا ہے تو اس کا یہ قاعدہ بلاتردد، ہر رسول علیہ السلام میں جاری ہوگا اور جو لوگ نقل کی طرف مائل ہوئے ہیں تو اس کیلئے جہاں بھی ایسی صورت پائی گئی وہ اس کا اتباع کرے گا اور جو توقف کے قائل ہیں وہ اپنی اصل پر ہیں اور جو اتباع کے وجوب کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ کسی پہلی شریعت کا اتباع کرتے تھے تو انہوں نے اس کا التزام کیا کہ وہ اپنی دلیل کو ہر نبی علیہ السلام کیلئے جاری کرے۔

گیارھویں فصل

وہ افعال و اعمال جو بلا قصد وارادہ صادر ہوئے

یہ حکم تو ان مخالفتوں کا ہے جنہیں بالقصد عمل میں لایا جائے جن کا نام معصیت ہے جو تحت تکلیف ہیں لیکن وہ عمل جو بلا قصد وعمد صادر ہوں جیسے وہ معمولات شرعیہ جنہیں شریعت نے مقرر کیا ہے جن کا تعلق خطاب سے نہیں ہے اس میں سہو ونسیان واقع ہو جائے تو ان پر (جب عوام سے) کوئی مواخذہ نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام کیلئے بھی ان پر ترک مواخذہ اور عدم عصیان لازمی ہے۔ اس معاملہ میں وہ امتوں کے ساتھ مساوی حکم میں ہیں۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ امر طریقہ تبلیغ، بیان شریعت، متعلقات احکام اور اس عمل کے ذریعہ تعلیم امت مقصود ہو کہ ان کو دلیل بنا کر ان کی پیروی کی جائے اور دوسرا یہ کہ وہ عمل ان سے خارج ہو اور صرف انبیاء علیہم السلام کی اپنی ذات کیلئے خاص ہو۔

لیکن اول قسم کا عمل علماء کی جماعت کے نزدیک اس باب میں قولی سہو کا حکم رکھتا ہے حالانکہ پہلے ہم نے بالاتفاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس کا محال ہونا اور آپ پر قصدا یا سہوا جواز کی نسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم ہونا بیان کر دیا ہے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں اسی زمرۂ قول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال ہیں جن میں کسی طرح بھی خلاف جائز نہیں ہے۔ خواہ بالقصد ہوں یا بطور سہو۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال بھی ادائے تبلیغ کی جہت سے قول کے معنی میں ہیں۔ اب اگر ان عوارض کو آپ کے اعمال پر جاری کر دیا جائے تو یہ شک وشبہ کا باعث اور طعنہ زنی کا موجب بنے گا اور سہوی احادیث میں علماء کرام نے کئی طرح کی تاویلیں کر کے عذر کیا ہے جن کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔ اسی طرف ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ہے۔

لیکن اکثر فقہاء متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ بطور سہو بلا قصد، افعال بلاغیہ اور احکام شرعیہ میں مخالفت کا صدور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جائز ہے۔ جیسا کہ نمازیں کہ سہو کی حدیثوں سے ثابت ہے اور انہوں نے عمل کے اور اقوال بلاغیہ کے درمیان تفریق کی ہے کیونکہ معجزہ قول کے صدق پر قائم ہے اور قول میں مخالفت اس کے برخلاف ہے لیکن افعال میں سہو کا وقوع وہ اس کے برخلاف نہیں ہے اور نہ وہ نبوت کے منافی ہے لیکن افعال میں غلطی اور دل کی غفلت لازمہ بشریت ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی ایک بشر ہی ہوں جو بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو۔

لہٰذا جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔

(سنن ترمذی کتاب الصلوۃ ۱/۴۷، صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/۴۰۲)

البتہ یہ بات ہے کہ نبی کریم ﷺ پر نسیان و سہو کی حالت طاری ہونا افادۂ علم اور بیان شرع کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں خود بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تا کہ وہ تمہارے لئے سنت بن جائے بلکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں خود نہیں بھولتا مگر بھلایا جاتا ہوں تا کہ اسے سنت بناؤں۔ (موطا امام مالک کتاب السہو/ ۹۷)

اور آپ ﷺ پر ایسی حالت واقع ہونا تو آپ ﷺ کی تبلیغ کی زیادتی اور آپ ﷺ پر اتمام نعمت ہے جو کہ نقص کی نشانیوں اور طعن کی غرضوں سے بہت بعید ہے کیونکہ اس کے جواز کے ماننے والے حضرات بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ بلاشبہ رسول سہو و غلط پر قائم و ثابت نہیں رہتا بلکہ انہیں اس پر فوراً خبردار کر دیا جاتا ہے اور اسی وقت اس کے حکم کی معرفت ہو جاتی ہے۔ یہ بعض کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور دوسرے قول پر کہتے ہیں کہ وصال شریف سے پہلے آگاہ کئے جاتے ہیں۔

لیکن وہ افعال جو طریقہ تبلیغ اور بیان احکام سے متعلق نہیں ہیں مگر وہ آپ کے امور دینیہ اور اذکار قلبیہ کے ساتھ مخصوص ہیں جن کو آپ ﷺ نے اس لئے نہیں کیا کہ اس میں آپ ﷺ کی اتباع کی جائے تو ایسے امور میں علمائے امت کے اکثر طبقے آپ ﷺ پر سہو، غلط، تساہل و تغافل قلبی کے جواز کے قائل ہیں اور یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اس امر کی تکلیف دی گئی ہے کہ آپ ﷺ مخلوق کے امور، امت کی سیاست، اہل خانہ پر شفقت اور اعداء کا لحاظ فرمائیں پھر بھی ایسے امور پے درپے اور متواتر نہیں ہوتے تھے بلکہ شاذ و نادر ہی واقع ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

بعض اوقات میرے قلب پر ایسی کیفیت واقع ہوتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں اور یہ بات ایسی نہیں کہ آپ ﷺ کے مرتبے میں اس سے کوئی کمی واقع ہو اور معجزات کے مخالف ہو اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ کی طرف سہو، نسیان، غفلت، تساہل کی نسبت بھی محال ہے۔ یہی مذہب جماعت صوفیاء اور قلوب و مقامات کے عرفاء کا ہے اور اس بیان میں اور بھی مذہب ہیں جن کو انشاء اللہ بعد میں ذکر کریں گے۔

بارھویں فصل

سہوی احادیث پر مکمل بحث

ہم نے اس سے پہلے متعدد فصلوں میں بیان کر دیا ہے کہ سہو سے متعلق جواز و محال کے بارے میں حضور ﷺ کیلئے کیا صورت ہے اور یہ کہ ہمارے نزدیک تمام حدیثوں میں اور تمام دینی ارشادات میں بالکل سہو جائز ہی نہیں ہے اور یہ کہ افعال میں صرف اس حد تک جائز رکھا ہے جس کو ہم نے سلسلہ کلام میں اشارہ کرتے ہوئے بیان کر دیا ہے۔ اب ہم ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ حضور ﷺ کے بارے میں جو سہوی حدیث نماز میں مروی ہے وہ تین ہیں۔ پہلی حدیث وہ جو ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب السہو ۲/ ۵۹، صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/ ۴۰۴)

اور دوسری حدیث ابن بحینہ کی ہے جس میں آپ نے دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کیلئے قیام فرمایا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب السہو ۲/ ۶۰، صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/ ۳۹۹)

اور تیسری حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی ہے جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھیں۔ (صحیح بخاری کتاب السہو ۲/ ۷۵، صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/ ۴۰۱)

یہ تینوں حدیثیں سہو پر مبنی ہیں جو کہ افعال میں واقع ہوا جسے ہم نے بیان کر دیا ہے اور یہ کہ اس میں خدا کی یہ حکمت مضمر تھی اس طرح آپ ﷺ کی سنت ثابت ہو جائے کیونکہ افعال کے ساتھ تبلیغ بہ نسبت قول کے زیادہ روشن اور احتمال کو زیادہ اٹھانے والی ہے۔ پھر بھی یہ شرط ہے کہ آپ کو سہو پر ثبات نہیں رہتا۔ بلکہ فورا آپ ﷺ کو محسوس ہو جاتا ہے تاکہ اشتباہ جاتا رہے اور حکمت کا فائدہ ظاہر ہو جائے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ اس قسم کے نسیان اور سہو کا حضور کے افعال میں واقع ہونا آپ ﷺ کے معجزے کے مخالف اور تصدیق کے منافی نہیں ہے۔

اور بیشک حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بشر ہی ہوں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ لہٰذا جب بھول واقع ہو تو یاد دلا دیا کرو اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر رحم فرمائے کہ اس نے فلاں فلاں آیت مجھے یاد دلائی جس کو میں نے (سہوا) چھوڑ دیا تھا اور یہ بھی مروی ہے کہ مجھے وہ بھلا دی گئی تھیں اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تاکہ میں سنت کر دوں۔

یہ لفظ شک راوی سے ہے اور یہ بھی حدیث ہے کہ میں بذات خود نہیں بھولتا ہوں لیکن بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ سنت بناؤں۔ ابن نافع اور عیسیٰ بن دینار رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں شک واقع نہیں ہے اور یہ کہ اس کے معنی میں ہی تقسیم ہے یعنی یہ کہ میں خود نہیں بھولتا اور مجھے اللہ تعالیٰ بھلا دیتا ہے۔

قاضی ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان دونوں ارشادات میں یہ احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ بیداری میں تو خود بھولتا ہوں اور خواب میں مجھے بھلایا جاتا ہے یا یہ کہ میں بشری طور پر تو بھول جاتا ہوں کیونکہ انسان سے کسی شے کا ذہول اور سہو ہوتا ہی ہے یا یہ کہ اس طرف پوری طرح انہماک اور فارغ بال کی بنا پر بھلایا جاتا ہوں۔ پس آپ نے دونوں نسیان میں سے ایک کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس میں ایک سبب تھا اور دوسرے کی اپنی طرف سے نسبت کے وقوع کی نفی فرمائی کیونکہ اس میں مضطرب کی طرح تھے۔

اور اصحاب معانی و کلام کی ایک جماعت اس حدیث میں اس طرف گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت نماز میں جو سہو واقع ہوا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود نہیں بھولے تھے کیونکہ نسیان تو ذہول، غفلت اور مصیبت ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام حالتوں سے پاک ومنزہ ہیں جو سہو لے آتی ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حرکات وسکنات میں خوب انہماک فرماتے تھے۔ تو یہ نماز میں غایت انہماک کی بنا پر ہے نہ کہ غفلت کی وجہ سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے قول سے حجت پکڑی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خود نہیں بھولتا ہوں (بلکہ بھلایا جاتا ہوں)

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تمام باتیں سرے ہی سے محال ہیں۔ انہوں نے کہا کہ (بظاہر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سہو تو قصد وعمد کے ساتھ ہوتا تاکہ یہ مسنون بن جائے۔ یہ قول ناپسندیدہ ہے اور اس کے مقاصد متناقض ہیں۔ یہ قول بے فائدہ ہے اس لئے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک حال میں آپ قصدا ساہی (بھولنے والے) بن جائیں۔ تو ان کے اپنے اس قول میں کوئی وزن نہیں کہ آپ قصدا نسیان کی صورت اختیار کر لیتے تھے تاکہ وہ مسنون ہو جائے۔ اسلئے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''میں خود نہیں بھولتا بھلا دیا جاتا ہوں'' بلاشبہ دونوں وصفوں میں سے کوئی ایک وصف ضرور پایا جاتا ہے۔ جس سے تعمد وقصد کے تناقص کی نفی ہو جاتی ہے اور فرمایا کہ میں بھی بشر ہی ہوں جو تمہاری طرح بھول میں واقع ہوتا ہوں۔ اس پر ہمارے بڑے بڑے ائمہ کرام مائل ہیں اور وہ ابوالمظفر اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس کے سوا کوئی اس تاویل کو قبول نہیں کرتا اور نہ میں ہی اسے مختار جانتا ہوں اور ان دونوں گروہوں کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ

میں خود نہیں بھولتا ہوں بلکہ مجھے بھلایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بالکل نسیان کی نفی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس میں صرف لفظ نسیان کی نفی اور اسی لفظ کی کراہت ہے۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں وہ شخص بہت برا ہے جو یہ کہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا۔ البتہ میں بھلایا گیا ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الشہادات ۳/ ۱۵۱، صحیح مسلم ۱/۵۴۳)

(یہ کہنا چاہئے) یا یہ بات ہے کہ امر صلوٰۃ میں آپ ﷺ کے قلب اطہر کی طرف سے غفلت اور قلت اہتمام بسبب انہماک تام فی الصلوٰۃ کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ اس کے بعض حصہ کو اس کے بعض سے سہو فرمائیں۔ جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر نماز ترک کرنے کا واقعہ ہوا یہاں تک کہ نماز کا وقت گزر گیا اور آپ ﷺ دشمن کی مدافعت میں مشغول رہے۔
(صحیح بخاری کتاب المواقیت ۱/۱۰۲، صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/ ۴۳۷)

لہٰذا آپ ﷺ نے ایک امر کی طاعت میں مشغول رہنے کی بنا پر دوسری طاعت میں تاخیر فرمادی۔ ایک قول یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر چار نمازیں قضا ہوئی تھیں یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء۔ (سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۱۱۵، سنن نسائی ۱/۲۹۷)

اسی سے خوف کی حالت میں تاخیر نماز کے جواز میں دلیل پکڑی گئی ہے جبکہ نماز کو اس کے وقت میں ادائیگی کی قدرت نہ رکھتا ہوں یہ شامیوں کا مذہب ہے لیکن صحیح مسئلہ یہ ہے کہ نماز خوف کا حکم اس کے بعد نازل ہوا لہٰذا یہ حکم پہلی صورت کا ناسخ ہے۔

اب اگر تم یہ کہو کہ وادی (جنگل) کے دن تو نبی کریم ﷺ کے خواب استراحت کی وجہ سے نماز قضا ہوئی تھی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری یہ دونوں آنکھیں سو رہی تھیں مگر میرا دل بیدار تھا۔
(صحیح بخاری کتاب الوضو ۱/۳۳)

تو اس کے جواب میں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ علماء کرام کے اس باب میں کئی جواب ہیں۔

ان میں سے ایک یہ کہ یہ حکم تو بوقت خواب آپ ﷺ کے قلب اطہر اور آپ ﷺ کی چشم ہائے مبارک کا اکثر اوقات کے بارے میں ہے نادر وقت میں آپ ﷺ کا اور حال ہوتا تھا۔ جیسا کہ نادر صورت میں کسی دوسرے سے کوئی عمل خلاف عادت ہو جائے اس تاویل کی تصحیح آپ ﷺ کے فرمان سے ہی نفس حدیث کے ذریعہ ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ کبھی مجھ پر ایسی نیند طاری ہی نہیں ہوئی جیسی کہ اب ہوئی۔ اسی قسم کی باتیں اسی وقت صادر ہوتی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کسی امر میں اثبات حکم تاسیس سنت

اور اظہار شریعت کیلئے ایسا ارادہ فرمائے جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور ہم بیدار ہو جاتے لیکن اس نے تمہارے بعد والوں کیلئے ایسا ارادہ فرمایا۔

دوسرا جواب یہ کہ آپ کے قلب اطہر پر گہری نیند طاری نہیں ہوتی تھی تا کہ آپ پر نیند میں حدیث واقع نہ ہو کیونکہ مروی ہے کہ آپ ﷺ اس سے محفوظ تھے حالانکہ آپ سو جاتے تھے اور نیند کی آواز بھاری ہو جاتی یہاں تک کہ خراٹوں کی سی آواز معلوم ہونے لگتی تھی۔ پھر بیدار ہو کر یونہی نماز پڑھ لیا کرتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب العلم ۱/ ۲۹، صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ ۴/ ۱۸۷۵)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث جس میں اٹھنے کے بعد وضو کرنے کا ذکر ہے تو وہ خواب اپنی زوجہ (بیوی) کے ساتھ ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الدعوات ۸/ ۵۸، صحیح مسلم ۱/ ۵۲۹)

لہٰذا اس سے محض سو جانے سے آپ ﷺ کے وضو کرنے پر حجت نہیں لائی جاسکتی کیونکہ ممکن ہے اپنی زوجہ سے ملامت یا کسی اور حدث کی بنا پر وضو کرنا ہو۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اسی حدیث کے آخری حصہ میں یہ ہے کہ پھر آپ سو گئے یہاں تک کہ خراٹوں کی سی آواز سنی گئی۔ اس کے بعد اقامت کہی گئی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کا قلب اطہر اس لئے نہیں سوتا تھا کہ خواب کی حالت میں وحی ہوتی تھی۔ لہٰذا وادی کے قصہ میں صرف آپ ﷺ کے چشم ہائے مبارک کی نیند سورج کے نہ دیکھنے میں ہے اور یہ قلبی کیفیات میں سے نہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض فرمالیا تھا اور اگر وہ چاہتا تو ہماری طرف اس وقت کے سوا (نماز کے وقت) لوٹا دیتا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اگر آپ کی نیند میں استغراق کی عادت نہ ہوتی تو آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ کیوں فرماتے کہ تم ہماری صبح کا خیال رکھنا۔ تو اس کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ صبح کو اندھیرے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور جس کی آنکھ سو جائے اس پر اول فجر کی رعایت آسان نہیں ہوتی یہ تو بدیہی بات ہے کہ ظاہری اعضاء سے اس کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اول وقت کی رعایت کی خاطر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نگہداشت کا حکم فرمایا تا کہ وہ آپ ﷺ کو اس کی خبر کر دیں۔ جیسا کہ آپ نیند کے سوا میں بھی اگر کسی اور کام میں مشغول ہو جائے تو اس کی رعایت کراتے تھے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کا اس سے منع فرمانے کا کیا مطلب ہے کہ ''میں بھول گیا ہوں''۔ حالانکہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرح بھول جاتا ہوں پس جب بھول جاؤں تو

مجھے یاد دلا دیا کرو اور آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس سے میں بھلا دیا گیا تھا۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے کہ ان الفاظ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ لیکن آپ ﷺ کا ایسا کہنے سے منع فرمانا کہ یوں کہا جائے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں تو یہ اس پر محمول ہوگا کہ اس کی تلاوت قرآن سے منسوخ ہوگئی ہے یعنی اس میں آپ ﷺ کی جانب سے غفلت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس پر مجبور فرمایا تا کہ وہ جو چاہے (لوح قلب سے) محو فرما دے یا جو چاہے باقی وثابت رکھے اور جو سہو وغفلت آپ ﷺ کی جانب سے ہو تو اس میں یہ صلاحیت ہے کہ یوں کہا جائے میں بھول گیا ہوں (حالانکہ سہو وغفلت آپ ﷺ سے واقع ہوتا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلا دیا جاتا ہے۔ مترجم)

اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ سے یہ بات بطریق استحباب وارد ہوتی ہے کہ فعل کو اپنے خالق کی طرف منسوب کریں اور دوسری حدیث میں بطریق جواز ہے کیونکہ اس میں بندے کا عمل ہے اور حضور ﷺ کا تبلیغ شریعت اور بندوں تک پہنچا دینے کے بعد کسی آیت کو چھوڑنا پھر امتی کا آپ ﷺ کو یاد دلانا یا خود بخود یاد آ جانا جائز ہے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اسے منسوخ کر کے دلوں سے محو فرما دے اور اس کے ذکر کو چھوڑ دینے کا فیصلہ فرما دے۔

بلاشبہ یہ جائز ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی مرتبہ ایسے طریقہ پر بھلا دیئے جائیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے پہنچانے سے پہلے ہی اسے جو نظم میں تبدیلی پیدا نہ کرے اور جس سے حکم میں خلط ملط نہ ہو اور وہ جو خبر میں خلل نہ ڈالے آپ سے بھلا دے۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ ہی یاد دلا دے اور یہ محال ہے کہ آپ ﷺ اسے ہمیشہ ہی بھول جایا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن) کی خود حفاظت فرماتا اور اس کے پہنچانے کی تکلیف نبی کریم ﷺ کو خود دیتا ہے۔

تیرھویں فصل

انبیاء کرام علیہم السلام صغائر کے ارتکاب سے بھی معصوم ہیں

اس فصل میں ان لوگوں کا رد ہے جو گناہ صغیرہ کو انبیاء علیہم السلام پر جائز بتاتے ہیں اور ان دلیلوں پر بھی بحث کی ہے جس سے وہ استدلال کرتے ہیں۔

واضح ہونا چاہئے کہ جو فقہاء محدثین اور ان کے متبعین متکلمین میں سے حضرات انبیاء علیہم السلام پر گناہ صغیرہ کا صدور جائز رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس پر قرآن وحدیث کے بکثرت صریح نصوص سے استدلال کیا ہے۔ اگر وہ ظاہر نصوص کا التزام کریں تو اس سے گناہ کبیرہ اور خرق اجماع تک نوبت پہنچی ہے جس کا کوئی مسلمان قائل ہو ہی نہیں سکتا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ حالانکہ وہ جن نصوص سے استدلال کرتے ہیں اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور اس کے اقتضاء میں متعدد احتمالات متقابل ہیں اور ان کے اس التزام کے برخلاف سلف کے بہت سے اقوال وارد ہیں۔ اب جبکہ ان کے مذاہب پر اجماع نہیں اور ان کے استدلال پر پرانا اختلاف چلا آتا ہے اور ان کے اس قول کے خطا وغلط پر اور دوسرے قول کی صحت پر دلائل موجود ہوں تو اس کا ترک واجب اور قول صحیح کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

اب ہم انشاء اللہ ان کے دلائل پر بحث کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے استدلات میں سے ایک اس آیات کریمہ میں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح ۲)

ترجمہ تاکہ دور فرما دے آپ کیلئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔

اور ارشاد ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ (محمد ۱۹)

ترجمہ اور دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کیلئے۔

اور فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (الم نشرح ۳-۲)

ترجمہ اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ (التوبہ ۴۳)

ترجمہ درگزر فرمایا ہے اللہ نے آپ سے (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی انہیں۔

اور فرمایا:

لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَاب عظيم۔ (الانفال ۶۹)

ترجمہ اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطا اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا۔

اور فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلّٰىO اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰىO (عبس ۲۔۳)

ترجمہ چیں بہ چیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا

اور کچھ ان قصوں میں مروی ہیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام کیلئے وارد ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى۔ (طٰہٰ ۱۲۱)

ترجمہ اور حکم عدولی ہوگی آدم سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا۔

اور فرمایا: فَلَمَّا اٰتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ۔ (الاعراف ۱۹۰)

ترجمہ پس جب اللہ عطا کرتا ہے انہیں تندرست لڑکا تو دونوں بناتے ہیں اللہ کے ساتھ شریک۔

اور یہ کہ

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔ (الانبیاء ۸۷)

اے ہمارے پروردگار! ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں کہ

سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (الانبیاء ۸۷)

پاک ہے تو بیشک میں ہی قصورواروں سے ہوں۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے:

وَظَنَّ دَاوٗدَ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ۔ (ص ۲۴)

ترجمہ فوراً خیال آ گیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں۔

اور فرمایا:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا۔ (یوسف ۲۴)

ترجمہ اور اس عورت نے تو قصد کرلیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا۔

اور وہ قضیہ جو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے مابین واقع ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۝ (القصص ۱۵)

ترجمہ تو سینہ میں گھونسا مارا موسیٰ نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا آپ نے فرمایا یہ کام شیطان کی انگیخت سے ہوا بیشک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے والا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی دعا میں یہ الفاظ لانا۔ اے میرے خدا میرے اگلے پچھلے، چھپے، ظاہر سب گناہ معاف کر دے۔ (صحیح مسلم ۱/۵۳۶)

اسی قسم کی دیگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں ہیں اور حدیث شفاعت میں ہے کہ بروز قیامت انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ذنوب کا ذکر کریں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ بعض وقت میرے دل کی عجیب حالت ہوتی ہے اس وقت اپنے رب سے استغفار کرتا ہوں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس سے ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں۔" اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے فرمایا:

وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْ۔ (ھود ۴۷)

اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے۔

وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ (المومنون ۲۷)

ترجمہ اور گفتگو نہ کرنا میرے ساتھ انکے متعلق جنہوں نے ظلم کیا، وہ تو ضرور غرق کیے جائیں گے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ (الشعراء ۸۲)

ترجمہ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لیئے میری خطا کو روز جزا کو۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہ

تُبْتُ اِلَیْکَ۔ (الاحقاف ۱۵)

بیشک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں۔

اور فرمایا کہ:

لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ۔ (ص ۳۴)

اور ہم نے فتنہ میں ڈال دیا سلیمان (علیہ السلام) کو۔

اس قسم کی بہت سی ظاہر مثالیں ہیں۔ (اب ان سب کا جواب سنو) لیکن اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے حجت پکڑنا کہ لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ (الفتح ۲) تو اس کے معنی و تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔

چنانچہ بعض کا تو یہ قول ہے کہ اس سے قبل نبوت اور بعد نبوت مراد ہے اور کچھ نے یہ کہا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لغزشیں واقع ہوگئی ہیں اور وہ جو واقع ہوں گی ان سب کی اللہ تعالیٰ نے اطلاع دے دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخشے ہوئے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ نبوت سے پہلے اور جو بعد کو ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے معصوم ہیں اسے احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے اور بعض نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو و غفلت اور تاویل مراد ہے۔ اسے طبری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور قیشری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مختار جانا اور بعض نے یہ کہا کہ مَا تَقَدَّمَ (جو پہلے ہوئے) سے مراد آپ کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش اور وَمَا تَاَخَّرَ (جو پیچھے ہوئے) سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے گناہ ہیں اسے سمرقندی اور سلمی رحمہما اللہ نے ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا۔ اسی تاویل کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تاویل کی جائے گی کہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ چنانچہ مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب بھی دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہی خطاب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانے کا حکم دیا کہ آپ فرما دیں۔ (تفسیر ابن جریر ۵/۲۶)

مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ۔ (الاحقاف ۹)

ترجمہ اور میں (از خود یہ) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائیگا میرے ساتھ اور کیا کیا جائیگا تمہارے ساتھ۔

اس پر کفار بہت خوش ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ نازل فرمائی اور مومنین کے انجام کے بارے میں دوسری آیت میں اس کے بعد فرمایا۔ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ لہٰذا آیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح مغفور ہیں اگر کوئی لغزش ہو بھی تب بھی کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس جگہ مغفرت سے مراد ہر عیب و نقص سے برات ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ۔ (الم نشرح ۲)

اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ۔

تو اس میں ایک قول یہ ہے کہ قبل نبوت کی آپ ﷺ کی گزشتہ لغزشیں مراد ہیں۔ یہ قول ابن زید اور حسن رحمہما اللہ کا ہے۔ اسی معنی میں قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نبوت سے پہلے بھی محفوظ و معصوم تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقیناً آپ کی کمر بوجھل ہو جاتی۔ اسے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور بعض نے کہا کہ کمر توڑنے والے بوجھ سے مراد رسالت کی مشقت ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اسے ادا فرمایا۔ اسے ماوردی اور سلمی رحمہما اللہ نے بیان کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ سے ایام جاہلیت کے بوجھ کو دور فرما دیا۔ اسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کچھ نے یہ کہا کہ آپ ﷺ کی خفیہ مشغولیتیں، آپ ﷺ کی حیرتیں اور آپ کی شریعت میں جستجو و طلب کا بوجھ مراد ہے یہاں تک کہ ہم نے شریعت کو آپ ﷺ پر واضح فرما دیا۔ اسی معنی میں قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ پر وہ بوجھ ہلکا کر دیا جو آپ ﷺ کے ذمہ کیا گیا تھا کیونکہ ہم نے اس کی حفاظت کی جس کا آپ ﷺ کو محافظ بنایا گیا تھا اور نقص ظهرك (آپ کی کمر کے بوجھل ہونے) کے معنی یہ ہیں کہ قریب تھا کہ آپ ﷺ کی کمر بوجھ سے دوہری ہو جائے اور جس نے اس کے معنی نبوت سے پہلے کے کئے ہیں تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے آپ ﷺ کے قبل (اظہار) نبوت وہ امور جن میں آپ پہلے مشغول تھے۔ اب (اظہار) نبوت کے بعد آپ ﷺ پر وہ ممنوع قرار دے دیئے گئے۔ پھر اس کو بوجھ شمار کیا اور آپ ﷺ پر وہ بوجھل ہوئے تو انہیں دور کیا۔ یا ''وضع'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی کفایت و عصمت تمام گناہوں سے ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقیناً آپ کی کمر ٹوٹ جاتی یا یہ کہ رسالت کا بوجھ مراد ہے یا امورِ جاہلیت سے جو آپ کا دل بوجھل اور مشغول تھا مراد ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع کر دیا کہ جو وحی آپ پر ہوگی اس کی میں حفاظت کروں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ (التوبہ ۴۳)

ترجمہ درگزر فرمایا ہے اللہ نے آپ سے (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی انہیں۔

تو یہ تو ایسی بات ہے کہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کوئی ممانعت فرمائی ہی نہیں تھی جس کو گناہ یا نافرمانی کہا جائے اور نہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہی معصیت شمار فرمایا بلکہ اہل علم نے تو اسے عتاب بھی شمار نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے جو وہ اس طرف گئے ہیں۔

اور نفطویہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مبرا رکھا ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں سے ایک اختیار کرنے کی اجازت دی تھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت دی تھی جس میں کوئی وحی نازل نہ ہو جیسا چاہیں عمل کریں۔ یہ کیونکر نہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ۔ (النور ۶۲)

تو اجازت دیجیے ان میں سے جسے آپ چاہیں۔

چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اذن دے دیا تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا کہ اے محبوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دل کے بھیدوں سے واقف نہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اذن نہ بھی دیتے تب بھی وہ ضرور بیٹھے رہتے اور آپ کو اس پر بھی مطلع فرمایا کہ اب جو کچھ ہو گیا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس آیت میں عَفَا یعنی معافی کے معنی غَفَرَ یعنی بخشنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ ویسے ہی معنی ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عَفَا اللّٰهُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ یعنی گھوڑے اور غلاموں کی زکوٰۃ سے اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف فرما دیا۔

(سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ ۲/ ۲۵۱، سنن ترمذی کتاب الزکوٰۃ ۲/ ۷۵، سنن نسائی کتاب الزکوٰۃ ۵/ ۳۵، سنن ابن ماجہ کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۵۷۰)

حالانکہ ان پر پہلے سے کوئی فرض نہیں ہوا تھا۔ یعنی تم پر یہ لازم نہیں ہے۔ اسی طرح امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''عفو'' کو صرف اسی معنی میں لینا کہ گناہوں سے ہی معافی ہوتی ہے۔ اسے وہی شخص کہہ سکتا ہے جو کلام عرب کے محاورات سے نابلد (ناواقف) ہے اور فرمایا: درحقیقت عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ کے معنی یہ ہیں کہ آپ پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا اور داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک روایت یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کی عزت و تکریم ہے۔ مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائے کلام کے طریق پر ارشاد فرمایا گیا جیسے یوں کہا کرتے ہیں۔ اَصْلَحَكَ اللّٰهُ ''خدا تمہیں نیکی کی توفیق دے'' یا یہ کہ اَعَزَّكَ یعنی تمہیں عزت بخشے وغیرہ اور فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ عَافَاكَ اللّٰهُ یعنی خدا آپ کو عافیت سے رکھے لیکن بدر کے قیدیوں کے بارے میں یہ آیہ کریمہ کہ

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ۔ (الانفال ۶۷)

ترجمہ نہیں مناسب نبی کیلئے کہ ہوں اسکے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرے زمین میں۔

تو اس آیت سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف گناہ کی نسبت کی جائے بلکہ اس میں تو صرف یہ بیان ہے کہ خدا نے آپ کو اس کے ساتھ مخصوص فرمایا اور آپ کو تمام نبیوں پر اس میں فضیلت عطا فرمائی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ آپ کے سوا یہ کسی نبی علیہ السلام پر جائز نہ تھا۔

جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خاص میرے ہی لئے مال غنیمت کو حلال فرمایا حالانکہ پہلے یہ کسی نبی علیہ السلام پر حلال نہ تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کے معنی ہیں کہ:

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا۔ (الانفال ٦٧)

تم چاہتے ہو دنیا کا سامان۔

سو اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ ان لوگوں سے خطاب فرمایا گیا جو اسی کو مقصود اصلی خیال کرتے تھے اور محض دنیاوی غرض اور اس کی بہتری کے خواستگار تھے اور اس سے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ مراد نہیں ہیں بلکہ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ یقینی روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ مشرکین بدر کے دن بھاگے تھے اور لوگ مال غنیمت لوٹنے اور اسکے جمع کرنے میں مشغول اور خطرات جنگ سے بے پرواہ ہو گئے تھے یہاں تک کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خوف پیدا ہو گیا کہ ان پر پھر کفار واپس نہ لوٹ پڑیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ۔ (الانفال ٦٨)

اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے)

(تو کفار لوٹ ہی پڑتے) چنانچہ مفسرین کے اس آیت کے معنی میں مختلف قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر میری طرف سے یہ بات نہ گزری ہوتی کہ میں کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دوں گا جب تک کہ انہیں منع نہ کر دوں تو یقیناً تم کو عذاب دیتا۔ سو اس قول کی بنا پر قیدیوں کا معاملہ تو گناہ رہتا ہی نہیں۔ اس کی نفی یہ تفسیر کر رہی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان قرآن پر نہ ہوتا کہ وہی پہلی کتاب ہے پھر تم نے درگزر کرنے کو واجب کر لیا تو یقیناً تم کو مال غنیمت لینے پر عذاب کیا جاتا۔ اس تفسیری قول اور اس بیان کی مزید وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ اگر تم قرآن پر ایمان نہ رکھتے اور ان لوگوں میں سے ہوتے جن کیلئے مال غنیمت حلال کئے گئے ہیں تو یقیناً تمہیں بھی ویسا ہی عذاب دیا جاتا جیسا ظالموں کو دیا گیا تھا اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اگر لوح محفوظ میں یہ بات پہلے سے نہ ہوتی کہ تمہارے لئے یہ مال غنیمت حلال ہے تو لازماً تمہیں سزا دی جاتی یہ تمام

تفسیری اقوال گناہ اور معصیت کی نفی کر رہے ہیں اس لئے کہ جو شخص وہ کام کرے جو اس کو حلال ہے تو وہ نافرمان اور گنہگار نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا۔ (الانفال ۶۹)

سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حضور ﷺ اس میں مختار تھے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت یقینی طور پر مروی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کی بارگاہ میں بدر کے دن آئے اور کہا کہ آپ کے صحابہ قیدیوں کے بارے میں مختار ہیں چاہے وہ انہیں قتل کریں چاہے وہ فدیہ لے لیں بایں شرط کہ ان میں سے آئندہ سال ان کے برابر قتل کئے جائیں۔ تو انہوں نے فدیہ کو قبول کرتے ہوئے اسے منظور کیا کہ ہم سے قتل کئے جائیں۔

(سنن ترمذی کتاب السیر جلد ۳/ ۶۴، تحفۃ الاشراق ۷/ ۴۳۱)

یہ قول اس بات کی صحت پر دلیل ہے کہ جو ہم نے کہا ہے کہ انہوں نے وہی کام کیا ہے جس کی انہیں اجازت دی گئی ہے لیکن بعض صحابہ نے دو وجہوں میں سے زیادہ کمزور درجہ کی طرف میلان کیا حالانکہ اس کے سوا دوسری وجہ زیادہ درست و صحیح تھی یعنی انہیں جوش و خروش سے قتل کیا جاتا۔ اس پر انہیں عتاب فرمایا گیا اور ان پر ان کے کمزور پہلو کے اختیار کرنے پر واضح کیا گیا اور دوسرے پہلو کی صحت و درستگی بتائی گئی۔ لہٰذا یہ سب نافرمان اور گنہگار نہیں ہوئے۔ اسی طرف طبری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اشارہ ہے۔

لیکن حضور ﷺ کا اس قضیہ میں یہ ارشاد "اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو ہم میں سے بجز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی اس سے نجات نہ پاتا"۔ سو یہ بھی اس رائے کی صحت و درستگی کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس شخص کی رائے کی طرف جو اس کے موافق ہو کہ اس میں دین کی عزت، اس کے کلمہ کا غلبہ و اظہار اور اس کے دشمن کی ہلاکت و بربادی ہے اور اس طرف بھی مشیر (اشارہ) ہے کہ یہ قضیہ اگر عذاب کو واجب کرنے والا ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے ہی نجات پاتے ہمیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تخصیص و تعیین اس لئے ہے کہ کفار کے قتل کرنے کا مشورہ انہوں نے ہی سب سے پہلے دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب اس قضیہ میں اس لئے مقدر نہیں فرمایا کہ یہ ان کیلئے حلال تھا جیسا کہ گزرا۔

داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اختیار کی یہ روایت ثابت ہی نہیں اگر ثابت ہوتی تو کیونکر یہ گمان کرنا نبی کریم ﷺ پر جائز ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی حکم ایسا جس میں کوئی اشارہ یا صریح دلیل نہیں

دیا ہو اور نہ اس میں آپ کی طرف کوئی حکم ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے منزہ فرمایا ہے۔

اور قاضی بکر بن علاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس آیت میں خبر دی ہے کہ آپ کی تاویل مال غنیمت اور فدیہ کے حلال ہونے کی فرضیت کے موافق ہے۔ بلاشبہ اس سے پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے اس لشکر میں جس میں کہ ابن حضری رضی اللہ عنہ مقتول ہوئے تھے تو حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے فدیہ لیا گیا تھا۔ اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب نہیں فرمایا تھا۔ حالانکہ یہ واقعہ بدر کے سال سے پہلے ہوا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/۱۷)

لہٰذا یہ تمام باتیں اس کی دلیل ہیں کہ قیدیوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فعل آپ ﷺ کی تاویل اور اپنی بصیرت کی بنا پر تھا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر انکار نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے بدر کے معاملہ کو بڑا بنایا چونکہ اس میں قیدی بہت زیادہ تھے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنی نعمت کے اظہار اور اپنے احسان کی تاکید زیادہ جانتا ہے ان کی تعریف لوح محفوظ میں مرقوم ہے کہ ان کیلئے فدیہ اور مال غنیمت حلال ہے۔ اس میں کوئی عتاب، انکار اور گناہ نہیں ہے۔ یہ اس کے کلام کا مفہوم و مراد ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

عَبَسَ وَتَوَلّٰیO (عبس ۱)

چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا۔

تو اس میں بھی حضور ﷺ کیلئے معصیت کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اس میں تو اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ آپ کا جو مقابل ہے وہ تو ان میں سے ہے جو کبھی پاک نہ ہوگا۔ اگر آپ ﷺ پر اصل حال منکشف کر دیا جاتا تو آپ ﷺ بطریق اولیٰ ان دونوں مردوں میں سے نابینا کی طرف توجہ فرماتے۔

رہی یہ بات کہ نبی کریم ﷺ نے اس کافر کی طرف رخ انور پھیر کر پوری توجہ فرمائی تو یہ اللہ تعالیٰ کی طاعت احکام الٰہی کا تبلیغ اور کافر کی تالیف قلب کیلئے تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا تو یہ کوئی معصیت اور اس کی مخالفت نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو بات بیان فرمائی ہے وہ تو دو مردوں کی حالت کا اظہار اور آپ ﷺ کے سامنے کافر کی توہین کرنا اور کافر سے پہلوتہی کرنا مقصود تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا:

وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰیO (عبس ۷)

اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سدھرے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی سے وہ کافر مراد ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ تھا اسے ابو تمام (صاحب دیوان حماسہ) نے بیان کیا۔

لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ

فَاَكَلَا مِنْهَا۔ (طہ ۱۲۱)

سو (اس کے پھسلانے سے) دونوں نے کھا لیا۔

بعد اس کے کہ یہ فرما دیا تھا کہ

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرہ ۳۵)

ترجمہ اور مت نزدیک جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے۔

اور یہ کہا:

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ۔ (الاعراف ۲۲)

کیا نہیں منع کیا تھا میں نے تمہیں اس درخت سے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ''معصیت'' صاف طور پر فرمانا کہ

وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (طہ۔۱۲۱)

اور حکم عدولی ہوگئی آدم سے اپنے رب کی۔ سو وہ بامراد نہ ہوا۔

ایک قول یہ کہ اس نے خطا کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے عذر کو بیان فرمایا کہ

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝۔ (طہ ۱۱۵)

ترجمہ اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے) تو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد۔

ابن زید رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ آپ علیہ السلام ابلیس کی عداوت کو جو وہ آپ کے ساتھ رکھتا تھا اور اس عہد کو بھول گئے جو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے اپنے اس قول کے بارے میں لیا تھا۔

اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ۔ (طہ ۱۱۷)

بیشک یہ تیرا بھی دشمن ہے اور تیری زوجہ کا بھی۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اس عہد و دشمنی شیطان کو بایں سبب بھول گئے جو اس نے ان دونوں کو دھوکا دیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انسان کو اسلیئے انسان کہا جاتا ہے کہ اس سے جو عہد لیا

گیا تھا وہ اسے بھول گیا تھا۔ (تفسیر درمنثور ۶۰۳/۵ سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۵)

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اسے حلال جان کر اس کی مخالفت کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ دونوں کو شیطان کی قسم سے دھوکا ہوا کہ اس نے بقسم کہا کہ ''میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں''۔ انہیں یہ گمان ہو گیا کہ کوئی خدا کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ عذر بعض آثار میں بھی مروی ہے اور ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شیطان نے ان دونوں سے خدا کی قسم کھائی یہاں تک ان دونوں کو دھوکا دیدیا اور مومن (صادق الایمان) دھوکے میں آ ہی جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ علیہ السلام کا نسیان تھا مخالفت کی نیت نہ تھی۔ اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ (طٰہٰ ۱۱۵)

اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد۔

اکثر مفسرین اسی پر ہیں اس جگہ عزم کے معنی حزم وصبر کے ہیں۔ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس کے کھاتے وقت نشہ میں تھے اس میں ضعف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ نشہ میں نہیں لاتی۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ یہ کہ آپ علیہ السلام سے بھول ہوگئی تھی اور بھول معصیت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آپ علیہ السلام پر غلطی سے یہ امر مشتبہ ہو جائے جب بھی معصیت نہیں کیونکہ بھولنے والا اور سہو میں مبتلا ہونے والا حکم تکلیف سے بالاتفاق نکل جاتا ہے۔

شیخ ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ امر نبوت سے پہلے ہوا ہو۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ (طٰہٰ ۱۲۲-۱۲۱)

ترجمہ اور حکم عدولی ہوگئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا پھر (اپنے قرب کیلئے) چن لیا انہیں اپنے رب نے اور (عفو و رحمت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجتبا اور ہدایت کو ''عصیان'' کے بعد ذکر فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تاویلا کھایا کیونکہ وہ اس سے لاعلم تھے کہ یہ وہی درخت ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس لئے کہ ان کی تاویل یہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تو ایک مخصوص درخت کی ممانعت فرمائی ہے نہ کہ جنس درخت کی۔ اسی لئے کہ کہا گیا کہ توبہ ترک تحفظ سے تھی نہ کہ مخالفت و نافرمانی سے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے یہ تاویل کی کہ اللہ تعالیٰ کی ممانعت اس قسم کی نہیں تھی جس سے حرام ہو جانا پایا جائے۔

اب اگر یوں کہا جائے کہ بہرحال اللہ عزّ وجل نے تو یہ فرمایا:

وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰیO (طٰہٰ ۱۲۱)

اور حکم عدولی ہوگئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا۔

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰی۔ (طٰہٰ ۱۲۲)

اور (عفو و رحمت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی۔

اور یہ حدیث شفاعت میں ہے کہ وہ اپنے گناہ کو یاد کریں گے اور کہیں گے کہ مجھے درخت کے کھانے کی ممانعت فرمائی گئی تھی مگر میں نے نافرمانی کی۔

اس جیسے دیگر اعتراضات کا جواب مجملا آخر فصل میں انشاء اللہ آئے گا۔

جبکہ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ! تو اس کا کچھ حصہ تو ابھی گزر چکا ہے اور اس قصہ یونس علیہ السلام میں بھی گناہ کی کوئی صراحت نہیں ہے اس واقعہ میں تو صرف یہ ہے کہ انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور ناراض ہوکر چلے گئے ہم اس پر بھی بحث کر چکے ہیں۔

اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر (اپنی قوم سے خروج کی بنا پر کہ ان پر عذاب اترے گا) ناراضگی فرمائی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کا وعدہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا تب کہا کہ خدا کی قسم میں جھوٹا بن کر کبھی ان سے نہ ملوں گا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ لوگ جھوٹے کو قتل کر دیا کرتے تھے یوں وہ خوفزدہ ہوگئے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بار رسالت کے اٹھانے سے کمزور ہوگئے۔

بلاشبہ ہم پہلے بحث کر چکے ہیں کہ انہوں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ ان تمام باتوں میں کوئی اس کی صراحت نہیں کہ انہوں نے معصیت کی۔ بجز اس قول کے جو ناپسندیدہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ

اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِO (الصفت ۱۴۰)

ترجمہ وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف (سوار ہونے کیلئے)۔

تو مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ دور ہوگئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (الانبیاء ۸۷)

بیشک میں ہی قصور واروں سے ہوں۔

تو ظلم کی تعریف تو ''وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ'' یعنی کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھ

دینا ہے۔تو اب ان کا اپنے گناہ کا اقرار کرنا بعض کے نزدیک تو یہ ہے کہ یا تو اس وجہ میں کہ وہ اپنے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم سے نکلے تھے یا بایں وجہ کہ وہ بار رسالت کے تحمل کی برداشت نہ رکھتے تھے یا یوں کہ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم پر عذاب کی دعا مانگی تھی۔ (اور وہ معاف کر دیا گیا تھا) حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا مانگی تھی مگر اس پر تو مواخذہ نہیں ہوا تھا۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ کہ انہوں نے ظلم کی نسبت اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے سے خود کو منزہ رکھا اور اپنے نفس کی طرف ظلم کی نسبت کر کے اقرار کیا اور خود اس کو (نفس) اس کا مستحق جانا۔اسی طرح حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا یہ قول ہے کہ

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔ (الاعراف ۲۳)

اے ہمارے پروردگار ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔

اس لئے کہ یہ دونوں جہاں اتارے گئے تھے اس کے غیر موضع پر پڑنے اور جنت سے نکلتے اور زمین پر اترنے کا سبب بنے تھے۔

جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس قصہ کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے جسے اہل کتاب کے ان مورخین نے لکھا ہے جنہوں نے تغیر و تبدل کیا ہے اور اسے ان سے مفسرین نے نقل کر لیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں آیا ہے اور وہ جسے اللہ تعالیٰ نے صراحت سے بیان فرمایا وہ تو صرف یہ ہے کہ

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ○ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ○ (ص ۲۵۔۲۴)

ترجمہ　اور فوراً خیال آ گیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں اور (دل و جان سے) اس کی طرف متوجہ ہو گئے پس ہم نے بخش دی ان کی تقصیر اور بے شک ان کیلئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے۔

اور اس کا یہ فرمان کہ فِيْهِ اَوَّاب یعنی وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے پس فَتَنّٰهُ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے آزمایا اور اَوَّاب کے معنی میں قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ مطیع ہے۔

یہ تفسیر بہت بہتر ہے۔

حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک شخص سے اس سے زیادہ نہیں فرمایا کہ میری خاطر اپنی بیوی سے جدا ہو یا اسے میرے ذمہ کر دے اس پر اللہ

تعالیٰ نے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور آگاہ کیا کہ تم دنیا میں مشغول نہ ہو اس معاملہ میں یہی بات زیادہ مناسب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے پیغام دے دیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ دل سے اسے پسند کیا کہ وہ حاضر ہو اور سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا آپ نے جس گناہ سے استغفار کی وہ دو شخصوں کا جھگڑا تھا (آپ نے فرمایا) کہ اس نے تم پر ظلم کیا تو انہوں نے مقابل کے قول سے ہی ظالم بنایا۔ ایک قول یہ ہے کہ بلکہ اسلئے استغفار کی کہ انہوں نے اپنی جان سے خوف کھایا اور آزمائش کا گمان کیا کہ انہیں ملک اور دنیا دی گئی۔

اور وہ جو کچھ مؤرخین نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اس کی نفی میں احمد بن نصر اور ابوتمام رحمہما اللہ وغیرہ محققین گئے ہیں۔ چنانچہ داؤدی رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ادریا کے قصہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے اور کسی نبی سے ایسا گمان بھی نہیں کی جا سکتا کہ وہ محبت کی خاطر کسی مسلمان کو قتل کرا دیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان دو شخصوں کا جھگڑا آپ علیہ السلام سے بکریوں کے بچوں کے بارے میں تھا ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا قصہ! تو اس میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اب رہے ان کے بھائی تو ان کی نبوت ہی کب ثابت ہے جس کی وجہ سے ان کے افعال پر بحث کریں اور قرآن کریم میں اسباط (اولاد) کا ذکر کرنا اور انہیں انبیاء میں شمار کرنا سو اس بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے وہ نبی مراد ہیں جو ان کی اولاد میں ہوئے اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ وہ فعل کیا تھا تو اس وقت ان کی عمریں چھوٹی تھیں اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے وقت وہ سب حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچان نہ سکے اور اسی لئے انہوں نے کہا کہ

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ۔ (یوسف ۱۲)

ترجمہ آپ بھیجئے اسے ہمارے ساتھ تا کہ خوب کھائے پیے اور کھیلے کودے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ (یوسف ۲۴)

ترجمہ اس عورت نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی روشن دلیل۔

تو اس میں بھی اکثر فقہاء و محدثین کا یہ مذہب ہے کہ نفس کی خواہش پر مواخذہ نہیں ہوتا اور نہ

یہ گناہ ہے کیونکہ حضور ﷺ اپنے رب کی طرف سے فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور اسے کرتا نہیں تو اس کیلئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۱۷)

تو معلوم ہوا کہ صرف نفس کی خواہش پر گناہ نہیں ہے لیکن فقہاء محققین اور متکلمین کے مذہب کے نزدیک جب قصد پر نفس کا مصمم ارادہ ہو جائے تو وہ گناہ ہے اور جس پر اس کا نفس پختہ نہ ہو تو وہ معاف ہے اور یہی مذہب حق ہے۔

لہٰذا انشاء اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ اسی قبیل سے ہوگا اور فرمان الٰہی کہ

مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ۔ (یوسف ۵۳)

اور میں اپنے نفس کی برات (کا دعویٰ) نہیں کرتا۔

یعنی میں اپنے نفس کے اس ارادے سے برات نہیں کرتا یا ممکن ہے کہ یہ انہوں نے بطریق تواضع فرمایا ہو جس میں اس بات کا اقرار ہے کہ میں نفس کی مخالفت کرتا ہوں کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے پاک و منزہ تھا اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو ارادہ کیا ہی نہیں اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَلَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ لَهَمَّ بِهَا ''زلیخا نے ان کی طرف قصد کیا اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے اللہ تعالیٰ کی دلیل نہ دیکھتے تو ضرور اس کی طرف قصد فرماتے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زلیخا کیلئے فرمایا کہ

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ۔ (یوسف ۳۲)

ترجمہ بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا لیکن وہ بچا ہی رہا۔

نیز فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ۔ (یوسف ۲۴)

ترجمہ یوں ہوا تاکہ ہم دور کر دیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو۔

اور فرمایا:

وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ۔ (یوسف ۲۳)

ترجمہ اور (ایک دن) اس نے تمام دروازے بند کر دیئے اور (بصد ناز) کہنے لگی پس آ بھی جاؤ یوسف (پاکباز) نے فرمایا: خدا کی پناہ (یوں نہیں ہوسکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے۔

اور رَبِّیْ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور ایک قول یہ کہ بادشاہ

مراد ہے اور ایک قول یہ کہ هَمَّ بِهَا اس نے ارادہ کیا یعنی زلیخا کو تنبیہ کرنے کا قصد کیا ہے اور اسے نصیحت کی اور ایک قول یہ ہے کہ هَمَّ بِهَا کے یہ معنی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو اس سے باز رہنے میں غمزدہ کر دیا اور ایک قول یہ کہ یوسف علیہ السلام نے اسکی جانب (غصہ سے) دیکھا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے دھکا دے کر دور کر دیا اور بعض نے کہا کہ یہ تمام قصہ آپ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ عورتیں ہمیشہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف مائل بشہوت ہوتی ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو منصب نبوت عطا فرما کر اس کی ہیبت ڈال دی پھر ہیبت نبوت نے ہر دیکھنے والے کو ان کے حسن و جمال سے غافل کر دیا۔

اب رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مقتول کا قصہ جسے انہوں نے مکا مارا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ آپ علیہ السلام کا دشمن تھا۔ سو ایک قول تو یہ ہے کہ فرعونی دین پر قائم ایک قبطی تھا۔ پوری سورت اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تمام واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہوں نے عصا سے پیٹا تھا اور جان سے مار ڈالنے کا قصد نہ تھا۔ اس بنا پر تو اس میں کوئی گناہ ہی نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا کہ (صحیح بخاری کتاب الفضائل ۵/ ۱۲۶، صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/ ۱۸۴۲)

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ (القصص ۱۵)

یہ کام شیطان کی انگیخت سے ہوا ہے۔

اور فرمایا:

ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ۔ (القصص ۱۶)

ظلم کیا اپنے آپ پر پس بخش دے مجھے۔

اس کی تفسیر میں ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ اس وجہ سے کہا کہ کسی نبی علیہ السلام کو سزاوار نہیں کہ وہ کسی کو بلا حکم قتل کر دے اور نقاشی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ارادۂ قتل سے انہوں نے قصدا قتل نہیں کیا۔ انہوں نے مکا اس لئے مارا کہ اس کے ظلم کو مکے سے دور کر دیں اور کہا کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے اور یہی اقتضاء تلاوت ہے۔ اسی قصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا٥ (طٰہٰ ۴۰)

اور ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا۔

یعنی ابتلا کے بعد دوبارہ ابتدلا میں ڈالا اور ایک قول یہ ہے۔ اس قصہ میں وہ مراد ہے جو فرعون کے ساتھ پیش آیا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈالنا وغیرہ مراد ہے

اور ایک قول یہ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو خوب خالص کر دیا۔ اسے ابن جبیر اور مجاہد رضی اللہ عنہما نے کہا اور یہ اس محاورۂ عرب پر مبنی ہے کہ فَتَنَتِ الْفِضَّةُ فِي النَّارِ اِذَا خَلَّصَتْهَا یعنی چاند کو آگ میں ڈال کر صاف کر لیا جبکہ وہ خوب صاف ہو جائے دراصل فتنہ کے معنی ہی آزمائش اور شئی پوشیدہ کے اظہار کے ہیں۔ سوائے اس جگہ کے جہاں عرف شریعت میں، اختیار میں کسی ناپسند و مکروہ معنی میں بولا گیا ہو۔

اسی طرح صحیح حدیث میں یہ ہے کہ ملک الموت علیہ السلام ان کے پاس جب آئے تو طمانچہ مارا اور ان کی آنکھ گدھی پر چلی گئی۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعدی یا کوئی فعل غیر واجب ثابت ہوتا ہو۔ کیونکہ یہ ایک ظاہر اور کھلی بات ہے جو عقلا بھی جائز ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ان سے مدافعت کی ہے جو ان کی جان لینے آئے تھے اور یقیناً وہ آدمی کی صورت میں آئے تھے۔ اس وقت علم کی کوئی ایسی صورت ہی نہ تھی کہ وہ جان لیتے کہ وہ ملک الموت علیہ السلام ہے انہوں نے اپنی پوری پوری مدافعت اس طرح پر کی ہو کہ اس سے اس صورت کی آنکھ پھوٹ گئی ہو جس صورت میں وہ ان کیلئے خدا کی طرف سے ظاہر ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب دوبارہ وہ آئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں علم دیا کہ یہ اس کا قاصد ہے تب انہوں نے سر جھکا دیا۔

اس حدیث کے علماء متقدمین و متاخرین نے کئی جواب دیئے ہیں جس میں میرے نزدیک یہ جواب سب سے زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ جواب ہمارے شیخ امام ابوعبداللہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اور متقدمین میں سے ابن عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ نے طمانچہ مارنے اور آنکھ باہر آ جانے کی یہ تاویل کی ہے وہ اس پر حجت میں غالب آ گئے اور انہوں نے اس کی دلیل کی آنکھ پھوڑ دی۔ اس قسم کا کلام اس باب میں لغت اور محاورۂ عرب میں منقول ہے۔

اب رہا حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے آزمائش میں ڈالا اور یہ ان کی آزمائش تھی اور وہ روایتیں جنہیں مفسرین نے ان کے گناہ میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ۔ (ص ۳۴)

ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو۔

تو اس کے معنی یہ ہیں ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا اور ان کا امتحان یہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں آج کی رات سو عورتوں یا ننانوے عورتوں پر

گشت کروں گا اور ان سب سے ایک ایک سوار پیدا ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا۔

اس پر ان کے ایک مصاحب نے عرض کیا کہ آپ ﷺ انشاء اللہ بھی فرمائیے۔ تو انہوں نے یہ نہ کہا جس پر صرف ایک ہی عورت حاملہ ہوئی اور اس سے بھی نصف بچہ پیدا ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو یقیناً وہ سب پیدا ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کرتے۔

اصحاب معانی نے کہا کہ حدیث میں جو لفظ شق وارد ہے اس سے وہ دھڑ مراد ہے جو کرسی پر ڈال کر ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے یہ ان کی عقوبت و محنت کا ثمرہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ وہ مر گیا تھا اور اسے مردہ کرسی پر ڈال کر پیش کیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اس پر حرص و تمنا کی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے غلبہ حرص و تمنا میں انشاء اللہ نہ کہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی عقوبت یہ تھی کہ ان کا ملک مسلوب ہوا اور ان کا گناہ یہ کہ انہوں نے دل میں یہ چاہا کہ ان کے سسرال کا حق ان کے دشمنوں پر ثابت ہو جائے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کے گناہ پر مواخذہ کیا گیا تھا۔

اور یہ بات صحیح نہیں جسے بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ شیطان ان کی صورت بنا کر ان کے ملک پر مسلط ہو گیا تھا اور ان کی امت پر ظلم و ستم کا حکم کرنے لگا تھا۔ (تفسیر در منثور ۷/ ۱۷۹)

کیونکہ ایسے امور پر شیاطین کو قدرت نہیں دی جاتی اور نیز انبیاء کرام علیہم السلام ایسے امور سے معصوم رکھے جاتے ہیں۔

اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قصہ مذکورہ میں انشاء اللہ کیوں نہ کہا تو اس کے کئی جواب ہیں۔ ایک وہ کہ جو حدیث صحیح میں مروی ہے کہ وہ کہنا بھول گئے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مراد پوری ہو جاتی اور دوسرا یہ کہ انہوں نے اپنے مصاحب کی آواز سنی ہی نہیں کیونکہ کسی اور طرف مشغول ہو گئے تھے۔

اور ارشاد کہ:

وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ۔ (ص ۳۵)

ترجمہ اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد۔

تو یہ سوال دنیا طلبی اور اسی سے رغبت کی بنا پر نہ تھا لیکن ان کا اس سے مقصد وہ تھا جسے مفسرین نے بیان کیا کہ اس پر کوئی غلبہ نہ پا سکے جیسا کہ اس ملک پر وہ شیطان مسلط کر دیا گیا تھا جس نے

زمانہ امتحان میں آپ سے (ملک) چھین لیا تھا۔ اس قول کی بنا پر جو اس کا قائل ہو اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ انہوں نے درخواست کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی ایسی فضیلت اور خصوصیت عطا ہو جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کہ دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو بعض خصوصیتیں مرحمت فرمائی گئی ہیں اور یہ خصوصیت ان کی نبوت کی دلیل اور حجت سے ہو۔

مثلاً آپ کے والد ماجد کے ہاتھ پر لوہے کا نرم ہو جانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے مردوں کا زندہ کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت عظمیٰ سے مخصوص فرمانا وغیرہ فضائل و خصائص ہیں۔

اب رہا حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ! تو اس کا عذر تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس میں تاویل اور ظاہر لفظ کے ساتھ تمسک کیا تھا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے کہ

اَهْلَكَ۔ (ھود ۴۰)

وہ تمہارا اہل ہے۔

تو وہ مقتضائے لفظ کے طالب اور اس شے کے علم کے خواہاں ہوئے جو ان سے مخفی تھا نہ یہ کہ انہوں نے وعدۂ الٰہی میں شک کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظاہر فرما دیا کہ یہ تمہاری اس اہل میں سے نہیں ہے جس کی نجات کا وعدہ فرمایا تھا کیونکہ وہ کافر ہے اور اس کے اعمال غیر صالح ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کو آگاہ فرما دیا تھا کہ وہ ظالموں کو ڈبونے والا ہے اور مخاطبت سے آپ کو روک دیا کہ وہ اس تاویل سے تمسک نہ کریں اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جو انہوں نے اپنے رب سے اپنی قوم کیلئے اس اقدام کے بارے میں سوال کیا جس کی انہیں اجازت نہ تھی۔

اور نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ اپنے بیٹے کے کفر سے لاعلم تھے اور آیت کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں اور یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی معصیت پر مقتضی نہیں ہیں بجز اسکے جو ہم نے انکی تاویل اور اقدام سوال بلا اذن کی صورت میں بیان کیا اور یہ ممنوع نہ تھا۔

اب رہی وہ صحیح حدیث جس میں ہے کہ کسی نبی کو چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹی کی آبادی ہی کو جلا دیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد ۴/ ۴۹، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ۴/ ۱۷۵۹، سنن ابوداؤد ۵/ ۴۱۸، سنن ابن ماجہ کتاب العید ۲/ ۱۰۷۵)

اس پر ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ ایک چیونٹی نے کاٹا تھا مگر تم نے اس کے بدلے میں پوری ایسی جماعت کو جلا دیا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی تھی۔

سو اس حدیث میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے معصیت ثابت ہو بلکہ انہوں نے وہ

کام کیا جو انکی مصلحت وصواب کا اقتضاء تھا کہ ایسی ایذا رساں جنس ہی کو مار دیا جائے جو اس سے باز رکھے جسے اللہ تعالیٰ نے مباح کیا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ نبی علیہ السلام کے نیچے پڑاؤ کئے تھے پس جب چیونٹی نے اسے کاٹا تو انہوں نے دوبارہ کاٹنے کے خوف سے اسے مسل دی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ایسی کوئی وحی نہیں ہے جس میں یہ معصیت ہو بلکہ صبر و برداشت اور موانعات کو چھوڑنا مستحب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِيْنَ۔ (النحل ۱۲۶)

ترجمہ اور اگر تم (ان کی ستم رانیوں پر) صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کیلئے۔

لہٰذا ان کا فعل ظاہر بات ہے اسی وجہ سے ہے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق ایذا پہنچاتی ہے۔ (زیادہ سے زیادہ) انہوں نے یہ کیا کہ اپنی جان کا بدلہ لیا اور اس مضرت کو دور کیا جو بقیہ چیونٹیوں سے جو وہاں موجود تھیں خطرہ تھا تو اس بارے میں کہیں بھی ایسا کوئی حکم نہیں جس سے پہلے منع کیا گیا اور اب اس کے کرنے سے معصیت اور نافرمانی ٹھہرے اور نہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی وحی صراحت سے نازل فرمائی اور نہ ان سے توبہ و استغفار مروی ہے۔ (واللہ اعلم) اب اگر یہ کہا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کا کیا معنی نہیں کہ فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو یا وہ گناہ کے قریب نہ گیا بجز حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے"۔ یا جو کچھ بھی آپ نے فرمایا ہو تو اس کا وہی جواب ہے جیسا کہ پہلے گزرا کہ انبیاء علیہم السلام سے جو گناہ واقع ہوئے ہیں وہ سہو اور مشغولیت کی بنا پر صادر ہوئے۔ (مسند امام احمد ۱/۲۹۲-۲۵۴، مجمع الزوائد ۸/۲۰۹)

چودھویں فصل

دفع اشکال از عصیان انبیاء کرام علیہم السلام

اب اگر تم یہ کہو کہ جبکہ تم نے انبیاء علیہم السلام کے ان ذنوب و معاصی کی نفی کر دی جن میں مختلف مفسرین اور محققین کی متعدد تاویلوں میں بیان کیا ہے تو اب اللہ تعالیٰ کے فرمان وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی اور وہ امور جو بار بار قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں انبیاء کرام علیہم السلام سے ذنوب، توبہ، استغفار، گریہ و زاری وغیرہ میں منقول ہیں اس کا کیا مطلب ہے حالانکہ وہ ان کا اعتراف کرتے رہے اور ڈرتے رہے کیا کوئی بے گناہ بھی ڈرتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے۔

تو ان کا جواب تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تم کو توفیق خیر دے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ رفیع اور بلند معرفت الٰہی اور سنت بندگان خدا پر فائز اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت اور اس کی مضبوط گرفت و طاقت کا عرفان وہ ان کو اس امر میں خوف وخشیت الٰہی اور اندیشہ گرفت باری تعالیٰ برانگیختہ کرتا رہتا تھا حالانکہ وہ امور ایسے ہوتے تھے کہ غیر انبیاء سے مواخذہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

انبیاء کرام کا تو حال یہ تھا کہ وہ ان امور میں بھی خوفزدہ رہتے تھے جن میں نہ کوئی ممانعت تھی اور نہ انہیں ان کا حکم دیا گیا تھا لیکن پھر بھی ان پر وہ ماخوذ معاتب ہوئے اور انہیں مواخذے سے خوفزدہ کیا گیا حالانکہ یہ انبیاء کرام ان امور کے یا تو بوجہ تاویل یا سہو یا بر سبیل زیادتی طلب مباح امور دنیاوی کے مرتکب ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی خائف ولرزاں رہتے تھے اور یہ گناہ بھی ان کے مرتبہ عالیہ کی نسبت سے ہے اور ان کے کمال طاعت کے لحاظ سے وہ معاصی ہیں نہ یہ کہ وہ دوسروں کے گناہ کی طرح گناہ اور معاصی ہیں۔

اس لئے کہ گناہ و نائت اور رذالت سے ماخوذ ہے اور اسی سے یہ کہ ذَنْبُ كُلِّ شَيْءٍ یعنی ہر شی کی ذنب یعنی آخر اور لوگوں کے اذناب ان کی رذالت ہے گویا کہ یہ لوگوں کے ادنی افعال اور ان کے برے احوال ہیں تاکہ انبیاء علیہم السلام ان کی تطہیر کریں اور انہیں ستھرا بنائیں اور خود انبیاء علیہم السلام کی باطنی اور ظاہری حالت عمل صالح، کلمہ طیب، ذکر ظاہر وخفی اور خشیت الٰہی سے آراستہ و پیراستہ ہوتی ہے۔ ان کی خشیت الٰہی باطن وظاہر میں بڑھتی رہتی ہے اور ان کے سوا دوسرے لوگ کبائر، قبائح اور خواہش سے آلودہ رہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں اور گناہ بہ نسبت دوسرے کے نیکیاں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ مقولہ ہے کہ

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّاٰتُ الْمُقَرَّبِيْنَ

یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔

یعنی اپنی علومرتبت کے لحاظ سے وہ گناہوں کی مثل ہیں۔اسی طرح عصیان وترک مخالفت کا حال ہے۔لہٰذا باعتبار الفاظ وہ کسی طرح کا سہو یا تاویل ہو ان کے حق میں مخالفت اور ترک ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فَغَوٰی" سواس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سے بے خبر ہو گئے کہ یہ وہی درخت ہے جس کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور غَيّي کے معنی جہل کے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دائمی رہائش کی طلب میں انہوں نے خطا کی۔ جب انہوں نے کھالیا تو ان کی آرزوئیں رائیگاں گئیں۔

اور یہی صورت حال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے بیشک اس قول میں ان سے مواخذہ کیا گیا جو انہوں نے قید خانہ میں اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ

اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ۔

(یوسف ۴۲)

ترجمہ میرا تذکرہ کرنا اپنے آقا کے پاس۔لیکن فراموش کرا دیا اسے شیطان نے کہ وہ ذکر کرے اپنے بادشاہ کے پاس پس آپ ٹھہرے رہے قید خانہ میں کئی سال۔

ایک قول یہ کہ یوسف علیہ السلام کو ذکر الٰہی سے بھلا دیا گیا اور ایک قول یہ کہ ان کے ساتھی کو بھلا دیا گیا کہ وہ اپنے بادشاہ کے سامنے ان کا تذکرہ کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر حضرت یوسف علیہ السلام یہ بات نہ کہتے تو وہ اتنے عرصہ قید خانے میں نہ رہتے۔ (تفسیر درمنثور ۴/ ۵۴۱)

ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ کہا تو ان سے کہا گیا کہ تم نے میرے سوا دوسرے کو وکیل بنایا تو اب ضرور تمہاری مدت قید کو دراز کروں گا۔

اس وقت انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب بلاؤں کے اژدہام نے میرے قلب کو بھلا دیا۔ (تفسیر درمنثور ۴/ ۵۴۱)

اور بعض علماء نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام سے ایک ذرہ بھر لغزش پر بھی گرفت ہو جاتی تھی کیونکہ خدا کی بارگاہ میں ان کی بڑی منزلت ہوتی ہے اور دوسرے لوگوں سے باوجود ان سے کئی گنا زیادہ بے ادبی ہونے کے درگزر کیا جاتا ہے کیونکہ ان کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی۔

اور اس پہلے گروہ نے جس کا تذکرہ ہم نے کیا ہے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ

جبکہ انبیاء علیہم السلام کا ان کے سہو ونسیان پر بھی مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے اور یہ کہ ان کی حالت بہت بلند و بالا ہے تو معلوم ہوا کہ ان کا حال دوسروں سے برا ہے؟

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے کہ ہم نے یہ تو ثابت نہیں کیا کہ ان پر مواخذہ دوسروں کے برابر ہوتا ہے۔ بلکہ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسی باتوں کا ان پر مواخذہ کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے ان کے درجات اور زیادہ بڑھیں اور اس لئے انہیں آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تا کہ ان کے مرتبے اور بلند ہوں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰىO (ص ۱۲۲)

ترجمہ پھر (اپنے قرب کیلئے) چن لیا انہیں اپنے رب نے اور (عفو و رحمت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذَالِكَ۔ (ص ۲۵)

پس ہم نے بخش دی ان کی یہ تقصیر۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تُبْتُ اِلَيْكَ میں تیری طرف رجوع لایا تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّىْ اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ۔ (الاعراف ۱۴۴)

ترجمہ میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش اور رجوع کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ (الی) حُسْنَ مَاٰبٍ۔ (پ ۳۶)

ترجمہ پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا۔ تا۔ خوبصورت انجام

اور بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں ظاہر میں تو لغزشیں ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ان کی کرامتیں اور قرب ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا نیز یہ کہ ان کے سوا دوسرے انسانوں کو یا ان لوگوں کو جو ان کے درجے میں نہیں ہیں (اولیاء و متقین) ہوشیار کیا جاتا ہے کہ ایسی باتوں پر بھی ان سے مواخذہ ہوتا ہے چاہیے کہ وہ بھی ڈرتے رہیں اور حساب و کتاب پر اعتقاد رکھیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ہمیشہ شکر بجا لاتے رہیں اور سختیوں پر جب کہ ایسے بلند و بالا منصب والوں پر جو کہ معصوم ہیں شدائد واقع ہوتی ہیں تو وہ بھی صبر کرنا سیکھیں اور جب کہ انبیاء کا یہ حال ہے تو ان

کے سوا دوسروں کا کیا حال ہوگا؟

صالح مری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ توابین کیلئے بڑی گنجائش ہے۔ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے صاحب حوت (حضرت یونس علیہ السلام) کا قصہ ان کی تنقیصی شان کیلئے نہیں بیان فرمایا مگر اس لئے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر وتحمل اور زیادہ ہو۔

نیز اس گروہ (اعتراض کرنیوالے) سے یہ بھی کہا جائے کہ تم اور تمہارے موافقین یہ کہتے ہیں کہ کبائر کے اجتناب سے صغائر معاف کئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کبائر سے معصوم ہیں لہٰذا اب جو تم صغائر کے صدور کو انبیاء علیہم السلام کیلئے جائز رکھتے ہو تو وہ تو تمہارے قول کے بموجب معاف ہو جاتے ہیں لیکن پھر ان سے مواخذہ ہونے کے تمہارے نزدیک کیا معنی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے ڈرنے اور ان کا اس سے توبہ کرنے کا کیا مطلب ہے۔ حالانکہ وہ تو مغفور ہی ہیں۔ لہٰذا اب جو وہ اسکا جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔ یعنی یہ کہ ان پر مواخذہ سہو اور تاویل افعال پر ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کثرت سے توبہ واستغفار کرنا دائمی خضوع اور اظہار بندگی کیلئے ہے نہ کہ تقصیر کے اعتراف کی وجہ سے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر بجا لانا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگرچہ میں گزشتہ آئندہ کے مواخذے سے محفوظ ہوں لیکن کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور فرمایا کہ میں تم سے زیادہ خشیت الٰہی رکھتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ کو جانتا ہوں۔

حارث بن اسد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا خوف عظمت وجلال کے خوف اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی وجہ سے ہے ورنہ وہ تو مامون ومحفوظ ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ انہوں نے اس لئے کیا تاکہ لوگ ان کی پیروی کریں اور ان کی امت کیلئے وہ امر مسنون بن جائے۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جتنا میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔

نیز توبہ واستغفار میں ایک دوسرے لطیف معنی بھی ہیں جس کی طرف بعض علماء نے اشارہ کیا ہے کہ وہ اس محبت الٰہی اللہ تعالیٰ کی خواہش ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (البقرہ ۲۲۲)

ترجمہ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے بہت توبہ کرنیوالوں کو اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں کو۔

لہٰذا انبیاء ورسل علیہم السلام کا استغفار وتوبہ اور انابت ورجوع میں ہمیشہ مشغول رہنا محبت الٰہی کی خواہشمندی کیلئے ہے اور اس میں استغفار کے معنی توبہ ورجوع کے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گزشتہ وآئندہ کی لغزشوں کی معافی کے مژدہ کے بعد فرمایا:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔

ترجمہ یقیناً اللہ نے نبی اور مہاجرین وانصار کی توبہ قبول فرمائی۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۝ (النصر۳)

ترجمہ تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کیلئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے۔ بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پندرہویں فصل

حقوق نبوت و رسالت ﷺ پر تنبیہات

ہماری اس بحث سے تم کو یقیناً اچھی طرح حق ظاہر ہوگیا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ اس امر سے کلیتہ معصوم ہیں کہ آپ ﷺ ذات و صفات باری تعالیٰ سے بے خبر ہوں یا آپ ﷺ کسی ایسی حالت پر ہوں جو کسی نہج سے علم کے منافی ہو۔ ان باتوں سے نبوت کے بعد آپ ﷺ کا پاک ہونا تو بدلیل عقل و اجماع اور نبوت سے پہلے بدلیل نقل و سمع ثابت ہے اور نہ امور شرعیہ میں سے جن کو آپ نے مقرر فرمایا اور بواسطہ وحی جسے آپ ﷺ نے اپنے رب کی طرف سے پہنچایا آپ کا کسی ایسی حالت پر ہونا جائز ہے جو علم کے منافی ہے۔ یہ بدلائل قطعیہ عقلیہ اور شرعیہ ثابت ہیں۔

اور آپ ﷺ کذب و خلاف گوئی سے بھی بوقت اعطاء نبوت و رسالت قصد و بلاقصد ہر طرح معصوم ہیں اور بلا اتفاق آپ ﷺ کا قبل نبوت اس سے منزہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہے اور کبائر سے پاک ہونا بطور اجماع اور صغائر سے منزہ ہونا بطور تحقیق ثابت ہے اور ان امور میں جنہیں آپ ﷺ نے امت کیلئے مشروع فرمایا ان پر دائمی سہو و غفلت اور استمرار غلط و نسیان سے معصوم ہیں اور آپ ﷺ ہر حالت خوشی و غضب اور مسرت و مزاح میں ایسی باتوں سے پاک ہیں۔

اب تم کو واجب و لازم ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو پوری قوت سے لازم پکڑو اور ان پر کامل مضبوطی سے عمل پیرا ہو۔ جیسا کہ کوئی بخیل کسی شے کو پکڑتا ہے اور چاہیے کہ ان قصوں کی بڑی قدر کرو اور ان کے فوائد عظیمہ سے علم حاصل کرو اور جو ان کی لاعلمی سے خطرات و نقصانات ہیں ان سے بے خبر نہ رہو کیونکہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے حقوق واجبہ یا وہ جو جائز ہے یا وہ جو آپ ﷺ پر محال ہے ان سے غافل و جاہل ہے وہ آپ ﷺ کے احکام کی معرفت کر ہی نہیں سکتا اور وہ شخص خلاف واقع امور کے اعتقاد سے محفوظ رہ ہی نہیں سکتا اور نہ وہ آپ ﷺ کو ان امور سے معصوم جان سکتا ہے جن کا کہ آپ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ پس وہ ہلاک ہو جاتا ہے حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ کس طرف سے ہلاکت واقع ہوئی اور جہنم کے نچلے تاریک گڑھے میں جا پڑتا ہے۔

کیونکہ نبی ﷺ کے حق میں باطل کا گمان کرنا اور اس شے کا گمان کرنا اور اس شے کا اعتقاد رکھنا جو آپ ﷺ پر ناجائز ہو ایسا اعتقاد رکھنے والا دَارَ الْبَوَارْ (ہلاکت کے گڑھے) کا مستحق ہو جاتا ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان دو شخصوں پر احتیاط فرمائی جو مسجد میں معتکف تھے اور انہوں نے

آپ کو ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیکھا تھا آپ نے ان سے فرمایا: یہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہے۔
اس کے بعد ان دونوں سے فرمایا: بیشک شیطان بنی آدم کے جسم میں دوران خون کے ساتھ دوڑتا ہے اور میں نے اندیشہ کیا کہ کہیں تم قذف کے مرتکب نہ بن جاؤ اگر ایسا تمہارے دل میں واقع ہوگیا تو تم دونوں ہلاک ہو جاؤ گے۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتکاف ۳،۴ صحیح مسلم کتاب السلام ۴/۱۲/۱۷۱۲)

اے قاری! اللہ تعالیٰ تمہیں عزت بخشے کہ ان فصلوں میں جو بحثیں ہم نے کی ہیں ان سے ایک تو فائدہ یہی ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی جاہل اپنی لاعلمی کے سبب اس بات کو نہ جانے اور انہیں سن کر کہنے لگے کہ ان امور میں گفتگو کرنا فضول اور بے فائدہ ہے اور خاموش رہنا زیادہ مناسب ہے۔

حالانکہ اب تمہیں واضح ہو گا کہ ہم نے کن کن فوائد کیلئے ان کا ذکر کیا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اصول فقہ میں ان باتوں کی بڑی ضرورت پڑتی ہے اور ان پر بکثرت ایسے مسائل موقوف ہوتے ہیں جنہیں فقہ میں شمار نہیں کیا جاتا اور یہ کہ ان کے سبب سے مسائل میں شور و شغب اور اختلاف فقہاء رحمہم اللہ سے روخلاصی ہوتی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ حکم حقیقتاً اقوال وافعال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہے۔ یہ ایک عظیم باب اور اصول فقہ کی بڑی اصل ہے جو اسی پر مبنی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان امور میں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خبریں دیں یا تبلیغ فرمائیں صادق جانیں اور مانیں اور یہ کہ ان امور میں سہو ونسیان کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جائز نہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمداً افعال میں مخالفت کے صدور سے معصوم ہیں اور اختلاف علماء کے لحاظ سے وقوع صغائر مختلف فیہ ہے۔ اسی طرح امتثال فعل میں اختلاف ہے۔ ان کی تفاصیل کتب اصول میں مذکور ہیں ہم اس سے کلام کو طویل کرنا نہیں چاہتے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ان فصلوں کی حکام اسلام اور مفتیان شرع کو اس شخص کیلئے ضرورت پڑتی ہے جو ان امور میں سے کسی امر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نسبت کرے اور ان میں سے کس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم متصف کرے۔ لہٰذا جو یہ نہیں جانتا کہ آپ پر کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز ہے اور کس میں اجماع واقع ہے؟ اور کس میں اختلاف ہے؟ وہ کیونکر اطمینان قلب کے ساتھ اس میں فتویٰ دے سکتا ہے اور اسے یہ کہاں سے معلوم ہو گا کہ اس نے جو کہا اس میں نقص ہے یا مدح؟

لہٰذا ایسا نادان شخص یا تو اس پر جرات کرے گا کہ کسی مسلمان کی ناحق گردن مارے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق وحرمت کی پائمالی کرے گا اور ارباب اصول اور ائمہ محققین نے جس طرح عصمت و حقوق انبیاء علیہم السلام میں اختلاف کیا ہے۔ اسی طرح عصمت ملائکہ میں بھی اختلاف واقع ہوئے۔

سولھویں فصل

عصمت ملائکہ

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کل ملائکہ مومن اور صاحب منزلت ہیں اور کئی ائمہ مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ رُسُل ملائکہ کا حکم عصمت کے بارے میں انبیاء کرام علیہم السلام کے حکم کے مساوی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ان کی عصمت کے بارے میں بیان کیا ہے اور یہ رسل ملائکہ انبیاء اور ان کی طرف تبلیغ احکام میں ویسے ہی ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے ساتھ ہیں لیکن غیر رُسُل ملائکہ میں علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ تمام ملائکہ معاصی سے معصوم ہیں۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَo (التحریم ٦)

ترجمہ نافرمانی نہیں کرتے للہ کی جس کا اس نے حکم دیا ہے اور فورا بجالاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے۔

اور ارشاد ہے کہ:

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌo وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَo وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَo (الصفت ١٦٦-١٦٥-١٦٤)

ترجمہ اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کیلئے مقام متعین ہے اور ہم پر باندھے (مقام نیاز میں) کھڑے ہیں اور بیشک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔

اور ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ عِنْدَہٗ لَایَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَo یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَایَفْتُرُوْنَo (الانبیاء ١٩)

ترجمہ اور جو (فرشتے) اس کے نزدیک ہیں وہ ذرا سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں وہ (اس کی) پاکی بیان کرتے رہتے ہیں رات دن اور وہ اکتاتے نہیں۔

اور ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ لَایَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ۔ (اعراف ٢٠٦)

ترجمہ بیشک جو مقرب ہیں تیرے رب کے وہ تکبر نہیں کیا کرتے اس کی عبادت سے۔

اور ارشاد ہے کہ

كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔ (عبس ١٦)

جو بڑے بزرگ اور نیکو کار ہیں۔

اور فرمایا:

لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ (الواقعہ ٧٩)

اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں۔

اور اسی قسم کے دیگر دلائل سمع سے استدلال کیا ہے۔

اور ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ تمام خصوصیتیں رسل و مقربین ملائکہ کیلئے ہیں اور انہوں نے وہ دلائل بیان کئے ہیں جنہیں اہل سیر و اخبار اور مفسرین نے بیان کیا ہے عنقریب بعد کو انشاء اللہ بیان کریں گے اور انشاء اللہ اس میں اور بھی وجوہات ظاہر کریں گے۔

مذہب صحیح وصواب یہی ہے کہ تمام ملائکہ معصوم ہیں اور ان کا مرتبہ عالی ان تمام برائیوں سے پاک ہے جس سے کہ ان کے رتبہ عالیہ اور منزلت رفیعہ میں فرق آئے اور اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ انہوں نے یہ ارشاد فرمایا کہ فقیہہ کو ان کی عصمت میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ان کی عصمت میں بحث کرنا بھی وہی فوائد رکھتا ہے جو عصمت انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں مذکور ہوئے ہیں بجز ان کے افعال واقوال میں گفتگو کرنے کے کیونکہ وہ یہاں ساقط ہے۔

چنانچہ اس گروہ کے دلائل جو تمام ملائکہ کیلئے عصمت کے قائل نہیں ہیں ان میں سے ایک دلیل ہاروت و ماروت کا قصہ ہے۔ (مسند امام احمد ۲/۱۳۴، تفسیر درمنثور ۱/ ۲۳۹_۲۳۸)

جسے اس بارے میں اہل اخبار نے ذکر کیا اور مفسرین نے ان سے نقل کیا اور دوسری وہ روایت ہے جو حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان دونوں کی روایت میں ہے کہ دونوں فرشتوں کا امتحان لیا گیا۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ عزت بخشے کہ ان روایتوں میں کوئی روایت بھی صحیح ہو یا کمزور، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے اور نہ یہ ایسی چیز ہے جسے قیاس سے معلوم کیا جا سکے اور وہ جو قرآن میں مذکور ہے تو اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور بعض علماء کے اقوال کی تنکیر کی ہے اور اکثر علماء سلف نے انکار کیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب بیان کریں گے اور یہ تمام خبریں کتب یہود اور ان کے اختر عات سے ماخوذ ہیں۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اختراعات کو جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بیان کیے ہیں اور بالخصوص یہودیوں کی تکفیر کو ابتدائے آیات میں بیان فرمایا ہے۔ یہ قصہ بڑی بڑی شناعتوں اور برائیوں پر مشتمل ہے۔ اب ہم اس قصہ میں ان اشکالات کو بیان کرتے ہیں جس سے ان شاء اللہ تمام پردے اٹھ جائیں گے۔

چنانچہ پہلے تو ہاروت و ماروت میں ہی اختلاف ہے۔ آیا یہ فرشتے ہیں یا انسان اور آیت میں مَلَكَيْنِ سے مراد وہ فرشتے ہیں یا نہیں اور کیا قرات میں مَلَكَيْنِ ہے یا مَلِكَيْنِ (بمعنی دو بادشاہ) اور کیا آیہ کریمہ وَمَا اُنْزِلَ اور وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ (البقرہ ۱۰۲) میں ماء نافیہ ہے یا موجبہ؟

چنانچہ اکثر مفسرین کے نزدیک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کا دو فرشتوں کے ذریعہ امتحان لیا کہ وہ جادو سکھائیں اور انہیں بتائیں اور کہیں کہ یہ عمل کفر ہے لہٰذا جو اسے سیکھے گا کافر ہو جائے گا اور جو اس سے باز رہے گا مومن ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ۔ (البقرہ ۱۰۲)

ترجمہ کہ ہم تو نری آزمائش ہیں (ان پر عمل کر کے) کفر مت کرنا۔

اور ان دونوں کا لوگوں کو تعلیم دینا ڈرانا ہے یعنی جو بھی اسے طلب کرنے اور سیکھنے ان کے پاس آتا تھا۔ اس سے وہ دونوں کہتے ایسا نہ کرو کیونکہ اس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ہوتی ہے۔ تو اس قسم کے خیال میں نہ پڑو کیونکہ یہ جادو ہے ایسا کر کے کافر نہ بنو۔

اس تقدیر پر تو ان دونوں فرشتوں کا عمل تو طاعت الٰہی اور مامور بہ کو عمل میں لاتا ہے اور یہ معصیت کہاں ہے؟ حالانکہ وہ دوسروں کیلئے فتنہ اور امتحان ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے از خالد بن ابی عمران رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ان کے سامنے ہاروت و ماروت کا تذکرہ ہوا کہ وہ جادو سکھاتے تھے تو انہوں نے کہا کہ ہم ان دونوں کو اس سے منزہ جانتے ہیں۔

اس پر کسی نے پڑھا کہ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ (البقرہ ۱۰۲) تو خالد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جادو ان پر نہیں اتارا گیا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ خالد رحمۃ اللہ علیہ وہ ہیں جو بڑی جلالت علمی رکھتے ہیں۔ یہ بھی ان دونوں کو تعلیم سحر سے مبرا خیال فرماتے ہیں حالانکہ ان کے سوا دیگر علماء ان دونوں کو تعلیم سحر کا ماذون گردانتے ہیں مگر بایں شرط کہ وہ دونوں یہ بھی بیان کر دیں کہ یہ کفر اور تمہاری آزمائش اور امتحان کیلئے ہے۔ اب یہ علماء کیونکر ان دونوں کو کبیرہ معاصی سے منزہ ہونا ثابت نہ کریں اور ان کفریات سے معصوم بتائیں جسے مؤرخین نے بیان کیا ہے اور فقیہہ خالد رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ قول لَمْ يُنَزَّلْ اس سے ان

کو مراد یہ ہے کہ مانافیہ ہے۔ یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے جسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

تقدیر کلام یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سحر سے ملوث بکفر نہیں ہیں جسے ان کے ملک میں شیاطین اور اس کے پیروکار یہود نے گھڑا تھا اور نہ فرشتوں پر کوئی شے اتاری گئی۔

مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں فرشتے جبریل و میکائیل علیہما السلام تھے۔ جن پر یہود نے ان کے لانے کا ادعا (دعویٰ) کیا تھا جیسا کہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے دعویٰ کیا تھا جس کی اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں تکذیب فرما دی۔

وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ۔ (البقرہ ۱۰۲)

ترجمہ بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا سکھایا کرتے تھے لوگوں کو جادو۔

اور ہاروت و ماروت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہ ذومرد تھے جو جادو سکھاتے تھے اور حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہاروت و ماروت بابل کے دو پہلوان تھے اور انہوں نے وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلِكَيْنِ (لام کے زیر کے ساتھ) پڑھا۔ اس تقدیر پر لفظ مَا ایجابی یعنی موصولہ ہو گا اور اسی طرح عبدالرحمٰن بن انبری رحمۃ اللہ علیہ کی قرات میں لام کے زیر کے ساتھ ہے لیکن انہوں نے یہ کہا کہ یہاں دو بادشاہ سے مراد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ اس تقدیر لفظ مَا نافیہ ہو گا جیسا کہ گزرا اور ایک قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے دو بادشاہ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا۔ اسے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور لام کے زیر کے ساتھ قرات شاذہ ہے۔

لہٰذا اس آیت کو ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تقدیر پر محمول کرنا اچھا ہے کیونکہ وہ ملائکہ کی تنزیہہ کرتے اور ان سے ہر برائی کو دور کرتے ہیں اور انکے دامن عصمت کو خوب ستھرا بناتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف و توصیف میں مطہران اور كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ (عبس ۱۶) اور لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ۔ (التحریم ۶) فرمایا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ابلیس کے قصہ میں مذکور ہے کہ وہ ملائکہ میں سے تھا اور انکا سردار تھا اور یہ کہ وہ جنت کا خازن تھا اور وہ باتیں جو اس سلسلہ میں منقول ہیں کہ اس کو ملائکہ میں سے نکال دیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا:

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ۔ (البقرہ ۳۴)

تمام ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

تو یہ بھی اسی قبیل سے ہے جس پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ اکثر اس کی نفی کرتے ہیں کہ

ابلیس جنات کا باپ تھا۔ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام انسانوں کے باپ ہیں یہی حسن، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے۔

اور شہر بن خوشب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابلیس ان جنات میں سے ہے جسے فرشتوں نے زمین کی طرف بھگا دیا جبکہ انہوں نے فساد مچایا۔

اور آیت میں استثنا غیر جنس ہے جو کلام عرب میں شائع وذائع ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ۔ (النساء ۱۵۷)

ترجمہ نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی۔

اور وہ جو خبروں میں آیا ہے کہ ملائکہ کی ایک جماعت نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تب وہ جلا دیئے گئے کیونکہ انہیں حکم تھا کہ وہ سب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو انہوں نے انکار کیا پس وہ جلا دیئے گئے۔ (تفسیر ابن جریر ۱/۱۸۰ سورۃ البقرہ آیت ۳۴)

اسی طرح دوسرے یہاں تک کہ ان فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا ذکر خدا نے فرمایا ہے مگر ابلیس نے۔

تو یہ خبریں ان میں سے ہیں جن کی کوئی اصلیت و واقعیت نہیں بلکہ صحیح روایتیں اس کو مردود کر رہی ہیں۔ ہم ان (فضولیات کی طرف) مشغول نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا باب

انبیاء علیہم السلام کی امور دنیویہ میں خصوصیت اور ان پر عوارض بشریہ کا اطلاق

عوارض بشریہ

ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء و مرسلین بشر علیہم السلام میں سے ہیں اور یہ کہ ان کا جسم اور ظاہری حالت خالص بشری ہوتی ہے اور ان کے جسم و ظاہری حالت پر آفتیں، تغیرات، مصیبتیں اور بیماریاں پہنچنا جائز ہے اور یہ کہ انہیں ذائقہ موت بھی چکھنا ہوتا ہے۔ جس طرح دیگر انسانوں پر یہ تمام باتیں جائز ہیں باوجود اس کے یہ سب باتیں ان میں نقصان کا باعث نہیں۔

اس لئے کہ کسی چیز کا ناقص کہنا اس نسبت کے اعتبار سے ہوتا ہے جو اس سے اتم اور اس نوع میں زیادہ کامل ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے رہنے والوں کیلئے قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ۔ (الاعراف ۲۵) کے بموجب ''فرمایا وہ اس میں زندہ رہیں گے اور اسی میں ان کی موت واقع ہوگی اور اسی سے نکالے جائیں گے'' اور اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو تغیر پذیر بنایا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار بھی ہوئے، گرمی سردی بھی لگی، بھوک و پیاس بھی معلوم ہوئی، غصہ و رنج بھی لاحق ہوا، تھکان و تکلیف بھی پہنچی، ضعف و کبرسنی بھی آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے بھی گرے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پہلو زخمی ہوا (صحیح بخاری کتاب الاذان ۱/۱۱۲، صحیح مسلم کتاب الصلوۃ ۱/۳۰۸) کفار نے مجروح کیا، سامنے کے چار دندان مبارک بھی شہید ہوئے، زہر بھی پلایا گیا، جادو بھی کیا گیا، علاج بھی کیا (صحیح بخاری کتاب الطب ۷/۱۰۸، صحیح مسلم کتاب السلام ۴/۱۷۳۱) پچھنے بھی لگوائے (صحیح بخاری کتاب الطب ۷/۱۱۳، صحیح مسلم کتاب السلام ۴/۱۷۲۳) (جائز طریقہ پر) جھاڑ پھونک (صحیح بخاری کتاب الطب ۳/۷/۲۶۷، سنن نسائی کتاب الاستعاذہ ۸/۲۷۱) تعویذ وغیرہ بھی ہوا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری وقت بھی آیا اور اپنی ظاہری مدت حیات پوری فرما کر رفیق اعلیٰ سے ملے اور اس آزمائش و بلیات کی دنیا سے رستگاری پائی۔

یہ سب وہ بشری کیفیات اور علامتیں ہیں جن سے خلاصی نہیں ہوسکتی اور آپ کے سوا دیگر انبیاء علیہم السلام کو اس سے بڑھ کر تکلیفیں پہنچیں چنانچہ انہیں قتل بھی کیا گیا، آگ میں بھی ڈالا گیا اور آرے سے بھی چیرا گیا اور کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بعض اوقات محفوظ بھی رکھا اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں

اللہ تعالیٰ نے غلبہ کفار سے بچایا جیسے کہ ہمارے نبی ﷺ کو غلبہ کفار کے وقت ان سے بچایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے نبی ﷺ پر احد کے دن ابن قمہ کا ہاتھ روکا اور اہل طائف کی دعوت وتبلیغ کے وقت دشمنوں کی آنکھوں سے محجوب کیا اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی نے بوقت ہجرت غار ثور کی طرف دیکھنے سے قریش کی آنکھوں کو پکڑ لیا تھا اور اسی نے غورث کی تلوار کے وار سے اور ابوجہل کے پتھر سے اور سراقہ کے گھوڑے سے روکا اور اگر آپ ﷺ بن اعصم کے جادو سے نہ بچے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑے وقت یعنی یہودیہ کے زہر سے بچایا۔ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام مبتلائے آلام کئے گئے اور بچایا بھی گیا۔

یہ اسی کی حکمت تامہ کی وجہ سے ہے تاکہ ایسے مواقع پر ان کی بزرگی اور شرافت ظاہر اور اس کا حکم واقع ہو جائے اور ان میں اس کی بات پوری ہو جائے اور یہ کہ ان امتحانات سے ان کی بشریت متحقق اور ثابت ہو جائے اور کمزور دلوں کے شبہات جو ان کے بارے میں ہوں جاتے رہیں تاکہ ان کے ہاتھوں پر جو عجائبات ظاہر ہوتے ہیں ان سے گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی وجہ سے نصاریٰ گمراہ ہوئے اور یہ کہ ان کے مشقت اٹھانے سے ان کی امت کیلئے تسلی ہو اور ان کے رب کے حضور ﷺ ان کا اجر بہت ہو، خدا کا احسان ان پر پورا ہو۔

بعض محققین فرماتے ہیں کہ مذکورہ خواص وتغیرات صرف ان کے اجسام بشریہ کے ساتھ ہی خاص تھے جن سے مشاکلت جنس کے سبب مقاومت بشر اور مخالطت بنی آدم مقصود ہے۔ مگر ان کی باطنی حالت! تو وہ اکثر ان سے منزہ معصوم اور ملاء اعلیٰ اور ملائکہ کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں کیونکہ وہ ملائکہ سے خبریں اور وحی لیتے ہیں منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

میری آنکھیں تو سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری مثل نہیں ہوں، مجھے میرا رب سلاتا، کھلاتا اور پلاتا ہے اور فرمایا: میں خود نہیں بھولتا بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ میری سنت پر عمل کیا جائے۔

گویا آپ ﷺ نے یہ خبر دی کہ آپ کا دل اور آپ ﷺ کا باطن اور آپ ﷺ کی روح، آپ ﷺ کے جسم اور ظاہری حالت کے خلاف ہے او جو آفتیں بھی آپ ﷺ کو پہنچتی ہیں وہ آپ ﷺ کے ظاہری جسم پر ہوتی ہیں۔ مثلاً ضعف، بھوک، بیداری اور نیند وغیرہ جبکہ وہ آپ ﷺ کے باطن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا۔ بخلاف آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کے کہ وہ حکم باطن میں آپ ﷺ سے جدا ہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی دوسرا سوتا ہے تو نیند اس کے جسم اور دل پر بھی غالب ہوتی

ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ اپنی نیند میں حاضر القلب رہتے جس طرح اپنی بیداری میں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی نیند میں حدث سے محفوظ و معصوم تھے کیونکہ آپ ﷺ کا دل بیدار رہتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اسی طرح اگر دوسرے لوگوں کو بھوک لگتی ہے تو ان کا جسم کمزور اور ان کی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں جس کے باعث ان کی ساری خوبیاں جاتی رہتی ہیں حالانکہ حضور ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ آپ ﷺ کی ایسی حالت نہ ہوتی آپ ﷺ کی حالت دوسروں کے برعکس ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: میں تمہاری مثل نہیں ہوں، میں سوتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے اسی طرح میں کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی تمام حالتیں ایسی ہی ہیں خواہ وہ مرض ہو یا جادو یا غصہ وغیرہ وہ آپ ﷺ کی باطنی حالت پر اثر انداز ہوتی ہی نہ تھیں اور نہ کوئی خلل واقع ہوتا تھا اور نہ اس سے غیر مناسب صورت میں آپ ﷺ کی زبان اور اعضاء میں نقصان آتا تھا جس طرح دوسرے لوگوں کی وہ حالت ہو جاتی ہے جسے ہم بعد میں بیان کرتے ہیں۔

پہلی فصل

آپ ﷺ پر جادو کا اثر

اب اگر تم یہ کہو کہ صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ پر جادو کیا گیا۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ ﷺ نے کچھ نہ کیا ہوتا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا کہ آپ کسی بی بی کے پاس ہو آئے ہیں حالانکہ آپ ﷺ تشریف نہ لے گئے ہوئے تھے (آخر حدیث تک) جب مسحور کی یہ حالت ہے کہ اس پر امر مشتبہ ہو جاتا ہے تو پھر نبی کریم ﷺ کا اس میں کیا حال ہے۔ ایسی کیفیت آپ ﷺ پر کیسے طاری ہو سکتی ہے حالانکہ آپ ﷺ معصوم ہیں۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں محفوظ رکھے کہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے۔ بلاشبہ اس میں ملاحدہ نے طعن کیا ہے اور اپنی حماقت و تلبیس سے اس کو اپنے جیسے دوسرے لوگوں پر شریعت میں شک ڈالنے کا وسیلہ ٹھہرایا ہے حالانکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت اور اپنے نبی ﷺ کو اس سے پاک و منزہ رکھا ہے کہ کوئی آپ ﷺ کی ذات وصفات میں کسی قسم کا شک و شبہ ڈالے درحقیقت جادو بھی دیگر امراض کی مانند ایک مرض ہے یہ بھی اسی طرح آپ ﷺ پر ممکن ہے جس طرح دیگر امراض وعوارض۔ جن سے آپ ﷺ کی نبوت میں کوئی انکار و قدح لازم نہیں آتا۔

اب رہی وہ بات جو حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کو خیال ہوتا کہ یہ کام کر لیا ہے حالانکہ اسے کیا نہ ہوتا۔ تو اس سے آپ ﷺ پر کسی امر میں کوئی قدح لازم نہیں آتا نہ آپ ﷺ کی تبلیغ میں آپ ﷺ کی شریعت میں اور نہ آپ ﷺ کی صداقت میں کیونکہ یہ امر دلائل اور اجماع سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ اس سے معصوم ہیں بلکہ یہ باتیں تو آپ ﷺ کے ان دنیاوی امور سے متعلق ہیں جن کا صدور آپ ﷺ پر جائز ہے جس کیلئے آپ ﷺ پر بھی اسی طرح عوارض پیش آتے ہیں جس طرح دوسرے انسانوں کو لہٰذا یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کہ آپ ﷺ پر دنیاوی امور میں ایسا خیال ہوتا ہو جن کی حقیقت نہ ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ پر وہ روشن ہو جاتا ہو جیسا کچھ بھی ہو۔

نیز اس فصل کی دوسری حدیث نے ان لفظوں میں تفسیر کی ہے کہ آپ کو ایسا خیال ہو جاتا کہ آپ ﷺ اپنی کسی بی بی کے پاس ہو کر آئے ہیں حالانکہ آپ تشریف نہ لے جاتے۔ چنانچہ سفیان

نے کہا:

یہ جادو کا سب سے زیادہ شدید اثر تھا اور کسی روایت میں آپ ﷺ سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس سحر کی حالت میں بھی کوئی ایسی خلاف بات کی یا کہی ہو جسے آپ ﷺ نے پہلے فرمایا ہو یا کیا ہو یہ تو صرف خدشات وتخیلات ہی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ روایت کے الفاظ کہ آپ ﷺ کو خیال ہو جاتا یہ کام کیا ہے حالانکہ اسے کیا نہ ہوتا۔ تو اس سے مراد تخیل ہے۔ یعنی صرف تخیل ہی تخیل ہوتا تھا اس کی صحت پر اعتماد تام نہ ہوتا تھا پس آپ ﷺ کے تمام اعتقادات درستی پر ہی قائم رہتے تھے آپ ﷺ کے ارشادات صحت پر۔

یہ وہ موقف ہے جسے ہمارے ائمہ نے اس حدیث کے جواب میں اختیار فرمایا۔ اس کے ساتھ جو ہم نے ان کے کلام کے معنیٰ کی وضاحت کی ہے اور ان کے اشارات کی تشریح وتوضیح کی ہے وہ زیادہ ہے اور ان کی ہر وجہ ظاہر وروشن ہے لیکن مجھے جو اس حدیث کی تاویل میں ظاہر ہوا ہے وہ بہت روشن اور گمراہوں کے مطاعن سے بہت بعید ہے اور وہ نفس حدیث ہی سے مستفاد ہے وہ یہ ہے عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے انہوں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس میں ان دونوں نے کہا کہ

یہود بنی رزیق نے رسول ﷺ پر جادو کر کے کنویں میں دبا دیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا رسول اللہ ﷺ اپنی بصارت کا انکار فرما دیں تب اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے کرتوتوں کی رہنمائی فرمائی اس پر آپ ﷺ نے کنویں سے اس کو نکلوایا۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۴)

اسی طرح واقدی، عبدالرحمٰن بن کعب اور عمر بن حکم رحمہم اللہ سے مروی ہے اور عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سال تک رو کے گئے اس دوران میں جب آپ سوتے تو دو فرشتے آتے ایک سرہانے اور دوسرا پائنتی بیٹھ جاتا (الحدیث) عبدالرازق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سال تک رو کے گئے۔

یہاں تک کہ آپ نے ضعف بصر کا شکوہ کیا اور محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ از ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہوگئے اور آپ بیویوں سے اور کھانے پینے سے رو کے گئے تو آپ ﷺ پر دو فرشتے اترے اور پورا قصہ بیان کیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۲۴۸)

لہٰذا اب تمہیں ان تمام روایتوں کے مضمون سے پتہ چل گیا ہوگا کہ جادو نے آپ کے قلب،

اعتقاد اور عقل پر تسلط نہ کیا تھا اور یہ اثر بھی صرف آپ کی بینائی اور آپ کو بیویوں سے روکنے اور کھانے پینے اور ضعف بدن اور مرض میں تھا۔ (کہ آپ ﷺ اس کے سبب سے بیمار ہو گئے تھے) اور ہوسکتا ہے کہ اس قول کے یعنی یہ کہ ''آپ خیال کرتے تھے کہ آپ ﷺ اپنی بیوی کے پاس ہو آئے ہیں حالانکہ آپ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔'' یہ معنی ہوں کہ آپ پر وہ چیز ظاہر ہوتی ہو جو اس کے سرور اور مقدمات، قدرت علی النساء وغیرہ میں ہو۔ پس جب آپ ﷺ ان کے قریب جانے کا ارادہ فرماتے ہوں تو وہ چیز درپیش آ جاتی ہو جو سحر کا اثر ہے۔ تب آپ ﷺ ان کے قریب جانے کی طاقت جسمانی نہ پاتے ہوں۔ جیسا کہ ایسے دوسروں کو جو اس میں ماخوذ ہوں لاحق ہوتا ہے۔

شاید کہ اسی کی طرف سفیان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ یہ سحر کا سب سے زیادہ شدید اثر تھا اور دوسری روایت میں جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ آپ کو ایسا خیال ہو جاتا کہ آپ نے یہ کام کیا ہے حالانکہ آپ نے اسے کیا نہ ہوتا۔ یہ از باب اختلال بصر ہوگا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ نے اپنی کسی بیوی کو دیکھا ہے یا کسی کو کوئی کام کرتے دیکھا ہے۔ حالانکہ آپ کا یہ خیال محض ضعف بصر کے سبب تھا اور نہ اس سبب سے کہ (معاذ اللہ) آپ کو فرق ہی نہ رہا اور جبکہ یہ باتیں سحر کے اثر کی وجہ سے رونما ہوئیں تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے آپ پر کوئی شک و شبہ وارد ہو سکے اور کسی ملحد کیلئے جائے اعتراض بن سکے۔ (واللہ اعلم)

دوسری فصل

دنیاوی اموری میں آپ ﷺ کی حالت

یہ حالت تو آپ کے جسم اقدس کی تھی اب رہی دنیاوی امور میں آپ کے احوال! تو اب ہم انکا بھی اسلوب سابق کی مانند موازنہ کرتے ہیں یعنی (۱) عقیدو (۲) قول اور (۳) فعل کے ساتھ۔

(1) سوان میں سے عقیدے کی تو یہ صورت ہے کہ ممکن ہے کہ کسی امر دنیاوی میں مِنْ وَجْہٍ آپ ایسا اعتقاد رکھتے ہوں جس کے برعکس ظاہر ہو جائے یا کسی امر دنیاوی میں شک و گمان ہو۔ بخلاف امور شرعیہ کے (کہ ان میں یہ محال ہے) جیسے کہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو اہل مدینہ کھجور کے درختوں کی تابیر (نر و مادہ کا باہم ملاپ) کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم یہ کیا کرتے ہو۔ عرض کیا: ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ فرمایا: کاش تم اگر ایسا نہ کرتے تو تمہارے لئے بہتر تھا۔ اس پر انہوں نے ایسے کرنا چھوڑ دیا۔ (اس سال) پھل کم لگے۔

اس کا پھر آپ ﷺ سے ذکر کیا۔

فرمایا: میں تو ایک بشر ہی ہوں جب تم کو کوئی دینی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب تم کو اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو میں ایک بشر ہی ہوں۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/۱۸۳۵)

• اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ فرمایا: ''تم اپنی دنیاوی باتوں کو زیادہ جانتے ہو''۔
(صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/۱۸۳۶)

اور ایک حدیث میں ہے کہ میں نے تو گمان سے کہا تھا لہٰذا میرے گمان کی پیروی نہ کرو۔
(صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/۱۸۳۵)

اور قصہ خرص (صحیح انگوروں اور کھجوروں کے جانچنے کے بارے میں) کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تو ایک بشر ہی ہوں پس جو بات اللہ تعالیٰ کی جانب سے کہوں وہ تو حق ہے اور جو بات اپنی طرف سے کہوں تو میں تو ایسا بشر ہی ہوں جس سے خطا صواب بھی صادر ہوتا ہے۔ (مجمع الزوائد ۱/۱۷۸)

یہ باتیں وہ ہیں جنہیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی یہ ان باتوں میں سے ہے جسے آپ ﷺ نے دنیاوی امور میں دنیاوی امور کے پیش نظر اپنی طرف سے یا اپنے گمان سے فرمایا ہے نہ یہ

کہ شرعی امور میں مشروع و مسنون کرنے کیلئے اپنی طرف سے یا اپنے اجتہاد سے فرمایا ہو (جس کی پیروی فرض ہو) جیسا کہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ حکایت کرتے ہیں کہ جب حضور نے بدر کے دن کنویں سے دور پڑاؤ ڈالا تو حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیا یہ وہ منزل ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اترنے کا حکم فرمایا۔ جس سے آگے ہم بڑھ نہیں سکتے یا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور لڑائی اور حیلہ کی بنا پر ہے۔

فرمایا: نہیں بلکہ یہ اپنی رائے لڑائی اور حیلہ ہے۔

عرض کیا: تب تو یہ مقام پڑاؤ کیلئے مناسب نہیں یہاں تک کہ ہم قوم کے پانی کے قریب پہنچیں اور وہاں پڑاؤ کریں اور اپنے کنویں کے سوا باقی کنوؤں کو بند کر دیں تا کہ ہم تو پانی پئیں اور وہ لوگ نہ پی سکیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے درست مشورہ دیا اور جو انہوں نے کہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/۳۵)

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ (ال عمران ۱۵۹) اور صلاح و مشورہ کیجئے ان سے اس کام میں۔

(اسی طرح) اپنے بعض دشمنان دین سے تہائی مدینہ کی کھجور پر مصالحت کا ارادہ فرمایا اور انصار سے مشورہ لیا۔ جب انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا۔

(مجمع الزوائد ۶/۱۳۲)

اسی قسم کے دنیاوی امور تھے جس میں علم دین کو کچھ دخل نہ تھا نہ اس کے اعتقاد میں اور نہ اس کی تعلیم میں۔ لہٰذا جو کچھ ہم نے بیان کیا امور دنیاوی میں ان کا اطلاق آپ پر جائز ہے کیونکہ نہ اس میں کوئی نقصان ہے نہ کمی۔ یہ سب ان امور عادیہ میں سے ہیں جس نے اس کا تجربہ کیا اور اپنی صلاحیتیں اور کوششیں اس پر صرف کیں وہی جان سکتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر تو معرفت الٰہی اور علوم شرعیہ سے معمور اور اپنی امت کے مصالح دینی و دنیوی سے آپ کا دل مشغول تھا پھر بھی ایسی باتیں شاذ و نادر ہی واقع ہوتی ہیں اور وہ بھی صرف انہی معاملات دنیاوی میں خصوصیت کے ساتھ ہے جس میں دنیا کی حفاظت اور اس کے فوائد میں موشگافیاں ہیں۔

اکثر امور میں ایسی صورت نہیں ہے جس سے آپ کی ناواقفیت اور غفلت پائی جائے۔ بلاشبہ یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دقیق معاملات و مصالح دنیاوی اور دنیاداروں کے فرقوں پر حکومت کرنے کی معرفت میں وہ باتیں فرمائی ہیں جو ایک بشر میں ایسا ہونا معجزہ ہے جسے ہم نے اسی کتاب کے باب المعجزات میں پہلے بیان کر دیا ہے۔

تیسری فصل

بشری احکام و معتقدات

اب رہے وہ بشری احکام اور ان کے فیصلہ جات جو آپ ﷺ کے دست اقدس سے جاری ہوئے اور حق کو باطل سے اور کھرے کو کھوٹے سے جدا کرنے کی معرفت میں آپ کے اعتقاد کا وہی طریقہ تھا جسے خود آپ نے ہی فرمایا کہ میں تو ایک بشر ہی ہوں تم میرے پاس جھگڑا لاتے ہو ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی دلیل کو بیان کرنے میں دوسرے سے تیز ہو۔ پس میں اسی کے مطابق جیسا کہ سنوں فیصلہ کر دوں اور جس کیلئے اس کے بھائی کا حق دلا دوں تو (خبردار) اس میں سے اس کو کچھ لینا نہ چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں میں اس کو آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں گا۔

حدیث: سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بروایت زہری رحمۃ اللہ علیہ از عروہ رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ شاید کہ کوئی تم میں سے دوسرے سے زیادہ بلیغ ہو پس میں گمان کر لوں کہ وہ سچا ہے اور اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔

(سنن ابوداؤد کتاب الاقضیہ ۴/۱۲ صحیح بخاری کتاب الحیل ۹/۲۲ صحیح مسلم کتاب الاقضیہ ۳/۱۳۳۶)

حضور اکرم ﷺ ظاہری حال پر احکام جاری فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ ظن غالب اور گواہ کی شہادت اور قسم کھانے والے کی قسم کے بموجب حکم فرماتے اور مشابہت حق کی رعایت کرتے۔ چمڑے کے برتنوں کی بندش کی معرفت سے حکم لگایا کرتے تھے۔ ساتھ ہی اس میں حکمت الٰہیہ کا بھی یہی اقتضاء ہوتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو اپنے بندوں کے بھیدوں اور حضور کی امت کے دلوں کے خفیہ امور پر آپ کو اطلاع بخش دیتا اور محض آپ ﷺ اپنے علم و یقین سے حکم لگا دیا کرتے۔ اعتراف یا ثبوت یا قسم وغیرہ کی ضرورت نہ پڑتی لیکن جبکہ اللہ نے آپ ﷺ کی امت کو آپ ﷺ کے اتباع واقتداء کا آپ ﷺ کے افعال و احوال او قضایا و سیرت میں حکم فرمایا ہے اور اگر یہ بات آپ کے علم پر مخصوص ہوتی اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے علم کو اثر انداز فرماتا تو آپ ﷺ کی امت کیلئے اسی طرح کے قضایہ جات اور فیصلہ مقدمات میں کوئی صورت اقتداء کی ممکن ہی نہ تھی اور نہ یہ ممکن تھا آپ کی شریعت میں کسی کیلئے فیصلہ مقدمات میں ثبوت قطعی قائم ہو سکے۔

اس لئے کہ ہمیں یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ پر فیصلہ مقدمات میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کیسے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ ان غیوبات میں سے جس قدر چاہتا ہے اطلاع بخشتا ہے

اور ان غیوبات کی تعلیم ہر امتی کو نہیں دی گئی (مگر بواسطہ نبی خاصان خدا پر یہ غیوب منکشف ہو جاتے ہیں۔مترجم) اس لئے اللہ تعالیٰ نے احکام کو ان کے ظواہر پر جاری کرایا جس میں آپ ﷺ اور آپ کی امت برابر ہے تا کہ آپ کی امت تعیین مقدمات اور آپ کے احکام کے نفاذ میں آپ کی پوری پیروی کر سکے اور جو کچھ بھی فیصلہ مقدمات کریں وہ سنت کے مطابق اپنے علم و یقین کے ساتھ کریں اس لئے کہ بیان فعل قول سے زیادہ وقیع اور احتمال لفظ اور تاویل متاول سے زیادہ بلند ہے کیونکہ ظاہر پر آپ ﷺ کا حکم کرنا بیان سے زیادہ روشن اور وجوہ احکام میں زیادہ واضح اور اکثر تخالف و تنازع کے اسباب میں زیادہ مفید ہے۔

اور ایک یہ بھی بات تھی کہ آپ ﷺ کی امت کے حکام اسی کے مطابق پیروی کریں اور جو آپ منقول ہو اس پر اعتماد کریں تا کہ آپ کی شریعت کا قانون مرتب اور منضبط ہو۔ اسی بنا پر آپ سے وہ علوم غیبیہ مخفی رکھے گئے جو عالم الغیب (اللہ) کے ساتھ خاص ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًاۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن ۲۷۔۲۶)

ترجمہ پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرمالیا ہو۔

پس اس رسول کو غیب میں سے جتنا چاہتا ہے بتاتا ہے اور جتنا چاہتا ہے مخفی رکھتا ہے۔ لہٰذا اس سے آپ کی نبوت میں کوئی نقصان نہیں آتا اور نہ آپ کی عصمت میں سے کوئی حصہ کم ہوتا ہے۔

چوتھی فصل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیاوی اقوال

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ دنیاوی اقوال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور دوسروں کے احوال میں ارشاد فرمائے جسے آپ زمانہ آئندہ میں کریں گے یا گزشتہ میں کر چکے ہیں۔ سوا سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان میں کسی قسم کی خلاف گوئی ہر حال میں آپ سے محال ہے خواہ وہ قصدا ہو یا سہوا صحت میں ہو یا مرض میں، خوشی میں ہو یا غصہ میں بہر طور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے معصوم ہیں۔

یہ صورت تو ان اقوال میں ہے جو بطریق خبر محض ہیں جن میں صدق و کذب کے دونوں پہلوؤں کا دخل ہے لیکن وہ ارشادات جن میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ بظاہر اپنے باطن کے خلاف ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امور دنیاوی میں اس کا صدور جائز ہے۔ خصوصاً جبکہ کوئی خاص مصلحت مقصود ہو۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات میں توریہ فرماتے (اور اپنے مخفی ارادہ کو پوشیدہ رکھتے) تاکہ دشمن مطلع ہو کر بچاؤ کی تیاری نہ کرے اور جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی کی نسبت مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی خوشی اور مسلمانوں کے دلوں کی رضا جوئی کیلئے تاکہ ان کی محبت اور باہمی مسرت میں مزید استحکام پیدا ہو۔

جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میں ضرور تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا۔

(سنن ترمذی کتاب البر ۳/۲۴۱، سنن ابوداؤد کتاب الادب ۵/۲۷۰)

اور اس عورت کے بارے میں جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کے بارے میں پوچھا تھا ارشاد ہے کہ کیا وہ وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ (مناہل الصفاء للسیوطی/۲۴۳)

حالانکہ حقیقتاً یہ سب باتیں سچی ہیں کیونکہ ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ ہے اور ہر انسان کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے اور یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں خوش طبع تو ضرور ہوں مگر سچ فرمایا کرتا ہوں۔

(سنن ترمذی کتاب البر ۲/۱۲۴۱، مجمع الزوائد ۸/۷۹و۱۷)

یہ تمام باتیں خبر ہی کی اقسام میں سے ہیں۔

لیکن وہ باتیں جو خبر کی اقسام میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ امور دنیاوی میں امر و نہی کی صورت رکھتی ہیں تو اس میں بھی خلاف گوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہیں اور آپ پر یہ جائز ہی نہیں کہ آپ کسی کو کوئی ایسا حکم دیں یا اس سے روکیں جس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہو۔

بلاشبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نبی علیہ السلام کیلئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ آنکھوں کی خیانت کرے تو اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ دل کی خیانت کریں۔

(سنن نسائی التحریم ۷/۱۰۶، سنن ابوداؤد کتاب الجہاد ۳/۱۳۳ کتاب الحدود ۴/۵۲۸)

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قصہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ

وَاِذْ تَقُوْلُ الَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِكْ زَوْجَكَ۔ (الاحزاب ۳۷)

ترجمہ اور یاد کیجئے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے کہ اس لفظ کی ظاہر کیفیت سے حضور ﷺ کی تنزیہہ و پاکی میں ہرگز شک نہ کرنا کہ حضور نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو تو روکنے کا حکم فرمایا اور دل سے آپ ﷺ اس کی طلاق کے خواہاں تھے جیسا کہ مفسرین کی ایک جماعت سے منقول ہے لیکن زیادہ صحیح وہ بات ہے جسے مفسرین نے سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی حالت کو زیادہ جانتا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا عنقریب آپ ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

چنانچہ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ سے اپنی بیوی کا شکوہ کیا تو ان سے فرمایا: اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ (الاحزاب ۳۷) اور آپ ﷺ نے اپنے دل میں اسے مخفی رکھا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی تھی کہ بہت جلد آپ ﷺ اس سے نکاح فرمائیں گے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر فرمائے گا کہ زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دیں گے اور آپ ﷺ انہیں اپنے حبالہ عقد میں لائیں گے۔ (تفسیر در منثور ۶/۱۶۱۵ الاحزاب ۳۷)

اس کے مثل عمر بن فائد رحمۃ اللہ علیہ نے زہری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہا کہ نبی کریم ﷺ پر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کے حبالہ عقد میں لائے گا۔ پس یہی وہ چیز ہے جسے آپ نے اپنے دل میں مخفی رکھا۔ مفسرین کے اس قول کی تصحیح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کر رہا ہے جو اس کے بعد وارد ہے کہ

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا۔ (الاحزاب ۳۷) اور اللہ کا حکم تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے۔

یعنی آپ کیلئے ضروری ہوگا کہ آپ ﷺ ان سے نکاح فرمائیں اور یہ بات بھی واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اور کسی معاملہ کو ظاہر نہیں فرمایا بجز تزویج حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے۔ تو یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اسی چیز کو حضور ﷺ نے مخفی رکھا جس کی اطلاع (پہلے ہی) اللہ تعالیٰ

نے آپ ﷺ کو دی تھی اور اس قصہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ سُنَّةَ اللّٰهِ۔ (الاحزاب ۳۷)

ترجمہ نہیں ہے نبی پر کوئی مضائقہ ایسے کام کرنے میں جنہیں حلال کر دیا ہے اللہ نے اس کیلئے اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے۔

پس یہ دلالت کر رہی ہے کہ اس معاملہ میں آپ ﷺ پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ اپنے نبی کو اس میں جو آپ ﷺ کیلئے حلال تھا گنہگار کر دے۔ جس کو آپ ﷺ سے پہلے رسول بھی کرتے چلے آئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ۔ (الاحزاب ۳۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے ان (انبیاء) کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں۔

یعنی یہ نبیوں کی ایسی سنت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے حلال فرمایا تھا اور اگر وہ بات ہوتی جو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان سے محبت ہوگئی تھی اور آپ ﷺ کو وہ بھلی معلوم ہوئی تھیں اور یہ کہ آپ ﷺ اس کے خواہاں تھے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دے دیں۔

(تفسیر درمنثور ۶/ ۶۱۷ الاحزاب ۳۷)

تو یقیناً یہ بات بڑے عیب کی تھی اور یہ ایسی بات ہے جو آپ ﷺ کے شایان شان نہ تھی کہ آپ ﷺ اس طرف نگاہ مبارک اٹھائیں جس کی ممانعت فرما دی گئی تھی یعنی دنیاوی زندگی کی خوبصورتی کی طرف نظر فرمائی اور یقیناً یہ بات حسن کی بنا پر ہوتی جو کہ بری ہے جسے متقی لوگ بھی کبھی اسے پسند نہیں کرتے۔ چہ جائے کہ سید الانبیاء ﷺ اختیار کریں۔

اور قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی طرف ایسے قول کی نسبت بھی بہت بڑی جرات اور آپ ﷺ کے حقوق اور آپ ﷺ کی فضیلت کی قلت معرفت کی وجہ سے ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ انہیں دیکھتے ہی حیرت میں پڑ گئے حالانکہ وہ آپ ﷺ کے چچا کی بیٹی ہیں اور ان کی ولادت سے ہی برابر آپ دیکھتے رہے ہیں اور نہ یہ سب بھی صحیح ہے کہ عورتیں آپ ﷺ سے پردہ کرتی ہوں۔ حالانکہ آپ ﷺ ہی نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرایا اور اب اللہ تعالیٰ نے زید رضی اللہ عنہ سے طلاق دلوائی اور وہی آپ ﷺ کے حبالہ عقد میں لایا۔

اس قصہ میں یہ خاص حکمت الٰہی ہے کہ اس طرح پر متبنیٰ حرمت کا ازالہ اور زمانہ جاہلیت کی رسموں کا ابطال ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ۔ (الاحزاب ۴۰)

ترجمہ نہیں ہیں محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِھِمْ۔ (الاحزاب ۳۷)

ترجمہ تاکہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں۔

اسی طرح ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے اور ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یوں کہا جائے کہ پھر نبی کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں کیا فائدہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ انہیں روکے رکھو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتا دیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بننے والی ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دینے سے باز رکھا اس لئے کہ ان دونوں کے مابین کوئی الفت نہ تھی اور اپنے دل میں اس اعلام الٰہی کو پوشیدہ رکھا۔ جس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی اس چہ میگوئیوں سے حیا آئی کہ (دیکھو) اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے نکاح کرنے کا حکم فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے اس قسم کے نکاح مباح بن جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ۔ (الاحزاب ۳۷)

ترجمہ تاکہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو روکے رکھنے کا حکم فرمانا اس لئے تھا کہ شہوت کو روکیں اور نفس کو اس کی خواہش سے محفوظ رکھیں۔ یہ بات بھی اس وقت درست ہوسکتی تھی جبکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ جائز رکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اچانک دیکھ کر پسند فرمالیا اس قدر کہنے کا کوئی انکار نہیں اس لیے کہ انسان طبعاً حسن کو پسند کرتا ہے اور اچانک نظر پڑ جانا بھی معاف ہے۔ پھر اپنے دل کو اس سے دور کیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان کے روکنے کا حکم دیا۔

البتہ انکار ان زیادتیوں کا ہے جو اس قصہ میں ہیں اور سب سے بہتر اور معتمد وہ روایت ہے جسے ہم نے سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے بیان کیا اور سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا ہے یہی قول

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اسی کو قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اعتماد ہے اور کہا کہ محققین مفسرین کے نزدیک یہی معنی درست ہیں۔

ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نفاق کے استعمال اور مافی الضمیر کے خلاف اظہار فرمانے سے منزہ ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منزہ رکھا کیونکہ اس کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ عَلَى النَّبِىِّ مِنْ حَرَجٍ۔ (الاحزاب ۳۸) نہیں ہے نبی پر کوئی مضائقہ۔

اور یہ بھی ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسا گمان کیا یقیناً اس نے غلطی اور خطا کی اور کہا کہ حدیث میں لفظ خَشْیَةً کے معنی یہاں خوف کے نہیں ہیں بلکہ حیاء کے ہیں۔ اس کے معنی حیا کرنے کے ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ان چہ میگوئوں سے حیا آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اور آپ کا یہ شرم کرنا منافقین اور یہود کی شرارتوں کی بنا پر تھا کہ وہ مسلمانوں پر آوازیں کستے تھے کہ دیکھو اپنی بہوؤں سے نکاح کرنے کی ممانعت کرنے کے بعد خود بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا جیسا کچھ بھی شور مچایا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان کی بکواس کی طرف توجہ فرمانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منزہ کر دیا کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اللہ تعالیٰ کا حلال کردہ ہے جیسا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں کی خوشی کو ملحوظ رکھا تھا۔ سورۂ تحریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ۔ (التحریم ۱)

ترجمہ آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کیلئے حلال کر دیا ہے۔

اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کا یہاں یہ بیان فرمانا ہے کہ

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ۔ (الاحزاب ۳۷)

ترجمہ اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع کا) حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ڈریں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (بالفرض) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو چھپاتے تو یقیناً اس آیت کو چھپاتے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی اس بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخفی رکھا تھا۔ (واللہ اعلم) (ترمذی فی تفسیر سورہ احزاب ۳۲/۵)

پانچویں فصل

بیان حدیث قرطاس (وصیت)

اب اگر تم یہ کہو کہ جبکہ تم نے نبی کریم ﷺ کو اقوال اور تمام احول میں معصوم ہونا ثابت کر دیا اور یہ بھی کہ آپ ﷺ سے خلاف گوئی اور اضطراب کا صدور خواہ عمداً ہو یا سہواً خواہ صحت میں ہو یا بیماری میں خواہ جھگڑے میں ہو یا خوش طبعی میں خواہ مسرت و انبساط میں ہو یا غصہ میں کسی حال میں جائز نہیں ہے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہیں جو آپ ﷺ کی وصیت کے بارے میں ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بلا سنا دروایت کیا گیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے وقت کچھ لوگ آپ کے کاشانہ اقدس میں موجود تھے۔ ان سے آپ ﷺ نے فرمایا:

لاؤ میں تمہارے لئے ایک وثیقہ لکھ دوں تا کہ میرے بعد تم گمراہی میں نہ پڑو۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ کیفیت شدت الم کی ہے۔ (آخر حدیث تک)

(صحیح بخاری مرضی ال نبی ﷺ وفات ال نبی ﷺ ۶/ ۹ صحیح مسلم کتاب الوصیۃ ۳/ ۱۲۵۹)

دوسری روایت میں ہے کہ ''لاؤ میں ایک وثیقہ لکھ دوں تا کہ میرے بعد ہرگز گمراہی میں نہ پڑو پھر وہ باہم جھگڑا کرنے لگے اور کہنے لگے (دیکھتے نہیں) کہ حضور ﷺ کی کیا کیفیت ہے کیا یہ شدت الم ہے؟ آپ ﷺ کی حالت کو سمجھو اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مجھے میری حالت پر چھوڑ دو میں جس حالت میں بھی ہوں بہتر ہوں اور بعض سندوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ شدت مرض میں مبتلا تھے اور ایک راویت میں هَجَرَ دوسری میں اَهْجُرٌ اور اَهُجُرً مروی ہے اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ پر درد کی شدت ہے کیوں کتابت کی حضور ﷺ کو تکلیف دیتے ہو حالانکہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب کفایت کرنے والی موجود ہے اور شور بڑھ گیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس سے کھڑے ہو جاؤ اور ایک روایت میں کہ گھر والے مختلف ہو کر جھگڑنے لگے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ (کاتب کو قریب کرو) تا کہ رسول اللہ ﷺ وثیقہ تحریر کرادیں اور کسی نے وہ کہا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ہمارے ائمہ نے اس حدیث کے سلسلہ میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ امراض سے معصوم نہ تھے اور عوارضات مرض میں شدت الم بھی ہے اسی طرح پر وہ چیز جو آپ ﷺ کے جسم اقدس پر پہنچے آپ ﷺ اس سے بھی معصوم نہ تھے البتہ آپ ﷺ اس سے ضرور معصوم تھے کہ اثنائے مرض میں آپ

ﷺ کے سلام میں کوئی ایسی بات پائی جائے جو آپ ﷺ کے معجزے میں خلل انداز ہو یا آپ ﷺ کی شریعت میں فساد کی مقتضی ہو۔ جیسے ہذیان یا اختلال کلام وغیرہ (آپ ان سے ضرور معصوم تھے)

علیٰ ہذا القیاس یہ بھی صحیح نہیں جو ظاہر روایت میں جس نے هَجَرَ نقل کیا ہے کیونکہ اس کے معنی ہذایان کے ہیں جیسے مقولہ ہے هَجَرَ هَجْرًا اِذَا هذٰی اور یہ کہ اَهْجَرَ هَجْرًا اِذَا فَحَشَ اور اَهْجَرَ هَجَرَ کا متعدی صیغہ ہے۔ البتہ سب سے زیادہ صحیح اور بہتر اَهَجَرَ بطریق استفہام انکاری ہے مطلب یہ کہ یہ اس شخص پر انکار ہے جس نے کہا نہیں لکھتے۔ اسی طرح ہماری اس روایت کے مطابق صحیح بخاری میں تمام روایتوں سے پہلے زہری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث اور محمد بن سلام رحمۃ اللہ علیہ از ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مذکور ہے۔ اسی طرح اسے اصیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں مرتب کیا اور دوسروں نے بھی اسی طریق پر نقل کیا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے سفیان رحمۃ اللہ علیہ اور دوسروں کی حدیث میں روایت کیا اور اسی روایت پر اس شخص کی روایت کو بھی محمول کیا جائے جس نے ہمزۂ استفہام کو حذف کر کے صرف هَجَرَ کو اَهَجَرَ کی جگہ نقل کیا ہے یا یہ کہ قائل کے اس قول کو یعنی هَجَرَ یا اهَجَرَ کو اس پر محمول کیا جائے کہ شدت مرض اور تکلیف رسول اللہ ﷺ کو اور اس مقام کے سبب جس میں کہ آپ ﷺ پر اختلاف کیا گیا تھا اور جس کے باعث آپ ﷺ نے قصد کتابت فرمائی تھی قائل مذکورہ پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ لفظوں کو بھی ضبط و محفوظ نہ رکھ سکا اور شدت الم کی جگہ وہ لفظ هَجَرَ بمعنی ہذیان کہہ گیا۔ اس وجہ میں نہیں کہ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر ہذیان کا حمل کرنا جائز ہے۔ جس طرح کہ کمال محبت و شفقت میں انہوں نے حضور ﷺ کی حفاظت کی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا واللہ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ ۶۷) اس کے مثل اور بھی صورتیں ہیں۔

لیکن وہ روایت جس میں اَهْجَرًا ہے وہ روایت ابواسحاق مستملی رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح بخاری میں ہے۔ اس حدیث کو ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بروایت قُتَیْبَہٗ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے ممکن ہے یہ ان لوگوں کی طرف راجع ہو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اختلاف کیا اور یہ باہم ایک دوسرے کو خطاب ہو مطلب یہ کہ ابھی سے تم رسول اللہ ﷺ کے رو برو ایسی بات لے آئے ہو جو بری اور چھوڑنے کے قابل ہے اور هُجر ہاء کے پیش کے ساتھ بمعنی کلام میں برائی کے ہیں۔

اس حدیث کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ تم سامان کتابت لاؤ تو پھر انہوں نے کیوں اختلاف کیا؟

چنانچہ علماء نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کے احکام کی کئی نوعیتیں ہوتی تھیں بعض واجب، بعض

مستحب اور مباح اور یہ بات قرائن سے سمجھی جاتی تھی۔ شاید کہ یہاں بھی حضور ﷺ کے اس حکم کو کسی قرینہ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہو کہ آپ ﷺ کا یہ عزم مصمم نہیں ہے (یعنی حکم وجوبی نہیں) بلکہ آپ ﷺ کا یہ حکم ان لوگوں کیلئے اختیاری ہے (یعنی مستحب یا مباح ہو) اور ممکن ہے بعض نے اسے سمجھا ہی نہ ہو۔ اس پر کسی نے کہا: آپ ﷺ سے دریافت کر لو۔ پس جب لوگوں کا اختلاف رونما ہوا تو آپ ﷺ اس سے رک گئے کیونکہ یہ عزم مصمم نہ تھا۔

اور اس وجہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں نے دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے صائب ہے۔ اس کے بعد علماء فرماتے ہیں ممکن ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا منع کرنا حضور ﷺ کی محبت و شفقت کی بناء پر ہو کہ ایسی شدت مرض کی حالت میں وثیقہ لکھوانے کی زحمت دینا آپ ﷺ کو اس سے مزید مشقت و تکلیف ہوگی۔ جیسا کہ انہوں نے کہا کہ (دیکھتے نہیں) نبی کریم ﷺ پر کیسا شدت الم ہے اور بعضوں کا ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے خوفزدہ ہوئے کہ کہیں حضور ﷺ ایسا حکم تحریر نہ فرما دیں جس سے امت عاجز رہے اور مخالفت کے ذریعہ حرج میں پڑ جائے اور یہ خیال کیا ہو کہ امت کیلئے یہی بہتر ہے کہ ان کیلئے اجتہاد غور و فکر اور اس صواب کی جستجو جس کے صواب و خطا میں بھی اجر ہے وسعت باقی رہے اور یقیناً یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ شریعت اور ملت کی اساس مقرر ہو چکی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ (المائدہ ۳)

آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین۔

اور یہ کہ حضور ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ میں تم کو کتاب الٰہی اور اپنی عترت کے لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔ (طبرانی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی/ ۲۳۵)

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ حَسْبُنَا كِتَابَ اللهِ یعنی ''ہمیں کتاب الٰہی کافی ہے''۔ سو یہ اس کا جواب ہے جس نے آپ ﷺ سے نزاع کیا نہ یہ کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم و ارشاد کی مخالفت ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ منافقین اور جن کے دلوں میں بیماری ہے، یہ طعنہ زنی نہ کرنے لگیں کہ یہ وثیقہ تنہائی میں گھڑ لیا گیا ہے اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگیں جیسا کہ روافض نے وصیت وغیرہ کا من گھڑت دعویٰ کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم نبی کریم ﷺ کی طرف سے ان کیلئے بطریق مشورہ و اختیار تھا آیا وہ سب اتفاق کرتے ہیں یا اس سے اختلاف۔ پس جب ان سے اختلاف رونما ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی استدعا کو قبول فرمانے والے

تھے چونکہ وہ آپ سے ایسے وثیقے کے خواہشمند تھے نہ یہ کہ شروع ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ نے ایسی استدعا کی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش قبول فرمائی لیکن دیگر اصحاب نے اس استدعا کو ان وجوہات کی بنا پر ناپسند کیا جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے اور اس جماعت نے اس قصہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کیا جو انہوں نے سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تم ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو بس اگر امر ہمارے لئے ہے تو ہم جان لیں گے مگر حضرت علی نے اسے ناپسند رکھا ان کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں کروں گا (آخر حدیث تک)۔ (صحیح بخاری باب مرض ال نبی صلی اللہ علیہ وسلم و باب وصال ال نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۶/۱۱)

اور اس جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی استدلال کیا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں اسی میں بہتر ہوں۔ مطلب یہ کہ میں امر کو پہچانے کی بہ نسبت اس حال میں زیادہ خوش ہوں کہ میں اس امر سے باز رہوں اور تمہارے پاس صرف کتاب الٰہی ہے اور تم اپنی اس استدعا سے مجھے باز رکھو اور ذکر کیا کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امر خلافت کی تعیین اور اس کی کتابت کے خواہاں تھے۔

چھٹی فصل

کلمات بددعا کی توجیہات

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث کی بھی توجیہ بتادی جائے جو

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ اے خدا محمد تو ایک بشر ہی ہے جو اسی طرح غصہ کرتا ہے یقیناً میں نے تجھ سے وعدہ لے لیا ہے اے خدا تو ہرگز مجھ سے خلاف نہ کرنا۔ لہٰذا میں جس مسلمان کو بھی تکلیف دوں یا برا کہوں یا کوڑے ماروں تو تو اس کیلئے کفارہ اور قربت بنا دینا جس سے وہ بروز قیامت تیرا قرب حاصل کر سکے۔

(صحیح مسلم کتاب البر ۴/ ۲۰۰۸)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس کو بھی میں بددعا دوں اور ایک روایت میں ہے اور وہ اس کا سزاوار نہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ جس مسلمان کو بھی میں برا کہوں یا اسے راندہ درگاہ کہوں یا اسے کوڑے ماروں تو اے خدا یہ اس کیلئے پاکی، بخشش اور رحمت کا سبب بنا دے۔

حالانکہ یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مستحق پر لعنت کریں یا غیر سزاوار کو برا کہیں یا غیر لائق پر کوڑے ماریں یا اسی قسم کی اور کوئی بات غصہ کی حالت میں کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان تمام باتوں سے معصوم ہیں۔

تو اب تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ تمہیں شرح صدر مرحمت فرمائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اول یہ ارشاد کہ اے خدا وہ اس کا اہل نہ تھا مطلب یہ کہ اے خدا تیرے نزدیک اس کی باطنی حالت ایسی نہ تھی کیونکہ آپ کا حکم تو ظاہر پر ہے جیسا کہ فرمایا اور ایسا فرمانا اس حکمت سے بھی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے (یعنی یہ کہ اس تواضع و انکسار میں بھی آپ کی امت آپ کی پیروی کرے) لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوڑے مار کر یا ادب سکھانے کیلئے برا کہہ کر یا لعنت کر کے جس کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس کی ظاہری حالت مستحق تھی حکم بتا دیا پھر اپنی امت پر شفقت و مہربانی اور مسلمانوں کیلئے اپنی اس صفت رحمت سے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو متصف کیا ان کیلئے خاص طور پر دعا مانگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ڈرے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بددعا قبول نہ کرلے اور دعا کی کہ اے خدا اس بددعا اور اس فعل کو اس کیلئے رحمت بنا دے۔

یہی مطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا ہے کہ وہ اس کے لائق نہ ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ

(معاذ اللہ) آپ کو غیض و غضب نے برانگیختہ کر دیا تھا کہ آپ ﷺ غیر مستحق مسلمان کے ساتھ ایسا فعل کریں۔ یہی معنی و مطلب صحیح ہے اور آپ کے اس ارشاد کا کہ ''میں انسان کی طرح ہی غصہ کرتا ہوں''۔ یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ آپ کو (معاذ اللہ) غیض و غضب غیر واجبی عمل پر برانگیختہ کر دیتا ہے بلکہ جائز ہے کہ یہ مراد ہو کہ غضب نے آپ ﷺ کو لعنت یا برا کہنے سے بطور سزا برانگیختہ کر دیا ہو یا یہ کہ اس سزا میں کوئی احتمال نکلتا ہو اور اس کا معاف کرنا جائز تھا یا یہ کہ اس میں آپ ﷺ کی بددعا بغیر قصد وارادہ کے ہو بلکہ اہل عرب کی عادت و محاورہ کی بنا پر فرمایا ہو اور اس سے قبولیت مراد نہ ہو۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد تیرا ہاتھ خاک آلود ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تیرا پیٹ نہ بھرے اور عقری حلقی (کونچے کٹی، سرمنڈی) (عرف عام کی) دیگر بددعائیں۔

(صحیح بخاری کتاب الادب ۸/۳۱، صحیح مسلم کتاب الحیض ۱/۲۵۰، صحیح مسلم کتاب البر ۴/۲۱۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۲۴۳، صحیح بخاری کتاب الحج ۳/۱۱۹، صحیح مسلم کتاب الحج ۲/۸۷۸)

اور آپ ﷺ کی صفت مبارکہ دوسری حدیثوں میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ بدگو (فحش کلام) نہ تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نہ تو گالی دیتے تھے اور نہ بدگوئی (فحش کلامی) کرتے کہ ''اسے کیا ہوا اس کی پیشانی خاک آلود ہو''۔ (صحیح بخاری کتاب الحج ۳/۱۱)

لہٰذا (مذکورہ) حدیث کو اسی مفہوم پر محمول کرنا چاہئے۔ مگر پھر بھی آپ ﷺ امت پر شفقت کیلئے ایسی دعاؤں کے قبول ہو جانے سے خوفزدہ ہو گئے اس لئے آپ ﷺ نے اپنے رب سے عہد (وعدہ) کیا کہ اس قسم کے مقولوں اور محاورات کو بھی مسلمان کیلئے پاکی، رحمت اور قربت کا ذریعہ بنا دے۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان ۱/۹ صحیح مسلم کتاب الحدود ۳/۱۳۳۳)

اور کبھی آپ ﷺ کا یہ فرمانا اس کیلئے جس پر آپ ﷺ نے ایسی بددعا کی ہے اس پر شفقت و محبت کیلئے ہوتا تا کہ وہ نبی کی لعنت سے ڈر کر اور خوفزدہ ہو کر اپنے کو اس کا حقیقتاً مستحق نہ سمجھ لے اور اسے وہ مقبول دعاؤں میں سمجھ کر اسے ناامیدی کا شکار نہ بنا دے۔

اور کبھی آپ ﷺ کا اپنے رب سے اس شخص کیلئے جس کو آپ کوڑے ماریں یا اسے برا کہیں سوال کرنا بجا اور صحیح ہوتا تھا تا کہ یہ بددعا اس کیلئے کفارہ بن جائے یا جو اسے صدمہ پہنچا ہے وہ اس کے جرم کو مٹا دے اور ممکن ہے کہ دنیا میں اس کا سزا پانا آخرت میں اس کی مغفرت اور معافی کا سبب بن جائے جیسا کہ دوسری حدیث میں مروی ہے کہ جو شخص ایسے جرم کا مرتکب ہوگا اسے دنیا میں سزا دی جائے گی پس وہی سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے کیا معنی ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے جبکہ ان کا جھگڑا ایک انصاری کے ساتھ حرہ کی نالی پر ہوا تھا کہ اے زبیر رضی اللہ عنہ تم اتنا پانی پلا دو کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ پھر فرمایا

اے زبیر رضی اللہ عنہ پانی پلا لے پھر روکے رکھ یہاں تک کہ دیوار تک پانی پہنچ جائے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پاک ہیں کہ جو کسی مسلمان کے دل میں اس واقعہ سے کوئی شک و تردد واقع ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریق اعتدال صلح جوئی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پہلے تلقین فرمائی کہ وہ اپنی حاجت تک ہی اکتفا کریں پھر جب دوسرا شخص اس پر راضی نہ ہوا تو ازروئے انصاف انہیں ان کا پورا حق دلا دیا۔

اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہ باب ہی مقرر کیا کہ جب امام صلح کا اشارہ کرے اور دوسرا انکار کرے تو اس پر پورا حکم نافذ کیا جائے اور اس حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پورا حق دلا دیا۔

بلاشبہ مسلمانوں نے اس قسم کے مقدمات میں اس حدیث کو اصل وضابطہ قرار دیا ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر حال میں کی جائے گی خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کیا ہو یا خوشی کی حالت میں۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الاحکام ۹/۵۴ صحیح مسلم کتاب الاقضیہ ۳/۱۳۴۳)

مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ دونوں حالتوں میں معصوم تھے (لہٰذا آپ کی پیروی ہر حال میں کی جائے گی) اور یہ بات بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ غصہ خالص اللہ تعالیٰ کیلئے تھا اپنے لئے نہ تھا جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔

اسی طرح عکاشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی پیروی کی جائے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم مجھ سے اپنا بدلہ لے لو۔ (ابونعیم فی الحلیہ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی/۲۳۶)

اور یہ عمداً نہیں فرمایا تھا کہ (معاذ اللہ) غصہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برانگیختہ کر دیا ہو بلکہ خود حدیث میں آیا ہے کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھ پر چھڑی ماری تھی یہ میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً ماری تھی یا اونٹ کو مارنا چاہتے تھے۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے عکاشہ رضی اللہ عنہ میں تجھے خدا کی پناہ دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تجھ پر قصداً چھڑی مارے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں مذکور ہے جو ایک اعرابی کا واقعہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا کہ اے اعرابی تو اپنا بدلہ لے لے۔ اس پر اعرابی نے عرض کیا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف کیا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس وقت کوڑا مارا تھا جبکہ وہ اونٹ کی لگام سے چمٹا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ پھر دوسری مرتبہ سمجھایا اور اسے باز رکھا اور فرمایا: کیا تجھے کچھ ضرورت ہے اور اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ کوڑا مارا تھا۔ حالانکہ یہ بات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت ہے جبکہ پہلے دو مرتبہ اسے سمجھایا۔ اب وہ آپ کے سمجھانے اور منع کرنے پر بھی نہ مانے تو یہ عمل درست ہے اور یہ ادب سکھانے کا مقام ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے شفیق و مہربان تھے کہ اپنے اس حق کیلئے بھی اس سے معافی چاہی۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کرا ہی لیا۔

اب رہی وہ حدیث جو سواد بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسی حالت میں آیا کہ وہ خوشبو سے لت پت تھا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درس ہے درس (جو ایک خوشبو دار گھاس ہوتی ہے) اسے کھرچ دے کھرچ اور اپنے دست اقدس کی چھڑی میرے پیٹ پر ماری جس سے درد محسوس ہوا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قصاص چاہتا ہوں۔

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے اپنا بطن اقدس کھول دیا۔

(الحدیث بغوی فی معجم الصحابہ اخرجہ ابن سعد و عبدالرزاق فی جامعہ کمافی الصفاء للسیوطی/۲۳۶)

حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکروہ بات میں آمادہ دیکھا تو اسے مارا تھا اور شاید کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی چھڑی سے مارنا اس کی تنبیہ کیلئے ہو مگر جب اسے درد محسوس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بدلہ دینے کا قصد فرمایا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

ساتویں فصل

آپ ﷺ کے دنیاوی افعال

اب رہے آپ ﷺ کے دنیاوی افعال! تو ان کا حکم بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ دنیاوی افعال میں بھی معاصی اور مکروہات سے معصوم ہیں جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا اور یہ کہ ان میں سے کسی فعل میں سہو و غلط بطریق مذکور خود جائز ہے اور یہ تمام باتیں آپ ﷺ کی نبوت کیلئے نقصان رساں نہیں ہیں بلکہ ان کا وقوع بھی نادرات میں سے ہے کیونکہ آپ ﷺ کے عام افعال درستی وصواب پر ہی ہوتے تھے بلکہ اکثر یا سب کے سب عبادت وقرب الٰہی کے قائم مقام ہوتے تھے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ دنیاوی افعال کو صرف اتنا ہی اختیار فرماتے تھے جتنے سے ضرورت پوری ہو سکے اور جس سے جسمانی حیات قائم رہ سکے اور اس میں یہ مصلحت وحکمت ہے کہ آپ ﷺ کی ذات شریف تو وہ ہے جو اپنے رب کی عبادت کرتی اور اس کی شریعت کو قائم کرتی اور اپنی امت کے سیاسی امور کو بجالاتی اور وہ افعال جو آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کی امت کے درمیان دائر ہیں بایں طور انجام دیتے کہ آپ ﷺ ان سے حسن سلوک کرتے یا بھلائی میں فراخی کرتے یا قول حسن فرماتے ہیں یا ان کی سنتے یا کسی سرکش کی تالیف کرتے یا کسی معاند و دشمن کو مغلوب فرماتے یا کسی حاسد کی مدارات کرتے تھے۔ یہ سب افعال اور امور آپ ﷺ کے اعمال صالحہ اور معمولات مقدسہ کے ساتھ حق ہیں۔

اور کبھی آپ ﷺ کے دنیاوی افعال مختلف حالتوں میں مخالف بھی ہوتے تھے اور دنیاوی افعال کے مشابہ امور کیلئے فراہمی سامان بھی کرتے تھے چنانچہ جب آپ ﷺ کسی کے پاس جاتے تو عام طور پر ''دراز گوش'' (حمار) پر سواری فرماتے اور سفر کی حالت میں اونٹ پر سوار ہوئے اور معرکہ جہاد میں ثابت کی خاطر خچر پر سوار ہوتے اور گھوڑے کی سواری کرتے اور گھوڑے کو ناگہانی وقت اور فریادی کی امداد واعانت کیلئے تیار کرتے تھے۔

علی ہذا القیاس باعتبار مصالح ذاتی اور مصالح امت کی خاطر آپ ﷺ اپنے لباس اور احوال میں بھی تبدیلی فرماتے تھے۔ اسی طرح اپنی امت کی مساعدت اور سیاست کیلئے وہی دنیاوی امور میں افعال اختیار کرتے تھے جس کا اقتضاء ہوتا تھا اور اس کے خلاف کو ناپسند فرماتے تھے۔ اگرچہ آپ ﷺ کی رائے میں اس کے سوا میں بھلائی نظر آتی ہو جیسا کہ بعض باتیں سبب بعض افعال کو چھوڑ دیا

کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ اس کے کرنے کو نہ کرنے سے بہتر خیال فرمایا کرتے تھے اور بعض اوقات امور دینیہ میں بھی آپ ﷺ ایسا کر گزرتے تھے جن کے کرنے یا نہ کرنے میں آپ ﷺ مختار ہوتے تھے۔

مثلاً مدینہ طیبہ سے احد کی طرف نکلنا حالانکہ آپ کا یہ طریقہ تھا کہ جہاد کے وقت مدینہ میں قلعہ بند ہوتے تھے یا جیسے کہ منافقین کی حالت کا علم و یقین کے باوجود، دوسرے اشخاص کی تالیف اوران کے مسلمان اعزاء (عزیزوں) کی رعایت کی خاطر آپ ﷺ نے ان کے قتل کو ترک فرما دیا۔
اور یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اسے ناپسند رکھتے تھے کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد ﷺ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرانے کو اختیار نہ فرمایا۔ (صحیح بخاری کتاب الحج ۳/ ۱۲۲ صحیح مسلم کتاب الحج ۲/ ۹۶۸)
اور یہ ترک قریش کے دلوں کی رعایت اور بایں خدشہ کہ کہیں اس کے تغیر و تبدل سے ان کے دل متنفر نہ ہو جائیں اوران کی عداوت سابقہ جو وہ اسلام اور مسلمانوں سے رکھتے تھے پھر عود نہ کر آئے، اسے برقرار رکھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یہ صحیح حدیث میں ہے کہ اگر مجھے تمہاری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو ضرور خانہ کعبہ کو قواعد ابراہیم علیہ السلام پر پورا کر دیتا۔

(اسی طرح) آپ کوئی کام کرتے پھر اسے ترک فرما دیتے کیونکہ اس کے غیر میں بھلائی ہوتی تھی جیسے کہ روز بدران کنوؤں کے قریب پڑاؤ کرنا جو دشمنان قریش کے نزدیک تھے یا جیسے کہ (حجۃ الوداع میں) آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ اپنے معاملہ میں پہلے سے یہ بات معلوم ہوتی جواب ہوئی ہے تو میں ہدی (قربانی کے جانور) کو نہ لاتا۔ (صحیح بخاری کتاب الحج ۳/ ۱۳۳ صحیح مسلم کتاب الحج ۲/ ۸۸۸)
اور یہ کہ آپ ﷺ کفار و دشمن کی تالیف قلوب کیلئے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور نادان کی ایذا پر صبر فرماتے کہ وہ لوگ بہت شریر ہیں جن کے شر کی وجہ سے لوگ ان سے کنارہ کشی کریں اور آپ ایسوں کو عمدہ عمدہ اشیاء مرحمت فرماتے تاکہ وہ آپ ﷺ کو، آپ ﷺ کی شریعت کو اور آپ ﷺ کے رب کے دین کو پسند کرنے لگیں اور آپ ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں ایسے بھی کام کرتے جسے خادم و ملازم انجام دیتے ہیں اور آپ ﷺ ایسی ہیئت اختیار فرماتے جس کے اطراف و جوانب سے کوئی شے ظاہر نہ ہوتی اور آپ ﷺ کی مجلس میں حاضرین کی یہ ہیئت ہوتی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ بھی اسی طرح تعجب کا اظہار فرماتے جس طرح وہ متعجب ہوتے اور

اسی طرح ہنسی کا اظہار فرماتے جس میں وہ لوگ ہنستے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کشادہ روئی اور عدل گستری نے لوگوں کو گرویدہ بنالیا تھا اور غصہ کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں خفت اور سبکی نہ پیدا ہوئی تھی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمنشینوں سے دل میں کوئی کدورت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ نبی کو زیبانہیں کہ اس کی آنکھ خائن ہو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس شخص کے بارے میں فرمایا جب وہ داخل ہونے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ''یہ خاندان کا بڑا بیٹا ہے''۔ پس جب وہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نرم گفتگو فرمائی اور اس کے ساتھ مہربانی کا بھی اظہار فرمایا پھر جب وہ چلا گیا تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا۔

آپ نے فرمایا: وہ شخص لوگوں میں بدتر ہے جو لوگ اس کے شر کی وجہ سے بچنے لگیں اور یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ آپ سے باطن کے خلاف ظاہر ہو اور اس کے پیچھے ایسی باتیں فرمائیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اس کے تالیف قلب کیلئے تھا تا کہ وہ خوش ہو جائے اور اس کا ایمان قائم رہے اور اس کے ساتھی اس سبب سے اسلام میں داخل ہو جائیں اور اس کو اس جیسا دیکھیں تو وہ اسلام کی طرف کھینچ آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کی باتیں اس لئے ہوتی ہیں تا کہ وہ اس دنیاوی مدارات کے سبب دینی سیاست کی طرف راغب ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کر لیں) اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا مال دے کر تالیف قلوب کیا کرتے تھے تو نرم گفتگو کیسے اثر نہ کرے گی۔

چنانچہ صفوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ دشمن تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مال بہت دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ پیارے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''خاندان کا بڑا بیٹا'' ہے درحقیقت یہ غیبت کی ضد ہے بلکہ جو اس کے حال سے لاعلم ہے اسے خبردار کرنا ہے تا کہ وہ اس کے حال سے ڈرے اور اس سے محترز رہے اور اس پر کامل اعتماد نہ کیا جائے۔ بالخصوص جبکہ وہ قوم کا سردار اور مطاع ہو اور اس قسم کے اظہار جبکہ کسی ضرورت کی وجہ سے ہو اور نقصان کو دور کرنا متصور ہو تو وہ غیبت نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات واجب ہوتا ہے جیسا کہ محدثین کی عادت ہے کہ راویوں پر جرح وقدح کرتے ہیں یا جیسے شہادت میں تنقیح وصفائی کرتے ہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس مشکل کے کیا معنی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت فرمایا جبکہ آپ کو انہوں نے باخبر کیا کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے

مالکوں نے اس کی فروختگی سے انکار کر دیا بجز اس شرط کے کہ ان کیلئے ولاء باقی رہے۔ تب آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم ان سے خرید لو اور ان کی شرط ولاء کو مان لو۔ پھر آپ ﷺ جب خطبہ کیلئے کھڑے ہوئے تو فرمایا: اس قوم کا کیا حال ہوگا جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب الٰہی میں نہیں ہے لہٰذا ہر وہ شرط جو کتاب الٰہی میں نہ ہو باطل ہے حالانکہ آپ ﷺ نے ان کی شرط کو ماننے کا حکم فرمایا اور اسی شرط پر انہوں نے فروخت کیا تھا۔ اگر یہ شرط منظور نہ ہوتی تو واللہ اعلم وہ اس کو حضرت صدیقہ کے ہاتھ نہ فروخت کرتے جس طرح کہ انہوں نے اس شرط سے پہلے نہیں فروخت کیا یہاں تک کہ وہ شرط اس کے بعد آپ ﷺ نے اس شرط کو باطل قرار دے دیا۔ حالانکہ آپ نے ملاوٹ اور دھوکہ حرام قرار دیا ہے۔ تو اس کے جواب میں معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے کہ نبی کریم ﷺ اس سے منزہ ہیں جو نادان لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کی عصمت و تنزیہہ کے پیش نظر ایک جماعت نے اس اضافہ کا انکار کیا کہ آپ نے فرمایا ہو کہ ولاء کی شرط مان لو'۔ اس لئے کہ اکثر سندوں میں اس کا تذکرہ نہیں ہے لیکن اس اضافہ کو برقرار ماننے کے باوجود بھی کوئی اعتراض وارد نہیں کیونکہ لَهُمْ کے معنی عَلَيْهِمْ کے بھی آتے ہیں (مطلب یہ کہ ان کے خلاف پر شرط مان لو) کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أُولٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ۔ (الرعد ۲۵) یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ۳/۱۳۲، صحیح مسلم کتاب العتق ۲/۱۴۲_۱۴۲)

لہٰذا اس تقدیر پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے برخلاف شرط ولاء کو اپنے لئے مان لو اور آپ ﷺ کا قیام فرما کر نصیحت کرنا اس لیے ہوگا کہ انہوں نے پہلے اپنے لئے ولاء کی شرط کی تھی۔

دوسری وجہ یہ کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ''ان کے ولاء کی شرط یہ حکم کے معنی میں نہ تھا بلکہ تسویہ (برابری) اور اعلام (خبر) کے معنی میں تھا کہ ان کی یہ شرط نبی کریم ﷺ کے بیان فرمانے کے بعد نفع نہ دے گی کیونکہ یہ شرط آپ بتا چکے ہیں کہ ولاء صرف غلام کے آزاد کرنے والے کیلئے ہے۔ گویا کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تم شرط مانو یا نہ مانو بہرصورت یہ شرط نفع بخش نہ ہو گی اور اسی طرح داؤدی علیہ رحمۃ اللہ وغیرہ گئے ہیں۔ دراصل نبی کریم ﷺ کا ان کو جھڑکنا اور ملامت کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو اس کا پہلے سے علم تھا۔

اور تیسری وجہ یہ کہ حضور ﷺ کا فرمان کہ ان کے ولاء کی شرط لو'۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اس کا حکم ظاہر کر دو اور ان کو آپ ﷺ کی سنت واضح کر دو کہ ولاء تو صرف غلام کے آزاد کرنے''

والے کیلئے ہے۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ اس کا حکم بیان کرنے اور اس کی مخالفت پر تنبیہ کرنے کیلئے جوان سے سرزد ہوا کھڑے ہوئے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ فعل جو آپ علیہ السلام نے اپنے بھائی (بنیامین) کے کجاوے میں پیالہ رکھوا کر ان کو اس کے سرقہ کے الزام میں پکڑا اور وہ ماجرا اس سلسلہ میں ان کے بھائیوں پر گزرا اور آپ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ تم ضرور چور ہو حالانکہ وہ چور نہ تھے۔

تو اس کے جواب میں تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے کہ آیہ کریمہ دلالت کر رہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ

كَذَالِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ (یوسف ۷۶)

ترجمہ یوں تدبیر کی ہم نے یوسف کیلئے نہیں رکھ سکتے تھے۔ یوسف اپنے بھائی کو نہیں بادشاہ مصر کے قانون میں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔

جب واقعہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور جو کچھ بھی اس میں واقع ہے۔

نیز ایک یہ بھی سبب تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی (بنیامین) کو مطلع کر دیا تھا کہ میں تیرا بھائی ہوں تم فکر نہ کرنا لہٰذا جو بھی ماجرا اس کے بعد گزرا وہ اس کی موافقت اور خواہش پر ہوا اور اس یقین پر کہ اس کے پیچھے بھلائی ہے اور اس طرح پر ان کی برائی اور مضرت دور کرنے کیلئے تھا لیکن یہ قول کہ۔

اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ۔ (یوسف ۷۰) اے قافلے والو! بلاشبہ تم چور ہو۔

تو یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے قول نہیں ہے جس کا جواب دینا لازمی ہے جس سے شبہ کا ازالہ ہو اور یہ سزاوار ہے کہ اس قول کے کہنے والے پر خواہ وہ کوئی ہو عمدہ تاویل کی جائے یعنی یہ کہ اس کہنے والے نے گمان کیا ہوگا ظاہر حال میں تم چور ہو اور بلاشبہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے یہ بات اس بنا پر کہی کہ پہلے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا اور ان کو فروخت کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

لہٰذا ہمیں یہ لازم نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف وہ باتیں منسوب کریں جو ان سے مروی نہیں "کہ انہوں نے ایسا کہا ہے" حتیٰ کہ ان سے وہ باتیں دور کی جائیں اور ان کے سوا دوسروں کی لغزشوں کا عذر بیان کرنا لازم نہیں۔ (کیونکہ غیر نبی معصوم نہیں)

آٹھویں فصل

حکمت ابتلاء انبیاء ورسل علیہم السلام

اب اگر کوئی کہے اس میں کیا حکمت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر امراض آتے اور ان پر اس کی شدت ہوتی تھی اور اس کی کیا وجہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے بلاء وامتحان میں مبتلا کیا تھا جیسے حضرت ایوب، حضرت یعقوب، حضرت دانیال، حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہم السلام وغیرہ پر گزرے حالانکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کے مختار، محبوب اور برگزیدہ تھے۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تم کو توفیق خیر دے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال مبنی برانصاف اور اس کے تمام کلمات ایسے صادق جس میں قطعا تبدیلی ممکن نہیں وہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے جیسا کہ ان سے فرمایا:

لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْلَمُوْنَ○ (یونس ۱۴)

تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

نیز فرمایا:

وَلِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا○ (ال عمران ۱۴۰)

ترجمہ تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وتتخِذُ مِنكم۔ (ال عمران ۱۴۰)

ترجمہ اور یہ اس لیے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور بنائے تم میں سے۔

نیز فرمایا:

وَلَمَّا يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ○ (ال عمران ۱۴۲)

ترجمہ حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو۔

اور فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ○ (محمد ۳۱)

ترجمہ اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں تا کہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور

صبر کرنے والے ہیں اور ہم پرکھیں گے تمہارے حالات کو۔

پس اللہ تعالیٰ کا طرح طرح کے امتحانوں میں مبتلا کرنا ان کے مرتبہ کی زیادتی اور ان کے درجات کی رفعت و بلندی کیلئے ہے اور یہ کہ ان کے صبر و رضا، شکر و فرمانبرداری، توکل و سپردگی دعا و گریہ زاری کے حالات واسباب کو ظاہر کرنا ہے تاکہ آزمائش میں مبتلا ہونے والوں پر رحمت اور مصائب و آلام میں پڑنے والوں پر شفقت دیکھ کر ان کی بصیرتیں اور زیادہ ہو جائیں جوان کے علاوہ دوسروں کیلئے یادگار اور ان کے سوا کیلئے نصیحت بن جائے تاکہ وہ بلا و مصائب میں ان کی پیروی کریں اور ان قصوں کو یاد کر کے جوان پر گزرے ہیں خود کو تسلی دیں اور صبر میں ان کی اقتداء کریں اور یہ کہ ان کی لغزشوں اور غفلتوں کو جوان سے صادر ہوئے مٹا دیئے جائیں تاکہ پاک و صاف ہو کر بارگاہ الٰہی میں ان کی حاضری ہو اور انہیں پورا پورا اجر وثواب ملے۔

حدیث: حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کے والد سے بالاسناد مروی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سے حضرات ہیں جن پر سخت مصیبتیں اور بلائیں اتریں۔ فرمایا: انبیاء علیہم السلام پھر جوان کی مثل ہیں پھر جو ان کی مثل ہیں، کسی آدمی کا مبتلائے آلام و مصائب ہونا اس کے دین کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ بندگان خاص سے بلائیں نہیں ٹلتیں یہاں تک کہ وہ ایسا کر دیتی ہے کہ زمین پر جب چلتا ہے تو اس پر کوئی خطا کا بار نہیں ہوتا۔

(سنن ترمذی کتاب الزہد ۴/۲۸ سنن ابن ماجہ کتاب الفتن ۲/۱۳۳۴، تحفۃ الاشراف ۳/۳۱۸، مستدرک ۳/۲۴۳)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ج (ال عمران ۱۴۶)

ترجمہ اور کتنے ہی نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمان کی جان و اولاد اور اس کے مال میں ہمیشہ آزمائشیں ہوتی رہیں گی یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جب ملاقات کرے گا تو اس پر ایک غلطی کا بھی بار نہیں ہوگا۔ (سنن ترمذی کتاب الزہد ۴/۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کیلئے دنیا میں سختیاں ڈالنے میں جلدی کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی جان پر شر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو گناہوں کی حالت میں ہی چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ بروز قیامت اس کی پوری سزا دے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب بناتا ہے تو اسے مبتلائے آلام کرتا ہے تاکہ گریہ وزاری کرے۔ (مسند الفردوس ۱/۲۵۱)

اور سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت والا ہے اس پر اتنی ہی شدید بلائیں ہوتی ہیں تاکہ اس کی فضیلت ظاہر ہو جائے اور پورے ثواب کا مستحق بن جائے۔ جیسا کہ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے میرے فرزند! سونے اور چاندی کو تو آگ پاک وصاف بناتی ہے اور مسلمان کو بلائیں ستھرا کرتی ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کرنے کا سبب یہ تھا کہ آپ علیہ السلام نے ان سے وفور محبت میں نماز کی حالت میں ان کی طرف نظر ڈالی تھی حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام محو خواب تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ بلکہ وہ اور ان کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام ایک بھنی ہوئی بکری کے کھانے میں مشغول تھے اور دونوں ہنس رہے تھے اور ان کے ایک ہمسایہ یتیم بچے نے اس کی مہک سونگھ کر اس کی خواہش کی اور رونے لگا۔ اس بچے کے رونے کے سبب اس کی بوڑھی ماں بھی رونے لگی حالانکہ ان کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزند اس سے لاعلم تھے۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے افسوس میں رونے کے ساتھ عتاب فرمایا گیا اور انہیں اتنا رونا پڑا کہ ان کے دونوں حدقے بیٹھ گئے اور غم میں آنکھیں سفید ہو گئیں۔ پھر جب آپ کو اس کا پتہ چلا تو مدت عمر تک آپ علیہ السلام اپنے مکان کی چھت پر منادی کے ذریعہ نداء کراتے رہے کہ جس کے پاس روزینہ نہ ہو وہ آل یعقوب علیہ السلام سے آ کر لے لے اور حضرت یوسف علیہ السلام پر جن سختیوں کے ذریعہ عتاب فرمایا اسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا۔

حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو مبتلائے آلام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اپنی بستی والوں کے ساتھ ان کے بادشاہ کے پاس اس کے مظالم کی شکایت لے کر گئے بستی والوں نے بادشاہ کو سخت وسست کہا مگر حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی زراعت کے خوف سے نرمی کا برتاؤ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو بلاو مشقت میں مبتلا فرمایا۔

اور انہیں فوائد کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض اور درد کی شدت ہوئی۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی پر درد کی ایسی حالت نہ دیکھی۔

(صحیح بخاری کتاب المرضٰی ۷/۱۰۰، صحیح مسلم کتاب البر ۴/۱۹۹۰۔۱۹۹۱)

اور عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے مرض میں دیکھا تو آپ پر شدید بخار تھا۔

میں نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو بہت سخت و شدید بخار ہے۔ فرمایا ہاں تم میں سے دو مردوں کے برابر مجھے بخار کی شدت ہے۔ عرض کیا گیا: یہ اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونا اجر ملے۔ فرمایا: ہاں اس لئے یہ ہے۔ (صحیح بخاری کتاب المرض ۷/۱۰۰، صحیح مسلم کتاب البر ۴/۱۹۹۰۔۱۰۰۱)

اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھا تو کہا: خدا کی قسم میں آپ پر اپنے ہاتھ کو آپ کے بخار کی شدت کی وجہ سے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں ہمارے لئے دونی مشقت ہوتی ہے کچھ نبی تو ایسے ہوئے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن ۲/۱۳۳۵، مستدرک کتاب الایمان ۱/۴۰)

جن کو جمتل (چیچڑی) کے ذریعہ مبتلا کیا گیا یہاں تک اس نے ان کو ہلاک کر دیا اور کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہوئے جنہیں فقر میں مبتلا کیا گیا۔ یہ حضرات بلاؤں پر اتنے خوش ہوتے تھے جتنا کوئی فراخی پر خوش ہوتا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجر عظیم، بلاد عظیم کے ساتھ مربوط ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الزہد ۴/۲۷)

چنانچہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو محبوب بناتا ہے تو مبتلائے آلام کرتا ہے پس جو اس پر راضی رہا تو اس کیلئے اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور جو اس سے ناخوش ہوا تو اس کیلئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءً يُّجْزَ بِهٖ۔ (النساء ۱۲۳)

(بلکہ) جو عمل کرے گا برے اسے سزا ملے گی اس کی۔

یعنی مسلمان کو دنیا میں مصیبتوں کے ساتھ جزا دی جائے گی اور وہ اس کیلئے کفارۂ گناہ بن جائے گا۔ یہ روایت حضرت عائشہ، ابی اور مجاہد رضی اللہ عنہم کی ہے۔

(مسند امام احمد ۶/۶۶ مستدرک کتاب التفسیر ۲/۳۰۸)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے مصیبت میں ڈالتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب مرض ۷/۱۰۰)

اور کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ جو بھی کوئی مصیبت کسی مسلمان کو پہنچتی

ہے اسے اللہ تعالیٰ اس کیلئے کفارہ کر دیتا ہے حتی کہ اسے اگر کانٹا بھی چبھے۔

(صحیح مسلم کتاب البر۴/۱۹۹۲، صحیح بخاری المرض ۷/۹۹)

اور کہا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو بھی کوئی تکلیف مسلمان کو پہنچے خواہ وہ مصیبت و تکلیف ہو یا حزن والم و غم حتی کہ اگر کانٹا بھی چبھے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الطب ۷/۹۹، صحیح مسلم کتاب البر۴/۱۹۹۳)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جس مسلمان کو بھی کوئی مصیبت پہنچتی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس کے ذریعہ جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب المرض ۷/۱۰۰)

دوسری حکمت

اور دوسری حکمت جس کو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے امراض جسمانی اور متواتر دردوالم اور جانکنی میں شدت کو پسند کیا ہے یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ان کے قوائے نفسانی کمزور ہو جائیں۔ جانکنی کے وقت ان کی روح کے اخراج میں آسانی ہو جائے اور مرض کے مقدم ہونے اور جسم کے کمزور ہو جانے کے سبب وقت نزع اور شدت سکرات میں خفت ہو جائے۔ بخلاف اس جان کے جس پر اچانک موت آجائے اور وہ موت کی گرفت میں آجائے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ میت کی حالتیں شدت میں مختلف ہوتی ہیں اور ان پر طرح طرح کی سختیاں یا نرمیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مومن کی مثال کھیتی کے تنا کی طرح ہے جسے ہوا ادھر ادھر جھکاتی رہتی ہے۔ (صحیح بخاری المرض ۷/۹۹ صحیح مسلم کتاب المنافین۴/۲۱۶۳)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کی حیثیت اس نرم تنے کی سی ہے جسے ہوا جھکاتی رہتی ہے ہوا ساکن ہو جاتی ہے تو وہ تنا اعتدال پر رہتا ہے۔

(صحیح بخاری المرض ۷/۱۰۰ صحیح مسلم کتاب المنافقین۴/۲۱۶۳)

یہی کیفیت مسلمان کی ہے جسے بلاء جھکاتی رہتی ہے اور کافر کی مثال درخت صنوبر کی ہے جو سیدھا کھڑا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آفت رسیدہ، مصیبت زدہ، بیماری کا مارا تقدیرات الٰہیہ پر راضی، اس پر اطاعت گزار اور رضائے الٰہی کی خاطر گردن خمیدہ رہتا ہے۔ ان بلاؤں پر اس کا ناراض نہ ہونا

کھیتی کے نرم تنا کی طرح ہے جو بادِ صرصر کے آگے فرمانبردار رہتا ہے اور جدھر وہ چلتی ہے ادھر ہی جھک جاتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ مومن سے مصائب و آلام کے بادِ تند کو دور فرما دیتا ہے تو پھر وہ اعتدال پر آ جاتا ہے جس طرح سکون ہوا کے وقت کھیتی کا نرم تنا معتدل ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ بندہ مومن بلاؤں کے دور ہونے کے بعد اپنے رب کے شکر اور اس کے انعام کی معرفت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی رحمت و ثواب کا منتظر رہتا ہے تو جب بندے کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر اس کو نہ مرض الموت ستاتا ہے اور نہ اس پر ان بلیات کا پہنچنا گراں خاطر ہوتا ہے اور نہ سکرات موت اور نہ نزع روح اس پر دشوار ہوتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہی سے مصائب و آلام کے جھیلنے کا عادی بن چکا ہے اور اس پر اجر و ثواب کو وہ پہلے سے جان رہا ہوتا ہے جسے ان تمام شدائد و تکالیف کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے ذخیرہ کر رکھا ہوتا ہے۔ اس کا دل بلکل مطمئن ہوتا ہے۔

بخلاف کافر کے!

کہ اس کے اکثر احوال میں چھوٹ ہے اور اس کا جسم درخت صنوبر کی طرح صحیح و سالم رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو دفعتاً اس کی گردن توڑ دیتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی (اچانک موت کا حملہ ہو جاتا ہے) اور اسے بلا کسی نرمی و سہولت کے موت کا پنجہ دبا لیتا ہے جس کے سبب اس کی موت سخت اور حسرت ناک ہوتی ہے۔ اس کی روح کھینچے کی حالت کو اس کی جان کی قوت اور اس کے جسم کی صحت پر تکلیف کی شدت وعذاب کو قیاس کرنا چاہئے اور آخرت کا عذاب تو درخت صنوبر کے اکھاڑنے سے کہیں زیادہ شدیدہ وسخت ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ○ (الاعراف ۹۵)

ترجمہ تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے۔

یہی عادت الٰہیہ ہے اس کے دشمنوں کے درمیان، جیسا کہ فرماتا ہے:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ۔

(العنکبوت ۴۰)

ترجمہ پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر اور ان میں سے بعد کو آلیا شدید کڑک نے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس حال میں موت کو مسلط فرمایا جبکہ وہ اپنی سرکشی اور غفلت میں

مدہوش تھے اور بغیر اتنا موقعہ دیئے کہ وہ مرنے کی تیاری کریں اچانک ہلاک کر دیئے گئے۔

اسی لئے سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ بزرگان دین اچانک موت کو برا سمجھتے تھے اور اسی سلسلہ میں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ وہ افسوسناک موت یعنی اچانک موت کو برا جانتے تھے۔

تیسری حکمت

تیسری حکمت یہ ہے کہ امراض پیام موت ہیں۔ مرض میں جس قدر شدت ہو گی موت کا خوف اسی قدر زیادہ ہو گا اور وہ موت کیلئے مستعد و تیار رہے گا (اور استغفار کا موقعہ ملے گا) کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا اور یہ امراض اس کی خبر گیری کر رہے ہیں اور اس دنیا کے گھر سے جس کی خرابیاں بکثرت ہیں بے پرواہ ہو کر اس کا دل آخرت کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے پس وہ ہر اس شے سے جو اللہ تعالیٰ کے جانب سے غافل کرے اس کے برے نتائج سے خوفزدہ ہو جاتا ہے اور بندوں کی طرف ان کے حقوق کو ادا کرتا ہے اور جب اپنے محتاجوں کی طرف نظر کرتا ہے تو اپنے پسماندگان میں ان کی وصیت کرتا ہے یا ان کی نگہداشت کا حکم دیتا ہے۔

چنانچہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ گزشتہ و آئندہ سب سے مغفور ہیں وہ اپنے مرض میں ان لوگوں سی دستگاری کے طالب ہوئے جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی مال یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اقدس پر کوئی حق تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و جان سے بدلہ دینا چاہا اور ایسے حقدار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پر قصاص (بدلہ) کی اجازت دی۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حدیث وفات میں وارد ہے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد جن و انس کو کتاب اللہ اور اپنی عترت کو لازم پکڑنے اور انصار کے ساتھ نرمی برتنے کی وصیت فرمائی اور ان کو تحریر وثیقہ کیلئے بلایا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت گم گشتہ راہ نہ ہو اور دعوت کتابت یا تو نص خلافت کیلئے تھی یا کوئی اور مقصد ہوا سے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر اس سے باز رہنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل و بہتر خیال فرمایا۔

یہی کیفیت اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں اور اس کے متقی ولیوں کی سیرت میں ہے اور ان تمام کیفیات سے اس کی کافر مخلوق محروم ہے کیونکہ انہیں مہلت دی جاتی ہے تا کہ ان کے گناہ اور بڑھیں اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے جس کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا يَنظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ o فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ o (یٰسین ۵۰-۴۹)

ترجمہ یہ (نابنجار) نہیں انتظار کر رہے مگر اس ایک گرج کا جو (اچانک) انہیں دبوچ لے گی جب وہ بحث مباحثہ کر رہے ہونگے پس نہ وہ (اس وقت) کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ کر آ سکیں گے۔

اور اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اچانک مر گیا تھا، پاکی ہے اللہ تعالیٰ کو (سبحان اللہ) گویا کہ آپ ﷺ کو کوئی غصہ کی بات معلوم ہوئی (فرمایا) محروم وہ ہے جو آپ وصیت کرنے سے محروم رہا اور فرمایا: اچانک موت مسلمانوں کیلئے تو راحت ہے مگر کافر و فاجر کیلئے افسوناک گرفت ہے۔ (مسند امام احمد ۳/۴۲۴ مجمع الزوائد ۲۰۹)

اور یہ اس لئے کہ مومن کو جو موت آتی ہے تو وہ اکثر اس کیلئے مستعد و تیار ہوتا ہے کیونکہ اکثر وہ حکم الٰہی کی ادائیگی میں سرگرم عمل رہتا ہے تو اس کیلئے کیوں رحمت نہ ہو۔ ایسے شخص پر اس کا آنا ہر طرح آسان ہوتا ہے چاہے جس طرح وہ مرے۔ کیونکہ وہ دنیا کی اذیتوں سے راحت عقبیٰ کی طرف جاتا ہے۔ جیسے کہ آپ ﷺ کا ارشاد مسلمان خود بھی راحت پانے والا ہے اور دوسروں کو بھی راحت پہنچانے والا ہے۔ (مسند امام احمد ۳/۴۲۴)

اور کافر اس وقت مرتا ہے جبکہ وہ اس کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ نہ تو خود اس نے اس کی تیاری کی اور نہ ڈرانے اوگھبرا دینے والے مقدمات و حالات پہنچے بلکہ اچانک موت نے گھیر لیا تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ پس اس کے رد کرنے کی طاقت نہیں پاتا اور نہ وہ موت کا منتظر ہی تھا۔ تو اب موت اس پر اشد ترین شے معلوم ہو گی اور دنیا کہ جدائیگی سے دردناک صدمہ ہو گا اور یہ اسے نہایت شاق گزرے گا۔

اسی معنی کی طرف حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی لقا کو محبوب رکھتا ہے اور جو لقاء الٰہی کو ناپسند رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے لقاء کو ناپسند رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق ۸/۹۰ صحیح مسلم کتاب الذکر ۴/۲۰۶۵)

قسم چہارم

وجوہات تنقیص وتوہین اور اس کے احکام شرعیہ

موہن وشاتم کا حکم قتل

یہ چوتھی قسم اس احکام کے وجوہات کے بیان میں ہے جو نبی کریم ﷺ کی تنقیص وتوہین کرے یا حضور ﷺ کو معاذ اللہ گالی دے۔ چنانچہ قاضی ابوالفضل بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہ بات کتاب وسنت اور اجماع امت سے گزر چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کیا حقوق واجب ہیں اور یہ بھی متعین کیا جا چکا ہے آپ ﷺ کا احسان اور آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور اکرام کیا گیا ہیں۔ ان اعتبارات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حضور ﷺ کو اذیت وتکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص بھی حضور ﷺ کی تنقیص شان کرے یا آپ ﷺ پر سب وشتم کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔

(الاحزاب ۵۷)۔

ترجمہ بیشک جولوگ ایذ پہچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کیلئے رسوا کن عذاب۔

اور ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝ (التوبہ ۶۱)

ترجمہ اور جولوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

اور فرمایا ہے:

وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمًا۝ (الاحزاب ۵۳)

ترجمہ اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی بیشک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ تعریض اور ذومعنی (دو معنی والے) الفاظ کے استعمال کو آپ ﷺ کیلئے حرام قرار

دیتے ہوئے فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا۔ (البقرہ ۱۰۴)

ترجمہ اے ایمان والو! (میرے حبیب سے کلام کرتے وقت) مت کہا کرو ''راعنا'' بلکہ کہو ''انظرنا'' اور (ان کی بات پہلے ہی) غور سے سنا کرو۔

یہ تحریم اس لئے ہے کہ یہودی کہتے تھے رَاعِنَا یَا مُحَمَّدُ یعنی اپنے کان سے ہماری بات سنیے اور ہماری رعایت کیجئے۔ اس سے وہ رعونت بمعنی نادانی یا بیوقوفی مراد لیتے تھے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مشابہت اختیار کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا اور ہمیشہ کے کئے اس ذریعہ کی ممانعت فرما کر قطع کر دیا تا کہ کفار و منافقین کو آپ ﷺ پر سب وشتم اور استہزاء کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ اس لئے ممانعت فرمائی کہ اس کے لفظوں میں مشارکت تھی اس لئے یہودیوں کے یہاں اس کے معنی اِسْمَعُ لَا سُمِعْتَ ہے یعنی سنیے اور آپ کی نہ سنی جائے۔

ایک قول یہ ہے کہ قلت ادب اور نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ممانعت فرمائی گئی کیونکہ لغت انصار میں اس کے معنی یہ تھے کہ آپ ہماری رعایت کیجئے اور ہم آپ کی رعایت کریں گے تو ان کو اس سے منع کر دیا گیا کیونکہ ضمناً یہ بات پائی جاتی تھی کہ آپ ﷺ کی رعایت کے ساتھ ہی وہ رعایت کریں گے حالانکہ آپ ﷺ کی رعایت ہر حال میں واجب ہے۔

اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی کنیت پر نام رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ چنانچہ فرمایا: میرے نام کے ساتھ تو نام رکھو لیکن میری کنیت کے ساتھ اپنی کنیت نہ رکھو۔ تا کہ آپ ﷺ کی ذات شریفہ اذیت سے محفوظ و مصئون رہے کیونکہ آپ ﷺ نے ایک شخص کی ندا کا جواب دیا کہ وہ پکار رہا تھا: اَبَا الْقَاسِمُ تب اس شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو آواز نہیں دے رہا تھا میں تو فلاں کو پکار رہا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الخمس ۴/۶۶ صحیح مسلم کتاب الادب ۳/۱۶۸۴،۱۶۸۳)

تو اس وقت آپ ﷺ نے اپنی کنیت پر کنیت مقرر کرنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ کو اس کے سوا کسی اور کے پکارنے سے جو آپ ﷺ کو نہ پکارتا ہو ایذا نہ پہنچے اور منافقین اور استہزاء کرنے والوں کو آپ ﷺ کی ایذا رسانی اور منقصت کا موقع نہ ملے کہ وہ آپ ﷺ کو آواز دیں اور جب آپ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوں تو وہ آپ ﷺ کی تکلیف دہی اور استخفاف کی غرض سے کہہ دیں کہ ہم تو آپ ﷺ کے سوا کسی اور کو پکار رہے تھے۔ جس طرح شعدوں اور مسخروں کی عادت ہے۔

اس پر آپ ﷺ نے اپنی ہر طرح اذیت سے حفاظت فرمائی۔

علماء محققین نے اس ممانعت کو آپ ﷺ کی مدت حیات ظاہری تک محمول کیا ہے اور آپ ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد اس کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ ممانعت کی علت اذیت ہے وہ مرتفع ہو چکی اور اس حدیث میں لوگوں کے بکثرت مذاہب ہیں اس کے ذکر کا یہ مقام نہیں جو قول ہم نے بیان کیا ہے وہ جمہور کا مذہب صواب ہے انشاء اللہ۔ چونکہ اس کی ممانعت آپ کی تعظیم و توقیر کیلئے بر سبیل استحباب ہے نہ کہ حرام قرار دینے کیلئے اور اسی بنا پر آپ ﷺ نے اپنے نام پر نام رکھنے کی ممانعت نہیں فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نام سے پکارنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ۔ (النور ۶۳)

ترجمہ نہ بنا لو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو۔

اسی لئے تمام مسلمان آپ کو یَارَسُوْلَ اللّٰہ اور یَا نَبِیَّ اللّٰہ سے پکارتے ہیں اور کبھی آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' سے بھی کچھ لوگ بعض حالتوں میں پکار لیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے وہ روایت نقل کی جو آپ ﷺ کے نام پر نام رکھنے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے اور آپ ﷺ کو اس سے بھی منزہ رکھا کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی توقیر نہیں ہے۔

چنانچہ فرمایا: اپنی اولاد کا نام محمد رکھ کر انہیں برا بھلا بھی کہتے ہو۔ (مجمع الزوائد ۸/۴۹۔۴۸)

اور مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو خط لکھا کہ نام نبی پر کسی کا نام نہ رکھیں اسے ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا نام محمد تھا اور دوسرا شخص اس کو گالی دے رہا تھا اور اس سے کہہ رہا تھا: اے محمد تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسا کرے اور بنائے۔ اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے محمد بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: میں ایسا نہ دیکھوں کہ تیرے سبب سے (نام محمد کو) گالی دی جائے۔ خدا کی قسم میں محمد کہہ کر کبھی تجھ کو نہ پکاروں گا جب تک میں زندہ ہوں اور ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا اور ارادہ کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں میں سے کسی نام پر نام نہ رکھا جائے اس میں ان کی عزت و تکریم ہے۔ چنانچہ ایسے ناموں کو بدل دیا اور فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام نہ رکھے جائیں پھر آپ رضی اللہ عنہ اس کی ممانعت کرنے سے باز رہے۔

حالانکہ مذہب صواب یہی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد یہ سب نام جائز ہیں اس دلیل سے کہ

صحابہ کرام کا اس پر اتفاق رہا ہے اور صحابہ کی ایک جماعت نے اپنی اولاد کا نام محمد یا اپنی کنیت ابو القاسم رکھی ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الادب ۵/۲۵۰، سنن ترمذی کتاب الادب ۴/۲۱۵)

اور بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسم امام مہدی اور ان کی کنیت کی خبر دی ہے۔

(سنن ترمذی کتاب الفتین ۳/۳۴۳، سنن ابوداؤد کتاب الادب ۴/۴۷۷)

اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے محمد بن طلحہ محمد بن عمرو بن حزم، محمد بن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہم وغیرہ نام مقرر فرمائے تھے اور فرمایا تمہارا کیا نقصان ہے کہ تمہارے گھر میں ایک محمد، دو محمد اور تین محمد ہوں۔

ہم پہلے اس بحث کو دو بابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

پہلا باب

وہ الفاظ جن سے تنقیص وتوہین ہوتی ہے

معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تم کو توفیق خیر دے کہ تمام وہ باتیں جس سے نبی کریم ﷺ کیلئے بطور سَبّ (گالی) بولی جائے یا جس سے آپ ﷺ کی عیب جوئی ہو یا آپ ﷺ کی ذات شریفہ یا آپ ﷺ کے دین یا آپ ﷺ کے اسوہ یا آپ ﷺ کے خصائل میں سے کسی ایک خصلت میں نقصان لاحق ہوتا ہو یا بطریق سب (گالی) آپ ﷺ پر تعریض یا اس کے مشابہ لفظ بولے یا برسبیل سب وشتم استخفاف یا تحقیر وتصغیر شان کرے یا آپ ﷺ کی نکتہ چینی یا عیب جوئی کرے وہ سب گالی میں شمار ہوگا اور اس کا حکم گالی دینے والے کی طرح حکم قتل ہوگا۔

جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے اور ہم ان اقسام میں سے جو اس مقصد پر ہیں کسی کو مستثنیٰ قرار نہ دیں گے اور نہ اس میں کسی طرح شک وشبہ کریں گے خواہ وہ صراحتاً ہو یا اشارتاً۔ یہی حکم اس شخص کا ہے جو آپ ﷺ پر لعنت کرے یا آپ پر بددعا کرے یا آپ کے نقصان کا خواہشمند ہو یا آپ کی طرف ایسی چیز بطریق مذمت منسوب کرے جو آپ کے منصب عالی کے لائق نہ ہو یا آپ کی جہت عزیز کی طرف کوئی بیہودہ یا فحش یا بری یا جھوٹ بات کی اضافت کرے یا آپ ﷺ کو کسی ایسی مصیبت یا مشقت کے ساتھ عار دلائے جو آپ ﷺ پر گزری ہو یا ان بعض عوارض بشریہ جن کا صدور آپ ﷺ کی طرف سے جائز یا معہود ہے اس کے سبب سے حقیر جانے۔ (یہ سب آپ کی اہانت وتنقیص میں شمار ہوں گی) ان تمام باتوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کے علماء وائمہ فتویٰ کا اجماع رہا ہے (کہ جو کوئی گالی دے یا تنقیص شان کرے اسے قتل کر دیا جائے)

ابوبکر بن منذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے گا وہ قتل کر دیا جائے۔

اور جو علماء اس کے قائل ہیں ان میں امام مالک بن انس، لیث، امام احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ہیں اور یہی مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا اقتضاء یہی ہے۔ ان علماء کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور (امام اعظم) ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ثوری و اہل کوفہ اور اوزاعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی فرمایا ہے لیکن یہ سب

فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے اور اسی کے مثل ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔

اور طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت کی مثل امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب سے نقل کیا کہ یہ حکم اس کیلئے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزار ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو آپ کو گالی دے وہ مثل زندیق مرتد ہے۔

اسی بنا پر اس کی توبہ قبول کرنے اور اس کی تکفیر کرنے میں اختلاف واقع ہوا کہ آیا اس کا قتل کرنا حد کی بنا پر ہوگا یا کفر کی وجہ سے۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ دوسرے باب میں اسے بیان کریں گے اور ہمیں ہمعصر علماء اور سلف امت کے مابین ایسے کے مباح الدم ہونے میں کوئی اختلاف معلوم نہیں۔ بلاشبہ بکثرت علماء نے اس قتل و کفر پر اجماع نقل کیا ہے اور بعض ظاہریوں نے یعنی ابومحمد علی بن احمد فارسی رحمۃ اللہ علیہ نے استخفاف کرنے والے کی تکفیر میں اختلاف کا اشارہ کیا ہے۔ حالانکہ مشہور وہی ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔

محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ شاتم نبی علیہ السلام اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے۔ وَمَنْ شَكَّ فِي كُفْرِهٖ وَ عَذَابِهٖ كَفَرَ۔ یعنی جو اس کے کفر اور مستحق عذاب الٰہی ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے اور فقیہہ ابراہیم بن حسین بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے ایسوں کے قتل کرنے کے حکم میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مالک ابن نویدہ کو قتل کرنے سے حجت پکڑی ہے کیونکہ مالک ابن نویرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے صاحکم (تمہارے تھی) سے تعریض کی تھی۔

ابوسلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی مسلمان کو نہیں جانتا جس نے اس کے قتل کے وجوب میں اختلاف کیا ہو۔ جبکہ وہ مسلمان کہلاتا ہو اور ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ''کتاب ابن سحنون'' اور ''مبسوط'' اور ''عُتبیّہ'' میں کہا ہے اور اسے مطرف رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ''کتاب ابن حبیب'' میں نقل کیا ہے کہ جو مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کرے وہ قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ''عتبیہ'' میں کہا کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہے یا گالی دے یا عیب جوئی کرے یا تنقیص شان کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا حکم امت مسلم کے نزدیک قتل زندیق کی مثل ہے کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلائی سے یاد کرنے کو فرض

قرار دیا ہے اور ''مبسوط'' میں عثمان بن کنانہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ جس مسلمان نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے یا زندہ سولی پر چڑھا دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور امام (حاکم وقت) کو اختیار ہے کہ چاہے وہ زندہ سولی پر چڑھا دے یا اسے قتل کر دے۔

اور ابی مصعب اور اویس رحمہما اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو برا کہا یا گالی دی یا عیب جوئی یا تنقیص شان کر دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ ہمیں اصحاب مالک رحمۃ اللہ نے خبر دی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے نبی کریم ﷺ کو یا آپ ﷺ کے سوا دیگر انبیاء علیہم السلام کو گالی دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہر حال میں ایسوں کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ چھپا کر کہے یا اعلانیہ کہے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اس لئے کہ اس کی توبہ مشہور نہیں ہو سکتی۔

اور عبداللہ بن عبدالحکم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو بھی نبی کریم ﷺ کو گالی دے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے مثل الشہب رحمۃ اللہ علیہ سے وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کی ہے۔

اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ جو یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ کی چادر ایسی ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زرہ دریدہ (گندی) ہے اور اس کی مراد اس سے عیب جوئی ہو تو وہ قتل کر دیا جائے۔

بعض مالکی علماء فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ جس نے کسی نبی کیلئے ویل کی یا کسی مکروہ شے کی بددعا کی وہ بلا توبہ قبول کئے قتل کر دیا جائے۔

اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے نبی کریم ﷺ کے حق میں حمال (بوجھ اٹھانے والا) ابوطالب کا یتیم کہا تھا۔

اور ابومحمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے قتل کرنے کا فتویٰ دیا جو ایسی قوم سے سنے کہ وہ قوم نبی کریم ﷺ کی صفت بیان کر رہی ہو اور اتفاقاً ان میں ایک ایسا مرد گزرے جو بدصورت اور بدریش ہو پھر وہ قوم سے کہے اگر تم حضور ﷺ کی صفت جاننا چاہتے ہو تو دیکھو آپ ﷺ (معاذ اللہ) اس بدصورت اور بدریش گزرنے والے شخص کی طرح تھے۔

ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے کیونکہ اس نے یقیناً جھوٹ بکا اللہ تعالیٰ کی اس پر اور لعنت اور ایسی بات کسی سلیم الایمان کے دل سے نہیں نکلتی۔

اور احمد بن ابی سلیمان صاحب سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو کہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ فام تھے اسے قتل کر دیا جائے۔ اور انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا کہ جس سے کہا گیا کہ نہیں اور قسم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی تو اس نے کہا خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور کوئی بری بات ذکر کی تو اس سے کہا گیا اے اللہ تعالیٰ کے دشمن تو کیا بکتا ہے تو اس پر اس نے پہلے سے زیادہ سخت بات کہی پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچھو مراد لیا تھا۔ اس پر ابن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جواب دیا جس نے ان سے ایسی بات دریافت کی تھی کہ میں گواہی دیتا ہوں اور میں تیرا شریک ہوں مطلب یہ ہے کہ (تو اسے قتل کر دے گا) اس کے قتل وثواب میں تیرا شریک ہوں۔

حبیب ابن ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ صریح میں دعویٰ تاویل نا قابل قبول ہے کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتحقیر ہے اور یہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا ادا کرنے والا نہیں ہے لہٰذا اس کے خون کا مباح ہونا واجب ٹھہرا۔

اور ابو عبداللہ بن عتاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس عشر لینے والے پر قتل کا فتوی دیا جس نے کسی شخص سے کہا تھا۔ مجھے عشر ادا کر دو اور اس کا شکوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرو اور اس نے کہا کہ اگر میں نے مانگا ہے یا نادانی کی ہے تو (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نادانی کی اور انہوں نے مانگا۔

اور فقہائے اندلس نے ابن حاتم طلیطلی کے قتل کرنے اور صولی دینے کا متفقہ فتویٰ دیا کیونکہ اس کے اوپر گواہی گزری کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کا استخفاف کیا ہے کیونکہ اس نے مناظرہ کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم اور حیدر کا ختن (حیدرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خسر) کہہ کر خطاب کیا تھا اور دعویٰ کیا کہ آپ کا زہد اختیاری نہ تھا اور اگر آپ قدرت رکھتے تو طیبات کھاتے اور اس قسم کے اور خرافات بکے تھے۔ (معاذ اللہ)

اور قیروان کے فقہاء اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب نے ابراہیم فزاری کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا حالانکہ وہ ایک شاعر اور اکثر علوم کا ماہر تھا۔

اور قاضی ابوالعباس، بن طالب کی مجلس مناظرہ میں حاضر ہوا کرتا تھا پس اس پر بہت سی ایسی بیہودہ باتیں ثابت ہوئیں جس میں اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں استخفاف واستہزاء تھا۔ اس پر قاضی یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فقہاء نے اسے عدالت میں طلب کیا اور

اور اسے قتل کرنے اور سولی دینے کا حکم دیا چنانچہ اس کے پیٹ میں چھری ماری گئی اور الٹا کر کے سولی دی گئی پھر اتارا گیا اور آگ میں جلایا گیا۔

اور بعض مؤرخین نقل کرتے ہیں کہ جب اس کی سولی کا تختہ اٹھایا گیا اور وہ لوگوں کے ہاتھوں علیحدہ ہوا تو تختے نے چکر کاٹا اور اسے قبلہ سے پھیر دیا تو یہ تمام کیلئے عبرتناک نشانی تھی اور لوگوں نے تکبیر بلند کی پھر ایک کتا آیا اور اس کے خون کو چاٹا۔

اس پر یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ذکر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتا کسی مسلمان کا خون نہیں پیتا ہے۔ (مناہل الصفا للسیوطی ص ۲۴۱)

قاضی ابوعبداللہ بن مرابط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہزیمت ہوئی تو اس سے توبہ کرائی جائے ورنہ وہ قتل کر دیا جائے کیونکہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کی۔

اس لئے کہ یہ مسلمان پر جائز نہیں خاص کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ کہے۔ کیونکہ آپ کو اپنے معاملہ کا انجام معلوم اور اپنی عصمت پر یقین تھا۔

حبیب بن ربیع قروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص آپ کے حق میں ایسی بات کہے جس میں تنقیص شان ہو اسے بلا توبہ لئے قتل کر دیا جائے۔

ابن عتاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت دونوں اس شخص کے قتل کو واجب ٹھہراتے ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا یا منقصت کا ارادہ کرے خواہ وہ تعریضا ہو یا تصریحا اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

ثابت ہوا کہ ہر اس بات سے جن کو علماء نے گالی یا منقصت میں شمار کیا ہے۔ اس کے قائل کو قتل کرنا واجب ہے۔ اس میں متقدمین و متاخرین علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اختلاف ہے بھی تو اس میں جس کا ہم نے اشارہ کیا (یعنی بلا توبہ لئے قتل کیا جائے یا توبہ قبول نہ کی جائے وغیرہ) اور اسے ہم بعد میں بھی بیان کریں گے۔

علیٰ ہذا القیاس میں کہتا ہوں کہ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی عیب لگائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بکری چرانے یا سہو و نسیان یا سحر یا وہ زخم جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی لگے یا جو بعض لشکروں کو ہزیمت ہوئی یا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن سے اذیت پہنچی یا اہل زمانہ سے جو تکلیف پہنچی یا جو بیویوں کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان تھا وغیرہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عار دلائے۔ پس ان تمام باتوں کا حکم جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے ذریعہ تنقیص شان کا ارادہ کرے قتل کر دینا ہے۔ اس بارے میں علماء کے مذاہب کچھ تو گزر چکے اور آگے بھی آ رہے ہیں جو اسی پر دلالت کریں گے۔

پہلی فصل

دلائل وجوبِ قتل

اب وہ دلائل بیان کیے جاتے ہیں جس کی بنا پر اس شخص کا قتل واجب ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے یا عیب لگائے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کو ایذا پہنچائے (اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ) اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایذا رسانی کو اپنی ایذا رسانی کے ساتھ ملایا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو آپ کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔ بلاشبہ لعنت کا وہی مستوجب ہوتا ہے جو کافر ہو اور کافر کا حکم قتل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ (الاحزاب ۵۷)

ترجمہ بیشک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو۔

اور مومن کے قاتل کیلئے بھی ایسا ہی فرمایا ہے لہٰذا دنیا میں اس کی لعنت قتل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَلْعُوْنِیْنَ ج اَیْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلاً۔ (الاحزاب ۶۱)

ترجمہ وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہو گی جہاں پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے۔

اور لڑنے والوں کے بارے میں اور ان کی سزا کے بیان میں اللہ فرماتا ہے:

ذَالِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا۔ (المآئدہ ۲۳)

یہ تو ان کیلئے رسوائی ہے دنیا میں۔

اور کبھی قتل کے معنی لعنت کے آتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

قُتِلَ الْخَرّٰاصُوْنَ۔ (الذریت ۱۰)

ستیاناس ہو اٹکل پچو باتیں بنانے والوں کا۔

اور فرمایا:

قٰتَلَھُمُ اللہُ اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ۔ (التوبہ ۳۰)

ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے اور اس لئے ان دونوں کی ایذا اور مومنین کی ایذا کے مابین فرق ہے کہ مومنین کے ایذا کی سزا قتل سے کم مارنا اور پٹینا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے والے کی سزا اس سے سخت ہے اور وہ قتل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَاوَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ (النساء ۶۵)

ترجمہ پس (اے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان۔

پس اللہ تعالیٰ نے ایمان کے نام کو سلب کرلیا جس کے سینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر تنگی پائی جائے اور اسے وہ تسلیم نہ کرے اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کی بلاشبہ اس نے اس حکم کو توڑا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ۔ (الحجرات ۲)

اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی (کریم) کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے سارے اعمال۔

حالانکہ عمل کو صرف کفر ہی ضائع کرتا ہے اور کافر قتل کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ۔ (المجادلہ ۸)

ترجمہ اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا۔

پھر فرمایا:

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ (المجادلہ ۸)

ترجمہ کافی ہے انہیں جہنم، اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اور فرمایا:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ○ (التوبہ ۶۱)

ترجمہ اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بدزبانی سے) اذیت دیتے ہیں نبی (کریم) کو اور

کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔

اور فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ (التوبہ ۶۱)

ترجمہ اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لیئے دردناک عذاب ہے۔

اور فرمایا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔ (التوبہ ۶۶۔۶۵)

ترجمہ اور اگر آپ دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے بس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ فرمایئے (گستاخو!) کیا اللہ تعالیٰ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کیا کرتے تھے؟ (اب) بہانے مت بناؤ تم کافر ہو چکے (اظہار) ایمان کے بعد۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے جو تم نے کہا ہے وہ تم نے کفر کیا ہے۔

اب رہا اجماع کا حال! تو ہم نے پہلے اسے بیان کر دیا ہے لیکن حدیثوں کا حال یہ ہے کہ

حدیث: سیدنا حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی نبی کو گالی دی تو اسے قتل کر دو اور جس نے کسی میرے صحابی کو گالی دی تو اسے مارو۔

(مجمع الذوائد ۶/۲۶۰، معجم الصغیر ۲۴۹)

اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور اس کی نسبت آپ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتا ہے اور اس کی طرف اس شخص کو بھیجا جس نے دھوکہ دے کر بغیر دعوت اسلام قتل کر دیا بخلاف اس کے سوا دوسرے مشرکین کے (کہ انہیں بغیر دعوت اسلام قتل کا حکم نہ فرمایا)۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی ۵/۸۶ صحیح مسلم کتاب الجہاد ۳/۱۴۲۵)

اس کی علت یہ بتائی کہ وہ آپ کو ایذا دیتا تھا تو یہ خصوصیت کے ساتھ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ اس کا قتل شرک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اذیت رسانی کی بنا پر تھا۔

یہی حال ابورافع کے قتل کا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی ۵ ۷ ۷)

براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتا تھا اور دشمنوں کو آپ کے خلاف ابھارتا تھا۔ اسی طرح آپ نے فتح مکہ کے روز ابن خطل اور اس کی ان دونوں باندیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو آپ کو گانے میں گالیاں دیا کرتی تھیں۔ (دلائل النبوۃ ۴/۶۲، صحیح بخاری ۳/۱۵، صحیح مسلم کتاب الحج ۲/۹۹۰)

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دیا کرتا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے وہ شخص جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے۔ تب خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ تو آپ ﷺ نے انہیں بھیجا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۴/۵۹)

اسی طرح آپ ﷺ نے اس گروہ کفار کو قتل کرنے کا حکم فرمایا جو آپ ﷺ کو ایذا دیتا اور گالی دیتا تھا جیسے نفر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ اور فتح مکہ سے پہلے اور بعد ایک گروہ کفار کے قتل کرنے کا وعدہ صحابہ سے لیا۔ چنانچہ وہ سب قتل کر دیئے گئے بجز اس کے جو اس پر گرفت سے پہلے اسلام میں سبقت کر گیا اور بزاز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ عقبہ بن ابی معیط نے پکارا: اے گروہ قریش! کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے درمیان گھر کر قتل ہو رہا ہوں۔ (مجمع الزوائد ۶/۸۹)

اس پر نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اپنے اس کفر و افتراء کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر باندھتا تھا۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے۔ اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ اس سے لڑے اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ (مصنف عبدالرزاق ۵/۳۰۷)

ایک یہ بھی روایت ہے کہ ایک عورت آپ ﷺ کو گالی دیتی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے تو اس کی طرف سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نکلے اور اسے قتل کر دیا۔ (مصنف عبدالرزاق ۵/۳۰۷)

اور مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو اس کی طرف بھیجا تاکہ یہ دونوں اس کو قتل کر دیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۲۸۴ عبدالرزاق فی جامع ۱/۲۶۱)

اور ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا: یا رسول ﷺ للہ صلی اللہ علیک وسلم میں نے اپنے باپ کو آپ ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات کہتے سنا تو میں نے اسے قتل کر دیا تو یہ بات نبی کریم ﷺ پر گراں گزری۔

(مناہل الصفا للسیوطی ص ۲۴۳)

مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب سے یمن کے والی تھے خبر پہنچی کہ اس جگہ مرتدین میں سے ایک عورت ہے جو گانے میں نبی کریم ﷺ کو گالی دیتی ہے۔ تو انہوں

نے اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور اس کے اگلے دانت اکھیڑ ڈالے۔ جب اس کی خبر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو ان سے فرمایا:

کاش اگر تم ایسا نہ کرتے تو یقیناً میں تم کو اس عورت کے قتل کرنے کا حکم دیتا۔ اس لے کہ انبیاء علیہم السلام کی حد دیگر حدود کے مشابہ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی خطمہ کی ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کرتی تھی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو میری جانب سے اس کا بدلہ لے؟ تب اس کی ہی قوم کے ایک مرد نے کہا: میں حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھیجا تو انہوں نے قتل کر ڈالا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بکریاں سینگ نہیں مارتیں۔ (محاورۂ عرب میں یہ ایک مثل ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک نابینا کی ام ولد (باندی) تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی اس پر وہ اسے ڈانٹتا جھڑکتا تھا مگر وہ باز نہ آتی تھی۔ چنانچہ ایک رات جب وہ حضور کو گالیاں دینے لگی تو اس نابینا نے اسے قتل کر دیا اور آپ کو خبر دی تو آپ نے اس کے خون کو ضائع کر دیا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الحدود ۴/ ۵۲۸، سنن نسائی کتاب التحریم الدم ۷/ ۱۰۷)

ابی برزہ اسلمی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ ایک دن میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے ایک مسلمان مرد پر غصہ فرمایا۔

(سنن ابوداؤد کتاب الحدود ۴/ ۵۳۰، سنن نسائی کتاب التحریم الدم ۷/ ۱۰۷)

قاضی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ نے اس حدیث میں بیان کیا کہ اس نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دی تھی اور اسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ میں (یعنی ابوبرزہ) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک شخص پر ناراض ہو رہے تھے اور اس نے ان کو جواب دیا۔ تب میں نے عرض کیا: اے خلیفہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماروں۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ کیونکہ یہ بات سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کیلئے جائز نہیں۔ قاضی ابومحمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر کسی نے مخالفت نہیں کی۔

اسی حدیث سے ائمہ نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرے خواہ وہ کسی قسم کا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے اسے قتل کر دینا چاہئے۔

اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کوفہ کے والی کو ایک خط میں

تحریر فرمایا۔ چونکہ والی کوفہ نے آپ سے اس شخص کے بارے مشورہ طلب کیا تھا جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دی تھی تو اس کے جواب میں لکھا کہ لوگوں میں سے کسی کو گالی دینے کے سبب کسی مرد مسلم کا قتل حلال نہیں ہے بجز اس شخص کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے۔ تو جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی اس کا خون حلال ہے۔

ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص کے بارے استفسار کیا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تھی اور ذکر کیا کہ فقہائے عراق رحمۃ اللہ علیہم نے تو کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔

اے امیر المومنین کسی نبی کو گالی دینے کے بعد وہ امت میں باقی نہیں رہتا اسے قتل کر دینا چاہیے اور جو اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے اس پر کوڑے مارنے چاہئیں۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قسم کی روایتیں بکثرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں ان کے اصحاب سے منقول ہیں اور مولفین اخبار وغیرہ نے بیان کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ عراق کے وہ کون سے فقہاء ہیں جنہوں نے ایسا فتویٰ دیا ہے حالانکہ ہم نے عراقیوں کا مذہب بھی بیان کر دیا ہے کہ وہ بھی قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسا کوئی فقیہہ ہو جو مشہور نہ ہو یا یہ کہ اس کے فتوے پر اعتماد نہ کیا جاتا ہو یا اس کا میلان اپنی خواہشات کی طرف ہو یا یہ کہ اس نے سب (گالی) پر محمول نہ کیا ہو اور اس میں اختلاف ہو۔ آیا اس میں گالی ہے یا نہیں! یا یہ کہ قائل نے اپنی گالی سے رجوع و توبہ کر لی ہو۔ پس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اسے بالکل ذکر نہ کیا ہو ورنہ اجماع تو یہ ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی اسے قتل کر دیا جائے۔ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا۔

اور یہ بات بھی ہے کہ باعتبار نظر و فکر بھی یہ دلالت کر رہی ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کی تو اس کے دل کے مرض کی علامت ظاہر ہو چکی اور اس کا سر باطن اور کفر آشکارا ہو چکا۔ اسی بنا پر اکثر علماء نے ردت کا حکم نہیں دیا۔ یہ امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ سے شامیوں کی روایت ہے اور ایک قول ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ اور علماء کوفہ رحمہم اللہ کا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دلیل اس کے کفر کی ہے لہٰذا حداً اسے قتل کر دیا جائے۔ اگرچہ اس کے کفر کا بغیر اس کے حکم نہیں کیا جاتا کہ وہ اپنے قول کا پابند ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اپنے قول کا منکر ہو اور نہ اس سے باز آتا ہو لہٰذا ایسا شخص کافر ہی ہے خواہ اس کا قول صریح کفر ہو جیسے تکذیب وغیرہ یا کلمات استہزاء زم ہوں اور وہ اس کا معترف ہو اور اس سے توبہ نہ کرتا ہو۔ تو یہ دلیل اسی بات کی

ہے کہ وہ ان کلمات کو حلال جانتا ہے اور ان کلمات کا حلال جاننا کفر ہے اور قائل کافر ہے بلا اختلاف۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَاقَالُوْا وَلَقَدْقَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ۔ (التوبہ ۷۴)

ترجمہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یقیناً انہوں نے کہی تھی کفر کی بات اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد۔

مفسرین کہتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ ''جو کچھ کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر حق ہے تو ہم گدھے سے بدتر ہیں''۔ ایک قول یہ ہے ان میں سے کسی نے یہ کہا ہماری مثال اور حضور ﷺ کی مثال نہیں ہے مگر یہ کہ بقول قائل (معاذ اللہ) ایک فربہ کتا جو تجھ کو کھاتا ہے اور یہ کہ انہوں نے کہا کہ۔

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔ (المنفقون ۸)

ترجمہ کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو۔

اور یہ کہا گیا ہے کہ جس نے یہ کہا تھا اگر چہ اس نے اسے چھپایا تھا مگر اس کا حکم زندیق کا ہے کہ قتل کیا جاتا اور یہ اس لئے کہ اس نے اپنا دین بدل ڈالا ہے بلاشبہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنا دین (اسلام) بدل ڈالے تو اس کی گردن مار دو اور اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ کی حرمت کا حکم اپنی امت کی حرمت سے بہت زیادہ ہے حالانکہ آپ ﷺ کی امت کی حرمت کو گالی دینے والے پر حد جاری ہوتی ہے تو لامحالہ وہ شخص جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے اس کی سزا قتل ہی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی عظمت و منزلت بہت بلند اور آپ ﷺ کا مرتبہ امت کے مرتبہ (بلکہ ساری مخلوق کے مرتبہ سے) کہیں زیادہ ہے۔

دوسری فصل

بعض یہود و منافقین کے قتل نہ کرنے کی حکمت

اب اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم ﷺ نے اس یہودی کو قتل کیوں نہیں کرایا جس نے آپ کو السام علیکم کہا تھا حالانکہ یہ آپ ﷺ پر بددعا ہے اور نہ اس کو قتل کرایا جس نے کہا تھا کہ یہی وہ تقسیم ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے؟ کیونکہ اس سے حضور ﷺ کو ایذا دینا چاہتا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے بہت زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایذا دیئے گئے ہیں مگر انہوں نے صبر فرمایا۔ اور نہ ان منافقین کو قتل کرایا جو بسا اوقات حضور ﷺ کو ایذائیں پہنچاتے رہتے تھے۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے اللہ تعالیٰ ہمیں تم کو توفیق خیر دے کہ نبی کریم ﷺ ابتدائے اسلام میں ایسے لوگوں کو تالیف قلوب کرتے اور ان کو اپنی طرف مائل کرتے اور ایمان کو جاگزیں کرتے اور ان کی خوبی ظاہر کرتے اور ان کے دلوں میں اسے رچاتے اور ان کی خاطر مدارت کرتے تھے اور آپ ﷺ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو تمہارے پاس آسان کرنے کیلئے بھیجا گیا ہوں نہ کہ نفرت دلانے کیلئے اور فرماتے کہ آسانی اختیار کرو، مشقت میں نہ پڑو، اطمینان حاصل کرو نفرت نہ کرو اور فرماتے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ حضور ﷺ تو اپنے ہی ہمنشیں کو قتل کرتے تھے۔

آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کفار و منافقین کی مدارات کرتے، ان سے حسن اخلاق اور حسن سلوک کا برتاؤ کرتے اور ان کی اذیتوں کو برداشت کرتے اور ان کے جور و ستم پر صبر فرماتے تھے جو کہ آج ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ان پر صبر کریں مگر آپ ﷺ ان پر داد و دہش اور نرمی کا سلوک فرماتے تھے۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ

وَلَاتَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (المائدہ ۱۳)

ترجمہ اور ہمیشہ آپ ﷺ آگاہ ہوتے رہیں گے ان کی خیانت پر بجز چند آدمیوں کے ان سے تو معاف فرماتے رہیے ان کو اور درگزر فرمایئے بیشک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو۔

اور فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ۔ (حم السجدہ ۳۴)

ترجمہ برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص تیرے درمیان اور اس

کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔

یہ حالت ابتدائے اسلام میں تالیف قلوب کیلئے لوگوں کو ضرورت کے لحاظ سے تھی تاکہ وہ کلمہ طیبہ پر جم جائیں جب اسلام مستحکم ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے تمام دینوں پر اسلام کو غالب کر دیا تب آپ ﷺ نے حسب بقدرت انہیں قتل کرایا اور اللہ تعالیٰ کا حکم مشہور فرمایا جیسا کہ آپ نے ابن خطل کے ساتھ کیا اور وہ عہد لیا جو فتح مکہ کے روز ان کے قتل کیلئے تھا اور یہود وغیرہ میں جن پر آپ ﷺ قادر ہوئے ان کو دھوکہ اور بزور قتل کرایا اور ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کی محبت میں داخل اور مظہرین اسلام کی جماعت میں شامل نہ تھے اور وہ آپ ﷺ کو ایذائیں پہنچاتے تھے انہیں قتل کرایا جیسے کہ ابن اشرف، ابورافع، نضر اور عقبہ وغیرہ اور اسی طرح ان کے سوا اور لوگوں کے خون کو ضائع فرمایا جیسے کہ کعب بن زہیر اور زبن زبعری وغیرہ جو کہ اپ کو ایذادیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ فرمانبردار ہو کر جماعت المسلمین میں شامل ہوگئے۔

اور منافقین کی حالت چونکہ مخفی تھی اور آپ ظاہر پر ہی حکم لگایا کرتے تھے اور ان (بیہودہ) کلمات کو انہیں سے جو انہیں کے ہم مشرب تھے پوشیدہ طور پر کہتے تھے اور جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قسمیں کھاتے اور جو انہوں نے کہا اس کے منکر ہو جاتے تھے۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ۔ (التوبہ ۷۴)

حالانکہ یقیناً انہوں نے کہی تھی کفر کی بات۔

علاوہ بریں آپ ﷺ آرزو رکھتے تھے کہ وہ اسلام کی طرف رجوع کر لیں توبہ کر جائیں اسی لئے آپ ﷺ نے ان کی اہانتوں اور ان کے جور وستم پر صبر فرمایا جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے بکثرت لوگوں نے اسلام کو دل سے قبول کر لیا اور دل سے وہ مخلص ہو گئے اور ان کا ظاہر و باطن یکساں بن گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بہت سے لوگوں سے نفع پہنچایا اور بکثرت لوگ دین کے حامی و مددگار اور معین ناصر ہو گئے۔ جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے۔

یہی جواب ہمارے بعض ائمہ رحمۃ اللہ علیہم اس سوال میں دیتے ہیں اور کہا کہ ممکن ہے کہ جب یہ معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا ہو تو آپ ﷺ پر ان کے اقوال کا (شرعی) ثبوت نہ ملا ہو اور جس نے یہ بات آپ ﷺ تک پہنچائی ہو وہ مرتبہ شہادت (شرعیہ) اس باب میں کامل نہ ہو مثلاً بچہ ہو یا غلام یا عورت ہو۔ کیونکہ خون بہانا دو عادل (گواہان) کی شہادت سے مباح ہوتا ہے اور اسی پر یہود کا وہ کلمہ محمول کرنا چاہئے جو اس نے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا تھا ممکن ہے کہ وہ اس کلمہ کو منہ موڑ کر

کہتے ہوں اور اسے صاف نہ کہتے ہوں۔ کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ صرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی اس پر مطلع ہوئیں۔ اگر وہ صاف طور پر اسے کہتے تو صرف ایک فرد ہی کو معلوم نہ ہوتا۔ اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو یہود کے کردار، صدق کی کمی اور ان کی خیانت پر ہوشیار فرمایا کہ وہ سلام کرنے میں سچے نہیں ہیں وہ اپنی زبانوں کو نرم کر کے دین میں طعنہ زنی کے طور پر کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: یہود جب تم کو سلام کرتے ہیں تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں تو تم بھی عَلَیْکُمْ کہہ دیا کرو۔ ہمارے بعض بغداد کے علماء نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے بارے میں جو علم تھا محض اپنے علم کی بنا پر انہیں قتل نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے نفاق پر کوئی ثبوت شرعی قائم نہ ہوتی تھی۔ اس وجہ میں ان کو چھوڑ دیا گیا۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ ان کا نفاق سر باطنی تھا اور ان کی ظاہری حالت اسلام و ایمان پر تھی اور عہد و پڑوس کے سبب اہل ذمہ میں داخل تھے اور ان کا اسلامی دور بہت قریب تھا اور انہیں (پوری طرح) کھرے اور کھوٹے میں امتیاز حاصل نہ تھا۔

باوجود مذکورہ حالت اور متہم بالنفاق ہونے کے عرب میں جماعت مومنین اور صحابہ سید المرسلین اور دین کے مددگاروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اب اگر ان کی ظاہری حالت کے بموجب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باطن کے نفاق اور ان باتوں کی بنا پر جو ان سے ظاہر ہوتی تھیں اور اس علم کی وجہ سے جو وہ دلوں میں چھپاتے تھے قتل کر دیتے تو ضرور نفرت کرنے والا وہی کچھ کہتا اور یقیناً نئے دین قبول کرنے والے شک میں پڑ جاتے اور معاندین باتیں بناتے اور آپ کی صحبت اور دخول اسلام میں بکثرت ڈرنے لگتے۔ یقیناً گمان کرنے والا گمان کرتا اور دشمن ظالم خیال کرتا کہ آپ کا قتل کرنا دشمن اور بدلا لینے کیلئے تھا۔

اور جو مفہوم و معنی میں نے بیان کئے ہیں وہی امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ باتیں نہ بنائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو قتل کرتے ہیں اور فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جن کے قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منع فرمایا اور یہ حکم ان ظاہری احکام کے برخلاف ہے جو ان پر جاری ہیں مثلاً زنا کے حدود اور قصاص قتل وغیرہ کیونکہ وہ تو ظاہری ہیں اور ان کے علم میں ہے کہ یہ سب کیلئے برابر ہے۔

محمد بن مواز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر منافقین کا نفاق ظاہر و ثابت ہو جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور قتل کر دیتے۔ اسے قاضی ابوالحسن بن قصار رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ۔ (الاحزاب ۶۰)

اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے منافق۔

باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ ﷺ کو ان پر برانگیختہ کریں گے پھر ان کو اقامت نصیب نہ ہو گی مگر تھوڑے دن ملعون ہو کر جہاں کہیں وہ پائے جائیں گے پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ خدا کی سنت ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ اپنا نفاق ظاہر کر دیں گے اور محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

يَآ يُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ (التوبہ ۷۳)

ترجمہ اے نبی کریم ﷺ! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجئے ان پر۔

ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا اس قول میں یعنی ''یہی وہ تقسیم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مراد ہے؟ اور اس کا یہ قول ہے کہ انصاف فرمایئے ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے پر طعن و تہمت کا مفہوم نہ لیا ہو بلکہ اسے دنیا داروں کی مصلحت کی طرح رائے اور امور دنیاوی میں ایک غلطی خیال فرمائی ہو اور اس سے آپ ﷺ نے گالی دینا مراد نہ لی ہو یعنی یہ ان اذیتوں میں سے ہو جس کو آپ ﷺ معاف کرتے اور ان پر صبر فرماتے رہے ہیں۔

لہٰذا اسی بنا پر آپ ﷺ نے اسے سزا نہ دی اور اسی طرح اس یہودی کے بارے میں کہا جاتا ہے جبکہ اس نے اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (آپ پر موت ہو) کہا کیونکہ اس میں بھی صریح گالی اور بددعا نہیں ہے (چونکہ وہ منہ میں پھیر کر بولتے تھے) مگر وہی جو کہ ضروری ہے یعنی وہ موت جو کہ عام انسانوں کیلئے لازمی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ مراد ہو کہ تمہارا دین غم زدہ ہو کیونکہ اَلسَّامُ اور اَلسَّائِمَةُ کے معنی ملال کے ہیں اور اس پر بددعا ہو جس نے دین کو چھوڑا ظاہر ہے یہ صریح گالی نہیں ہے اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے باب میں یہ ترجمہ باندھا کہ یہ اس امر کا باب ہے کہ یہودی وغیرہ نے حضور ﷺ کو اشارۃً گالی دی ہے۔

ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ اشارۃً گالی نہیں ہے بلکہ یہ اشارۃً اذیت ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ کے حق میں گالی اور ازیت برابر ہے۔ قاضی ابو محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث میں بعض وہ جوابات دیئے ہوئے جو گزر چکے۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ کیا یہ یہودی ذمی یا معاہد میں سے تھا یا حربی اور محتمل امور میں مقتضائے دلالت کو چھوڑا نہیں جاتا۔ لہٰذا ان تمام باتوں میں سب سے بہتر اور اظہر وہ وجہ ہے جس سے تالیف قلب اور دین میں مدارات مراد لی ہے ممکن ہے کہ وہ

ایمان لے آئیں۔ اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا یہ ترجمہ باب باندھا کہ "باب اس بیان کا کہ خوارج کو تالیف کیلئے اور اس لئے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت نہ کریں قتل نہ کرنا"۔ حالانکہ یہی مطلب ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بیان کر چکے ہیں۔

اور بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے جادو اور زہر پر صبر فرمایا اور یہ فعل تو گالی سے بڑھ کر ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذن دیا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیں جنہوں نے اس کی مدد کی اور ان کو ان کے قلعوں سے نکال دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سے جسے چاہا جلاوطنی مقدر کر دی اور ان کے شہروں سے انہیں نکلوا دیا، ان کے گھروں کو انہیں کے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے برباد کرایا اور انہیں علی الاعلان برا بھلا کہا گیا چنانچہ کہا کہ اے بندروں اور خنزیر کے بھائیو اور ان کا فیصلہ مسلمانوں کی تلواروں سے کرایا۔ ان کو ان کے پڑوسیوں سے نکال دیا اور مسلمانوں کو ان کی اراضیات مکانات اور اموال کا مالک بنا دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا اور کفار کا بول نیچا ہو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حدیث صحیح میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنی جان کا بدلہ نہیں لیا بجز اس کے کہ جہاں حرمت الٰہی پائمال ہوتی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کیلئے بدلہ لیا۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ۴/۱۵۱، صحیح مسلم کتاب الفضائل ۴/۱۸۱۳)

تو (جواب میں) معلوم ہونا چاہیئے یہ حدیث اس کی مقتضی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی یا اذیت پہنچائی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ کیونکہ یہ بھی تو ان حرمات الٰہیہ میں سے ہے جس کا بدلہ لینا چاہئے اور بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان و مال اور قول و افعال کا بدلہ نہیں لیا جن کا تعلق سوء ادب یا معاملات سے ہے جس سے فاعل کا مقصد اذیت و گالی نہیں تھا جو اہل عرب کی سابقہ سرشت کی بنا پر تھی کہ وہ ظلم و جفا اور نادانی کے خوگر تھے۔ یا وہ کہ انسان جس کا عادی ہوتا ہے۔

جیسے کہ اس بدوی کا قصہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک اتنے زور سے کھینچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک پر نشان پڑ گیا۔ (صحیح بخاری کتاب الخمس ۴/۷۵، صحیح مسلم کتاب الزکوۃ ۲/۷۳۱)

یا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضر میں کوئی جہیر الصوت اونچی آواز سے بولے۔

(جامع ترمزی کتاب الزھد ۴/۲۳، کتاب الدعوات ۵/۲۰۵ ابن حبان ۱/۳۸۶)

یا جیسے کہ اس بدوی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ گھوڑا فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا جیسے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید لیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الاجارہ ۴/۶۹۔۶۸ کتاب الاطعمہ ۷/۷۰ صحیح مسلم کتاب الاطعمہ ۳/۱۶۲۱)

جس پر یہ خزیمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کیسے گواہی دیتے ہو (کیونکہ اس وقت موجود نہ تھے) اس پر ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا ہوں جبکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر توحید الٰہی پر ایمان لے آئے تو یہ تو ایک معاملہ ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے صادق نہ ہوں گے یا جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیویوں کے اتفاق کرنے پر اور بھی اسی قسم کی باتیں ہیں جن سے آپ نے درگزر فرمانا بہتر سمجھا۔

ہمارے بعض علماء (مالکی) فرماتے ہیں کہ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا حرام ہے اور افعال اباحۃ میں بھی یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے لوگوں کا یہ حال ہے کہ ان کو فعل مباح سے ایذا دینا وہ بات ہے کہ انسان سے ایسا فعل جائز ہے اگرچہ دوسرے اس سے ایذا محسوس کریں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عمومیت سے استدلال کیا کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ (الاحزاب ۵۷)

ترجمہ بیشک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے جو حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے استدلال کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا ایک ٹکڑا ہے جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ خبردار میں اسے حرام قرار نہیں دیتا جسے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی کبھی ایک شخص پر جمع نہ ہونگی یا وہ اس قسم کی ایذا ہو جو کافر سے پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اس کے اسلام لانے کی تمنا کریں جیسے اس یہودی کو معاف فرمایا دینا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا اور اس بدوی سے درگزر کرنا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ (فتح الباری ۷/۴۲۶، ابن حبان ۴/۲۳۸)

اس یہودی سے چشم پوشی کرنا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے قتل کر دیا اسی قبیل سے وہ اذیتیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب اور منافقین وغیرہ سے پہنچی تھیں اور ان سے آپ نے درگزر کیا بایں امید کہ اس میں ان کی اور دوسروں کی تالیف ہو۔ جیسا کہ ہم نے بتوفیق الٰہی پہلے بیان کیا۔

تیسری فصل

بلاقصد اہانت وتحقیر کا حکم

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ جو قصداً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگائے خواہ وہ کسی وجہ سے ہو ممکنات میں سے ہو یا محالات میں سے اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ ایک کھلی وجہ ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ ایک وجہ دوسری بھی نکلتی ہے جو بیان وضاحت میں اسی کے ساتھ شامل ہے وہ یہ کہ کہنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بغیر قصد وارادہ کے گالی دی یا تحقیر کی اور وہ اس کا معتقد بھی نہیں ہے۔ لیکن اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ بات کہی جو کلمہ کفر ہے یعنی (معاذ اللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لعنت کی یا گالی دی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی یا وہ بات منسوب کی جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جائز نہ تھی یا اس چیز کی نفی کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے واجب وضروری تھی۔

یہ تمام باتیں وہ ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق ومرتبہ کی تنقیص لازم آتی ہے مثلاً اس نے گناہ کبیرہ یا تبلیغ رسالت یا لوگوں کے درمیان کسی حکم میں مداہنت کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرتبت، شرافت نسی و وفور علم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زہدوورع سے غض بصرا یعنی چشم پوشی اور پہلوتہی کی یا اس چیز کی تکذیب کی جو آپ کی مشہور خبروں میں سے ہے یا متواتر جزوں کے رد کرنے کا قصد کیا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بیوقوفی کی بات کہی یا ایسا قبیح کلمہ بولا جو گالی کی قسم میں ہو اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال میں دلیل کے ساتھ ہو اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی یا گالی دینے کا قصد وارادہ نہ ہو ان میں کسی ایک بات کا قائل سے صادر ہونا خواہ وہ جہالت کی وجہ سے ہو یا جبر وسکر (نشہ) نے اس پر اسے برانگیختہ کیا ہو خواہ بے پرواہی زبان پر قابو نہ رکھنے یا کمی حافظہ یا طلاقت لسانی کی وجہ سے ہوا ہو تو اس دوسری وجہ کا حکم بھی پہلی وجہ کے حکم کے موافق ہے۔ کہ اسے بھی بلا توقف قتل کر دیا جائے۔

اس لئے کہ کفر میں کسی کیلئے جہالت عذر نہیں بن سکتی اور نہ زبان کی لغزش اور نہ کسی اور عذر کا دعویٰ جس کو ہم نے بیان کیا قابل سماعت ہے جبکہ اس کی عقل وفطرت صحیح وسالم ہو بجز اس صورت کہ جس پر جبروا کراہ ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور یہی فتوی علماء اندلس نے ابن حاتم پر دیا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد کی نفی کی تھی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

محمد ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ قیدی جو دشمن کی حراست میں ہو پھر وہی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہے قتل کر دیا جائے۔ مگر اس صورت میں قتل نہ کیا جائے جبکہ اس کا نصرانی ہونا یا مجبور ہونا معلوم ہو جائے۔ ابومحمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان امثال میں لغزش زبان کے دعویٰ کو عذر نہ قرار دیا جائے۔

اور ابوالحسن قابلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے قتل کا فتویٰ دیا جس نے نشہ کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تھی کیونکہ اس پر یہ گمان ہے کہ وہ اس کا معتقد تھا اور بحالت ہوش یہی کہے گا اور یہ بھی بات ہے کہ نشہ حد کو ساقط نہیں کرتا مثلاً حد قذف، قتل اور باقی تمام حدود شرعیہ اس لئے کہ نشہ کو اس نے خود اپنے پر طاری کیا ہے چونکہ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ جو شراب پیتا ہے اس کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ باتیں کرتا ہے جو منکر و ممنوع ہیں۔ لہٰذا وہ اسی حکم میں ہے جو قصداً کرے کیونکہ یہ نشہ اس کا خود اختیاری ہے اسی بنا پر تو ہم طلاق، عتاق، قصاص اور حدود کو لازم کرتے ہیں۔

اس (مسلمہ) قاعدے پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو معارضہ میں نہ پیش کیا جائے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کہا تھا کیا تم میرے باپ کے غلام نہیں ہو۔

(صحیح بخاری کتاب الخمس ۶۲/۴، کتاب المغازی ۷۰/۵)

راوی کا کہنا ہے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ وہ نشہ میں ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ شراب حرام نہیں ہوئی تھی اور اس کے پینے میں گناہ نہ تھا۔ اس وقت تک اس حالت میں جو بات صادر ہوتی تھی وہ معاف تھی۔ جیسا کہ نیند یا غیر مخل دوا کے پینے کے بعد ظاہر ہو۔

چوتھی فصل

ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کا حکم

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں کی قصدا تکذیب کرے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجود کی نفی کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے۔ چاہے اس کے بعد وہ کسی دوسرے دین وملت میں جائے یا نہ جائے بہرحال وہ بالا جماع کافر اور واجب القتل ہے۔

اس کے بعد غور کیا جائے گا پس اگر وہ اس پر اصرار کرتا ہے تو اس کا حکم مرتد کے حکم سے مشابہ ہوگا اور اس کی توبہ قبول کرنے میں قوی اختلاف ہے اور دوسرے قول کی بنا پر اس کی توبہ اس پر حکم قتل کو ساقط نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے۔ اگر اس نے کوئی تنقیص کی بات ذکر کی مثلا جھوٹ وغیرہ اگرچہ اس نے اسے پوشیدہ کہا ہو تو اس کا حکم زندیق جیسا ہے کہ ہمارے نزدیک توبہ اس کے حکم قتل کو ساقط نہیں کرتی۔ جیسا کہ عنقریب ہم اسے بیان کریں گے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری ظاہر کی یا آپ کی تکذیب کی تو وہ مرتد حلال الدم ہے۔ بجز اس کے کہ وہ رجوع کرے۔

ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ (تلمیذ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) اس مسلمان کے بارے میں کہتے ہیں جس نے کہا کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی یا رسول نہیں یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل نہیں ہوا اور یہ کہ قرآن تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اقوال ہیں اسے قتل کر دیا جائے۔ ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جس مسلمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر وانکار کیا تو وہ بمنزلہ مرتد کے ہے۔ اسی طرح جس نے اعلانیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی وہ بھی مرتد کے حکم میں ہے اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اسی طرح انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جو خودساختہ نبی بنے اور گمان کرے کہ اس کی طرف وحی (نبوت) آتی ہے (تو وہ مرتد اور قابل قبول توبہ ہے) اور یہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خواہ وہ (خودساختہ نبی) اس کی اعلانیہ دعوت دے یا پوشیدہ طور پر بقول اصبغ رحمۃ اللہ علیہ وہ مرتد ہے کیونکہ اس نے کتاب الٰہی سے کفر وانکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا ہے۔

اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے اس یہودی کے باری میں کہا جس نے نبوت کا (جھوٹا) دعویٰ کیا یا اس نے گمان کیا کہ وہ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے یا یہ کہ تمہارے نبی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو

اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ اسے اعلانیہ کہتا ہے تو اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا کہ **لا نبی بعدی** (میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہے) جھٹلانے والا ہے اور اپنے دعوائے نبوت ورسالت میں اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے۔

محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے ہیں اس میں جس نے ایک حرف کا بھی شک کیا وہ کافر ومنکر ہے اور کہا کہ جس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اس کا حکم امت کے نزدیک قتل ہے۔

سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے مصاحب احمد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ (معاذ اللہ) سیاہ فام تھے۔ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ آپ ﷺ سیاہ فام نہ تھے اسی طرح ابوعثمان حداد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور فرمایا کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ آپ ﷺ داڑھی آنے سے پہلے وفات پا گئے یا یہ کہ آپ ﷺ مقام تاہرت میں تھے نہ کہ مکہ مکرمہ میں تو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ یہ نفی ہے۔

حبیب ابن ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی کسی صفت یا آپ ﷺ کے کسی مقام کو تبدیل یا اس میں تغیر کرنا کفر ہے اور اس کے ظاہر کرنے والا کافر ہے اور اس میں توبہ طلب کرنا ہے اور اس کا چھپانے والا زندیق ہے بغیر توبہ قبول کئے قتل کر دیا جائے۔

پانچویں فصل

مشتبہ اور محتمل اقوال کا حکم

چوتھی وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل اپنے کلام میں ایسی مجمل بات کہے یا گفتگو میں ایسا مشتبہ لفظ بولے جو نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر محمول ہو سکتا ہو اور لفظ کی مراد میں اشتباہ واقع ہو کہ آیا وہ برائی سے خالی ہے یا نہیں تو یہی مقام محل نظر و فکر اور تعبیرات متحیر ہیں جس میں مجتہدین کا اختلاف اور مقلدین کے بچانے میں وقوف ہے تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

چنانچہ ان میں سے بعض علماء پر تو نبی کریم ﷺ کی عظمت و حرمت غالب ہے اور انہوں نے آپکی عظمت و حرمت کے میلان کی حمایت کی ہے اور ایسے کے قتل کرنے کی جرات کی ہے اور بعض علماء وہ ہیں جنہوں نے مشتبہ اور محتمل اقوال میں حرمت دم (قتل سے بچنے) کو بڑا جانا اور حد کو دور کیا ہے۔

ہمارے ائمہ (مالکی) نے اس شخص کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس نے اپنے قرض خواہ سے کہا کہ حضور ﷺ پر درود پڑھ اس پر قرض خواہ مذکور نے کہا کہ خدا اس پر درود نہ بھیجے جس نے آپ پر درود بھیجا اس پر سحنون رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ کیا وہ ایسا ہی ہے جس نے حضور پر یا ان فرشتوں پر جو آپ پر درود بھیجتے ہیں گالی دی ہے۔ کہا نہیں! جبکہ اس نے غصہ کی حالت میں کہا ہو کیونکہ وہ دل سے گالی نہیں دے رہا ہے اور ابو اسحاق برقی اور اصبغ بن الفرج رحمہم اللہ نے کہا اسے قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ اس نے تو لوگوں کو گالی دی ہے۔ یہ قول سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے اس لئے کہ انہوں نے غصہ کی حالت میں بھی حضور ﷺ پر (صریح) گالی کو عذر قرار نہیں دیا لیکن اس صورت میں جبکہ ان کے نزدیک کلام مشتبہ اور محتمل ہو اور اس کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا نہ ہو جو حضور ﷺ پر یا فرشتوں پر گالی دینا دلالت کرتا ہو اور نہ پہلے سے کوئی ایسی بات ہو جس پر یہ کلام مشتبہ محمول ہوتا ہو بلکہ قرینہ دلالت کرتا ہو کہ اس سے مراد لوگ ہیں نہ کہ وہ حضرات! کیونکہ اس سے دوسرے شخص نے کہا کہ صَلِّ عَلَی النَّبِی (حضور پر درود بھیج) تو اس کا جواب اور اس کی گالی اس شخص پر محمول ہو گی جو اس کے کہنے پر اس وقت درود بھیجے کیونکہ اس دوسرے نے ہی اس کو غصے میں اس کا حکم دیا۔ سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی مطلب ہے اور اسی کے موافق ان دونوں عالموں کا کہنا ہے۔

اور قاضی حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا اس مثال میں مذہب یہ ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں توقف کیا جس نے کہا کہ ''ہر کمانے والا دیوث

ہے اگرچہ وہ نبی و رسول ہی کیوں نہ ہو'' ۔اس پر انہوں نے خوب سختی سے باندھنے اور اس پر شدت و سختی کرنے کا حکم فرمایا یہاں تک کہ وہ اپنا مفہوم الفاظ بتا دے کہ ان لفظوں سے اس کی کیا مراد ہے کیا وہ موجودہ زمانہ کے کرنے والے مراد لے رہا ہے تو یہ بات معلوم ہے کہ موجودہ زمانہ میں کوئی نبی و رسول نہیں تو اس صورت میں اس کا حکم آسان ہے اور کہا اگر اس کے لفظوں کی مراد عام ہے یعنی گزشتہ و آئندہ کے ہر کمانے والا اس کی مراد ہے تو چونکہ گزشتہ زمانہ میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام بھی کمانے والے تھے (تو اس کا وہی حکم ہے) کہتے ہیں اور جب تک کسی مسلمان پر صاف طور پر بات واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے قتل میں جلدی نہ کرنی چاہئے اور جہاں کہیں تاویلات وارد ہوتے ہوں تو ضروری ہے کہ اس میں غور و فکر کیا جائے۔ یہی مطلب ان کے کلام کا ہے۔

ابو محمد بن ابو زید رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس نے کہا کہ اہل عرب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یا بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یا بنی آدم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ تو انہوں نے بیان کیا کہ اس سے انبیاء علیہم السلام مراد نہ ہوں گے بلکہ ان میں سے ظالم لوگ ہی مراد ہوں گے۔ ایسے شخص پر سلطان کی رائے کے مطابق تادیب کرنی چاہئے۔

اسی طرح اس شخص کے بارے میں انہوں نے فتویٰ دیا جس نے کہا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت جس نے شراب حرام کی اور کہے کہ میں نہیں جانتا کس نے حرام کی (اور ایسا ہی فتویٰ اسی شخص کے بارے میں دیا) جس نے حدیث ''لَا یَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ'' پر لعنت کی یا اس پر لعنت کی جو اسے لایا ہے تو اگر وہ جاہل ہے اور سنن (احادیث) کی معرفت نہیں رکھتا ہے تو اسے معذور جان کر دردناک تادیب کا مستحق قرار دیا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ بظاہر اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا نہیں چاہا بلکہ اس نے اس شخص پر لعنت کی ہے جس نے لوگوں میں اس کی حرمت بیان کی ہے جیسا کہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ پہلے گزر چکا۔

یہ معاملہ بھی ویسا ہی ہے جو عام طور پر بے وقوف لوگوں میں رائج ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کی بدخوئی کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی باتوں سے ان کے آباؤ اجداد میں بہت سے نبی بھی شامل ہو جاتے ہیں بلکہ بعض گنتیاں اور شمولیتیں تو سیدنا آدم علیہ السلام تک جا کر ختم ہوتی ہیں اس بنا پر وہ زجر و توبیخ کا سزاوار بنتا ہے اور اس کی جہالت کی باتوں کو ظاہر کیا جائے اور اس میں خوب سختی سے سزا دی جائے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کی گالی کا قصد کیا ہے جو اس کے آباؤ اجداد میں داخل ہیں تو وہ قتل کر دیا جائے۔

بعض اوقات اس قسم کے مسائل میں کلام کرنا اور حکم دینا بھی دشوار ہوتا ہے۔ (مثلاً) اگر کسی

شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بنی ہاشم پر لعنت کرے اور کہے کہ میں نے تو ان کے ظالم لوگ مراد لئے ہیں یا حضور ﷺ کی اولاد میں سے کسی شخص کے بارے میں کہے کہ اس کے آباؤ اجداد یا اس کی نسل یا اس کی اولاد میں ہی بری باتیں چلی آ رہی ہیں اور اسے معلوم بھی ہو کہ وہ حضور ﷺ کی اولاد میں سے ہے اور ان دونوں مسئلوں میں کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے اس کے آباؤ اجداد کے بعض افراد کی تخصیص کا مقتضی ہو جس کی بنا پر اس کی گالی سے جس کو وہ دے رہا ہے حضور ﷺ مستثنیٰ کیے جا سکیں۔

اور ابو موسیٰ بن مناس رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے دیکھا۔ انہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کسی سے کہا تھا کہ تجھ پر حضرت آدم علیہ السلام تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اگر اس سے یہ بات ثابت ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

قاضی (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ہمارے مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے اپنے مخالف گواہ سے کہا کہ تو نے مجھ پر اتہام رکھا ہے۔ اس پر دوسرے نے کہا: نبیوں پر بھی تہمت لگائی گئی ہے۔ تیری کیا حیثیت ہے۔ تو اس صورت میں ہمارے مشائخ میں سے شیخ ابو اسحاق بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے قتل کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ اس کا ظاہر لفظ شنیع ہے اور قاضی ابو محمد بن منصور رحمۃ اللہ علیہ قتل سے توقف رکھتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک اس لفظ میں یہ احتمال ہے کہ اس نے یہ خبر دی ہو کہ کفار نے ان پر تہمت رکھی اور اس مسئلہ میں قاضی قرطبہ ابو عبداللہ بن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کا فتویٰ دیا اور قاضی ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سخت وطویل قید کا حکم دیا پھر اس کے بعد اس سے قسم لی کہ جو کچھ اس کے برخلاف کہا گیا ہے وہ جھوٹ ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی گواہی میں ضعف واقع ہوا ہے جو اس کے برخلاف گواہی دیتے ہیں۔ اس کے بعد اسے چھوڑا۔

(قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں اپنے شیخ قاضی ابو عبداللہ بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے قضا کے دوران موجود تھا کہ ایک شخص لایا گیا کہ اس نے کسی "محمد" نامی شخص سے بے ہودہ بات کہی پھر ایک کتے کی طرف متوجہ ہو کر اپنے پاؤں سے مارا اور کہا:

اے محمد کھڑا ہو۔ پھر اس نے اس کا انکار کیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا۔ اس پر ایک جماعت نے اس کے خلاف گواہی دی تو انہوں نے اسے قید کرنے کا حکم دیا اور تفتیش حال کا حکم دیا کہ کیا وہ کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہا ہے جس کی دینی حالت میں شک وشبہ ہو جب اسے ایسا نہ پایا جس سے اس کی دینی اور اعتقادی حالت میں شبہ ہو سکے تو کوڑے مار کر چھوڑ دیا۔

چھٹی فصل

امثال سے گالی دینے کا حکم

پانچویں وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل نے نہ تو تنقیص کا قصد کیا اور نہ عیب لگانے یا گالی دینے کا ارادہ کیا لیکن اس سے حضور ﷺ کی کسی صفت کا پتہ لگتا ہو یا آپ ﷺ کی کسی ایسی حالت کا جن کی نسبت دنیا میں آپ ﷺ پر جائز تھی بطریق ضرب المثل اور اپنے لئے یا کسی دوسرے کیلئے دلیل بنا کر بطور استشہاء بیان کرے یا اس سے تشبیہ دینے کیلئے ذکر کرے یا اس ظلم و نقصان کو بیان کرے جو آپ ﷺ کو پہنچے ہیں جس میں اطاعت نہیں ہے اور نہ بطریق تحقیق ہے بلکہ اس کا یہ مقصد ہو کہ اسی طرح اپنی یا دوسرے کی بلندی ظاہر ہو یا تمثیل میں اپنی فوقیت مقصود ہو اور نبی کریم ﷺ کی عظمت و توقیر مقصود نہ ہو یا آپ ﷺ کے کسی قول سے تمسخر و ہنسی مقصود ہو۔

مثلاً کوئی قائل یہ کہے کہ مجھ میں برائی کہی جاتی ہے تو یہ بات تو نبی کیلئے بھی کہی گئی ہے یا یہ کہے اگر میں جھٹلایا گیا ہوں تو انبیاء علیہم السلام بھی جھٹلائے گئے ہیں یا یہ کہ اگر میں نے گناہ کیا ہے تو ان کی طرف بھی تو گناہ کی نسبت کی گئی ہے یا یہ کہ میں لوگوں کی زبانوں سے کیا بچوں گا حالانکہ انبیاء و رسل علیہم السلام بھی نہ محفوظ رہے یا یہ کہ میں نے صبر کیا جس طرح اولو العزم نے صبر کیا یا یہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے بھی اپنے دشمنوں پر صبر کیا اور میرے صبر سے زیادہ برداشت کیا۔ جیسا کہ متنبی کا قول ہے۔

اَنَا فِیْ اُمَّۃٍ تَدَارَ کَھَا اللّٰہُ غَرِیْبٌ کَصَالِحٍ فِیْ ثَمُوْدٍ

میں اس امت میں مسافر ہوں جس کا تدارک اللہ تعالیٰ نے کیا ہے جیسے قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام تھے۔

اسی طرح کے وہ اشعار جو حد سے متجاوز ہو کر کلام میں بے پرواہی اور سستی کرتے ہیں۔ جیسے معری کا شعر ہے۔

کُنْتَ مُوْسٰی وَافَتْہُ بِنْتُ شُعَیْبٍ غَیْرَ اَنْ لَّیْسَ فِیْکُمَا مِنْ فَقِیْرٍ

تم اس موسیٰ کی طرح ہو جن کے پاس حضرت شعیب کی صاحبزادی آئی تھی مگر یہ کہ تم دونوں میں کوئی فقیر نہیں ہے۔ (معاذ اللہ) اس شعر کا دوسرا مصرعہ سخت ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی عیب و تحقیر میں داخل ہے اور اس میں غیر نبی کو حال کے نبی پر فوقیت ہے۔ اسی طرح شاعر کا یہ شعر ہے کہ

لَوْ لَا اِنْقِطَاعُ الْوَحْیِ بَعْدَ مُحَمَّدٍ   قُلْنَا مُحَمَّدٌ عَنْ اَبِیْهِ بَدِیْلُ

اگر حضور کے بعد وحی منقطع نہ ہوئی تو ہم کہتے کہ محمد اپنے والد کے بدل ہیں۔

هُوَ مِثْلُهٗ فِی الْفَضْلِ اِلاَّ اَنَّهٗ   لَمْ یَاْتِهٖ بِرِسَالَةِ جِبْرِیْلُ

وہ فضیلت میں ان کی مثل ہیں بجز اس کے کہ رسالت کے ساتھ جبریل علیہ السلام ان کے پاس نہیں آئے۔

اس فصل کے دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ سخت ہے کیونکہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غیر نبی کو فضیلت دی ہے اور اس کے دوم مصرعہ میں دو وجہوں کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ اس فضیلت نے ممدوح کو ناقص کر دیا اور دوسری یہ کہ اس سے اس کو مستغنی کر دیا اور یہ تو بہت ہی سخت ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر ہے۔

وَاِذَا مَارُفِعَتْ رَاْیَاتُهٗ   صَفَّقَتْ بَیْنَ جَنَاحَیْ جِبْرِیْلُ

اور جب اس کے جھنڈے اونچے ہوتے ہیں تو وہ جبریل علیہ السلام کے دونوں پروں میں حرکت کرتے ہیں اور ایک ہم عصر کا یہ شعر ہے کہ

فَرَّ مِنَ الْخُلْدِ وَاسْتَجَا رَبَّنَا   فَصَبَّرَ اللّٰهُ قَلْبَ رِضْوَانِ

وہ جنت سے بھاگ کر ہماری پناہ میں آیا تو اللہ تعالیٰ جنت کے دل کو صبر دے۔

اسی طرح شعراء اندلس میں سے حسن مصیصی کا یہ شعر محمد بن عباد المعروف بہ معتمد اور اس کے وزیر ابوبکر بن زیدوں کیلئے ہے۔

کَاَنَّ اَبَابَکْرٍ اَبُوْبَکْرِ الرِّضَا   وَحَسَّانُ حَسَّانٌ وَاَنْتَ مُحَمَّدٌ

ابوبکر تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح ہیں اور حسان مثل حسان کے ہیں اور تم محمد کی طرح۔

(معاذ اللہ)

اسی طرح کے اور بھی اشعار ہیں باوجودیکہ اسی قسم کے شواہد کا ذکر کرنا ہماری طبیعت پر سخت گراں تھے لیکن ہم نے صرف اس لئے ان کا ذکر کرنا مناسب جانا کہ لوگ ایسے ہزلیات سے بچیں کیونکہ اکثر لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں اور اس خطرناک باب میں داخل ہونے کو آسان جانتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے بالخصوص شعراء (کہ وہ تو بہت یا وہ گو ہوتے ہیں) اور ان میں سب سے زیادہ صاف کہنے والا چرب زبان ابن ہانی اندلسی اور ابن سلیمان معری ہے بلکہ ان دونوں کا اکثر کلام تو حد استخفاف، نقص اور صریح کفر سے متجاوز ہے بلکہ

ہم نے اس کا جواب بھی دیا ہے مگر اس وقت چونکہ ہمارا مقصد اس فعل میں صرف ان مثالوں کو لانا تھا جن سے انبیاء علیہم السلام کے حق میں گالی بنتی تھی نہ یہ کہ ہم ان کا احصار کرتے جن سے کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی منقصت کی نسبت ہوتی ہے۔ (معاذ اللہ) باستثنا معری کے آخری شعر کے اور اس کے قائل نے تحقیر اور تصغیر نبی کا ارادہ کیا ہے کہ اس نے نہ تو نبوت کی توقیر کی اور نہ عظمت رسالت کو ملحوظ رکھا اور نہ حرمت برگزیدگی کی قدر کی اور نہ منزلت کہ امت کا اکرام کیا۔ یہاں تک کہ اس نے جس کو چاہا اس کرامت میں شامل کر دیا یا اس مصیبت اور منقصت میں جس کے انتفا کا اس نے کسی کیلئے ارادہ کیا مجلس کا دل خوش کرنے کیلئے یا کسی مثل کے بیان کرنے کیلئے یا تحسین کلام کیلئے کسی وصف میں غلو کیا اور اپنے کلام میں کسی معظم و مقدس ہستی سے تشبیہ دے دی۔ جس کی قدر و منزلت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری امت پر اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے اور اس کے حضور میں بلند آواز سے بولنے اور پکارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

گو ایسے (یاوہ گو، شاعر وغیرہ) لوگوں سے قتل تو مندفع (دفع کیا گیا ہے) ہے مگر ان کی تادیب اور قید کرنا ضروری ہے اور شناعت لفظ اور کلام میں قباحت وغیرہ کے اقتضاء کے مواقع اور جیسی اس کی عادت اور قرینہ یا ندامت ہو اس کے مطابق اس کی سزا واجب ہے اور متقدمین ہمیشہ اس قسم کی مثالوں کی برائی بیان کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہارون رشید نے ابو نواس کے اس شعر پر اعتراض کیا۔

فَاِنْ يَّكُ بَاقِيْ سَحْرِ فِرْعَوْنَ فِيْكُمْ فَاِنَّ عَصَا مُوْسٰى بِكَفِّ خَصِيْبِ

چنانچہ ہارون رشید نے ابن اللخناء سے کہا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ساتھ استہزاء کرتا ہے اور اسی رات اپنے لشکر سے نکال دینے کا حکم دیا اور قتیبی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں اس پر اس کے سوا اور بھی مواخذے ہوئے ہیں اور اس میں اس کی تکفیر کی گئی یا جو محمد امین کے بارے میں کہا تھا اسے قریب بکفر کہا چونکہ اس نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبیہ دی تھی۔ چنانچہ اس نے کہا۔

تَنَازَعَ الْاَحْمَدَ اِنِ الشَّبَهَ فَاشْتَبَهَا خَلْقًا وَّخُلْقًا كَمَا قُدَّ الشِّرَاكَان

دونوں احمدوں نے صورت و اخلاق کی مشابہت میں جھگڑا کیا اور باہم مشابہ بن گئے جس طرح دو تسمے (ایک ہی چمڑے سے) کاٹے جاتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اور علماء نے اس پر بھی برا کہا ہے کہ

كَيْفَ لَا يُدْنِيْكَ مِنْ اَمَلٍ مَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مِنْ نَفَرِهٖ

وہ شخص جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرابتی ہے تیری خواہش کو کیسے قریب نہ کرے گا۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق اور آپ کی عظمت و علو مرتبت کا وجوب یہ ہے کہ کسی

شے کو آپ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے، یہ نہیں کہ آپ کو کسی شے سے منسوب کیا جائے۔ لہٰذا اس اس قسم کے سائل کا حکم وہی ہے جسے ہم حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کے فتوؤں سے پہلے مفصل بیان کر چکے ہیں۔

''کتاب نوادر'' میں ابن مرہم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس شخص کے بارے میں ہے جس نے کسی شخص کو فقیری کی عار دلائی اس پر اس نے کہا کہ تو مجھے فقیری کی عار دیتا ہے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بلاشبہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بے موقع کیا میرے خیال میں اسے سزا دینی چاہئے اور فرمایا: کسی گنہگار کو زیبا نہیں ہے جب اسے کوئی تنبیہ کرے تو کہے ہم سے پہلے نبیوں سے بھی خطائیں ہوئی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شخص سے کہا: میرے لئے کسی ایسے کاتب کو تلاش کرو جس کا باپ عربی ہو۔ اس پر کاتب نے کہا کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد تو کافر تھے۔ اس پر کہا: تو نے یہ بہت بری مثال دی۔ چنانچہ اسے معذول کر دیا اور کہا: کبھی میری کتابت نہ کرنا۔

اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کو مکروہ کہا مگر بطریق ثواب اور طلب اجر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم کیلئے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا۔

قابسی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی بدصورت سے کہا کہ تو نکیر کی طرح ہے (منکر نکیر دو فرشتے ہیں) یا کسی بدخلق سے کہا تو تو مالک غضبان (داروغہ جہنم) کی طرح ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ اس سے اس کی کیا مراد ہے۔ نکیر تو وہ ہے جو قبر میں آتے ہیں کیا اس سے مراد اس کا ڈرانا ہے کہ جب وہ آیا تو اس کا چہرہ دیکھ کر ڈر گیا یا اس کی بدصورتی دیکھ کر مکروہ جانا پس اگر یہ بات ہے تو بہت سخت ہے کیونکہ قائم مقام تحقیر و توہین کے ہے اس کی سزا سخت ہے۔

اور اس میں صراحت کے ساتھ فرشتہ کو گالی دینا نہیں ہے۔ گالی تو صرف مخاطب پر پڑتی ہے اور بیوقوفوں کی حماقت کی سزا کوڑے اور قید ہے لیکن داروغہ جہنم مالک علیہ السلام کا ذکر کیا تو اس نے ظلم کیا کہ بوقت انکار دوسرے کی بدخلقی پر ان کا ذکر کیا مگر اس بدخلق سے کہو وہ اس کی بدخلقی سے ڈرے اگر کہنے والے نے بطریق زم اس کے فعل ولزوم ظلم کو اس مالک فرشتے سے جو اپنے رب کا فرمانبردار ہے اس کے فعل سے تشبیہ دی اور کہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے مالک کا سا غضب کرتا ہے تو پھر یہ بات ہلکی ہو جائے گی اور اس کو ایسے شخص پر گرفت نہ کی جائے گی اور اگر بدخلق پر اس کی بدخلقی کی مالک علیہ السلام کی

صفت کے ساتھ تشبیہ دے اور اس کی صفت کو بطریق دلیل لائے تو یہ بات سخت ہو گی تو اسے سخت سزا دی جائے گی حالانکہ اس میں فرشتہ کی مذمت نہیں ہے اور اگر مذمت کی نیت سے کہا تو یقیناً قتل کیا جائے گا۔

ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس جوان کی بات کو برا جانا جو بھلائی کے ساتھ مشہور تھا جس نے ایک شخص سے کہا تھا کہ تو چپ رہ کیونکہ تو ان پڑھ ہے۔ اس پر جوان نے کہا تھا کیا نبی کریم ﷺ امی نہ تھے اور لوگوں نے اسے کافر کہا اور وہ جوان اپنے قول پر غمزدہ ہو گیا اور ان کے سامنے ندامت کا اظہار کیا اور تب ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس پر کفر کا اطلاق تو خطا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کا امی ہونا تو آپ ﷺ کا معجزہ ہے اور اس شخص کا ان پڑھ (امی) ہونا اس کی جہالت اور نقصان ہے اور اسی جہالت کا نتیجہ ہے کہ حضور ﷺ کی صفت (امی ہونے سے) اس نے استدلال کیا۔

لیکن جبکہ وہ معترف ہو کر استغفار و توبہ کرے اور خدا کی پناہ تلاش کرے تو اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ اس لئے کہ اس کا قول حد قتل تک نہیں پہنچتا اور اسے سزا بھی نہ دینی چاہئے اس لئے کہ اپنے فعل پر اس کا شرمندہ ہونا سزا سے باز رکھتا ہے اور یہ مسئلہ اس مسئلہ کے قائم مقام ہے جس میں اندلس کے ایک قاضی نے شیخ قاضی ابومحمد بن منصور رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا تھا جس نے کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کی تھی تو اس نے اس سے کہا کہ تو برا عیب بیان کرتا ہے حالانکہ میں ایک بشر ہوں اور تمام بشر کو عیب لاحق ہے یہاں تک کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کو بھی۔

تو انہوں نے اس پر طویل قید اور سزا دینے کا فتویٰ دیا کیونکہ اس نے گالی دینے کا قصد نہیں کیا حالانکہ اندلس کے بعض فقہاء نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا تھا۔

ساتویں فصل

بطور حکایت نقل کفر کا حکم

چھٹی وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل اسے کسی دوسرے سے حکایت کرے اور اس سے دوسرے نقل کریں تو اس میں صورت حکایت اور قرینہ کلام پر غور کیا جائے گا۔ ان اختلاف کی وجہ سے ان کا حکم بھی چار قسموں پر مختلف ہوگا۔ اول وجوب، دوم مستحب، سوم مکروہ، چہارہ حرام۔

اگر کسی نے قائل کے کلام کو بطور شہادت اور قائل کے جتانے اور اس کے قول کے انکار و اطلاع کیلئے کہ اس پر نفرت و جرح کی اور اس کو نقل کیا تو اس مقصد کیلئے قائل سزاوار تحسین و تعریف ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کتاب یا مجلس میں اس کے قائل پر رد یا اعتراض کرنے اور اس پر اس امر کا فتویٰ دینے کی غرض سے بیان کیا جس کا وہ مستحق ہے تو یہ بھی لائق تحسین ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک واجب اور دوسرا حسب حالات۔ حاکی (حکایت کرنے والا) اور محکی عنہ (جو روایت کی گئی) مستحب ہے۔

پس اگر قائل ان لوگوں میں سے ہو جو اس امر کے متعمدی ہیں کہ اس سے لوگ تحصیل علم کرتے ہیں یا روایت حدیث لیتے ہیں اور اس کے حکم یا شہادت پر حکم دیا جاتا ہے یا وہ حقوق العباد میں فتوے دیتا ہے تو اب سامع پر واجب ہے کہ اس سے جو سنے اس کی اشاعت کرے اور لوگوں کو اس قول شنیع سے نفرت دلائے اور اس پر اس کے مقولہ کی گواہی دے۔

اسی طرح ان ائمہ مسلمین پر بھی واجب ہے جس کسی کو بھی اس مقولہ کی اطلاع پہنچے تو مقولے کی قباحت اور اس کے کفر و فساد کو ظاہر کرے تاکہ مسلمانوں سے اس کا ضرر و نقصان دور ہو اور سید المرسلین ﷺ کا حق قائم ہو۔

اسی طرح ان لوگوں پر بھی لازم ہے جو عام لوگوں میں وعظ کرتے ہیں اور بچوں کی اتالیقی (استادی) کرتے ہیں۔ کیونکہ جس کی یہ عادت بن گئی ہے (کہ وہ رسول اللہ ﷺ یا کسی امر و نہی کی تحقیر و تنقیص کرے) تو اس سے لوگ کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اپنی یہ خباثت نہ بٹھائے۔ اس لئے ان سب لوگوں پر واجب و لازم ہے کہ حق نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی شریعت کے حق کی حفاظت کریں اور اگر قائل اس قبیل کا نہیں ہے تو بھی نبی کریم ﷺ کے حق اور آپ کی حمایت کیلئے کھڑا ہونا واجب ہے۔

اس لئے کہ ہر مسلمان پر نبی کریم ﷺ کی حیات ظاہری اور حیات باطنی میں حمایت ونصرت آپ ﷺ کی اذیت میں واجب وضروری ہے لیکن جب اس کیلئے کوئی شخص کھڑا ہو جائے اور اس کی وجہ سے حق ظاہر اور قضیہ منکشف اور حقیقت واضح ہو جائے تو اس وقت دوسروں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اب اس معاملہ میں تکثیر شہادت اور اس سے لوگوں کے ڈرانے اور خبردار کرنے میں استحباب رہ جاتا ہے۔

اور تمام سلف کا اس پر اجماع ہے کہ جو متہم فی الحدیث ہو اس کا حال ظاہر کرنا لازم ہے تو پھر ایسے شخص کے عیوب کو (جس نے کفر یا تحقیر و تنقیص وغیرہ کی ہو) کیوں نہ بیان کیا جائے۔

ابومحمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ایسے گواہ کے بارے میں دریافت کیا جس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں یاوہ گوئی سنی تھی کیا اسے جائز ہے کہ وہ اس کی شہادت نہ دے۔ فرمایا: اگر یہ امید ہو کہ اس کی شہادت سے حکم نافذ ہو جائے گا تو وہ ضرور شہادت دے۔

اسی طرح اگر اسے یہ علم ہو کہ اس کی شہادت پر قاضی اور حاکم قتل کا حکم نہیں دے گا یا اس کی توبہ قبول کرلے گا یا تعزیر لگائے گا تو بھی اسے شہادت دینی ضروری ہے اور اس پر ادائے شہادت لازم ہے۔

اب رہی اباحت! تو وہ یہ ہے کہ وہ اس مقولہ کو ان دونوں مقصدوں کے علاوہ کسی اور غرض سے حکایت کرے تو میرے خیال میں یہ اس بات سے متعلق نہیں ہے جب تک کہ کوئی غرض شرعی نہ ہو۔

اور یہ کسی شخص کو جائز نہیں ہے کہ رسول ﷺ کی عزت و آبرو میں کلام کرے یا خود اپنے سے یا کسی دوسرے سے آپ ﷺ کا ذکر برائی کے ساتھ کرے لیکن وہ اغراض جو پہلے بیان کئے جا چکے ہیں تو انہیں وجوب و استحباب دونوں جاری ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان مفتریوں کے مقولے کی نقل و حکایت فرمائی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر افترا باندھا تھا اور ان پر وعیدیں اور ان کی تردیدیں نازل کی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہم پر اس کی تلاوت فرمائی ہے۔

اسی طرح ان وجوہ سابقہ پر ان کی مثالیں نبی کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہیں اور کفار ملحدین کے مقولوں کو اپنی کتاب اور مجلسوں میں نقل و حکایت کرنے پر تمام علماء وائمہ سلف وخلف کا اجماع ہے تاکہ انہیں بیان کر کے ان کے شبہات کو توڑیں۔

اگرچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حارث بن اسد پر بعض امور میں انکار فرمانا وارد ہے کیونکہ خود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس اقوال کا رد کیا ہے جن کو فرقہ جہمیہ جو خلق قرآن کا قائل

ہے نے کہا ہے اور ان کفار و فجار کے اقوال کی حکایت کر کے رد کیا جو انہوں نے پھیلا رکھا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ کوئی شخص ان وجوہ کو کسی اور نہج پر حکایت کرے۔ مثلاً آپ ﷺ پر گالی یا آپ ﷺ کی منقصت کو ایسے طریقہ پر حکایت کرے جس طرح قصہ، کہانی، عوام کی بات چیت، ان کی رعب ویابس باتیں، ان کی ہنسی مذاق، دل لگی اور ناسمجھوں کی سفیہانہ حرکتوں کو بیان کیا جاتا ہے وغیرہ تو یہ سب باتیں ممنوع ہیں اور بعض تو ممانعت وعقوبت میں بہت سخت ہیں۔

چنانچہ ایسے مقولہ کی حکایت کرنے والے کچھ تو ایسے ہیں جو بلا قصد اور بغیر جانے پہچانے کہ اس حکایت میں کتنی برائی ہے نقل کر دیتے ہیں یا یہ کہ اس کی عادت ایسی نہیں ہے یا یہ کہ وہ کلام ہی اتنا شنیع نہیں ہے اور حکایت کرنے والے کی حالت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اسے اچھا جانتا اور پسند کرتا ہے تو ایسے شخص کو ان باتوں پر زجر و توبیخ کرنی چاہئے اور دوبارہ بیان کرنے سے باز رکھنا چاہئے۔ اگر وہ اس زجر و توبیخ سے سیدھا ہو جائے تو یہی کافی ہے اور اگر اس کے الفاظ برائی میں حد درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں تو اس کی سزا بھی سخت ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ایک شخص قرآن کو مخلوق کہتا ہے تو امام صاحب نے فرمایا: یہ کافر ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ اس پر اس نے کہا:

میں نے تو دوسرے کی حکایت نقل کی ہے۔ تو امام صاحب نے فرمایا: میں نے تجھ سے سنا ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان اس کی زجر و تغلیظ کیلئے تھا کیونکہ انہوں نے اسے قتل نہیں کرایا۔

اور اگر یہ حکایت کرنے والا اس کا متہم سمجھا جاوے کہ اس نے یہ مقولہ خود گھڑا ہے اور دوسرے کی طرف منسوب کر رہا ہے یا یہ کہ اس کی ایسی عادت ہے یا یہ وہ اسے اچھا جانتا ہے اور اس پر اس کی خوبی ظاہر ہو گئی ہے یا وہ ان کا شیدائی ہے اور حضور ﷺ کا استخفاف اور ایسی باتوں کو یاد کرنے اور اس کی جستجو و تلاش میں رہنے یا آپ ﷺ کی ہجو کے اشعار کی جستجو میں منہمک اور شیفتہ ہے تو اس کا حکم قصداً گالی دینے والے کی طرح ہے۔ اس کے قول کی پکڑ کی جائے گی اور محض دوسرے کی طرف اس کا منسوب کرنا اسے فائدہ نہ پہنچائے گا اور اسے فوراً قتل کر کے جلد از جلد جہنم رسید کیا جائے۔

ابو عبیدہ قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص ایسے شعروں کو یاد کرے جس میں نبی کریم ﷺ کی ہجو ہو تو وہ کافر ہے۔

اور بعض مولفین نے ''اجتماع'' کے تذکرہ میں بیان کیا ہے کہ تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ وہ روایت جس میں نبی کریم ﷺ کی ہجو یا منقصت ہو اس کی کتاب، اس کا پڑھنا اور جہاں

کہیں پائے جائیں بغیر مٹائے چھوڑنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے سلف صالحین پر رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے اپنے دین کی کیسی محافظت کی ہے کہ انہوں نے مغازی اور سیر کی ان روایتوں کو بھی پایۂ اعتبار سے گرادیا جو اس قبیل میں آتی تھیں اور ان کی روایت کے سلسلہ ہی کو چھوڑ دیا مگر بہت ہی کم ایسی ہیں جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور وجہ اول پر ان کا ذکر کرنا بھی اتنا برا نہیں ہے تاکہ لوگ دیکھیں اللہ تعالیٰ ایسوں پر کیسا عذاب فرماتا ہے اور ان کی پکڑ کا معائنہ کریں کہ کس طرح وہ اپنے گناہوں میں ماخوذ ہوئے۔

اور یہ ابوعبیدہ قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ تو اتنے محتاط ہیں کہ جہاں کہیں عرب کے ان شعروں کو جس میں ہجو ہے بطور حجت لائے بھی ہیں تو انہوں نے اپنے دین کی حفاظت اور کسی کی مذمت میں مشارکت کی صیانت کی خاطر کہ خود اس کی روایت اور نشر میں شریک نہ ہو جائیں جس کی ہجو کی گئی ہے اس کا نام تک کتابت (لکھنے) میں ظاہر نہیں کیا اور اسی وزن پر ایک فرضی نام لے کر منسوب کر دیا تو پھر یہ باتیں سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کس طرح گوارہ کی جاسکتی ہیں۔

آٹھویں فصل

امورِ مختلفہ کے ذکر کرنے کا حکم

ساتویں وجہ (قسم) یہ ہے کہ ان باتوں کا ذکر کرے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جائز ہیں یا جن کے جواز میں اختلاف ہے یا ان کا تعلق امور بشریہ سے ہے یا جن کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا ممکن ہے یا ان امور کا ذکر کرے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کی گئی یا اللہ تعالیٰ کی ذات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سختیوں پر صبر فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی طرف سے پہنچی اور جو ان سے اذیتیں پائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی حالات وعادات اور جو بھی زمانہ کی تکلیفیں پہنچیں اور جو زندگی کے شدائد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرے ان کو بیان کرے یہ تمام باتیں برطریق روایت اور بطور مذاکرۂ علمیہ یا ان باتوں کی معرفت جن سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت کی صحت ثابت ہو بیان کرے تو اس صورت میں یہ قسم سابقہ چھ اقسام سے خارج ہوگئی اس لئے کہ اس میں نہ عیب ہے نہ منقصت، نہ اہانت ہے، نہ استخفاف، نہ ظاہر الفاظ میں تحقیر ہے اور نہ بولنے والے کا مقصد اہانت ہے۔

لیکن یہ لازمی ہے کہ ایسی گفتگو اہل علم اور سمجھدار طالب علم سے ہو جو اس کے مقصد کو سمجھ سکے اور اس کے فائدوں کی تحقیق کر سکے اور نادان لوگوں کو اس سے بچایا جائے جن سے فتنہ کا خوف ہو۔ چنانچہ بعض علماء سلف نے عورتوں کیلئے سورۃ یوسف کی تعلیم کو مکروہ بتایا ہے۔ اس لئے کہ اس میں بہت سے ایسے قصے ہیں جو ان کی کمزور عقل و سمجھ اور ناقص ادراک سے باہر ہیں۔

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ابتدائے حال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں اور فرمایا ہر نبی نے ضرور بکریاں چرائی ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہمیں اس کی خبر دی ہے اور اس طرح پر جس کیلئے بھی بیان کرے کوئی منقصت نہیں ہے بخلاف اس شخص کے جس کا ارادہ ہی منقصت و تحقیر ہو بلکہ اس قسم کے تذکرے کرنا تمام اہل عرب کی عادت تھی۔

ہاں! اس محنت میں بھی انبیاء علیہم السلام کیلئے ایک درس حکمت ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو بتدریج منزلت کی طرف لے جاتا ہے اور اس طریقہ سے ان کو اپنی امت پر سیاست (حکومت) کرنے کی عادت ڈلواتا ہے۔ حالانکہ ازل سے ہی ان کی کرامت و بزرگی علم الٰہی میں مقدر ہو چکی تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم اور عیال دار ہونے کو بطریق احسان ذکر فرمایا اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کی تعریف کی ہے۔ اب اگر کوئی ذاکر ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی حالات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں بیان کرے اور اس پر اظہار تعجب بیان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے انعام و اکرام فرمائے اور کس طرح احسان کئے ہیں تو اس میں کوئی منقصت نہیں ہے بلکہ اس میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی صحت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صنادید عرب اور ان کے جو بڑے بڑے بزرگ اور سردار تھے سب پر بتدریج غالب فرمایا اور اس غلبہ و تسلط کو اتنا بڑھایا کہ انہیں مغلوب کر کے رکھ دیا اور ان کے خزانوں کی کنجیوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ کرایا اور ان کے سوا دیگر ممالک کو بھی عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کیلئے مددگار بنایا اور ان کے دلوں میں محبت اور الفت ڈالی اور ان کی مدد نشان والے فرشتوں کے ذریعہ کی اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے بادشاہ کے فرزند اور صاحب لشکر ہوتے تو بہت سے جاہل یہ گمان کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ کا سبب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری کی وجہ یہی ہے اسی بنا پر تو بادشاہ روم ہرقل نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ریافت کیا۔ کیا ان کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے پھر اس نے کہا کہ اگر ان کے آباؤ اجداد میں بادشاہت ہوتی تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ شخص اپنے باپ کے ملک کا خواہاں ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یتیم ہونا بھی ایک صفت ہے اور کتب سابقہ اور امم ماضیہ میں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی ہے۔ اسی طرح ''کتاب ارمیاہ'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے اور اسی صفت کے ساتھ ابن ذی یزن نے حضرت عبدالمطلب سے اور بحیرہ راہب نے جناب ابوطالب سے حضور کی تعریف کی ہے۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت بیان کی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں تعریف فرمائی ہے تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی بنیاد ہے۔

اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جو کہ کل کا کل بطریق معارف وعلوم حاوی و شامل ہے۔ مع ان فضائل کے جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بیان فرمایا جیسا کہ ہم قسم اول (حصہ اول) میں پہلے بیان کر چکے ہیں اور ایک ایسا شخص جو نہ پڑھا ہو نہ لکھا ہو اور نہ کسی مدرسہ میں تحصیل علم کیا ہو جس سے اس کا وجود قائم ہو تو یقیناً یہ محل تعجب مقام عبرت اور انسانی معجزہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے میں کوئی منقصت و تحقیر نہیں ہے اس لئے کہ پڑھنے لکھنے کا مقصد تو معرفت

پہچان ہے اور قرات و کتاب تو معرفت کا وسیلہ اور ذریعہ موصلہ ہے نہ کہ وہ فی نفسہ مقصود بالذت۔

لہٰذا جب (بغیر وسیلہ ذریعہ کے) نتیجہ اور پھل حاصل ہوگیا تو مقصود و مطلوب کیلئے اب واسطہ اور ذریعہ کی کیا حاجت ہے۔ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے کیلئے امی (بے پڑھا لکھا ہونا) نقص وعیب ہے اس لئے کہ یہ جہالت کا سبب اور بے سمجھی کی نشانی ہے۔ پس پاکی ہے اس ذات کو جس نے دوسروں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ممتاز فرما کر شرافت وعظمت عطا فرمائی۔ جو بات کہ دوسروں کیلئے عیب ونقص تھی اور جس میں دوسروں کی ہلاکت تھی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت وحیات بخشی۔

غور کا مقام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اطہر کو شق کر کے زوائد کا اخراج کرنا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل حیات، پوری نفسانی قوت اور کمال درجہ ثبات قلب عطا فرمانا ثابت ہوا حالانکہ دوسروں کیلئے یہ باتیں ہلاکت کا نتیجہ بنتی ہیں اور ان کو فنا کر ڈالتی ہیں اسی اصول و ضابطہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام اخبار و سیر جو مروی ہیں جن میں دنیاوی غذا کا کم کھانا کم پہننا کم سوار ہونا، تواضع وانکسار کا ظاہر کرنا، گھر والوں کی خدمت کرنا، زہد کو پسند کرنا، دنیا سے بے تعلق ہونا، دنیاوی امور کو سرعت فنا اور تبدیل احوال کے لحاظ سے خواہ وہ حقیر ہوں یا عظیم برابر سمجھنا سو یہ سب باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و خصائل اور شرافت میں داخل ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اب جو شخص بھی ان کو اچھے محل پر بیان کرے اور اس کا مقصود و مطلوب بھی نیک ہو تو یہ اچھی بات ہوگی اور اگر کسی نے ان کو بے محل ذکر کیا اور معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصد برا ہے تو وہ ان فصلوں میں شامل ہوگا جن کو ہم پہلے بیان کر چکے (اور انہیں وجوہ کے مطابق اس پر حکم شرع نافذ ہوگا)

یہی حکم ان روایتوں کے متعلق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کتب احادیث میں مروی ہیں اور بظاہر مشکل نظر آتی ہیں جن میں کسی ایسی بات کا ذکر جو انبیاء کرام علیہم السلام کے شایان شان نہیں ہے یا تو وہ محتاج تاویل ہوں یا ان میں احتمالات وارد ہوں تو ان میں سے بھی صرف صحیح حدیثوں کو بیان کیا جائے اور سوائے مشہور و ثابت حدیثوں کے کوئی ضعیف وغیرہ نہ روایت کی جائے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان حدیثوں کو جو وہم تشبیہ (تشبہ کا موسم ڈالتی) ہوں اور جس کے معنی میں اشکال ہو ان کے بیان کرنے کو ناپسند و مکروہ جانتے تھے اور فرمایا لوگوں کو ایسی حدیثیں بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ (جس سے وہ فتنہ میں پڑیں)

کسی نے ان سے عرض کیا کہ (آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد) ابن عجلان رحمۃ اللہ علیہ تو ایسی حدیثیں بیان

کرتے تھے۔

فرمایا وہ فقیہہ تھے۔ کاش کہ لوگ اس قسم کی حدیث کے ترک کرنے میں ان کی موافقت کرتے اور اس میں ان کی مساعدت ونصرت کرتے۔

کیونکہ اکثر حدیثیں ایسی ہیں جن سے عمل کا تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ سلف کی ایک جماعت بلکہ تمام ہی سے منقول ہے کہ وہ حضرات ان حدیثوں کو جو عمل سے متعلق نہیں ہیں بیان کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں ان اہل عرب سے فرمائی ہیں جو اسلوب کلام کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے محل استعمال کو جانتے تھے کہاں حقیقت ہے اور کہاں مجاز اور کہاں استعارہ، بلاغت ہے اور کہاں ایجاز واختصار۔ درحقیقت یہ ان کیلئے کوئی حیرت انگیز اور مشکل بات نہیں تھی۔ اس کے بعد جب ان پر عجمیوں کا غلبہ ہوا اور ان پڑھ لوگ داخل ہوئے تو ان کی یہ حالت ہوگئی کہ عرب کے مقاصد سے ہی نابلد (ناواقف) ہو گئے وہ صرف صاف وصریح کو سمجھتے اور ان اشارات کو جو بغرض ایجاز وحی پنہاں تھے اور جن میں تبلیغ وتلویح مضمر تھی انہیں نہ سمجھ سکے چنانچہ وہ ان کے محل وتاویل میں ہرسو مختلف ومتفرق ہو گئے۔ لہٰذا کچھ تو وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لے آئے اور کچھ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے انکار کی راہ اختیار کی۔

اب یہی (راہ صواب) ہے کہ وہ حدیثیں جو صحت کو نہیں پہنچتی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے حقوق میں لازم ہے کہ نہ بیان کیا جائے اور نہ ان میں گفتگو کی جائے اور نہ کلام کے معانی میں جستجو کی جائے بہترین راہ یہی ہے کہ ان کو بالکل ترک کر دیا جائے اور ان میں انہماک کو چھوڑ دیا جائے بجز اس طریقہ کے کہ بتا دیا جائے کہ یہ ضعیف الاعتماد ہے اور اس کی سند واہی ہے۔

مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی کتاب 'مشکل' میں ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کرتے ہوئے ضعیف اور موضوع حدیثوں پر کلام کرنے میں انکار کیا ہے فرمایا کہ یہ بے اصل ہیں یا ان اہل کتاب سے منقول ہیں جو حق وباطل میں آمیزش کرنے کے عادی ہیں۔ ان کا ترک کر دینا اور ان سے بحث نہ کرنا کافی جانتے تھے تاکہ ان کے ضعف پر تنبیہہ ہو جائے اس لئے کہ بحث وکلام کا مقصد تو یہ ہے کہ ان سے مشکلات وشبہات کا ازالہ کیا جائے اور سرے سے ہی شبہ کی جڑ کو اکھاڑ دینا اور ان کو ترک کر دینا شبہ کے دفع کرنے میں زیادہ موثر اور طمانیت قلوب کیلئے بہت نافع ہے۔

نویں فصل

خطباء و واعظین کو تنبیہات

کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو ان متکلمین پر واجب ہیں جو نبی کریم ﷺ پر جائز و ناجائز سے بحث کرتے ہیں اور ان واعظین پر بھی لازم ہیں جو آپ ﷺ کے حالات کو جن کو ہم نے اس سے پہلے فصلوں میں بیان کیا ہے برسبیل مذاکرۂ تعلیم بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک تو یہ ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کریں اور آپ ﷺ کے حالات طیبہ کو بیان کریں تو آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کو لازم جانیں اور اپنی زبان کی نگہداشت کریں اسے مطلق العنان نہ کریں اور آپ ﷺ کے ذکر خیر کے وقت ادب وتواضع کا اظہار کریں۔ پس جب آپ ﷺ کے مصائب شدائد کا ذکر کریں تو ان پر رقت اور خوف وخشیت طاری ہو اور آپ ﷺ کے دشمنوں پر نفرت و حقارت کا اظہار ہو اور آپ ﷺ کے حامی و جان نثاروں سے محبت و مودت کا اظہار ہو اور یہ کہ اگر اسے اس پر قدرت ہوتی تو وہ بھی آپ ﷺ کی حمایت و نصرت کرتا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی جان فداء کرتا۔ اور جب ابواب عصمت کو بیان کریں اور آپ ﷺ کے اعمال واقوال میں کلام کریں تو حتی الامکان اچھے سے اچھے الفاظ اور مودب عبارت کو تلاش کریں اور غیر مودب الفاظ سے احتراز کریں اور ان تعبیرات کو چھوڑ دیں جس میں قباحت ہے مثلاً لفظ جہل، کذب اور معصیت وغیرہ۔

اور جب اقوال میں کلام کریں تو کہے یہ کہ کیا آپ ﷺ پر خلف فی القول اور خلاف واقع خبر دینا خواہ سہو یا غلطی سے ہی ہو جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح دیگر تعبیرات میں احتیاط اختیار کریں اور لفظ کذب سے بالکل ہی اجتناب کریں۔

اور علم پر گفتگو ہو تو کہیں کیا آپ ﷺ پر یہ جائز ہے کہ اتنا ہی علم رکھتے تھے جتنا آپ ﷺ کو سکھا دیا اور یا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو وحی الٰہی سے پہلے بعض چیزوں کا علم نہ تھا وغیرہ اور ہرگز جہل اور قبیح الفاظ زبان پر نہ لائے کیونکہ یہ نہایت بری بات ہے۔

اور جب افعال میں کلام کریں تو کہیں کہ کیا بعض اداء امر و نواہی میں آپ ﷺ سے مخالفت کا صدور یا صفائی میں آپ ﷺ کا وقوع جائز ہے یا نہیں؟ یہی طریقہ ادب میں سب سے بہتر ہے اور آپ ﷺ کے حق میں اس کے کہنے سے زیادہ مناسب ہے کہ کہیں کیا یہ جائز ہے یا گناہ کیا، یہ نافرمانی کی یا فلاں فلاں گناہ کے فعل کئے وغیرہ (یہ سب ادب و توقیر کے خلاف ہے اس سے بچنا ضروری ہے)

سو یہ ایسی باتیں ہیں جو آپ ﷺ کی عزت وتوقیر میں داخل ہیں چونکہ آپ ﷺ کی امت پر آپ ﷺ کی عزت وتعظیم فرض ہے بلاشبہ بہت سے عالموں کو دیکھا ہے جوان باتوں کی حفاظت نہیں کرتے تو انہیں برا جانا گیا اور لوگوں نے ان تعبیرات کو پسند نہیں کیا اور میں نے بعض غیر منصف مزاج لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کے قول کو خطا کی جانب منسوب کیا ہے اور انہوں نے اس پر طعن وتشنیع کی ہے جس کو کہ اس کا قول قبول نہیں کرتا اور وہ ایسے قائل کی تکفیر تک کر گزرتے ہیں۔ نیز جبکہ اس قسم کی باتیں عام لوگوں میں باہمی آداب و معاشرت اور خطاب میں رائج ہیں تو ان کا استعمال ولحاظ نبی کریم ﷺ کیلئے ضرور واجب ہے اور اس کا التزام زیادہ مؤکد ہے کیونکہ عبارت کی عمدگی اور برائی شے کو بھلا اور برا بنا دیتی ہے تحریر کی عمدگی و پاکیزگی شے کو گھٹا بڑھا دیتی ہے اسی لئے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا۔ یقیناً بعض بیانات جادو اثر ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح ۱۸/۷)

اب رہی وہ باتیں جن سے آپ ﷺ کی نفی اور تنزیہہ کی جاتی ہے تو ان کو صاف الفاظ اور صریح عبارت سے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہیں کہ آپ ﷺ پر بالکل کذب کا اطلاق جائز نہیں ہے اور کسی نوعیت سے کبائر کا ارتکاب نہیں ہوسکتا ہے اور نہ کسی حال میں حکم میں ظلم ممکن ہے۔ لیکن بایں ہمہ جبکہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت عجز وتعظیم وتوقیر اور عزت وتکریم واجب ہے تو پھر جب بوقت ذکر ان کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی جائے تو کتنا ادب چاہیے۔

بلاشبہ سلف صالحین پر محض آپ ﷺ کے ذکر کے وقت شدید کیفیت و حالت طاری ہوتی تھی جیسا کہ ہم نے قسم ثانی میں پہلے بیان کیا اور بعض سلف کا تو اس وقت جبکہ قرآن کی ایسی آیت تلاوت کی جائے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دشمنوں کے اقوال اور اس کی آیات سے کفر اور آپ ﷺ پر کذب و افتراء نقل فرمایا ہے تو یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ اپنے رب کی جلالت شان اور عظمت کبریائی سے اپنی آوازوں کو پست کر دیتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں ان لوگوں کی مشابہت نہ ہو جائے جنہوں نے کفر کیا ہے۔

دوسرا باب

حضور ﷺ پر سَبّ و شتم، تنقیص واہانت کرنے والے کی عقوبت ووراثت کا حکم

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے حق میں جو گالی اور اذیت ہے اور ہم نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا اجماع بھی بیان کر دیا ہے کہ اس کے فاعل اور قائل کی سزا قتل کیا جائے یا اسے سولی دی جائے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور ہم نے اس کو دلائل کے ساتھ ثابت بھی کر دیا ہے۔

اس کے بعد اب تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا مشہور مذہب اور سلف و جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اسے از روئے حد قتل کیا جائے نہ کہ کفر کی بنا پر اگر چہ اس سے توبہ بھی صادر ہو جائے۔ لہٰذا ان تمام کے نزدیک اس کی توبہ مقبول نہ ہو گی اور نہ اس کی توبہ نفع دیگی اور نہ اس کا رجوع مفید ہو گا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس کا حکم زندیق کا حکم رکھتا ہے اور اس کافر کی طرح ہے جو کفر اپنے دل میں چھپائے برابر ہے کہ اس کی توبہ گرفتار کرنے کے بعد اور اس کے قول پر شہادت گزر جانے کے بعد ہو یا وہ پہلے ہی دل سے توبہ کرتا ہوا آئے۔ اس لئے کہ یہ حد واجبی ہے۔ اس پر توبہ غالب نہیں آ سکتی جس طرح تمام دیگر حدود ہیں۔

شیخ ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وہ گالی کا اقرار کر لے اور اس سے رجوع کرے اور توبہ بھی ظاہر ہو جائے تو بھی گالی کی وجہ میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ قتل اس کی حد ہے اور ابو محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے مثل فرماتے ہیں لیکن اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اس کی توبہ نفع دے جائے گی۔

اور ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس موحد نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی پھر اس نے توبہ بھی کر لی تو اس سے اس کی توبہ قتل کو دور نہیں کر سکتی اس طرح اس زندیق کے بارے میں علماء مختلف ہیں جبکہ وہ توبہ کرتا ہوا آئے چنانچہ قاضی ابوالحسن بن قصار رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں۔ فرماتے ہیں ہمارے بعض مشائخ کا ایک قول تو یہ ہے کہ اقرار کے باوجود قتل کر دیا جائے گا اس لئے کہ گویا وہ اس پر قادر تھا کہ اسے وہ اپنے دل میں چھپائے۔ لیکن جب اس نے اعتراف کر لیا تو ہم نے گمان کیا وہ اپنے ظاہری حال سے ڈر گیا اس لئے اس نے اظہار کی جلدی کی اور ہمارے بعض

مشائخ کا دوسرا قول یہ ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کرلوں گا اس لئے کہ اس کی صحت پر اس کے آنے سے استدلال کرتا ہوں۔ گویا کہ ہم اس کے باطن پر واقف ہو گئے۔ بخلاف اس شخص کے جسے ثبوت اور شہادت نے مفید کر دیا ہو۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول اصبغ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کا مسئلہ بہت سخت ہے گزشتہ قاعدۂ اصول کی بنا پر اس میں خلاف متصور ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ وہ حق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا حق بھی آپ ہی کے ساتھ مربوط ہے۔ اس کو توبہ ساقط نہیں کرسکتی جس طرح کہ باقی لوگوں کے حقوق ہیں۔

اور وہ زندیق جو بعد گرفتار توبہ کر لے سوا امام مالک، لیث، اسحٰق اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مقبول ہے اور اس میں امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کا اختلاف ہے اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسلمان سے توبہ قتل کو زائل نہیں کرتی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے اس لئے کہ اس دین سے اس نے کسی دوسرے دین کی طرف انتقال نہیں کیا۔ یقیناً اس نے ایسا ہی کام کیا جس کی حد ہمارے نزدیک قتل ہے اس میں کسی کیلئے معافی نہیں ہے جیسے زندیق کیونکہ اس کا ظاہر حال کسی دوسرے ظاہر حال کی طرف منتقل نہیں ہوا۔

اور قاضی ابومحمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ اس کی توبہ ساقط الاعتبار ہونے کیلئے یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ فرق اس کے اور اس شخص کے درمیان جس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی مشہور قول کی بنا پر توبہ کا قبول کرنا ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم از جنس بشر ہیں اور بشریت ایک ایسی جنس ہے جسے نقص لاحق ہوتا ہے بجز اس ذات علیہ کے جسے اللہ تعالیٰ اپنی نبوت سے سرفراز فرمائے اور باری تعالیٰ ہر عیب و نقص سے کلیۃ منزہ ہے اور وہ ذات اس جنس سے ہی نہیں ہے جس کو اپنے جنس کے سبب نقص لاحق ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا اس ردت کی مثل نہیں ہے جس میں توبہ مقبول ہے کیونکہ ارتداد اس معنی میں ہے جس کے ساتھ مرتد منفرد ہے اور اس میں کوئی دوسرا آدمی شریک نہیں تو اس میں توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔

لیکن جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذاللہ) گالی دی تو اس میں ایک آدمی (یعنی حضور) کا حق بھی متعلق ہو گیا۔ تو وہ گویا ایسا مرتد ہو گیا جس نے اپنی ردت کے وقت کسی کو قتل کر ڈالا یا کسی کو تہمت لگائی۔ لہٰذا اس کی توبہ اسے حد قتل اور تہمت کو ساقط نہیں کرسکتی۔ نیز جب مرتد کی توبہ مقبول کر

لی جائے تو اس کے زنا چوری وغیرہ کے گناہ کو (توبہ) ساقط نہیں کرتی اور یہ کہ نبی کریم ﷺ کے گالی دینے والے کو اس کے کفر کی بنا پر قتل نہیں کیا جاتا لیکن اس معنی کو ہے کہ وہ آپ ﷺ کی حرمت کی عظمت اور اس سے نقص کو دور کرنے کی وجہ سے ہے اس لئے اس کو توبہ ساقط نہیں کرتی۔

قاضی ابو الفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واللہ اعلم قائل کی یہ مراد ہو کہ اس کا گالی دینا کلمہ کفر کی بنا پر نہ تھا بلکہ تحقیر و تنقیص کیلئے تھا یا یہ کہ اس کا توبہ کرنا اور رجوع کا اظہار کرنا اس کے ظاہر کلمہ کفر کو اٹھا دے اللہ تعالیٰ ہی دلوں کے اسرار کو خوب جانتا ہے۔ اب (توبہ کے بعد) گالی دینے کا گناہ اور اس کا حکم باقی رہے گا۔

ابو عمران قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی پھر وہ اسلام سے پھر گیا تو قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اس لئے کہ گالی دینا آدمیوں کے ان حقوق میں سے ہے جو مرتد ہونے سے ساقط نہیں ہوتا اور ہمارے مذکورہ مشائخ کا کلام اس پر مبنی ہے کہ اسے حد کی بنا پر قتل کیا جائے نہ کہ کفر کی بنا پر یہ بحث محتاج تفصیل ہے۔

اب رہی ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اس میں ان کے موافقین سے منقول ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور کہا کہ علماء نے صراحت سے بیان فرمایا کہ وہ ردت ہے چنانچہ علماء نے کہا کہ اس سے توبہ لی جائے پس اگر وہ توبہ کرے تو چھوڑ دیا جائے اور اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اس وجہ میں وہ مطلقا مرتد کے حکم میں ہے اور پہلی وجہ جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے وہ زیادہ مشہور و ظاہر ہے ہم اب اس میں مفصل کلام بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اس کی ردت کو نہیں خیال کرتا وہ تو واجب کرتا ہے کہ اسے حداً قتل کر دیا جائے اور ہم اس کی دونوں حالتوں کے قائل ہیں۔ پس اگر وہ اس کا انکار کرے جس کی کہ اس پر گواہی گزری ہے یا وہ توبہ اور ندامت کا اظہار کرے تو ہم ہر صورت حداً اسے قتل کا حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے خلاف کلمہ کفر ثابت ہو چکا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے اس حق کی تحقیر کی جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ میں اعظم قرار دیا ہے اور ہم نے اس کی میراث اور دیگر امور میں زندیق کا حکم جاری کیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے خلاف یہ ظاہر ہے کہ اس نے انکار کیا یا توبہ کی ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس پر تم کفر کو تو ثابت کرتے ہو اور کلمہ کفر پر گواہی لیتے ہو لیکن قبولیت توبہ اور اس کے لوازمات میں کوئی حکم جاری نہیں کرتے؟

تو جواب میں ہم کہیں گے کہ ہم اس کیلئے حکم کفر کو ثابت کر کے قتل کرنا اس کے توحید و نبوت

کے اقرار کو جس کا وہ اقراری ہے اس سے جدا اور قطع نہیں کرتے خواہ اپنے خلاف گواہی کا انکار کرے یا اس بات کا مدعی ہو کہ بات اس سے ازراہ غلطی اور معصیت صادر ہوئی ہے اور وہ اس سے منحرف اور اس پر نادم ہے اور یہ کہ بعض اشخاص پر بعض احکام کفر کو ثابت کرنا اس کو مانع نہیں کہ اس کی دیگر خصوصیات کو بھی وہ ثابت نہیں کر رہی ہیں۔ جیسے تارک نماز کا قتل کرنا۔ لیکن جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کا معتقد ہے کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کو گالی دینا حلال ہے تو اب اس کے کفر میں اس بنا پر قطعاً شک وشبہ نہیں ہے۔

علی ہذا القیاس فی نفسہ حضور ﷺ کو گالی دینا بھی کفر ہے جس طرح آپ کی تکذیب و تکفیر وغیرہ کفر ہے۔ لہٰذا اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اگرچہ اس سے وہ غائب ہو۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک اس کی توبہ مقبول نہیں اور اس کے بعد توبہ بھی اس کے قول اور سابقہ کفر کی بنا پر حد القتل کا حکم دیتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مختار ہے جو دلوں کے اسرار کا جاننے والا اور اس کی توبہ و ندامت کی صحت کا خبردار ہے۔

یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس سے توبہ نہ ظاہر ہوئی ہو اور اپنے خلاف گواہی کا معترف ہو اور اس پر قائم بھی ہو تو وہ شخص اپنے قول اور اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم ﷺ کی ہتک حرمت کے حلال جاننے کی بنا پر کافر ہے تو اسے بلاخوف کافرمان کر قتل کیا جائے گا۔

پس ان تفصیلات کے ساتھ علماء کے کلام کو اخذ کرو اور ان کے اجزائے اختلاف کو وراثت وغیرہ میں اسی طریق پر جاری کرو تو انشاء اللہ تمہیں صحیح مقصد حاصل ہو جائے گا۔

پہلی فصل

مدت و کیفیت توبہ

جب ہم نے یہ کہا کہ اس سے توبہ لی جائے کہ صحیح ثابت ہو تو اس میں وہی اختلاف ہے جو مرتد کی توبہ میں اختلاف ہے اس لئے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور علماء سلف نے توبہ لینے کے وجوب، مدت اور کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔

چنانچہ جمہور اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ مرتد سے توبہ لی جائے اور ابن قصار رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ طلب توبہ میں تصویب قول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اجماع ہے اور ان میں سے کسی صحابی کا انکار میں قول نہیں ہے۔ یہی قول سیدنا عثمان، سیدنا علی مرتضیٰ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی قول عطا بن ابی رباح، نخعی، ثوری، امام مالک اور ان کے اصحاب، اوزاعی، امام احمد اسحاق اور مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کا ہے اور طاؤس، عبید ابن عمیر، اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مرتد سے توبہ نہ لی جائے۔ اسے عبدالعزیز بن ابی سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا اور سحنون نے معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا انکار کیا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔

اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ عند اللہ اس کی توبہ اسے نفع دے گی۔ لیکن توبہ قتل سے باز نہیں رکھ سکتی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ "جو اپنے دین کو بدلے اسے قتل کر دو"۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد ۴/۴۹)

اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر وہ اسلام میں پیدا ہوا تو اس سے توبہ نہ طلب کی جائے اور نو مسلم سے توبہ لی جائے۔

جمہور علماء کے نزدیک مرتد مرد و عورت حکم میں برابر ہیں اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ مرتدہ عورت قتل نہ کی جائی اور اسے باندی بنا لیا جائے۔ اسے عطا اور قتادہ رحمہما اللہ نے فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ردت میں عورت قتل نہ کی جائے۔ یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آزاد، غلام، مرد و عورت اس میں سب برابر ہیں۔

اب رہی مدت توبہ! تو مذہب جمہور اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت کے موجب تین دن

تک توبہ نہ لی جائے ان ایام میں اسے قید میں رکھا جائے۔ اس میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اختلاف مروی ہے اور ایک قول کے بموجب یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور یہی قول امام احمد اور اسحٰق رحمہما اللہ کا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستحق قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ انتظار خیر ہی لاتا ہے۔ لیکن اس پر لوگوں کی جماعت قائل نہیں ہے۔

شیخ ابومحمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین دن تک تاخیر ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مرتد کے بارے میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار فرمایا کہ تین دن تک قید میں رکھا جائے اور ہر روز اس پر عرض اسلام کیا جائے پس اگر وہ توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ابوالحسن بن قصار رحمۃ اللہ علیہ تین دن تک تاخیر کرنے میں دو روایتیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کیا یہ واجب ہے یا مستحب اور توبہ لئے جانے کو مستحسن قرار دیا اور تین دن تک تاخیر کرنا یہ مجتہدین کے نزدیک ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت سے توبہ طلب کی مگر اس نے توبہ نہ کی تو آپ نے اسے قتل کرا دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسی جگہ قتل کر دیا جائے۔ مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستحسن کہا۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ دعوت اسلام دی جائے پھر اگر وہ انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ دو مہینے تک توبہ طلب کی جائے اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمیشہ توبہ طلب کی جائے اور اسی کو ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا کہ جب تک توبہ کی امید ہو۔

ابن قصار رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ اس سے تین دن میں تین مرتبہ توبہ طلب کی جائے یا تین جمعہ تک ہر روز یا ہر جمعہ کو ایک مرتبہ اور کتاب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مرتد کو تین مرتبہ دعوت اسلام دی جائے پھر اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن ماردی جائے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دنوں میں اسے جھڑکا جائے کہ وہ توبہ کر لے یا نہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ لینے کیلئے بھوکا پیاسا رکھنا یا دردوالم پہچانا میں نہیں جانتا اور اسے کھانا بھی وہ دیا جائے جو اسے ضرر ونقصان نہ پہنچائے۔

اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ لینے کے دنوں میں قتل سے ڈرایا جائے اور اس پر اسلام پیش کیا

جائے۔

ابوالحسن طابثی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ اسے ان تین دنوں میں نصیحت کی جائے اور جنت یاد دلائی جائے اور جہنم سے ڈرایا جائے۔

اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس قید خانہ میں اسے رکھا جائے خواہ لوگوں کے ساتھ رکھ جائے یا تنہا جبکہ اسے مضبوط باندھا گیا ہو تو برابر ہے اور اس کا مال موقوف رکھا جائے جبکہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں پر تلف کر دے گا۔ اسی سے اس کو کھلایا پلایا جائے۔ اسی طرح ہر بار اس سے توبہ کرائی جائے جب جب بھی وہ رجوع کرے اور مرتد ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نبہان سے جو کہ چار یا پانچ مرتبہ مرتد ہوا تھا ہر بار توبہ کرائی۔

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بھی رجوع کرے ہمیشہ اس سے توبہ کرالی جائے۔ یہی قول امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا ہے اسے ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چوتھی مرتبہ قتل کر دیا جائے اور مجتہدین فرماتے ہیں کہ اگر توبہ کرے تو خوب مارا پیٹا جائے۔ اور قید خانہ سے اسے رہا نہ کیا جائے جب تک کہ دل سے اس پر توبہ کا اظہار نہ ہو اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس نے مرتد پر پہلی ہی مرتبہ میں سزا دی ہو۔ جب کہ وہ توبہ کر لے یہی مذہب امام مالک امام شافعی اور احناف رحمہم اللہ کا ہے۔

دوسری فصل

نامکمل یا عدم شہادت پر حکم

یہ حکم تو اس کیلئے تھا جس پر یہ باتیں ثابت ہو چکی ہوں خواہ ثبوت اقراری ہو یا ایسی شہادت کے ذریعہ ہو جس میں شبہ نہ رہا ہو۔ اب رہی یہ صورت کہ اس پر شہادت مکمل نہ گزری ہو کہ مثلاً ایک شخص کی شہادت ہو یا غیر معتبر لوگوں کی شہادت ہو یا یہ کہ قول سے ثابت تو ہوتا ہو لیکن اس میں احتمال ہو اور صریح نہ ہو علی ہذا القیاس اگر اس نے توبہ کر لی اور اس قول کے موافق اس کی توبہ قبول کر لی گئی تو اب اس سے قتل موقوف ہو جائے گا اور اب امام کی رائے (حکم) اس پر نافذ ہو گی جیسی بھی اس کی مشہور حالت اور قوی وضعیف شہادت اور کثرت وقوع سماعت اور دین میں اس کی متہم صورت حال ہو گی۔ آیا وہ بیوقوف و نادان ہے یا نقال و مسخرہ۔

چنانچہ جس کا معاملہ قوی و زبردست ہو گا اسے سخت سزا دی جائے گی قید خانے میں زنجیروں سے جکڑا جائے گا اور خوب سنگین سزا دی جائے گی یہاں تک کہ اس کی طاقت جواب دے جائے بجز اس کے کہ وہ ضرورت کیلئے کھڑا ہو سکے اور یہ نماز میں قیام سے نہ روک دے۔

یہی حکم ہر اس شخص کیلئے ہے جس پر وجوب قتل تو ہو لیکن کسی اور احتمال سے اجراء قتل موقوف ہو گیا ہو یعنی اجرائے قتل میں تاخیر ضروری بتائی ہو اور اس کے معاملہ میں اشکال مانع ہو جائے۔ ایسے کی سزا میں سختی کی حالت اس کے احوال میں اختلاف کے بنا پر ہوتی ہے۔

ولید رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ سے روایت کیا بلا شبہ یہ روایت ہے چنانچہ جب وہ توبہ کرے تو سزا دی جائے۔

کتاب عتبیہ اور موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں بروایت الشہب رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت ہے کہ جب مرتد توبہ کر لے تو اس پر سزا نہیں ہے اسے سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اور ابو عبد اللہ بن عتاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تھی اور اس کے خلاف ایسے دو گواہوں نے گواہی دی تھی جن میں سے صرف ایک گواہ عادل تھا (تب اس کے بارے فتویٰ دیا) کہ اسے دردناک، رنجیدہ سزا دی جائے طویل قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ اس سے توبہ کا ظہور ہو اور قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مثل فرماتے ہوئے کہا کہ جس شخص کا آخری معاملہ قتل ہو پھر کوئی ایسا امر مانع حائل ہو جائے جو قتل میں اشکال پیدا کر دے تو اسے قید سے

چھوڑنا نہ چاہئے بلکہ عرصہ دراز تک قید میں رکھنا چاہئے۔ اگر چہ اس کی مدت قید کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے اور یہ کہ دوران قید طوق، و زنجیر وغیرہ سے جکڑ کر قابل برداشت حد تک مشقت کرائی جائے اور ایک مقام پر اس قسم کے مسئلہ میں فرمایا کہ جن کے ساتھ قضیہ مشتبہ ہو جائے تو اسے زنجیروں سے جکڑا جائے اور قید خانے میں تنگی کی جائے یہاں تک اسے قضیہ واضح ہو جائے کہ وہ سزا کا مستوجب ہے۔

اسی طرح اور ایک معاملہ میں فرمایا کہ جب تک صاف صاف قضیہ واضح نہ ہو جائے ہرگز خون نہ بہایا جائے کوڑوں اور قید وغیرہ کی تعزیر احمق اور بیوقوفوں کی سزا ہے۔ ایسوں کو خوب سخت سزا دی جائے۔ اب رہی یہ بات، کہ اس کے خلاف جن دو گواہوں نے شہادت دی ہے اس سے ان کہ عداوت ثابت ہو جائے یا ایسی جرح کی جائے جس سے شہادت ساقط ہو جائے اور ان گواہوں کے سوا کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا قضیہ خفیف ہے اور اس سے حکم قتل و نکال ساقط ہے گویا وہ بمنزلہ اس کے ہے کہ اس پر کوئی گواہ ہے ہی نہیں البتہ اگر یہ ان لوگوں میں سے ہے جن سے ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں اور فی الحال جو گواہ گزرے ہیں وہ عداوت یا جرح کی بنا پر ساقط ہو گئے ہیں مگر وہ گواہ ہوں اہل شہادت تو اس صورت میں ان شہادتوں کی بنا پر حکم قتل تو نافذ نہ ہو گا مگر گواہوں کی صداقت کا گمان بھی نہیں جائے گا۔ لہٰذا قاضی اور حاکم کیلئے ایسے کی سزا اور تعزیر میں اجتہاد کا مقام باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی نیکی کی توفیق بخشنے والا ہے۔

تیسری فصل

ذمی سے گالی کے صدور کا حکم

گزشتہ فصلوں میں حکم تو مسلمانوں کیلئے تھا اب رہے ذمی (غیر مسلم) تو جب وہ صراحت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) گالی دیں یا تعریض کریں یا مرتبہ عالی کا استخفاف کریں یا اس خاص وجہ کے علاوہ جس کی بنا پر وہ کافر ہے کسی اور صفت کے ساتھ توصیف کریں تو اس صورت میں بھی اس کے قتل میں ہمارے نزدیک اختلاف نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ اسلام نہ لایا ہو اس لئے کہ ہم نے اس خصوص میں اِس کا عہد و ذمہ نہیں لیا ہے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ثوری رحمہما اللہ اور ان کے شاگردوں کے سوا عام علماء کا یہی قول ہے۔ علماء احناف فرماتے ہیں کہ ایسے ذمیوں کو قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ وہ جس کفر و شرک پر قائم ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ لیکن تادیب و تعزیر ضرور کی جائے۔

بعض ہمارے مالکی مشائخ رحمہم اللہ نے اس کے قتل پر اس آیہ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ۔ (التوبہ ۱۲)

ترجمہ اور اگر یہ لوگ توڑ دیں اپنی قسمیں اپنے معاہدہ کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین پر۔

نیز اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابن اشرف کو اور اس کے مثل دیگر (بدگوئیوں) کو قتل فرمایا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اس امر پر نہ تو ان سے معاہدہ کیا ہے اور نہ اس امر کے ساتھ ان کو ذمہ دیا ہے اور یہ بات ہمارے لئے جائز بھی نہیں کہ ہم ان سے ایسا معاہدہ کریں۔ لہٰذا جب وہ اس کے مرتکب ہوئے جس پر ہمارا ان سے نہ تو معاہدہ ہے نہ ذمہ۔ تو اب وہ بمنزلہ معاہدہ شکن اور کفار حربی بن گئے۔ چنانچہ اب ان کو ان کے کفر کی بنا پر قتل کیا جائے گا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کو ذمہ دینا ان سے حدود اسلامی کو ساقط نہیں کرتا کہ وہ کسی کا مال چرالیں یا وہ کسی کو مار ڈالیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ضرور قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہوگا اور قصاص میں قتل کئے جائیں گے۔ اگرچہ یہ باتیں ان کے دین میں جائز و حلال ہی کیوں نہ ہوں۔ تو یہی حال نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کا ہے۔ لہٰذا وہ ضرور اس بنا پر قتل کئے جائیں گے۔

اور ہمارے مالکی اصحاب رحمہم اللہ میں بعض ایسی ظاہر روایتیں منقول ہیں جو مقتضی کے خلاف

ہیں۔ جبکہ ذمی نے حضور ﷺ کا ذکر اس وجہ پر کیا ہو جس کیساتھ وہ پہلے سے ہی کافر تھا جیسا کہ ابن قاسم اور ابن سحنون رحمہما اللہ کے کلام سے بعد میں واقفیت ہو گی اور ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے علماء مدینہ سے اس بارے میں اختلاف نقل کیا ہے۔

مالکی علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی (ذمی) حضور ﷺ کو گالی دے پھر وہ اسلام لے آئے۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ اس کا اسلام قتل کو ساقط کر دے گا۔ کیونکہ اسلام اس کے ماقبل کے گناہ کو ناپید کر دیتا ہے۔ بخلاف مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے کہ جب وہ گالی دے پھر توبہ کرے وجہ یہ ہے کہ کافر کی باطنی حالت کو ہم جانتے ہیں کہ وہ دل میں حضور سے بغض رکھتا ہے اور اس کے قلب میں تنقیص پنہاں ہے۔ لیکن ہم نے اس کو اس کے اظہار سے روک رکھا ہے اور جو وہ اظہار کر رہا ہے وہ صرف مخالفت امر اور نقض عہد ہی ہے جب وہ اپنے پہلے دین سے پھر کر اسلام میں داخل ہو گیا تو ماقبل کا گناہ اس سے ساقط ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ۔ (الانفال ۳۸)

ترجمہ فرمادیجئے کافروں کو کہ اگر وہ (اب بھی) باز آ جائیں تو بخش دیا جائے گا انہیں جو ہو چکا۔

اور مسلمان کا حال اس کے برعکس ہے اس لئے کہ اس کے حق میں ہمارا گمان یہ تھا کہ اس کا باطن بھی اس کے ظاہر حال کے حکم میں ہے اور اب جو اس سے اس کے برخلاف ظاہر ہوا تو ہم اس کے رجوع کے باوجود بھی قبول نہیں کریں گے۔ اور نہ اس کے باطن پر اطمینان کریں گے۔ کیونکہ اس کے دل کا چور ظاہر ہو گیا اور جو احکام اس پر ثابت تھے وہ اس پر باقی رہیں گے کسی صورت میں وہ اس سے ساقط نہ ہوں گے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ گالی دینے والے ذمی کا اسلام لانا بھی حکم قتل کو ساقط نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ حق تو نبی کریم ﷺ کا ہے جو آپ کی حرمت کی توہین و تنقیص اور تازی کی بنا پر واجب ہوا ہے۔ تو اب اسلام کی طرف ذمی کا رجوع کرنا اسے ساقط نہیں کر سکتا جس طرح مسلمانوں کے وہ حقوق جو اس کے اسلام لانے سے اس پر واجب ہیں مثلاً قتل، تہمت وغیرہ (کہ یہ بعد اسلام بھی واجب رہتے ہیں) اور جبکہ ہم اس بارے میں مسلمان کی بھی توبہ قبول نہیں کرتے تو کافر کی تو بدرجہ اولیٰ قابل قبول نہیں ہو سکتی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کتاب ابن حبیب اور مبسوط میں اور ابن قاسم، ابن ماجشون، ابن عبدالحکیم اور امنع رحمہم اللہ نے ذمیوں کے بارے فرمایا جو ہمارے نبی کریم ﷺ یا کسی اور نبی کو گالی دے تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں اسی طرح انبیاء میں ابن قاسم

رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ یہی مذہب محمد (بن المواز) اور سحنون رحمہا اللہ کا ہے۔ چنانچہ سحنون اور اصبغ رحمہما اللہ نے فرمایا کہ ایسے ذمی سے نہ تو یہ کہا جائے کہ تو اسلام لے آ اور نہ ہی یہ کہا جائے کہ اسلام نہ لا لیکن اگر (ازخود وہ) اسلام لے آئے تو یہ اس کی توبہ ہوگی۔

کتاب محمد رحمۃ اللہ علیہ (بن المواز) میں ہے کہ ہمیں اصحاب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو کوئی بھی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی کو گالی دے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے۔ مگر ہمارے نزدیک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اتنا زیادہ ہے کہ "بشرطیکہ وہ کافر مسلمان نہ ہو جائے" (یعنی اسلام لانے پر قتل نہ کیا جائے گا) ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک راہب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ بیہودہ کہا اس پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے اسے قتل کیوں نہ کر دیا۔

اور عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کیا جس نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری طرف رسول نہیں بھیجے گئے بلکہ وہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ اسی قسم کی اور بھی باتیں کہی تھیں تو ایسا کہنے میں ان پر کوئی مواخذہ نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا اعتقاد رکھنے میں برقرار رکھا ہے البتہ اگر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی اور یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) نہ نبی ہیں اور نہ رسول، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن ہی نازل ہوا ہے بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا اختراع ہے یا اس قسم کی اور کوئی بات کرے تو اسے ضرور قتل کر دیا جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب کوئی نصرانی یہ کہے کہ ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے کہ تمہارا دین تو گدھے کا دین ہے یا اس قسم کی اور کوئی بکواس کرے یا یہ کہ جب موذن کو اشھد ان محمد رسول اللّٰہ پڑھتا سنے اور اس پر کہے کہ ایسا ہی تم کو بھی اللہ تعالیٰ رسول بنائے۔ (معاذ اللہ بنظر حقارت کہے) تو ایسے کو خوب دردناک سزا دینی چاہئے قید میں رکھنا چاہئے۔

اگر کوئی غیر مسلم شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی گالی دے جو معروف ومشہور اور جانی پہچانی ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔ مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ اس سے توبہ لی جائے یا اس کی توبہ قبول کی جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے نزدیک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اِلَّآ اَنْ یُّسْلِمَ (مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کرے) اس پر محمول ہے کہ وہ برضاء رغبت ازخود اسلام قبول کرے۔

سلیمان بن سالم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک یہودی کے بارے میں سوالات کے جواب میں ابن سحنون

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو ذمی موذن سے اشهد ان محمد رسول الله کہتے سن کر کہے کہ "تو نے جھوٹ بولا" تو اسے خوب سزا دی جائے جس سے اسے دردالم ہو اور اسے طویل قید میں رکھا جائے۔

اور کتاب نوادر میں بروایت سحنون رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو کوئی یہودی یا نصرانی کسی نبی کو اس وجہ کے برخلاف جس پر وہ کفر میں قائم ہے گالی دے تو اس کی گردن مار دی جائے مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کرے۔

محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا اس کے دین کا جزو تھا اور ایسی باتیں اس کے دین میں شامل تھیں تو جواب میں کہا جائے گا ہم نے اسے اس لئے قتل کیا کہ ہمارا اس پر کوئی عہد و ذمہ نہیں تھا اور نہ اس کی اجازت تھی کہ چاہئے تو وہ ہم کو قتل کر دے یا ہمارا مال چھین لے۔ لہٰذا جب وہ ہم میں سے کسی کو قتل کرے گا تو ضرور اسے قتل کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ بات اس کے دین میں جائز و حلال ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہمارے سامنے گالی ظاہر کرنے کا حکم ہے کیونکہ یہ بھی موجب قتل ہے۔

سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس طرح کسی قول میں ہمارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اہل عرب ہم سے اس شرط پر جزیہ دینا قبول کریں کہ وہ (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے میں برقرار رکھے جائیں (اور ہم اسے منظور کرلیں یہ جائز ہی نہیں) اسی طرح ذمیوں میں سے اس شخص کا عہد بھی ٹوٹ جائے گا جو کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے اور ہمارے لئے وہ حلال الدم بن جائے گا۔ لہٰذا جس طرح اسلام اس مسلمان کو قتل سے نہیں بچا سکتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے اسی طرح "ذمہ" بھی اس ذمی کو قتل سے نہیں بچا سکتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے جو اقوال اپنی طرف سے اور اپنے والد کی جانب سے بیان کئے ہیں وہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے برخلاف ہیں جس میں انہوں نے سزا میں تخفیف کا ذکر کیا ہے جبکہ وہ ان باتوں میں سے ہو جن کے سبب وہ پہلے ہی سے کافر تھا۔ لہٰذا ہمیں غور و خوض کرنا چاہئے کیونکہ یہ ان کے برخلاف ہے جو اس بارے میں اہل مدینہ سے مروی ہے۔

ابومصعب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسا نصرانی لایا گیا جس نے کہا کہ "اس خدا کی قسم جس نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر پسند فرمایا ہے"۔ پھر میرے سامنے اس کے بارے میں اختلاف رونما ہوا مگر میں نے اس کو اتنا مارا کہ وہ قتل ہو گیا یعنی شبانہ روز (دن

رات) زندہ رہ کر مر گیا۔ پھر میں نے حکم دیا کہ اسے پاؤں سے گھسیٹ کر کوڑے پر ڈال دیا جائے۔ چنانچہ کتوں نے اس کی تکہ بوٹی کر ڈالی۔

ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نصرانی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کہا تھا کہ (معاذ اللہ) عیسیٰ (علیہ السلام) نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا کیا ہے۔ تو فرمایا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مصری نصرانی کے بارے میں دریافت کیا کہ اس پر یہ گواہی گزری ہے کہ اس نے کہا ہے کہ "وہ مسکین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو خبر دیتا ہے کہ وہ جنت میں ہے اس کا کیا حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی فائدہ نہ پہنچا سکا اس لئے کہ کتے اس کی پنڈلیوں کو کھاتے تھے اگر وہ اس کو قتل کر ڈالتے تو لوگ اس سے راحت پاتے۔" (لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلٰی قَائِلِهَا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ، نَسْتَغْفِرُهٗ مِنْ ذَالِكَ) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن پھر میں نے خیال کیا کہ میں اس پر خاموش نہیں رہ سکتا۔

ابن کنانہ رحمۃ اللہ علیہ "مبسوط" میں کہتے ہیں کہ جو یہودی یا نصرانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو میں حاکم کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ یا تو اسے قتل کر کے اس کے جسم کو آگ میں پھینک دے یا اگر وہ چاہے تو زندہ آگ میں جھونک دیا جائے جبکہ وہ گالی میں مبالغہ اور ضد کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مصر سے ایک مکتوب آیا جس میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا مسئلہ دریافت کیا گیا تھا تو ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ میں نے لکھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی گردن اڑا دی جائے۔ یہ کہہ کر میں نے عرض کیا: اے ابوعبد اللہ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) کہ آپ یہ بھی لکھوائیں کہ پھر اسے آگ میں جلایا جائے۔

اس پر آپ نے فرمایا: یقیناً وہ اسی کا مستحق ہے اور وہ اسی کا سزاوار ہے۔ تو میں نے اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے آپ کے روبرو لکھا اور آپ نے نہ اس کا انکار کیا اور نہ برا جانا اور وہی فتویٰ بھیج دیا گیا۔ چنانچہ اسے قتل کیا گیا اور جلایا گیا۔

ہمارے اندلس کی جماعت اصحاب سلف میں سے عبید اللہ بن یحییٰ اور ابن لبابہ رحمہما اللہ نے ایک ایسی نصرانی عورت کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے چیخ کر خدا کی ربوبیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیٹے ہونے سے انکار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تکذیب کی تھی اور یہ فتویٰ دیا کہ اگر وہ اسلام قبول کرے تو اس سے قتل معاف ہو جائے گا اور علماء متاخرین میں سے بکثرت علماء کا یہی قول ہے

جن میں سے قابسی اور ابن کاتب رحمہما اللہ بھی ہیں۔

ابو القاسم بن جلاب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

قاضی ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ وہ ذمی جس نے گالی دی پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کرنے سے حکم قتل معاف ہو جائے گا (اور دوسری روایت یہ ہے جسے) ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حد قذف وغیرہ حقوق العباد میں سے ہے ذمی کا اسلام حد کو ساقط نہیں کرتا۔ اسلام سے صرف حقوق اللہ ساقط ہوتے ہیں اور حد قذف چونکہ بندوں کا حق ہے خواہ وہ حق نبی کا ہو یا غیر نبی کا۔ لہٰذا یہ ذمی پر واجب ہی رہتے ہیں۔ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگائے اس کے بعد وہ اسلام لے آئے تو حد قذف باقی رہتی ہے۔

اب یہ غور طلب امر ہے کہ اب اس پر کیا چیز واجب ہے۔ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس پر حد قذف واجب ہے اور وہ حد یہاں پر قتل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت دوسروں سے کہیں برتر ہے یا یہ کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے قتل تو ساقط ہے لیکن اس کو اسی ۸۰ درے لگائے جائیں۔ لہٰذا اس پر غور کرنا چاہئے۔

نوٹ: مذہب حنفی کی بنا پر ذمی کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں اس قسم کے مسائل میں حد قذف اور قتل دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

چوتھی فصل

گستاخ رسول ﷺ کی میراث اور اس کے غسل ونماز جنازہ کا حکم

جو شخص نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کی بنا پر قتل کر دیا جائے اس کی میراث اور اس کے غسل ونماز کے بارے میں علماء کے اقوال یہ ہیں کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کے جرم میں قتل کر دیا جائے اس کی میراث میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ جماعت مسلمین کا حق ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینا کفر ہے جو زندیق کے کفر کے مشابہ ہے اور اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی میراث اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گی۔ اگر وہ اس کو چھپاتا تھا۔ لیکن اگر وہ اس کو اعلانیہ ظاہر کرتا تھا تو اب اس کی میراث جماعت مسلمین کو ملے گی (یعنی بیت المال میں داخل کی جائے گی) اور ہر حال میں اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر وہ اس حال میں قتل کیا جائے کہ اپنے خلاف شہادت کا انکاری تھا تو اس کی میراث میں وہی حکم ہوگا جو اس کے اقرار سے ظاہر ہے۔ یعنی اس کی میراث کے مستحق اس کے ورثاء ہی ہوں گے اور حکم قتل تو وہ اس امر کی حد ہے جو اس پر ثابت ہوا ہے اس کو میراث سے کوئی علاقہ (تعلق) نہیں۔

علی ہذا القیاس: اگر وہ گالی دینے کا اقرار کرے اور توبہ کو ظاہر کرے تو قتل ضرور کیا جائے گا چونکہ اس کی حد وہی ہے لیکن اس کی میراث اور اس کے سوا دیگر تمام احکام میں اسلام کا حکم ہوگا۔

اور اگر گالی کا اقرار کرے اور اس پر اصرار بھی کرے اور توبہ سے انکار کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے تو وہ کافر ہوگا اس کی میراث مسلمانوں کیلئے ہے نہ تو اسے غسل دیا جائے گا اور نہ اس پر نماز پڑھی جائے گی اور نہ کفن دیا جائے گا بلکہ یوں ہی کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں دبا دیا جائے گا۔ جس طرح کفار کو دبایا جاتا ہے۔

اور شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اسی شخص کے بارے میں تو ظاہر ہے جو اعلانیہ آپ ﷺ کو گالی بکتا ہو اور اس پر اسے اصرار بھی ہو اس میں اصل اختلاف کا امکان بھی نہیں کیونکہ وہ کافر و مرتد ہے جس نے نہ تو توبہ کی اور نہ اس سے باز رہا۔ یہ قول اصبغ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے۔ علی ہذا القیاس سحنون رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں اس زندیق کے بارے میں ہے کہ جو اپنے قول پر اصرار کرتا ہو اور اسی طرح عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ میں امام مالک رحمۃ

اللہ علیہکے اصحاب کی ایک جماعت کا قول اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے کفر کا اعلان کرے۔ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کا حکم مرتد کا سا ہے کہ نہ تو اس سے اس کے مسلمان ورثاء ہی مستحق ہوتے ہیں اور نہ وہ لوگ وارث بنتے ہیں جن کے دین میں وہ داخل ہوا تھا۔ نہ اس کی وصیتیں نافذ ہیں اور نہ غلاموں کو آزاد کرنا جائز اور یہی اصبغ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ خواہ اسے اس حالت پر قتل کیا جائے یا اپنی موت پر مرجائے اور ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اختلاف علماء صرف اس زندیق کی میراث میں ہے جو توبہ کو ظاہر کرے پھر اس کی توبہ قبول نہ کی جائے لیکن جو مرتد سرکش ہوا اس میں قطعاً اختلاف نہیں ہے کہ ورثاء اس کے مال کے وارث ہوں گے ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کو گالی نکالی پھر وہ مرجائے اور اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب ابن حبیب'' میں اس شخص کے بارے میں قتل کہا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی ہے یا ایسے دین کا اعلان کرے جس سے دین اسلام چھوٹ جائے تو بلاشبہ اس کی میراث جماعت مسلمین (بیت المال) کو ملے گی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق، ربیعہ، امام شافعی، ابوثور اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ نے کہا کہ مرتد کی میراث جماعت مسلمین کو ملے گی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں اختلاف مروی ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، ابن مسعود، ابن مسیب، حسن، شعبی، عبدالعزیز، حکم اور اوزاعی، لیث، اسحاق اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے مسلمان ورثاء اس کی میراث پائیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم اس مال کا ہے جو مرتد نے ردت سے قبل کمایا ہے لیکن وہ مال جو اس نے ردت کے بعد کمایا تو وہ جماعت مسلمین (بیت المال) کو ملے گا۔ مگر ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کی تفصیل اپنے باقی جواب میں عمدہ اور ظاہر ہے۔

قرطبہ کے فقہاء، عبدالملک فقیہہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی ہارون ابن حبیب کے مسئلہ میں مختلف ہوگئے کیونکہ وہ تنگدل اور بدخلق تھا اس پر اس کے برخلاف متعدد شہادتیں گزریں۔ ان میں سے ایک یہ ہے اس نے مرض سے صحت پانے کے بعد کہا کہ میں اپنے مرض سے اس قدر تنگ آ گیا تھا کہ اگر میں (سیدنا) ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کو بھی قتل کر دیتا تو میں اس تمام بیماری کا مستحق نہ ہوتا۔ اس پر ابراہیم بن حسین بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ چونکہ اس کا یہ قول اس کا مقتضی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر ظلم وجور کی نسبت کی ہے اس خصوص میں اشارہ بھی تصریح کا حکم رکھتا ہے اور اس کے بھائی عبدالملک بن حبیب اور ابراہیم بن حسین بن عاصم اور سعید بن سلیمان قاضی رحمہم اللہ نے قتل

سے باز رکھنے کا فتویٰ دیا۔ مگر قاضی نے یہ مناسب جانا کہ اسے قید سخت میں رکھا جائے اور شدید سزادی جائے کیونکہ اس کا کلام متحمل اور شکوہ کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔

اب رہی اس کی وجہ ''جس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی اور اس سے توبہ لینے کا حکم دیا'' تو یہ صرف اس کے کفر و ردت کی وجہ سے ہے چونکہ اس کے ساتھ کسی غیر اللہ کا حق متعلق نہیں ہے تو یہ اس کفر سے مشابہ ہے جو بغیر گالی کے ہو گویا کہ یہ اظہار ہے کہ اب وہ اسلام کے مخالف کسی دوسرے دین کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

(اب رہا وہ قول جس میں اس کے) توبہ نہ لینے کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اظہار اسلام کے بعد اس کے منہ سے گالی نکلی تو ہم نے اس کو متہم جانا اور گمان کیا کہ اس کی زبان پر گالی جب ہی آتی کہ وہ دل سے اس کا معتقد تھا۔ کیونکہ ایسی باتوں میں کوئی تسامح نہیں کرتا لہٰذا اس کا حکم زندیق کی طرح ہے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اور جب وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہو گیا اور اس سے گالی ظاہر ہوئی تو وہ ارتدار کے معنی میں ہوگا۔ گویا اب یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیا ہے۔ بخلاف پہلے شخص کے کہ وہ اسلام کا پابند ہے۔ ایسے شخص کا حکم مرتد کے حکم میں ہے جس سے بمذہب اکثر علماء توبہ لی جائے گی یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور اس کے خلاف کو فصلوں میں بیان کیا ہے۔

تیسرا باب

اس شخص کے حکم کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں، فرشتوں اور کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کی آل و اولاد کو برا کہتا ہے۔ اس کی نو فصلیں ہیں۔

پہلی فصل

شانِ الٰہی کے خلاف کلمات بولنے کا حکم

اب رہا ایسے شخص کا حکم جو اللہ تعالیٰ کی نسبت ایسی باتیں منسوب کرے جو اس کے لائق نہیں ہیں جو نہ تو بر سبیل سب و شتم اور نہ بطریق ردت اور ارادۂ کفر ہو بلکہ بر وجہ تاویل و اجتہاد اور خطا کے ہو اور وہ مقتضی خواہشات نفسانی اور بدعت ہو مثلاً تشبیہ دینا یا کسی عضو سے موصوف کرنا یا کسی صفت کی نفی کرنا وغیرہ۔

تو یہ امر ہے کہ جس کے قائل و معتقد کی تکفیر میں علماء سلف و خلف کا اختلاف ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا بھی اس میں اختلاف مروی ہے اور جب ایسے لوگ جماعت بندی کر کے قوت پکڑ لیں تو ان سے قتال و جہاد کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور ان سے توبہ طلب کی جائے گی۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو فبہا ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

البتہ علماء کا اختلاف منفرد (تنہا) شخص میں ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا قول اس کی تکفیر سے باز رہنے اور اس کو قتل سے چھوڑنے میں ہے۔ البتہ اس کی سزا میں مبالغہ اور قید میں درازی اس عرصہ تک ہو گی کہ وہ اپنے عقیدے سے رجوع ظاہر کرے اور اپنی توبہ کا اعلان کرے۔ جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صبیغ بن شریک تمیمی کے ساتھ کیا تھا اور یہ محمد بن المواز رحمۃ اللہ علیہ کا ''خوارج'' میں اور عبدالملک بن الماجشون رحمہما اللہ کا قول ہے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا قول تمام اہل ہواء (بدعتیوں) کے لیے ہے اور اس کے ساتھ موطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تفسیر کی گئی ہے۔ جس کو انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جدو عم سے قدریہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان سے توبہ طلب کی جائے۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو فبہا ورنہ وہ قتل کئے جائیں اور عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ سے اہل ہواء کے بارے میں یعنی اباضیہ و قدریہ اور ان کی مثل دیگر

اہل بدعت جو اہل سنت و جماعت کے مخالف اور کتاب الٰہی میں تحریف و تاویل کے خوگر ہیں فرمایا کہ ان سے توبہ طلب کی جائے خواہ وہ اپنے اعتقاد کو ظاہر کریں یا چھپائیں اگر وہ توبہ کرلیں تو فبہاورنہ قتل کئے جائیں اور ان کی میراث ان کے وارثوں کیلئے ہے نیز اسی طرح ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب محمد'' میں فرقہ قدریہ وغیرہ کے بارے میں فرمایا ہے۔

اور ان سے توبہ طلب کرنا یہ ہے کہ ان سے کہا جائے کہ جس پر تمہارا اعتقاد ہے اس سے باز آ جاؤ۔ اسی طرح مبسوط میں اباضیہ، قدریہ اور تمام اہل بدعت کے بارے میں مذکورہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور اپنی بری رائے کی وجہ میں قتل ہوئے ہیں اور یہی عمل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا۔ اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ کرے تو فبہا ورنہ وہ قتل کر دیا جائے اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کو کافر کہتے ہیں سحنون رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس شخص کے بارے میں اسی طرح مروی ہے جس نے کہا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے''۔ (فرمایا کہ) وہ کافر ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف روایتیں مذکور ہیں اور ابومسہر اور مروان بن محمد طاطری وغیرہ شامیوں کی روایتوں میں تو ان کو مطلقاً کافر کہا ہے اور ان سے جب ایک قدری شخص کو لڑکی دینے کے بارے میں مشورہ لیا گیا تو فرمایا ان سے بیاہ نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ۔ (البقرہ ۲۲۱)

اور بیشک مومن غلام بہتر ہے (آزاد) مشرک سے۔

اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ اہل ہوا تمام کے تمام کافر ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے ذات باری تعالیٰ کیلئے کوئی حصہ جسم مانا مثلاً کان اور آنکھ وغیرہ تو قائل کا وہی عضو اور حصہ جسم قطع کیا جائے۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی جان (جسم وغیرہ) سے تشبیہ دی۔

اور آپ نے اس شخص کیلئے جس نے قرآن کو مخلوق کہا تھا کفر کا فتویٰ دیا اور حکم دیا کہ قتل کر دیا جائے اور ابن نافع رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کو کوڑے مارے جائیں اور دردناک مار لگائی جائے اور قید میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے اور بشر بن بکر تنیسی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اور توبہ قبول نہ کی جائے۔

قاضی ابوعبداللہ بَرْنکانِیُ اور قاضی ابوعبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جو عراق کے ائمہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ اس کے مختلف جواب ہیں ان میں سے جو شخص جاننے والا (عالم) ہے اور لوگوں میں

تبلیغ و دعوت دیتا ہے اسے تو قتل کر دیا جائے علی ہذا الخلاف اعادۂ صلوۃ میں جوایسواں کے پیچھے پڑھی گئی۔ اس میں بھی مختلف ہیں ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ قدریوں سے توبہ طلب نہ کی جائے اور اکثر سلف کے اقوال ان کی تکفیر میں ہیں اور ان ائمہ میں سے جنہوں نے تکفیر کی ہے لیث اور ابن عینیہ اور ابن لھیعۃ رحمۃ اللہ علیہم ہیں اور ان سے یہ حکم اس شخص کیلئے مروی ہے جس نے قرآن کومخلوق کہا ہے اور اسی کے ابن المبارک، اودی، وکیع، حفص بن غیاث، ابواسحاق فزاری، ہشیم اور علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ قائل ہوئے ہیں اور یہی قول اکثر محدثین، فقہا اور متکلمین کا قائلین خلق قرآن اور خوارج و قدریہ گمراہ اہل ہوا اور تاویل کرنے والے بدعتیوں کے بارے میں ہے۔ یہی قول امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ہے علی ہذا القیاس ان حضرات نے یہی حکم ان لوگوں کے بارے میں دیا ہے جو ان اصولوں سے توقف اور شک کرے۔

اور وہ حضرات جن سے دوسرے قول کا مفہوم مروی ہے یعنی ان کی تکفیر نہ کی جائے سیدنا علی ابن ابی طالب، سیدنا ابن ابی عمر اور حسن بصری رحمہم اللہ ہیں اور یہی رائے فقہاء و اہل نظر اور متکلمین کی ایک جماعت کی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے اہل جردا (خوارج وغیرہ) اور قدریوں کے مردوں کا ورثہ ان کے وارثوں کو دلایا تھا۔ اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر کے ان پر اسلام کے احکام جاری کئے تھے۔

قاضی اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ قدریوں اور تمام اہل بدعت سے توبہ لی جائے اگر وہ توبہ کر لیں تو فبہا ورنہ قتل کر دئے جائیں۔ اس لئے کہا کہ وہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ جیسا کہ باغیوں کا حکم ہے کہ حاکم و امام اگر مناسب خیال کرے تو ان کو قتل کر سکتا ہے اگرچہ انہوں نے کسی کو قتل نہ کیا ہو۔ حالانکہ باغیوں کا فساد تو صرف اموال اور دنیاوی مطاع و امور میں ہے اگرچہ کبھی دینی امور میں بھی ہوتا ہے مثلاً حج اور جہاد کے راستوں میں لیکن اہل بدعت کا فساد تو دین کے اہم امور میں ہوتا ہے اگرچہ کبھی دنیاوی اور دینی معاملات میں بھی ہو۔ مثلاً وہ مسلمانوں کے درمیان عداوت وغیرہ پھیلائیں۔ لہٰذا دین کے فساد کو مٹانا دنیا کے فساد کو رفع کرنے سے کہیں زیادہ افضل و اعلیٰ ہے۔

دوسری فصل

متاولین کی تکفیر میں تحقیقی قول

ہم ان علماء سلف کے اقوال ومذاہب بیان کر چکے ہیں جنہوں نے ان اصحاب بدعت وہوا اور متاولین کو کافر کہا ہے جن کی باتیں ان کو قریب بکفر لے جاتی ہیں۔ اگر اس کے قائل کو علم ہو جائے تو وہ ایسی باتیں نہ کہے جو ان کو کفر تک لے جائیں۔ ان کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء و متکلمین اس بارے میں مختلف ہیں چنانچہ کچھ علماء نے تو ان کی تکفیر کو درست وصواب کہا ہے جس کے جمہور سلف قائل ہیں۔

اور کچھ علماء ایسے ہیں جنہوں نے تکفیر کا انکار کیا ہے اور انہوں نے ان کو ملت اسلامیہ سے نکالنا مناسب نہ جانا۔ یہ قول اکثر فقہاء و متکلمین کا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فاسق مرتکب کبائر گمراہ تو ہیں لیکن ہم ان کو مسلمانوں کا ورثہ دلاتے ہیں۔ اور ان پر اسلامی احکام جاری رکھتے ہیں۔ بایں وجہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں ان کو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تمام شاگردوں کا ہے۔ جن میں مغیرہ وابن کنانہ اور اشہب رحمہم اللہ بھی ہیں۔ سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرتکب کبائر فاسق مسلمان ہیں محض ارتکاب گناہ انہیں اسلام سے خارج نہیں کرتا اور دیگر علماء اس بارے میں متردد ومضطرب ہیں اور وہ ان کی تکفیر و اسلام میں توقف کرتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں دو قول مختلف ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد اعادہ صلوۃ میں توقف فرماتے ہیں۔

علی ہذا القیاس امام اہل التحقیق والحق قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے فرماتے ہیں یہ مسئلہ مشکل ہے کیونکہ علماء ملت نے کلمہ کفر کی تصریح نہیں کی۔ یہ تو کہہ دیا کہ ایسا کلمہ مُفْضِی اِلَی الْکُفْرِ ہے اور خود ان کا قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متردد ومضطرب ہے یہاں تک انہوں نے فرمایا کہ یہ صرف علماء کی رائے ہے کہ متاولین کو انہوں نے کافر کہا اور یہ کہ ان کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں اور نہ ان کا ذبیحہ کھانا حلال اور نہ ان کے جنازے کی نماز پڑھائی جائے۔ اسی طرح ان کے ورثہ میں بھی اختلاف ہے جس طرح مرتد کی میراث میں ہے۔

قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم ان کی میراث ان کے مسلمان ورثاء کو دلاتے ہیں اور ان کو ہم مسلمانوں کا وارث نہیں بناتے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ان کے انجام کے لحاظ سے

ترک تکفیر کی طرف تھا۔

اسی طرح اس بارے میں ان کے شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی مضطرب ہے اور ان کا اکثر قول ترک تکفیر ہی کا ہے اور یہ کہ ان کا کفر تو ایک ہی خصلت ہے وہ وجود باری کے ساتھ جہالت ولاعلمی ہے۔ حضرت اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے یا مسیح (خدا) ہے یا جو اسے راہ میں ملے اس کو وہ کہہ دے کہ یہ خدا ہے۔تو وہ عارف ربانی نہیں بلکہ وہ کافر ہے۔ اسی طرح ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان جوابات میں جو ابومحمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کو دیئے تھے جبکہ انہوں نے ان سے مسئلہ دریافت کیا تھا تو انہوں نے عذر فرمایا کہ اس میں یعنی تکفیر وعدم تکفیر میں سخت غلطی ہو جاتی ہے کیونکہ ملت اسلامیہ میں کافر کو داخل کرنا اور اس سے کسی مسلمان کو نکالنا دین میں بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ ان دونوں کے سوا علماء محققین متاولین کی تکفیر میں احتراز و اجتناب کو واجب گردانتے ہیں۔ کیونکہ موحد نمازی کے خون کو مباح الدم قرار دینا خطرناک غلطی ہے اور ہزار کافر کے ترک میں خطا کر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک مسلمان کے خون کو بہایا جائے۔

یقیناً سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ جب وہ یہ کہہ دیں یعنی کلمہ شہادت کا زبان سے اقرار کرلیں تو انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اموال کو مجھ سے محفوظ کرلیا۔ بجز ان کے حقوق کے اب ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

معلوم ہوا کہ اقرار شہادت کے ساتھ ان کا بچاؤ یقینی اور قطعی ہے اور یہ حکم ان سے مندفع نہیں ہوسکتا اور نہ اس کا خلاف مباح ہوسکتا ہے۔ مگر اسی صورت میں کہ کوئی قطعی دلیل موجود ہو اور شرع وقیاس سے کوئی اس کا قاطع نہ ہو۔

اب رہی یہ بات کہ احادیث میں جو باب تکفیر میں الفاظ مروی ہیں وہ تاویل طلب ہیں۔ اب جو حدیث میں قدریوں کے کفر کی تصریح وارد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''اسلام میں ان کا کچھ حصہ نہیں'' اور یہ کہ رافضیوں کو مشرک فرمانا اور ان پر لعنت کرنا علیٰ ہذا القیاس خوارج وغیرہ اہل ہواء کے بارے میں جو منقول ہیں جو ان سے تکفیر کرنے والے حجت میں استدلال کرتے ہیں اور دیگر حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہی الفاظ حدیث میں کافروں کے سوا دوسروں پر بھی وارد ہیں (یعنی گناہ گار مسلمانوں کیلئے حالانکہ وہ کافر نہیں ہیں) سو یہ الفاظ بغرض زجر وتوبیخ ہیں اور یہ کفر (صریح) سے کم اور یہ شرک، شرک (جلی) سے کم درجہ کا ہے اور اسی طرح ریاکاری اور والدین کی نافرمانی، بیوی کا شوہر کی حکم عدولی، جھوٹ اور تہمت کے گناہوں کے بارے میں آیا ہے جب

کسی کلام میں دو باتوں کا احتمال ہو تو ان میں سے کسی ایک پر بلا دلیل قطعی یقین نہیں کیا جا سکتا اور حضور ﷺ کا خوارج کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ وہ مخلوق میں بدتر ہیں''۔

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ ۲/۷۴۴۔۷۴۱ صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۴/۱۰۹،۱۱۰، کتاب المناقب ۲/۱۶۰)

حالانکہ یہ صفت خاص کفار کیلئے ہے اور ارشاد ہے کہ وہ آسمان کے نیچے بہت برے ہیں۔ خوشی ہو اسے جو ان کو قتل کرے یا وہ جوان کے ہاتھوں مقتول ہو اور فرمایا کہ جب تم ان کو پاؤ تو قتل کر ڈالو جیسے قوم عاد کا قتل ہوا تھا۔ تو ان سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو ان کو کافر کہتے ہیں۔

اور دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ان لوگوں کا قتل کرنا صرف ان کے خروج و بغاوت کی وجہ سے تھا کہ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے کیلئے نکلتے تھے اور ان سے بغاوت کی تھی اور اس کی دلیل اسی حدیث میں ہے کہ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ تو ان کا اس مقام پر قتل کرنا بطور حد وتعزیر تھا نہ کہ کفر کی وجہ سے اور قوم عاد کی تشبیہ کا ذکر کرنا بھی قتل و حلال کیلئے ہے نہ کہ مقتول کیلئے اور جس کسی کو بھی قتل کا حکم دیا جائے یہ ضروری نہیں کہ اس کے کفر کا بھی (حکم) دے دیا جائے اور اس کا معارض حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اسی حدیث میں یہ قول ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں اس پر ارشاد ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ نمازی ہو۔ اب اگر وہ حضرات حضور ﷺ کے اس کے ارشاد سے استدلال کریں کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا اور یہ کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہو گا۔ اسی طرح حضور کا یہ ارشاد کہ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر۔ پھر وہ اس کی طرف نہ لوٹ سکیں گے۔ یہاں تک کہ تیر اپنے کمان کی طرف لوٹ آئے اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ جس طرح تیر لید (گوبر) اور خون سے نکل جاتا ہے یہ ارشادات دلالت کرتے ہیں کہ ان سے اسلام کا علاقہ ہی جاتا رہے گا اور کچھ بھی اسلام کا حصہ باقی نہ رہے گا۔

لیکن دوسرے حضرات جواب دیتے ہیں کہ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دل سے اس کے معانی نہ سمجھ سکیں گے اور ان کو انشراح صدر حاصل نہ ہو گا اور اس پر عمل نہ کر پائیں گے اور یہ حضرات معارضہ میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں کہ وہ تیر کے بارے میں نزاع کریں گے (کہ آیا اس پر خون لگا ہے یا نہیں) گویا ان کے شک کی حالت کا بیان مقصود تھا اور اگر سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کریں جو اس حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ''وہ اس امت میں نکلیں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ ''اس

امت سے نکل جائیں گے'' اور سیدنا ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لفظ کی وضاحت کی ہے اور اسی کو ضبط کیا ہے۔ اس پر دوسروں نے یہ جواب دیا کہ امت میں کہنا اس تصریح کا متقاضی نہیں کہ وہ اس امت میں سے نہیں ہیں۔ بخلاف لفظ من کے جو ''بعضیت'' کے معنی میں آتا ہے۔ حالانکہ وہ امت میں سے ہی ہوں گے باوجود اس کے سیدنا ابوذر، سیدنا علی اور سیدنا ابی امامہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے حدیث میں مروی ہے کہ وہ میری امت سے نکلیں گے اور عنقریب میری امت میں سے نکلیں گے حالانکہ ان حروف کے معانی مشترک ہیں۔ لہٰذا لفظ ''فی'' سے ان کو امت میں سے نکالنے کا لفظ ''من'' سے امت میں داخل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں رہا۔ لیکن سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا اس لفظ کے ساتھ تنبیہ فرمانا بہت عمدہ اور خوب ہے اور یہ اس پر حجت قویہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فقہ اور معانی کی تحقیق و تجسس اور الفاظ و روایت کے احتیاط میں وسیع علم رکھتے تھے یہ مذہب اہل سنت و جماعت کے معروف و مشہور ہیں اور ان کے سوا دیگر فرقوں کے اقوال اس بارے میں بکثرت ہیں لیکن وہ سب کے سب مضطرب اور بے ہودہ ہیں۔ البتہ قرب الی الصواب جہم اور محمد بن شبیب رحمہما اللہ کا قول ہے۔ وہ یہ کہ کفر باللہ سے نادانی و جہالت کے سوا کوئی شخص کسی اور سبب سے کافر نہیں ہوتا۔

ابوہذیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر متاول جس کی تاویل میں اللہ تعالیٰ کا اسکی مخلوق کے ساتھ مشابہت اور اس کو اس کے افعال میں جابر وظالم (معاذ اللہ) اور اس کی خبر کا جھٹلانا وغیرہ ہو وہ کافر ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کا قدیم ہونا ثابت کرے جسے اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا وہ کافر ہے۔

بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ جو کوئی (کتاب و سنت) اصل و ماخذ کو پہچانتا ہو اور اس پر اپنے قول کو محمول کرتا ہو اور وہ ہو اوصاف الٰہی میں سے سو وہ کافر ہے اور اگر وہ اس باب (یعنی اوصاف الٰہی) سے نہ ہو تو وہ فاسق ہے مگر یہ کہ وہ اصل ہی کہ نہ پہچانتا ہو تو وہ خطاوار ہے نہ کہ کافر۔

اور عبیداللہ بن حسن عنبری رحمۃ اللہ علیہ اصول دین میں مجتہدین کے اقوال کی تصویب و صحت کی طرف گئے ہیں جن میں کہ تاویل ممکن ہے۔ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قول میں تمام فرقہائے ملت سے بالکل جداگانہ طرز اختیار کی ہے کیونکہ اس کے سوا تمام علماء ملت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اصول دین میں حق ایک ہی میں منحصر ہے اور اس میں خطا کرنے والا گنہگار، عاصی، اور فاسق ہے اور علماء کا اختلاف صرف تکفیر میں ہی واقع ہوا ہے۔

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مثل بروایت داؤد اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک قوم نے ان دونوں سے اس بات کو نقل کیا ہے کہ ان دونوں

نے اس بات کو ہر اس شخص کے حق میں کہا ہے جس کی حالت سے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو کہ اس نے طلب حق میں اپنی کوشش کو مقدور بھر پورا کر ڈالا ہو۔ خواہ وہ ہماری ملت میں سے ہو یا کسی دوسرے مذہب کا۔ اسی کے مشابہ حافظ اور تمامہ رحمۃ اللہ علیہم نے بھی کہا ہے کہ اکثر عوام، عورتیں، بیوقوف (نادان) اور یہود ونصاریٰ کے پیروکار وغیرہ پر اللہ تعالیٰ کی حجت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی طبیعتیں ایسی تھی ہی نہیں جو وہ استدلال سے کام لیتے اور کتاب تغرقہ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی تقریبا ایسے ہی مذہب کے قائل ہوئے ہیں اور ان سب باتوں کے قائل بھی بالا جماع ایسے ہی کافر ہیں جیسے وہ شخص جو یہود اور نصاریٰ اور ہر وہ شخص جو دین اسلام سے جدا ہو گیا۔ جو ان کو کافر نہ جانے یا وہ ان کی تکفیر میں توقف یا شک کرے۔

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ توقیف اور اجماع دونوں ان لوگوں کے کفر پر متفق ہیں۔ لہٰذا جو کوئی بھی اس میں توقف کرے گا یا تو وہ نص اور توقیف (اجماع) کی تکذیب کرے گا یا اس میں شک کرتا ہے تو اس میں وہی شخص تکذیب یا شک کرے گا جو کہ کافر ہے۔

تیسری فصل

ان مقولہ جات کا بیان کہ جس میں کفر ہے اور جس میں توقف یا اختلاف ہے اور کونسا مقولہ کفر نہیں

معلوم ہونا چاہئے کہ اس میں جو تحقیق اور ازالہ شبہات ہے وہ ازروئے شرع ہے اس میں عقل کو مجال نہیں۔ اس میں بین فرق ہے کہ ہر وہ مقولہ جس میں ربوبیت یا وحدانیت کی صراحت سے نفی ہو یا کسی غیر اللہ کی پرستش یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کی عبادت میں شمولیت ہو تو وہ کفر ہوگا۔ جیسے دہریوں کے اقوال اور تمام وہ فرقے جو دو معبودوں کو مانتے ہیں مثلاً دیصانیہ (دیصانیہ ایک مجوسی تھا جو کہ نور کو حی (زندہ) اور ظلمت کو میت (مردہ) کہتا تھا۔ (مترجم) مانویہ (جو مانی ایک حکیم طبع مجوسی تھا وہ نور کو خیر اور ظلمت کو خالق شر کہتا تھا اور نبوت کا مدعی تھا (مترجم)۔ وغیرہ جیسے صائبین، نصاریٰ اور مجوس ہیں اور وہ لوگ جو بتوں یا فرشتوں یا شیطانوں یا سورج یا ستاروں یا آگ وغیرہ یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کی عبادت کی وجہ سے مشرک ہیں جیسے مشرکین عرب، ہندو، چینی، سوڈانی وغیرہ ہیں جو کہ کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اسی طرح قرامطہ اور اصحاب حلول اور تناسخ جو روافض میں باطنیہ اور طیارہ کے نام سے مشہور ہیں۔

اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت و واحدانیت کا تو قائل ہو لیکن وہ یہ اعتقاد رکھے (معاذ اللہ) کہ وہ حی نہیں ہے یا غیر قدیم ہے اور یہ کہ وہ محدث ہے یا یہ کہ اس کی شکل وصورت ہے یا یہ کہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کا کوئی بچہ یا شریک (ساتھی) یا باپ ہے یا یہ کسی شے سے متولہ (پیدا) ہوا ہے یا اس سے کوئی متولد وکائن ہوا ہے یا یہ کہ اس کے ساتھ ازل سے کوئی شے اس کے سوا قدیم ہے یا یہ کہ جہاں میں اس کے سوا کوئی اور صانع اور مدبر ہے۔ یہ تمام باتیں کفر ہیں جس پر اجماع امت مسلمہ ہے مثلاً فلاسفہ الٰہیات اور منجموں اور نیچریوں کا قول ہے۔ اسی طرح یہ بھی کفر ہے جو دعویٰ کرے کہ کوئی اللہ کے ساتھ بیٹھا ہے یا اس کی طرف چڑھتا ہے یا اس سے (زبان سے) مکالمہ کرتا ہے یا کسی شخص میں وہ حلول کرتا ہے۔ جیسا کہ بعض متصوفہ، باطینہ، نصاریٰ، اور قرامطہ کا قول ہے۔

اسی طرح اس کے کفر پر ہم یقین رکھتے ہیں جو کہے کہ عالم قدیم ہے یا عالم ہمیشہ باقی رہے گا یا اس میں شک کرے جیسا کہ بعض فلسفیوں اور دہریوں کا مذہب ہے یا یہ کہے کہ ارواح میں تناسخ ہے

اور کہے کہ ہمیشہ یوں ہی لوگوں میں روحیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی۔ ستھرائی اور خباثت کے لحاظ سے ان کو عذاب ہوتا ہے اور نعمتیں ملتی ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو الوہیت ووحدانیت کا تو معترف ہو مگر نبوت کا عمومیت کے ساتھ یا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا خصوصیت کے ساتھ یا کسی ایسے نبی کی نبوت کا انکار کرتا ہو جس پر اللہ تعالیٰ کی نص موجود ہے پھر وہ علم کے باوجود انکار کرے تو وہ بلا شک کافر ہے۔ جیسے کہ براہمہ اور بڑے بڑے یہود، رؤساء نصاریٰ اور روافض کے عجوبہ خیال لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی (معاذ اللہ) مبعوث و نبی تھے اور ان کی طرف ہی جبریل علیہ السلام (وحی لے کر) آتے تھے اور جیسے کہ روافض کے فرقہ معطلہ، اسماعیلیہ اور عنبریہ وغیرہ ہیں اگر چہ ان فرقوں میں سے کچھ لوگ کفر میں دوسروں کے ساتھ جو ان سے پہلے ہیں شریک ہیں۔

اسی طرح وہ شخص جو کہ وحدنیت، عام نبوت اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت کو تو مانتا ہو لیکن انبیاء علیہم السلام جو لائے اس میں کذب (جھوٹ) کو جائز مانتا ہو اور اپنے زعم میں اس میں مصلحت کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو (بہر حال) وہ بالا جماع کافر ہے جیسے کہ متفاسفہ، بعض باطنیہ، روافض غالی متصوفہ اور اصحاب اباحت وغیرہ کیونکہ ان کا زعم ہے کہ ظاہر شریعت اور اکثر وہ خبریں جو انبیاء و رسول علیہم السلام لائے ہیں مثلاً گزشتہ و آئندہ کی غیبی خبریں آخرت وحشر و قیامت، جنت و دوزخ وغیرہ کی باتیں وہ ایسی نہیں ہیں جو ان کے ظاہر الفاظ کا تقاضا ہے اور جو کلام سے سمجھی جاتی ہیں اور مصلحت کی خاطر اس سے لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو ممکن نہ تھا کہ اصل حقیقت کا اظہار کرتے کیونکہ ان کے افہام ناقص تھے۔ ان کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت باطل ہو اور اوامر و نواہی معطل ہوں رسولوں کی تکذیب ہو اور جو وہ لائے ہیں اس میں شک و تر دد واقع ہو۔ (لیکن مسلم مشائخ طریقت ان ہفوات سے بری اور منزہ ہیں یا یہ کہ ان کی اصطلاحات کے معنی و مفہوم سے وہ نابلد ہیں اور ان سے ان کا اہل ہی معرفت حاصل کر سکتا ہے یا یہ کہ بعض ملحدین نے اپنے اقوال کو مشائخ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ یہی ہمارا عقیدہ صوفیائے کرام اور مسلم مشائخ طریقت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے۔ (واللہ اعلم مترجم)

اسی طرح جو شخص ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ کی تبلیغ رسالت اور جو کچھ آپ لائے اس میں بالقصد کذب کی نسبت کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق میں شک کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ نہیں کی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرے یا انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی اہانت کرے یا انہیں گناہ گار کہے یا انہیں اذیت پہنچائے یا کسی نبی کو قتل کرے یا ان

سے جنگ کرے تو وہ بالا جماع کافر ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو بعض قدماء کا مذہب اختیار کرے جن کا اعتقاد تھا کہ حیوانات کی ہر جنس میں نذیر اور نبی ہے۔ خواہ وہ حیوان بندر ہو یا خنزیر یا جو پائے اور کیڑے مکوڑے وغیرہ ہوں۔ ایسوں کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ (فاطر۲۴)

ترجمہ اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

(اس اعتقاد میں کفر کی) دلیل یہ ہے کہ اگر ان جنسوں میں نبی مانا جائے تو ان جنسوں کے نبیوں کو ان کی بری صفات کے ساتھ متصف ماننا پڑے گا۔ اسی طرح پر اس منصب جلیل عظیم اور صاحب شرافت و فضیلت پر عیب لگتا ہے۔ علاوہ بریں اس کے خلاف پر اجماع امت مسلمہ ہے اور اس کا قائل کذاب و مفتری ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو ماسبق کے بیان کردہ اصول صحیحہ اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا قائل ہو مگر یہ کہتا ہو آپ ﷺ کالے رنگ کے تھے یا آپ ﷺ ریش مبارک نکلنے سے پہلے وفات پا گئے یا آپ ﷺ وہ نہیں جو مکہ مکرمہ اور حجاز مقدس میں پیدا ہوئے تھے یا یہ کہ آپ ﷺ قریشی نہ تھے۔ دلیل کفر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ایسی تعریف کرنا جو آپ ﷺ کی معروف و مشہور اوصاف کے خلاف ہو گویا اس نے آپ ﷺ کی نفی کی اور آپ ﷺ کی تکذیب کی۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی اور شخص کی نبوت کا اقرار کرے۔ (خواہ آپ ﷺ کے زمانہ حیات ظاہری میں یا) آپ ﷺ کے بعد مانے۔ جیسے کہ یہود میں سے فرقہ عیسویہ ہے جس کا اعتقاد ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت خاص عرب کی طرف تھی یا جیسے خرمیہ کہتے ہیں کہ رسول پے در پے آتے رہیں گے۔ (یا جیسے آج کل کے فرقہ قادیانیہ جو غلام احمد کی نبوت کے قائل ہیں) (اس فرقے کو حکومت پاکستان ۱۹۷۷ء میں کافر قرار دے چکی ہے جبکہ اس قرار داد کے بل کو اہل سنت و جماعت کے قائد مولانا الشاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ نے قومی اسمبلی میں پیش کیا تھا اور آپ اور دیگر علماء کی جدوجہد سے بالآخر قادیانی کے پیروکار خواہ اسے وہ نبی مانتے ہوں یا مجدد حکومتی سطح پر کافر قرار دیے گئے اور ان کو اقلیتوں میں شامل کیا گیا (ادارہ)۔ یا جیسے اکثر روافض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سیدنا علی مرتضیٰ (معاذ اللہ) رسالت میں شریک ہیں اور آپ کے بعد اسی طرح ہر امام ان کے نزدیک نبوت و رسالت اور حجت میں حضور ﷺ کا قائم مقام نبوت

وجحت ہے۔ جیسے روافض میں سے فرقہ بریعیہ اور بیانیہ وغیرہ ہیں کہ وہ بریع اور بیان وغیرہ کی نبوت تک پہنچنا جائز مانتا ہے یا جیسے فلاسفہ اور غالی متصوفہ۔

اسی طرح وہ شخص جو اپنے لئے نبوت کا دعوی کرے یا منصب بوت کو اکتسابی قرار دے اور قلب کی صفائی کے ذریعہ مرتبہ نبوت کے حصول کو جائز جانے جس طرح فلاسفہ اور غالی متصوفہ ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو ان میں سے یہ دعوی کرے کہ میری طرف وحی آتی ہے اگرچہ وہ نبوت کا دعویٰ نہ کرے یا یہ کہے کہ آسمان تک چڑھ جاتا ہوں اور جنت میں داخل ہو جاتا ہوں اور جنت کے پھل کھاتا ہوں اور حور وعین سے معانقہ کرتا ہوں۔

تو یہ سب کے سب کافر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے کذاب ہیں۔ اس لئے کہ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یسے خاتم النبیین ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو منصب نبوت ملنا ہی نہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جانب خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کی طرف رسول کئے گئے ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر معنی پر ہی محمول ہے اور ان کا مفہوم و مراد بغیر تاویل و تخصیص کے یہی ہے۔ چنانچہ ان تمام گروہوں اور فرقوں کے کفر میں اجماع قطعی اور سمعی کی طرح شک و تردد نہیں ہے۔

اسی طرح ہر اس شخص کے کفر پر اجماع ہے جو نص کتاب کو دفع کرتا ہے یا کسی ایسی حدیث کی تخصیص کرتا ہے جس کی نقل پر یقین ہے اور وہ بالا جماع اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے۔ جیسے کہ خوارج کو حکم رجم کے باطل کہنے کی بنا پر کافر کہا گیا۔

اور اسی بنا پر ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو مسلمان کے دین کے سوا کسی اور دین کے معتقد کو کافر نہیں کہتا یا ان میں توقف کرتا ہے یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے یا ان کے دین و مذہب کو صحیح کہتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کے ساتھ اسلام کو بھی ظاہر کرتا اور اسلام پر اعتقاد رکھتا ہو اور اسلام کے سوا ہر مذہب کو باطل کہتا ہو تب بھی وہ کافر ہے کیونکہ وہ اس کے خلاف ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر یقین رکھتے ہیں جو ایسی بات کہے جس سے کل امت کی ضلالت (گمراہی) اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر تک نوبت پہنچے جیسے روافض میں کمیلیہ کا قول ہے۔ اس لئے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بربنائے عدم تقدم سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم تمام امت کی تکفیر کرتے ہیں اور یہ گروہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھی کافر گردانتا ہے۔ چونکہ وہ خود کیوں آگے نہ بڑھے اور ان لوگوں سے پیش قدمی کر کے اپنا حق حاصل کیوں نہ

کیا۔ لہٰذا یہ گروہ کئی وجوہات سے کافر ہے اس لئے کہ انہوں نے پوری شریعت کو باطل قرار دیا۔ جب نقل ہی منقطع ہوگئی تو قرآن کا نقل بھی منقطع ہوگیا کیونکہ اس کو نقل کرنے والے ان کے گمان پر کافر تھے اور اسی طرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دوقولوں میں سے ایک قول کا اشارہ ہے واللہ اعلم کہ انہوں نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرے۔

پھر یہ گروہ ایک اور وجہ سے بھی کافر ہوگیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے جیسا کہ ان کے قول کا اقتضاء ہے۔ ان کا گمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے خلافت کا وعدہ کیا تھا اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ انکار خلافت کریں گے۔ یہ محض ان کا گمان ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس گروہ پر لعنت ہو اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔

اسی طرح ہم ہر اس فعل کی جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو تکفیر کرتے ہیں کہ وہ فعل کافر کے سوا کسی مسلمان سے صادر نہیں ہوسکتا۔ اگر چہ وہ شخص اپنے اس فعل کے ساتھ اسلام کی بھی تصریح کرتا ہو جیسے بتوں کو سجدہ کرنا اور یہود و نصاریٰ کے گرجوں کی طرف ان کے ساتھ دوڑ کر جانا اور ان کی شکل و صورت اختیار کرنا جیسے زنار باندھنا یا بیچ سر سے بالوں کو منڈانا۔ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ان باتوں کا صدور کافر سے ہی ہوتا ہے کیونکہ یہ افعال علامات کفریہ ہیں۔ اگر چہ اس کا کرنے والا اسلام ہی کی صراحت کیوں نہ کرے۔

اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ہر وہ شخص جو قتل مسلم یا شراب کے پینے یا زنا کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے حلال جانے اور اسے ان کے حرام ہونے کا علم بھی ہو جیسے قرامطہ کے بعض اصحاب اباحت اور بعض غالی متصوف (تو یہ بھی کافر ہیں)۔

اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر یقین رکھتے ہیں جو قواعد شرع اور اس امر کو جو یقینی طور پر بنقل تواتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوا اور اس پر علی الاتصال اجماع چلا آرہا ہو اس کی تکذیب کرے جیسے پانچ نمازوں کے وجوب کا انکار، تعداد رکعات سجدہ نماز وغیرہ اور کہے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بالجملہ نماز واجب ہی نہیں کی یا یہ کہ ان صفات اور شرائط کے ساتھ پانچ نمازیں فرض ہی نہیں اور نہ میں انہیں جانتا ہوں اس لئے کہ قرآن میں کوئی صریح نص نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو خبر منقول ہے۔ وہ خبر واحد ہے۔ (تو یہ یقیناً کفر ہے)

اسی طرح اس شخص کی تکفیر پر اجماع ہے جو بعض خارجی کہتے ہیں کہ نماز صرف دو طرفوں میں

ہے (یعنی صبح وشام) اور باطنیہ کی تکفیر پر بھی اجماع ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیشک فرائض ان مردوں کے نام ہیں جن کیلئے حکومت کا حکم دیا گیا ہے اور خبائث ومحارم ان مردوں کے نام ہیں جن سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض متصوفہ کا یہ قول ہے کہ عبادت اور طویل مجاہدوں سے جب ان کے نفوس صاف ہو جائیں تو ان کو ان سے سقوط تک پہنچا دیتی ہے اور ان کیلئے اس وقت ہر چیز حلال ہو جاتی ہے اور ان سے احکام شریعت کی پابندی مرتفع ہو جاتی ہے۔

علی ہذا القیاس جو شخص مکہ مکرمہ یا بیت المقدس یا مسجد حرام یا مناسک حج کا انکار کرے یا کہے کہ حج قرآن میں فرض ہے اور استقبال قبلہ بھی فرض ہے لیکن ان کا اس معروف ہیئت پر ہونا اور یہ مقامات کہ یہی مکہ ہے یا بیت اللہ اور مسجد حرام ہے میں نہیں جانتا آیا یہی ہے یا اس کے سوا ہیں اور کہے کہ ممکن ہے کہ ناقلین نے جو یہ نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ تفسیر کی ہے غلطی کی ہو اور وہم ہوگیا ہو کہ یہ یوں نہیں ہے۔ سو یہ اور اس قسم کی باتیں وہ ہیں جس کی تکفیر میں اصلاً شک نہیں ہے۔ اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جن پر یہ گمان ہو کہ وہ اس کو جانتا ہے اور وہ ان میں سے ہے جو مسلمانوں سے میل جول رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ عرصہ سے مجالست ومصاحبت ہے تو یہ کفر ہوگا مگر یہ اسلام میں حدیث العہد ہو (کہ ابھی تازہ ہی اسلام لایا ہو)۔

تو ایسوں سے کہا جائے گا کہ تمہارا طریق یہ ہے کہ جن باتوں کو نہیں جانتے ہو انہیں مسلمانوں سے دریافت کرلو تمہیں معلوم ہو جائیگا ان میں کوئی خلاف نہیں ہے اور ایک جماعت دوسری جماعت سے یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ تک یہ باتیں نقل ہوتی ہوئی معلوم ہو جائیں گی جیسا کہ تم سے کہا گیا ہے کہ یہ مکہ ہے اور یہاں وہ بیت ہے جسے کعبہ کہا جاتا ہے جس کی طرف متوجہ ہو کر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے نمازیں پڑھی ہیں اور اسی کا حج وطواف کیا ہے اور یہی وہ افعال ہیں جو مناسک حج میں عبادت ہیں اور یہی مقصود ہے اور یہی افعال نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں نے کئے ہیں اور یہی صورت مذکورہ نمازوں کی ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مراد اسی طرح آپ ﷺ پر واضح فرمائی اور اس کے حدود آپ ﷺ پر روشن کئے تو تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا جیسا انہیں معلوم ہوا۔ اس کے بعد کوئی شک وتردد باقی نہ رہے گا۔ بعد علم وبحث اور بعد صحبت مجالست مسلمین پھر بھی وہ شک وتردد یا انکار کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے اور اپنے کو لاعلم کہنے میں معذور نہ جانا جائے گا اور اس میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی بلکہ اس کا ایسا ظاہر کرنا دراصل اپنی تکذیب کو چھپانا ہے۔ اس لئے یہ ممکن ہی نہیں رہا کہ وہ اب بھی لاعلم ہو۔

علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمام امت پر ان کی منقولات میں جو اس بارے میں کرتے ہیں وہم اور غلط کو جائز رکھتا ہے۔ حالانکہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ یہی رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل ہے اور مقصود الٰہی کی یہی تفسیر ہے تو اس نے تمام شریعت میں شک کو داخل کر دیا کیونکہ امت ہی شریعت اور قرآن کے قائل ہیں۔ اس طرح پر دین کی رسی یکدم کھل جائے گی۔

لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے وہ کافر ہے اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جس نے قرآن کا یا اس کے ایک حرف کا انکار کیا یا اس کے کسی حصہ اور جز میں تغیر و تبدل کیا یا اس میں کچھ زیادہ کیا۔ جیسا کہ باقیہ اور اسماعیلیہ کرتے ہیں یا یہ گمان کیا کہ قرآن نبی کریم ﷺ کیلئے حجت نہ تھا یا یہ کہ قرآن میں کوئی دلیل و معجزہ نہیں ہے جیسے کہ ہشام خوطی اور معمر ضمیری کا قول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر دلالت نہیں کرتا اور نہ اس میں رسول ﷺ کیلئے حجت ہے اور نہ ثواب و عذاب کی دلیل ہے اور نہ کوئی حکم ہے بلاشبہ ہم ان دونوں کو بایں قول کافر کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم ان دونوں کی اس سبب سے بھی تکفیر کرتے ہیں کہ یہ دونوں اس امر کے بھی منکر ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے تمام معجزات آپ کیلئے حجت ہیں یا آسمان و زمین کی پیدائش میں وجود باری پر بھی دلیل ہیں اور یہ کہ یہ اطلاع اور نبی کریم ﷺ سے نقل متواتر کے بھی خلاف ہیں یعنی آپ ﷺ ان معجزات کے ساتھ احتجاج فرماتے تھے۔ نیز تصریحات قرآنیہ کے بھی خلاف ہیں۔

اسی طرح جو بھی کسی منصوص فی القرآن کا منکر ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ یہ مصاحف مسلمین اور قرآن مجید میں جو کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور اس سے جاہل نہ ہو اور نہ وہ اسلام میں حدیث العہد ہو، اور اپنے استدلال میں حجت لاتا ہو کہ یا تو یہ اس کے نزدیک نقل صحیح نہیں اور نہ اسے کسی دوسرے سے اس کا علم ہوا یا اس کے ناقلین پر وہم کو جائز رکھتا ہو تو ہم ایسے کی بھی انہیں دونوں طریقوں پر تکفیر کریں گے۔ اس لئے کہ یہ قرآن کو جھٹلانے والا اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والا ہے لیکن وہ اپنے دعویٰ کو چھپانا چاہتا ہے۔

اسی طرح جو شخص جنت و دوزخ، حشر و نشر، حساب و کتاب اور قیامت کا منکر ہو وہ بھی باجماع امت کافر ہے کیونکہ اس پر نص بھی موجود ہے اور امت نے بھی تواتر کے ساتھ اس کی صحت نقل پر اجماع کیا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو ان کا معترف تو ہو لیکن یہ کہے کہ جنت و دوزخ، حشر و نشر، ثواب و عقاب سے مراد معنی اس کے ظاہری معنی کے سوا ہیں یعنی کہے اس سے مراد لذات روحانیہ اور معانی باطنیہ ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ، فلاسفہ، باطنیہ اور بعض متصوفہ کا قول ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ قیامت کے معنی موت، فنائے محض، ہیئت افلاک کو ٹوٹنا اور تحلیل عالم ہیں۔ جیسا کہ بعض فلاسفہ کا قول ہے۔

اسی طرح ہم ان غالی روافض کی تکفیر میں یقین رکھتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ائمہ رحمہم اللہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اب رہا وہ شخص جو ان اخبار و سیر اور بلاد معروفہ کا انکار کرے جو تواتر کے ساتھ معلوم ہیں اور جن کے انکار سے نہ تو شریعت کا بطلان لازم آتا ہے اور نہ کسی قاعدہ اسلام کا انکار، جیسے غزوہ تبوک یا غزوۂ موتہ وغیرہ کا انکار یا سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر کے وجود اور سیدنا عثمان کی شہادت یا خلافت علی مرتضی رضی اللہ عنہم کا انکار کرے جن کا علم بداہۃً بطور نقل حاصل ہے اور اس کے انکار میں شریعت کا انکار لازم نہیں آتا لہٰذا اس کے اس انکار سے اور اس کے حصول علم کے انکار سے اس کی تکفیر کی کوئی راہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ اس نے افتراء بہتان باندھا جیسا ہشام اور عباد کا واقعہ جمل اور محاربہ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا انکار کرنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے مخالفوں سے نہیں لڑے۔ اب اگر اس نے اس لئے ان کا انکار کیا ہے کہ اس نے ان کے ناقلین کو متہم اور تمام مسلمانوں کو وہم میں مبتلا جانا ہے تو ہم اس کی تکفیر کا حکم کریں گے۔ کیونکہ اس طرح وہ شریعت کے ابطال کی جانب مفضی ہوگا۔

اب رہا وہ شخص جو مجرد اجماع صحیح اور اجماع جامع شروط اور عام متفق علیہ کا مخالف ہو وہ کافر ہے ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے کہ

مَنْ یَّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی۔ (النساء ۱۱۵)

ترجمہ اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اسکے بعد کہ روشن ہوگئی اس کیلئے ہدایت کی رہ۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ''جس نے بالشت بھر جماعت کی مخالفت کی تو بلاشبہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا''۔ نیز علماء نے اس شخص کی تکفیر پر بھی اجماع نقل کیا ہے جو اجماع کی مخالفت کرے اور دیگر علماء قطعی تکفیر سے توقف کی طرف اس شخص کے بارے میں گئے ہیں جو ایسے اجماع کا مخالف ہو جو صرف علماء سے ہی اس کی نقل مخصوص ہو۔ (یعنی علماء کے سواء کوئی اور اس کا قائل نہ ہو) اور دوسرے لوگوں کا میلان یہ ہے کہ اس شخص کی تکفیر میں توقف کرنا چاہئے جو ایسے اجماع کا منکر تھا۔ کیونکہ وہ اپنے قول میں اس اجماع سلف کا مخالف تھا جو اس کے خلاف بطور خرق دلیل واقع ہوا تھا۔

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک قول معتبر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے جاہل ہونے کا نام کفر ہے اور اس کی ذات سے باخبر ہونے کا نام ایمان ہے اور کوئی شخص بھی کسی قول یا رائے کے سبب جس کا کہ وہ قائل ہو کافر نہیں ہوسکتا۔ بجز اس کے کہ وہ ذات

باری سے جاہل ہو۔ چنانچہ اگر اس نے اللہ و رسول اللہ ﷺ کے لیے قول و فعل کے ساتھ نافرمانی کی ہے جو منصوص ہے یا یہ کہ اس پر اجماع امت، وکہ یہ کافر کے سوا صادر ہی نہیں ہوتا یا یہ کہ اسکے خلاف دلیل قائم ہو جائے تو یہ شخص کافر ہو جائے گا۔ یہ کفر اس وجہ سے نہیں ۔ کہ وہ اس قول کا قائل ہوا ہے یا اس نے یہ فعل کیا ہے بلکہ اس سبب سے کافر ہوا کہ وہ کفر کے ساتھ شامل ہو گیا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کافر ہونا ان تین باتوں میں سے کسی ایک کے ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اول یہ کہ ذات باری سے جاہل و بے خبر ہو دوسرا یہ کہ وہ ایسا قول و فعل کرے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے خبر دے دی ہو یا یہ کہ اجماع امت ہو کہ یہ کافر کے سوا کسی سے صادر ہی نہ ہوگا۔ جیسے بتوں کو سجدہ کرنا اور زنا رڈال کر اصحاب کنائس کے ساتھ بالالتزام ان کے تہواروں کے موقعہ پر ان کے کینسوں میں جانا یا یہ کہ وہ قول یا فعل ایسا ہو جس کے ساتھ علم باللہ ممکن نہ ہو۔

قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دونوں قسمیں اگرچہ اللہ کے ساتھ بے خبری اور جہالت میں سے تو نہیں ہے لیکن ان دونوں سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ انکا کرنیوالا کافر اور خارج ایمان ہے۔

اب رہا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے کسی ایک صفت کی نفی کرے یا دانستہ انکار کرے جیسے کہ کہے کہ اللہ تعالیٰ عالم نہیں ہے اور نہ وہ قادر، یا مرید یا متکلم وغیرہ ہے یعنی جو اس کی صفات کمالیہ ہیں اور اس کے ساتھ واجب ہیں ان کا انکار کرے تو ہمارے ائمہ نے اس شخص کے کفر پر اجماع منصوص فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ان اوصاف میں سے کسی وصف کی نفی کرے اور اسے اس وصف سے معرا (خالی) جانے اور اسی پر سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی محمول کیا ہے کہ جو کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے کلام نہیں ہے سو وہ کافر ہے حالانکہ وہ متاولین (تاویل کرنے والوں) کی تکفیر نہیں کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ میں مذکور ہوا۔

اب رہی یہ بات کہ جو صفات باری کی کسی صفت سے جاہل و بے خبر ہو تو اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض نے تو اس کی تکفیر کی ہے اور یہ ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے اور ایک مرتبہ سیدنا ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ ایسی جہالت اسے اسم ایمان سے خارج نہیں بناتی اور اسی کی جانب اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرمایا اور فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص اس کا ایسا معتقد نہیں ہے کہ وہ اس کے درست وصواب ہونے پر یقین رکھتا ہو یا یہ کہ وہ اسے دین اور شریعت مانتا ہو۔ حالانکہ کافر وہ ہوتا ہے جو اس کا ایسا معتقد ہو کہ وہ اپنے قول کو حق مانتا ہو۔ ان حضرات نے سوداء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے

صرف توحید ہی کا مطالبہ فرمایا تھا نہ کہ کسی اور امر کا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الایمان ۳/۵۸۸)

نیز اس حدیث سے بھی استدلال کیا جس نے یہ کہا کہ ''اگر خدا مجھ پر قادر ہوگا'' اور اسی حدیث کی ایک روایت میں یہ ہے کہ ''شاید کہ میں اللہ تعالیٰ سے چھوٹ جاں''۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا''۔ (صحیح بخاری کتاب الأنبیاء ۴/۱۳۵ صحیح مسلم کتاب التوبہ ۴/۲۱۱۰)

علماء فرماتے ہیں کہ صفات باری میں اگر اکثر لوگوں سے بحث کی جائے اور ان سے اس کی حقیقت دریافت کی جائے تو ایسے اشخاص بہت کم ملیں گے جو ان سے واقف ہوں اور دوسرے علماء اس حدیث سے کئی جواب دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ قدر بمعنی قدر کے ہے اور اس کا شک کرنا قدرت الٰہی میں شک کرنا نہ تھا بلکہ نفس بعثت میں تھا جو بغیر شریعت کے معلوم ہی نہیں ہوسکتا اور ممکن ہے ان کے نزدیک اس خصوص میں حکم شرع موجود ہی نہ ہو جس کی بنا پر اس میں شک کرنا کفر قرار پائے اور جس امر میں شرع وارد نہ ہو تو وہ مجوزات عقول میں سے ہوتا ہے (اس میں شک کرنے سے کفر لاحق نہیں ہوتا) یا یہ کہ قدر بمعنی ضیق ہے۔ اسی لحاظ سے اس کا یہ فعل جو اس نے اپنی ذات کے ساتھ کیا تھا اپنے نفس کی تحقیر کی غرض سے تھا اور نفس کی نافرمانی پر اسے اپنے پر غصہ آرہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ ناسمجھی میں کہا تھا اور وہ خود اپنی بات ہی کو نہ سمجھ رہا تھا کیونکہ اس پر خوف اور خشیت الٰہی طاری تھا جس نے اس کی عقل ختم کر رکھی تھی اور وہ اپنے الفاظ کو بھی ضبط نہ کر سکتا تھا۔ اس بنا پر اس سے کوئی مواخذہ نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ شخص زمانہ فترت میں تھا جبکہ صرف توحید ہی نفع دے سکتی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بات کلام کے مجاز میں سے ہے جس کی ظاہری صورت میں تو شک ہوتا ہے اور اس کے معنی میں تحقیق و ثبوت ہوتا ہے اسی کو تجاہل عارفانہ (انجانا پن) کہتے ہیں اس کی مثالیں کلام عرب میں بکثرت ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ (طٰہٰ ۴۴)

ترجمہ شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔

اور یہ ارشاد کہ: اِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (سبا ۲۴)

ترجمہ اور ہم یا تم (دونوں میں سے) ایک ہدایت پر ہے اور دوسرا کھلی گمراہی میں۔

اب رہا وہ شخص جو وصف کو تو ثابت کرے اور صفت کی نفی کرے چنانچہ کہے کہ میں کہتا ہوں کہ وہ عالم تو ہے لیکن اسے علم نہیں ہے اسی طرح متکلم تو ہے لیکن اسے کلام نہیں ہے۔ اسی طرح تمام صفات الٰہیہ میں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ چنانچہ اس کی نسبت جس کسی نے انجام و مآل پر کہا

کہ اس کا کلام کہاں تک پہنچتا ہے تو اس نے اس کی تکفیر کی ہے کیونکہ جب اس نے علم ہی کی نفی کر دی تو وصف عالمیت بھی از خود منفی ہو گیا۔ اس لئے کہ عالم وہی ہوتا ہے جسے علم ہو تو گویا ان کے نزدیک تمام متاولین اور ان کے فرقے ایسے ہی ہیں خواہ وہ مشبہ ہوں یا قدریہ وغیرہ اور جس کی یہ رائے ہو کہ ان کے قول کے مآل و انجام کے ساتھ مواخذہ نہ کیا جائے اور جو ان کے مذہب کے موجبات ہیں ان پر الزام نہ رکھا جائے تو وہ ان کی تکفیر کو جائز نہیں رکھتے۔ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کو اس پر آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ عالم نہیں ہے اور ہم بھی اس قال و انجام کی نفی و انکار کرتے ہیں جس کو تم ہم پر لازم کرنا چاہتے ہو اس کو ہم بھی اور تم بھی کفر ہی جانتے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ کلام ہماری اصل پر اس کی جانب راجع ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان دونوں ماخذوں کی بنا پر اہل تاویل کی تکفیر وعدم تکفیر پر لوگوں کا اختلاف ہوا ہے۔

اب جبکہ اس مسئلہ کو تم سمجھ چکے اور تمہیں اس باب میں وجوہ اختلاف بھی معلوم ہو چکا۔ تو درست وصواب یہی ہے کہ ان کی تکفیر کو ترک کر دیا جائے۔ اور ان کی جانب اس امر کے یقین کرنے سے اعراض کیا جائے کہ وہ درحقیقت خائب و خاسر ہیں اور قصاص وراثت، مناکحت ودیات (دیتوں)، ان پر نماز و معاملات اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے میں مسلمانوں جیسے ہی احکام جاری کئے جائیں لیکن زجر وتوبیخ اور ترک مکالمت ومجالست کے ساتھ ان پر سختی ضرور کی جائے تاکہ وہ اپنی بدعت سے رجوع کریں اور صدر اول کے ان اشخاص میں یہی عادت رہی ہے چونکہ ایسے لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین کے زمانہ میں ہی پیدا ہو گئے تھے جو ایسے اقوال کے قائل تھے۔ جن کے قدریہ، خوارج اور معتزلی وغیرہ قائل ہیں۔ تو ان حضرات نے ان سے میل جول ترک کر دیا اور ضرب و جلاوطنی اور قتل وغیرہ کے ساتھ جیسی بھی ان کی حالت کا اقتضاء ہوا تادیب وتعزیر دی۔ کیونکہ محققین اور اہل سنت وجماعت کے نزدیک جو ان کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں یہ لوگ فاسق، گمراہ اور مرتکب معاصی کبیرہ ہیں۔ برخلاف اس شخص کے جس کی رائے اس کے خلاف ہے۔ واللہ الموفق الصواب۔

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رہے وہ مسائل جو وعدہ وعید و رویت ومخلوق، خلق افعال و ابقاء اعراض اور تولد وغیرہ دقیق مسائل ہیں تو ان میں تاویل کرنے والوں کی تکفیر میں احتراز کرنا چاہئے۔ یہی زیادہ مناسب واظہر ہے کیونکہ ان مسائل سے کسی مسئلہ میں جاہل رہنا ذات باری سے جاہل ہونا لازم نہیں ہوتا اور ایسے شخص کے کفر پر اجماع امت مسلمہ ہے جو ان میں سے کسی شے سے جاہل ہو۔ بیشک ہم نے اس سے پہلی فصل میں بحث اور اختلاف کو اس بسط وتفصیل سے بیان کر دیا ہے جس کے اعادہ کی بِکَرَمِہٖ تعالیٰ اب حاجت نہیں ہے۔

چوتھی فصل

جوذمی ہو کر اللہ تعالیٰ کو گالی دے اس کا حکم

یہ حکم تو اس مسلمان کا تھا جو اللہ تعالیٰ کو گالی دے۔ اب رہا ذمیوں کا حکم! تو سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذمی کے بارے میں مروی ہے کہ ایک ذمی حرمت الٰہی کے درپے ہوا اس دین کے خلاف جو اس کا تھا، اعتراض کرنے لگا تب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اس پر تلوار لے کر آ نکلے اور اسے تلاش کیا مگر وہ بھاگ گیا۔

''کتاب ابن حبیبہ'' اور ''مبسوط'' میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول مبسوط ''کتاب محمد'' اور ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ جس یہودی یا نصرانی نے اس وجہ کے سوا جس کے ساتھ وہ کافر ہے اللہ تعالیٰ کو گالی دی تو قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ نہ لی جائے۔ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بجز اس کے کہ وہ مسلمان ہو جائے اور ''مبسوط'' میں ان کا قول ہے کہ وہ خوشی سے مسلمان ہو۔ اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ جس کفر پر وہ قائم ہے وہ اس کا دین ہے اور اسی پر قائم رہتے ہوئے اس نے خدا کیلئے بیوی، شریک اور فرزند کا ادعا کیا ہے (اس کے اس دین پر ہونے کے باوجود) اس سے عہد لیا گیا۔ لیکن اس کے اور جھوٹ و گالی جو وہ اب بکتا ہے اس پر ان سے عہد نہیں لیا گیا۔ لہٰذا وہ عہد شکن ہو گئے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب محمد'' میں کہا کہ جس غیر مسلم نے اللہ تعالیٰ کو اس وجہ کے سوا جو اس کی (محرف) کتاب میں مذکور ہے گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے۔ مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ مخزومی، مسلمہ اور ابن ابی حازم رحمہم اللہ نے ''کتاب مبسوط'' میں کہا کہ اسے قتل نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے توبہ نہ لی جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ اب اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے اور مطرف و عبدالملک امام مالک رحمہم اللہ کی مثل فرماتے ہیں۔

ابو محمد ابن ابوزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو غیر مسلم اللہ تعالیٰ کو گالی دے بغیر اس وجہ کفر کے جس پر وہ قائم ہے تو قتل کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ ہم نے ابن حلاب رحمۃ اللہ علیہ کا قول پہلے بیان کر دیا۔ نیز عبداللہ ابن ابی لبابہ رحمۃ اللہ علیہ اور مشائخ اندلس کا قول نصرانی عورت کے بارے میں اور ان کا یہ فتویٰ کہ اس گالی کی وجہ سے جس پر اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کافر ہوئی ہے قتل کر دیا جائے اور اس پر ان کا اجماع بھی بیان کر چکے ہیں یہ اس دوسرے قول کی طرح جو اس شخص کی نسبت

ہے جس نے ان میں سے نبی کریم ﷺ کو اس نے اس وجہ سے کہ وہ کافر ہے اس خصوص پر اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ کو گالی دینے میں فرق نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے ان ذمیوں سے اس بنا پر عہد لیا تھا کہ وہ ہمارے سامنے اپنے کسی کفر کو ظاہر نہیں کریں گے اور یہ کہ ہم ان کے مونہوں سے اس بارے میں کچھ نہ سنیں گے جب وہ ایسی کوئی بات کریں گے تو وہ عہد شکن بن جائیں گے۔

اور علماء کا اس ذمی کے بارے میں جو زندیق بن جائے اختلاف ہے۔ چنانچہ امام مالک، مطرف بن عبدالحکم اور اصبغ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ ایک کفر سے دوسرے کفر کی طرف منتقل ہو گیا ہے اور عبدالملک بن ماحشون رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ وہ ایک ایسا دین ہے کہ جس پر کوئی مسلمان قرار نہیں پاتا اور اس پر جزیہ لیا جاتا ہے اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے علم میں نہیں کہ اس کے سوا کسی اور کا قول بھی منقول ہو۔

پانچویں فصل

مفتری اور کذاب کا حکم

یہ تو اس شخص کے بارے میں حکم تھا جو صاف طور پر گالی دے اور اس شے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرے جو اس کی جلالت والوہیت کے شایان شان نہ ہو۔ اب رہا اس کا حکم جو اللہ تعالیٰ پر بادعاء الوہیت یا رسالت افترا و بہتان اور جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ میرا رب نہیں یا یہ کہے کہ مرا کوئی رب نہیں یا اپنے نشے جنون میں ایسی باتیں بکے جو پاگل پن کی ہوں اور وہ عقل میں نہ آتی ہوں تو ایسے مدعی کے کفر میں باوجود اس کی سلامتی عقل کے کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

لیکن قول مشہور کی بنا پر اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اس کی رجعت وانابت اسے فائدہ پہنچائے گی اور اس کو قتل سے بچا دے گی۔ لیکن سزائے عظیم اور عذاب شدید سے نہیں بچ سکتا تاکہ ایسی بکواس کرنے میں دوسروں کو تنبیہ و توبیخ ہو اور کوئی اور اس کی جرات نہ کرے۔ کیونکہ یہ یا تو اعادۂ کفر ہے یا اس کی جہالت مگر وہ شخص ایسا بار بار کرے اور اپنے کردار میں اس کی تحقیر و اہانت مشہور ہو جائے تو یہ اس کی بدباطنی پر دلیل ہو جائے گی اور اس کی توبہ کو جھٹلا دیا جائے گا اور وہ اس زندیق کے مشابہ ہو جائے گا جس کی بدباطنی پر ہمیں اطمینان نہ ہو اور اس کا رجوع بھی قابل قبول نہ ہوگا اور اس خصوص میں اس کے نشہ کا حکم مثل ہوش والے کے ہوگا۔

اب رہا مجنون و پاگل کا حکم تو جو کچھ اس نے اپنی مکمل دیوانگی اور پاگل پنے میں کہا ہے اس پر مواخذانہ ہوگا۔ لیکن جو کچھ ہوشیاری کی حالت میں کہا ہے اگرچہ اسے عقل نہ ہو اور وہ شریعت کا مکلف نہ رہا ہو مگر اس پر اسے تادیب ضرور کی جائے گی تاکہ اسے تنبیہ ہو۔ جیسا کہ بداطواری میں تنبیہ کی جاتی ہے اور یہ تادیب برابر جاری رکھی جائے گی یہاں تک وہ اس سے باز آ جائے۔ جیسا کہ جانوروں کو اس کی ضد واڑ پر زدوکوب کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سیدھا ہو جائے۔

بلاشبہ سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے جلانے کا حکم فرمایا جس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اسے قتل کر کے صولی دی۔ اس کے سوا اکثر خلفاء اسلام اور بادشاہوں نے ایسوں کے ساتھ یہی سلوک کیا اور اس پر ان کا اتفاق واجماع ہے کہ جو ان کے کفر کا مخالف ہو وہ بھی کافر ہے۔

المعتذر کے زمانے میں مالکی فقہاء بغداد اور قاضی القضاۃ ابوعمر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے حلاج (حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ) پر صیانت شریعت ظاہرہ کی بنا پر فتویٰ دیا تھا چنانچہ ہمعصر عرفاء ان کو عارف باللہ ہی

جانتے ہیں۔ مترجم) کے قتل اور اس کی سولی پر بسبب دعویٰ الوہیت اور حلول کے قول کے، اجماع کیا کیونکہ انہوں نے نعرہ ''انا الحق'' لگایا تھا باوجود یہ کہ ظاہر میں پابند شریعت تھے۔ لیکن علماء نے ان کی توبہ قبول نہ کی۔ اسی طرح ابن ابی الغراقبر کے بارے میں علماء نے فتویٰ دیا چونکہ وہ بھی حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر تھے اور ان کے بعد الراضی باللہ کے زمانہ میں یہ واقعہ ہوا اس وقت بغداد کے قاضی القضاۃ ابوالحسین بن ابی عمر مالکی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ابن عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کا ''مبسوط'' میں قول ہے کہ جو مدعی نبوت ہو اسے قتل کر دیا جائے اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے اپنا خالق یا رب ہونے کا انکار کیا یا کہا کہ میرا کوئی رب نہیں ہے تو وہ مرتد ہے۔

کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ میں ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اور کتاب عتبہ میں محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو مدعی نبوت ہو اس سے توبہ لی جائے خواہ وہ اسے چھپائے یا ظاہر کرے بہرصورت مرتد کے حکم میں ہے اسے سحنون رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا اور اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک ایسے یہودی کے بارے میں کہا جس نے دعوائے نبوت کیا تھا اور کہا تھا کہ میں تمہاری طرف رسول ہوں۔ اگر وہ اس دعویٰ کا ذکر کرتا ہے تو اس سے توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔

اور ابومحمد بن ابوزید رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے اپنے پیدا کرنے والے پر لعنت کی تھی اور دعویٰ کیا کہ اس کی زبان پھسل گئی تھی اور یہ کہ میرا ارادہ شیطان پر لعنت کرنے کا تھا۔ فرمایا اسے اپنے کفر کی بنا پر قتل کر دیا جائے اور اس کا عذر قبول نہ کیا جائے۔ یہ حکم اس دوسرے قول کے موافق ہے کہ ایسوں کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نشہ والے کے بارے میں فرمایا جس نے کہا تھا کہ میں خدا ہوں، میں خدا ہوں، کہ اگر وہ توبہ کرے تو سزا دی جائے اور اگر وہ پھر اعادہ کرے تو سزا دی جائے اور اگر وہ پھر اعادہ کرے تو زندیق کا سا برتاؤ کیا جائے اس لئے کہ یہ شریعت کے ساتھ کھیلنے والوں کا کفر ہے۔

چھٹی فصل

بے اختیار کلمۂ کفر نکلے تو کیا حکم ہے؟

رہا وہ شخص جس کی بات اور زبان اس کی قابو میں نہ ہو اور وہ نکمی اور بے ہودہ بات زبان سے نکالتا ہو اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کا کلام ضبط نہیں کیا جاتا اور اس کی زبان پر مہملات آتے رہتے ہوں وہ ایسی بات کہے جس سے عظمت الٰہی اور جلالت کبریائی میں استخفاف ہوتا ہو یا بعض شے کی تمثیل کسی ایسی شے کے ساتھ دے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکوت میں بزرگی وعظمت دی ہو یا مخلوق کے کلام سے ایسی بات انتزاع کی ہو جو خالق کے حق کے سوا اور کسی کیلئے زیبا نہیں ہے مگر کفر و استخفاف اس سے مقصود و مراد نہ ہو اور نہ عملاً الحاد کیلئے کہا ہو اب اگر یہ بات اس سے بار بار صادر ہوئی اور وہ مشہور ہوگئی تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کے دین کے ساتھ استہزاء اور کھیل کرتا ہے اور اپنے رب کی حرمت کا وہ استخفاف کرتا ہے اور وہ اس کی عزت و کبریائی کی عظمت سے جاہل ہے یہ بلاشبہ کفر ہے۔

اسی طرح اگر وہ ایسی باتیں کرتا ہے جس سے اللہ رب العزت کا استخفاف اور تنقیص لازم آتی ہے۔ بلاشبہ ابن حبیب، اصبغ بن خلیل رحمہم اللہ نے جو قرطبہ کے فقہا میں سے ہیں (امیر قرطبہ) عجب کے برادر زاد کے قتل پر فتویٰ دیا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک دن وہ گھر سے نکلا اور بارش نے اسے گھیر لیا تو اس نے کہا:

بَدَأَ الْخَرَّازُ يَرُشُّ جُلُوْدَهُ۔

یعنی جوتی گانٹھنے والا اپنی کھالیں نچوڑتا ظاہر ہوا۔

اور قرطبہ کے بعض فقہا مثلاً ابوزید صاحب ثمانیہ، عبدالاعلیٰ بن وہب اور ریان بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہم نے اس کے قتل میں توقف کیا اور اشارہ کیا کہ اس کا یہ کلام بے ہودہ ہے۔ اس میں صرف تادیب کافی ہے۔ اسی کے مثل اس وقت کے قاضی موسیٰ ابن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا اس پر ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اس کا خون میری گردن پر۔ کیا اس رب کو گالی دی جائے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں پھر اس کی حمایت نہ کی جائے اس وقت ہم کتنے برے بندے ہوں گے گویا ہم اس کی عبادت کرنے والے ہی نہ رہیں گے اور اس کے بعد وہ رونے لگے۔ یہ باتیں جب امیر قرطبہ عبدالرحمٰن بن حکم کے پاس پہنچی چونکہ عجب اس کی چچی کا لڑکا تھا اور یہ قصوروار تھا۔ جب سے فقہاء کا اختلاف معلوم ہوا تو

اس نے ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی علماء کے فتوے کے بموجب عجب کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ چنانچہ وہ قتل کیا گیا اور ان دونوں فقیہہ کے سامنے اسے سولی دی گئی اور قاضی کو اس قصہ میں مداہنت کے الزام میں معزول کر دیا اور باقی فقہاء کو برا بھلا کہا گیا۔

لیکن جس شخص سے ایسی باتیں ایک دفعہ ہوئیں یا کبھی کبھی صادر ہوئیں تو جب تک اس میں تنقیص واہانت نہ ہوتو اسے صرف تادیب کی جائے اور بقدر مقتضائے کلام اور شناعت جرم اسے سزا دی جائے اور اس سے صورت حال اور وجہ مقال پہلے دریافت کی جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسے شخص کے بارے استفسار کیا گیا جو کسی شخص کو اس کا نام لے کر پکار رہا تھا۔ اس پر اس نے جواب دیا لبیک اللهم لبیک تو جواب میں فرمایا اگر وہ جاہل ہے یا اس نے بیوقوفی سے کہا ہے تو اسے کچھ نہیں ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی تشریح یہ ہے کہ اس پر قتل واجب نہیں ہے اور جاہل کو جھڑکا جائے اور بیوقوف کو سزا دی جائے اور اگر اس نے اپنے رب کے قائم مقام مان کر کہا ہے تو یقیناً کفر ہے۔ یہ ان کے کلام کا اقتضاء تھا۔

بلاشبہ نادان بیوقوف شعراء نے بڑی بڑی زیادتیاں کی ہیں اور وہ اس میں متہم ہیں اور ذات جبروت کی شان جلالت کو ہلکا سمجھا ہے۔ چونکہ وہ ایسے اشعار لائے ہیں جن سے ہم اپنی کتاب، زبان اور قلم کو بیان کرنے سے بچاتے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے مسائل کی تصریح کا قصد کیا ہے جسے بیان کر رہے ہیں تو ہم کوئی شعر نقل نہ کرتے کیونکہ ان کا ذکر ہمیں گراں گزرتا اور جسے ہم نے ان فصلوں میں بیان کیا۔ لیکن وہ اشعار جو اس بارے میں جاہلوں اور غلط گویوں سے صادر ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ ہیں جسے بعض بدویوں نے کہا ہے:

رَبُّ الْعِبَادِ مَا لَنَا وَمَالَكَا قَدْ كُنْتَ تَسْقِيْنَا فَمَابَدَالَكَا
أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ لَا أَبَالَكَا

اے رب العباد ہمیں کیا ہوا اور تجھے کیا ہوا۔ تو تو ہمیں پانی پلاتا تھا اب تجھے کیا ہوا تو ہم پر بارش بھیج تیرا باپ نہ ہو۔

اس کی مثل بکثرت جہاں کا کلام ہے۔ جسے تازیانہ شریعت بھی سیدھا نہ کر سکا اس قسم کی باتیں انہیں سے صادر ہوتی ہیں جو جاہل یا کم علم ہیں۔ ان کی زجر و توبیخ لازمی ہے تاکہ دوبارہ وہ ایسی غلطی نہ کریں۔ ابوسلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دلیری کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ ان باتوں سے

منزہ ہے اور ہم نے عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ واجب ہے کہ ہر ایک تم میں سے اپنے رب کی عظمت کا لحاظ رکھے' یہ نہ ہو کہ تم ہر شے میں اس کا نام لیتے رہو۔ یہاں تک کہ تم کہنے لگو کہ کتے کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا اور اس نے ایسا کیا یا ویسا کیا اور ہم نے اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام بہت کم جگہوں پر لیتے تھے۔ بجز ان مواقع کے کہ جس کے ساتھ قربت و طاعت ہو وہ انسان کو یوں دعا دیتے تھے کہ تجھے جزائے خیر دی جائے۔ وہ بہت کم کہتے تھے کہ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا۔ یہ اسم جلالت کی تعظیم کیلئے تھا کہ صرف تقرب الٰہی کی جگہ اس کا نام لیا جائے اور ہم سے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا کہ امام ابو بکر الشاسی رحمۃ اللہ علیہ اہل کلام پر نکتہ چینی کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت غور وخوض کرتے ہیں اور اس کی صفات کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔ یہ اس لئے تھا کہ اللہ کی تعالیٰ عظمت وہیبت ملحوظ رہے وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اسم جلالت کو بمنزلہ رومال (مندیل) استعمال کرتے ہیں اس باب میں جو کلام لایا گیا ہے وہ بمنزلہ ساب ال نبی صلی اللہ علیہ وسلم (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے) کے ہے۔ جن کی ہم نے اس جگہ تفصیل بیان کی واللہ الموفق۔

ساتویں فصل

انبیاء اور فرشتوں کی تنقیص کرنے والے کا حکم

اب رہا اس شخص کا حکم جو تمام انبیاء علیہم السلام یا فرشتوں کو گالی دے یا ان کا استخفاف کرے یا جو وہ لائے ان کو جھٹلائے یا انکار کرے تو اس کا حکم ویسا ہی ہے جیسا اس کا جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار یا استخفاف کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ۔ (النساء ۱۵۰)

ترجمہ بیشک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان۔

اور فرمایا:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ۔

(البقرہ ۱۳۶)

ترجمہ کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم اور اسماعیل و اسحٰق و یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو عنایت کیا گیا۔ دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں۔

اور فرمایا:

کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ (البقرہ ۲۸۵)

ترجمہ یہ سب دل سے مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو (نیز کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے رسولوں سے۔

کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ابن قاسم، ابن ماجشون، ابن عبدالحکیم، اصبغ اور سحنون رحمہم اللہ کا قول ہے کہ جس نے تمام نبیوں کو یا کسی ایک نبی کو گالی دی یا تنقیص کی وہ قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ نہ لی جائے اور جو ذمی ان کو گالی دے اسے بھی قتل کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا

کہ جس یہودی یا نصرانی نے بغیر اس وجہ کے جس میں وہ کافر ہے نبیوں کو گالی دی تو اس کی گردن اڑا دی جائے مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے۔ اس اصول میں جو اختلاف ہے پہلے گزر چکا ہے۔

قاضی قرطبہ سعید بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ان کے بعض جوابات میں یہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو گالی دی وہ قتل کر دیا جائے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس نے کسی ایک فرشتے کو گالی دی اس کا قتل واجب ہے۔

کتاب نوادر میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جس نے کہا کہ جبریل علیہ السلام نے (معاذ اللہ) وحی میں خطا کی ہے اور یہ کہ دراصل نبی تو (معاذ اللہ) علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم تھے۔ اس سے توبہ لی جائے اگر وہ توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اسی کے مثل سحنون رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے یہ مقولہ روافض کے فرقہ غرابیہ کا ہے ان کا غرابیہ اس لئے نام رکھا گیا کہ وہ کہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کوے کی مانند مشابہ تھے جس طرح کوا کوے کے مشابہ ہوتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں جس نے نبیوں میں سے کسی ایک نبی کو جھٹلایا یا کسی ایک کی تنقیص کی یا ان سے برات کا اظہار کیا تو وہ مرتد ہے۔

ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے دوسرے سے کہا کہ اس کا چہرہ مالک علیہ السلام کی طرح غضبناک ہے۔ اگر اس سے اس کا قصد مالک علیہ السلام فرشتے (داروغہ جہنم) کی مذمت ہے تو قتل کر دیا جائے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام باتیں اور احکام اس کیلئے ہیں جو ان سب کے بارے میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ یعنی تمام فرشتوں، تمام نبیوں، یا کسی خاص کے بارے میں کہتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صاف طور پر بیان کیا ہے۔ یا ہم کو اس کا علم خبر متواتر اور خبر مشہور، متفق علیہ سے جس پر اجماع قطعی ہو چکا ہو حاصل ہوا ہے۔ جیسے حضرت جبریل، میکائیل، مالک، خازن (داروغہ جہنم و جنت) زبانیہ، حملۃ العرش، جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے کہ وہ فرشتے ہیں اور جن نبیوں اور فرشتوں کا ذکر قرآن میں ہے جیسے ملائکہ میں عزرائیل، اسرافیل رضوان، حفظ، منکر اور نکیر علیہم السلام کہ یہ فرشتے ہیں جن کی خبر کو قبول کرنے پر اتفاق کیا گیا ہے۔

لیکن وہ فرشتے یا نبی جن کی تعیین و تخصیص پر اخبار ثابت نہیں اور نہ اس پر اجماع ہے کہ وہ

فرشتے یا نبی ہیں۔ جیسے ہاروت، ماروت، کا فرشتوں میں ہونا اور خضر لقمان، ذوالقرنین، مریم، آسیہ، خالدین سنان جو کہ مذکور ہے کہ یہ نبی تھے جو اہل فارس اور زردشت کہ جس کی نسبت مجوس مورخ نبوت کے مدعی ہیں۔ تو ان لوگوں کو گالی دینے یا ان کا انکار کرنے میں وہ حکم نہیں جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ ان کی ویسی حرمت ثابت نہیں ہے۔ لیکن ان کی تنقیص وایذاء رسائی پر جھڑکنا چاہئے اور ان کی تاویل ان کے مرتبہ عالی کے موافق جن کی شان میں یہ بات کہی گئی ہے، متکلم کو کرنی چاہئے۔

خاص کر ان حضرات کی تنقیص وایذا پر ضرور تادیب کرنی چاہئے جن کی صدیقیت اور افضلیت معروف ومشہور ہو اگرچہ ان کی نبوت ثابت نہ ہو اور رہا ان کی نبوت کا انکار یا کسی اور کے فرشتے ہونے کا انکار کرنا تو اگر منکر ومتکلم اس بارے ذی علم ہے تو مضائقہ نہیں ہے چونکہ علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہی کرتا ہے اور اگر عوام الناس میں سے ہو تو اس میں چھان بین کرنے سے باز رکھنا چاہئے۔ پھر اگر دوبارہ کرے تو تادیب کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ اس معاملہ میں ان کو کلام کرنے کا حق نہیں ہے اور سلف رحمہم اللہ نے تو ایسے امور میں بحث وکلام کرنے کو علماء کیلئے مکروہ جانا ہے جن سے کوئی عمل متعلق نہیں ہے بھلا پھر عوام کس گنتی میں۔

آٹھویں فصل

تحقیر واستخفافِ قرآن کا حکم

خبردار رہنا چاہیے کہ جوکوئی قرآن کریم یا مصحف شریف یا اس کے کسی جز کا استخفاف کرے یا ان دونوں کو گالی دے یا سب کا انکار کرے یا اس کے کسی جزو کا یا کسی آیت کا انکار کرے یا اس کی تکذیب کرے یا اس کے کسی ایسے حکم یا خبر کو جھٹلائے جس کی اس میں صراحت کی گئی ہے یا کسی ایسی شے کو ثابت کرے جس کی اس نے نفی کی ہے یا کسی ایسی شے کی نفی کرے جس کو اس نے ثابت کیا ہے اور وہ اس سے باخبر بھی ہو یا وہ ان امور میں سے کسی امر میں شک کرتا ہے تو اہل علم کے نزدیک بالاجماع کافر ہے۔

وَاِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌo لَّايَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍo (حم السجدہ ۴۲-۴۱)

ترجمہ اور بیشک یہ بڑی عزت (وحرمت) والی کتاب ہے اسکے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے سب خوبیاں سراہے کی طرف سے۔

حدیث: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے "بالاسناد" مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کریم میں شک یا جھگڑا کرنا کفر ہے۔ (سنن ابوداؤد ۹/۵، کتاب السنۃ)

اور بروایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ جس مسلمان نے کتاب الٰہی کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس کی گردن مارنا حلال ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الحدود ۲ صفحہ ۸۴۹)

اور اسی طرح جس نے توریت وانجیل اور ان کتابوں کا انکار کیا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوئی ہیں یا وہ ان سے انکاری ہو یا ان کو لعنت کرے یا ان کو گالی دے یا ان کا استخفاف کرے تو وہ کافر ہو گیا۔

اور بلاشبہ مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وہ قرآن جو روئے زمین میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو مصحف میں مکتوب موجود ہے جو مابین الدفتین جس کی ابتداء الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العالمین سے آخر سورہ قل اَعُوذُ بِرَبِّ الناس تک ہے یہی اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی (جلی) ہے جو ہمارے نبی برحق سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ تمام برحق ہے اور جوکوئی بھی اس میں سے ایک حرف کم کرے یا اس کی جگہ کوئی دوسرا حرف

بدلے یا اس میں کوئی ایسا حرف شامل کرے جو اجماعی مصحف میں شامل نہیں ہے اور یہ حرف بالا جماع قرآن کا نہ ہو تو قصداً ہر ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اسی بنا پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ جو سیدنا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہتان کے ساتھ گالی دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اسلئے کہ اس نے قرآن کی مخالفت کی اور جو قرآن کی مخالفت کرے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ اس امر کو جھٹلا رہا ہے جو قرآن میں ہے اور ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا تو اسے قتل کر دیا جائے یہی قول عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں جس نے کہا تھا کہ ''معوذتین کتاب اللہ کا جز نہیں ہے''۔ کہا کہ اس کی گردن مار دی جائے۔ مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو قرآن کی کسی ایک آیت کو جھٹلائے (اس کی بھی گردن مارنے کا حکم فرمایا)

اسی طرح اگر کسی گواہ نے کسی شخص پر یہ گواہی دی کہ اس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا اور دوسرے نے اس کے خلاف گواہی دی کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا (تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے) اس لئے کہ یہ دونوں گواہ اس پر متفق ہوئے ہیں کہ ہر ایک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی ہے۔

اور ابو عثمان حداد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تمام اہل توحید کا اتفاق ہے کہ تنزیل (قرآن کریم) کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے اور بوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب کوئی ان کے سامنے قرآن کریم پڑھتا تو وہ اس سے یہ نہ کہتے کہ جس قرأت میں تو نے پڑھا ہے یوں نہیں بلکہ یہ کہتے کہ میں تو ایسا پڑھتا ہوں۔ جب یہ بات ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (فقیہ) کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ سن لیا ہے کہ جس نے قرآن کے ایک حرف کا بھی انکار کیا تو وہ کل قرآن کا کافر ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس نے قرآن کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس نے پورے قرآن سے کفر کیا۔ (مصنف عبدالرزاق کمافی مناہل الصفاء للسیوطی/۲۴۷)

اور اصبغ ابن الفرج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس کسی نے بعض قرآن کو جھٹلایا تو گویا اس نے کل قرآن کو جھٹلایا اور جس نے اس کو جھٹلایا بلاشبہ اس نے اس سے کفر کیا اور جس نے قرآن سے کفر کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔

نیز کسی نے قابسی رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو یہودی سے جھگڑ پڑتا تھا تو اس یہودی نے توریت کی قسم کھائی اس پر اس نے کہا کہ خدا توریت پر لعنت کرے اس پر اس کے

خلاف گواہی گزری پھر دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ اس نے اس سے اس قضیہ کو دریافت کیا تھا تو اس نے کہا کہ میں نے تو یہود کے توریت کو لعنت کی ہے اس پر ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ایک گواہ سے قتل ثابت نہیں ہوتا اور دوسرے گواہ نے معاملہ کو ایسی صورت میں معلق کر دیا کہ وہ محتمل تاویل بن گیا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ یہود کو ان کی تبدیل وتحریف کے سبب اس توریت کا پابند ہی نہ جانتا ہو جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اگر دونوں گواہ مجرد توریت کی لعنت کرنے پر متفق ہو جائے تو تاویل کی راہ تنگ ہو جاتی۔

بلاشبہ فقہائے بغداد نے مع مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (مشہور قاری) سے اتفاق کیا تھا کہ ابن شنبوذ قاری سے جو کہ بغداد کے قراء کا امام اور بغداد کا ساکن تھا توبہ لی جائے کیونکہ وہ ان حروف شاذہ کی قرات جو قرآن سے نہیں ہیں خود بھی کرتا اور دوسروں کو بھی سکھاتا تھا۔ چنانچہ سب نے اس سے عہد لیا کہ وہ اس سے رجوع وتوبہ کرے اور ایک محضر نامہ تحریر کرایا جس پر اس نے اپنی گواہی وزیر ابوعلی بن مقلہ کے روبرو اس کی مجلس میں ثبت کی۔ یہ واقعہ ۳۲۳ھ کا ہے اور ان علماء میں جنہوں نے فتوی دیا ابوبکر بہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی تھے۔

ابومحمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو سزا دینے کا فتوی دیا جو کسی بچہ سے کہے کہ جو کچھ تو نے پڑھا اور جس نے تجھے جو پڑھایا اس پر خدا کی لعنت (پھر بطور تاویل) کہا میری مراد اس سے اس کی بے ادبی تھی۔ قرآن کی بے ادبی کرنا نہ تھا۔ ابومحمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو شخص قرآن پر لعنت کرے یقیناً اسے قتل کر دینا چاہئے۔

نویں فصل

اہل بیت نبوی، آل پاک ازواج مطہرات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کا حکم

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک ، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کو گالی دینا اور ان کی تنقیص کرنا حرام ہے اور وہ شخص ملعون ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے ''بالاسناد'' مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار خبردار میرے صحابہ کے بارے میں خدا سے ڈرو ان کو اپنی اغراض کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ میں محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا۔ جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی بلاشبہ اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی قریب ہے کہ وہ گرفت میں آئے۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ۵/۳۵۸)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے صحابہ کو گالی نہ دو جس نے ان کو گالی دی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتے اور سب لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس سے نہ نفل قبول فرمائے گا اور نہ فرض اور ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دو بلاشبہ آخر زمانہ میں ایک ایسی قوم ہو گی جو میرے صحابہ کو گالی دیں گی۔ تو تم نہ اس پر نماز پڑھنا اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا اور نہ ان سے شادی بیاہ کرنا اور نہ ان کے ساتھ مجالست کرنا۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرنا۔ نیز آپ نے فرمایا جو میرے صحابہ کو گالی دے تو اسے پیٹو۔

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آگاہ فرمایا کہ صحابہ کو گالی دینا اور ان کو ایذا پہنچانا آپ ہی کو گالی دینا اور ایذا پہنچانا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے صحابہ کو ایذا دے کر دکھ نہ پہنچاؤ اور سیدنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا وہ میری لخت جگر ہیں۔ جس سے ان کو ایذا پہنچتی ہے اس سے مجھ کو ایذا پہنچتی ہے۔

ایسے شخص کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس میں اجتہاد (قاضی و حاکم) اور دردناک سزا دینا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے نبی کریم

ﷺ کو گالی دی قتل کر دیا جائے اور جو آپ ﷺ کے صحابہ کو گالی دے اسے سزا دی جائے۔

نیز فرمایا جس نے آپ ﷺ کے کسی صحابی کو گالی دی مثلاً سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان ذوالنورین، سیدنا امیر معاویہ یا سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم۔ چنانچہ اگر وہ یہ کہے یہ سب ضلال پر تھے (معاذ اللہ) اور کفر کیا تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر اس کے سوا کسی اور طریقہ سے جو لوگوں میں گالی مروج ہے تو اسے رسوا کن سزا دی جائے۔

ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو شیعہ میں سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو کرے اور ان پر تبرا کرے تو اسے سخت تادیب کی جائے جو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بغض میں حد سے تجاویز کر جائے تو اسے خوب سخت سزا دی جائے اور بار بار ضرب شدید لگائی جائے اور قید طویل میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ سوائے نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کے کسی کو قتل کی سزا نہ دی جائے۔

اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی ایک اصحاب نبوی کے ساتھ کفر وانکار کرے مثلاً سیدنا علی مرتضیٰ یا سیدنا عثمان ذوالنورین وغیرہما رضی اللہ عنہم تو اس کو دردناک مار لگائی جائے۔

ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ بروایت سحنون رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں جو شخص سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہے کہ وہ کفر وضلال پر تھے تو اسے قتل کر دیا جائے اور جو ان کے سوا کسی اور صحابی کو اسی کے مثل کہے تو اسے رسوا کن سزا دی جائے اور انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں اور جو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ فرمایا جس نے ان پر تہمت لگائی بلاشبہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی اور ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ انہیں سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (النور ۱۷)

ترجمہ نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم ایمان دار ہو۔

جو شخص اس فرمان الٰہی کے بعد پھر وہی کہے تو بلاشبہ وہ کافر ہو گیا۔

ابوالحسن صنقلی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ قاضی ابوبکر بن طیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسے بیان فرمایا جو اس ذات باری سبحانہ کی طرف مشرکین عرب منسوب کرتے

تھے تو اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی تنزیہہ وتسبیح فرمائی جیسا کہ فرمایا:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ۔ (الانبیاء ۲۶)

ترجمہ وہ کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (اپنے لیے) بیٹا سبحان اللہ (یہ کیونکر ہوسکتا ہے)

(اور یہ متعدد آیات میں مذکور ہے)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بھی بیان فرمایا جو منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے منسوب کیا تھا چنانچہ فرمایا:

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ۔ (النور ۱۶)

ترجمہ اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم گفتگو کریں اس کے متعلق اے اللہ! تو پاک ہے۔

چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی برات میں بھی اپنی ذات کریم کی ایسی ہی تنزیہہ کرتے وقت فرمائی تھی اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کے قتل کا حکم فرمایا اس کے معنی یہ ہیں اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گالی دینے کو اتنا ہی بڑا (جرم) گردانا جتنا کہ اللہ تعالیٰ کو گالی دینا بڑا (جرم) ہے اور یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینا یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو گالی دینا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی اور ایذا دینے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی گالی اور ایذا دینے والے کے ساتھ ملایا ہے اور اللہ تعالیٰ کو گالی دینے والے کا حکم قتل ہے اور یہی حکم قتل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کا ہے جیسا کہ گزشتہ میں بیان گزرا۔

کوفہ میں ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی تو وہ موسیٰ بن عیسیٰ عباسی (قاضی کوفہ) کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ گالی دیتے وقت کون موجود تھا؟ اس پر ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں موجود تھا تب قاضی کوفہ نے اسے کوڑے (حد قذف) لگوائے اور اس کا سر مونڈھ کر پچھنے لگانے والے کے سپرد کر دیا۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عبیداللہ بن عمر کو حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ (صحابی) پر گالی دینے کے الزام میں زبان کاٹنے کی نذر مانی۔ اس بارے میں کسی نے ان سے کلام کیا تو جواب دیا چھوڑو کہ میں اس کی زبان قطع کردوں تاکہ آئندہ پھر وہ کسی صحابی نبی کو گالی نہ دے سکے۔ (مختصر تاریخ دمشق ۱۸۰/۷، تاریخ بغداد ۱۴۴/۸)

ابوذر ہروی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بدوی لایا

گیا جو انصار کی برائی کر رہا تھا فرمایا اگر وہ صحابی رسول نہ ہوتا تو تم کو میں ہی کافی تھا۔
(المعجم الکبیر ۱۶/۳۷۲/۲/۳۷۳ قال الھیثمی ۱۲ فی المجمع ۹/۴۵)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو کسی صحابی کی تنقیص کرے تو اس کا فیئے میں کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فیئے یعنی مال غنیمت کی تین قسمیں کی ہیں۔ فرمایا

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ (الحشر) (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کیلئے ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (الحشر۹)

ترجمہ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے۔

یہ حضرات انصار ہی ہیں۔ پھر فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانَ۔
(الحشر۱۰)

ترجمہ اور اس مال میں ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے۔

لہٰذا جو ان کی تنقیص کرے تو اس کیلئے مسلمانوں کے مال غنیمت میں کوئی حق نہیں ہے۔ کتاب ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ جو کوئی کسی صحابی کے بارے میں کہے کہ وہ زانیہ کا بیٹا ہے اور اس کی ماں مسلمان ہے تو اس کو حد (قذف) لگائی جائے اور بعض مالکیوں کے نزدیک اس پر دو حدیں ہیں ایک اس صحابی کے سبب دوسرے اس کی ماں کے سبب۔ لیکن میرے نزدیک یوں نہیں ہے بلکہ وہ شخص اس کی مانند ہے جو ایک کلمہ میں تہمت لگائے (کہ اس پر ایک ہی حد ہے)

ہم صحابی کو اس لئے فضیلت دیتے ہیں کہ ایک تو وہ دوسرے مسلمان کے مقابل صاحب فضیلت ہیں دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں نیز کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی صحابی کی والدہ پر تہمت لگائے کہ وہ کافرہ ہے تو اس پر تہمت کی حد جاری کی جائے۔ اس لئے کہ یہ ان کی گالی ہے کیونکہ اگر کوئی ان صحابہ میں سے ان کا لڑکا زندہ ہوتا تو وہ اپنے اس حق کا دعویدار ہوتا۔ اب تمام مسلمان اس کے قائم مقام ہیں تو جو کوئی مسلمان مطالبہ کرے گا تو امام وحاکم پر قیام حکم اور سماعت استغاثہ واجب ہے۔ نیز کہا کہ یہ معاملہ اور لوگوں کی مانند نہیں ہے کیونکہ صحابہ کی حرمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے اور اگر کسی امام وحاکم نے خود سنا اور

وہ خود گواہ ہے تو وہی اس پر حد قائم کرنے کا ولی ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی دوسری زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اسے قتل کر دیا جائے اس لئے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم مطہرہ کو گالی دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا معاملہ تمام صحابہ کی مانند ہے۔ لہٰذا اس پر حد قذف میں کوڑے لگائے جائیں نیز انہوں نے کہا کہ پہلے قول پر کہتا ہوں کہ ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اہل بیت کو گالی دی تھی کہ اسے خوب مار لگائی جائے جس سے اسے تکلیف ہو اور اس کی توبہ ظاہر ہو اس لئے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کا استخفاف کیا ہے اور ابو مطرف شعبی رحمۃ اللہ علیہ فقیہہ مالقہ نے اس شخص کے بارے میں فتوی دیا جس نے رات کے وقت عورت سے حلف لینے کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی بھی ہو تو ان سے بھی دن میں حلف لیا جاتا اور بعض ان لوگوں نے جو فقیہہ کہلاتے ہیں اس کے اس قول کی تصویب کی تھی مگر ابو المطرف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا اس موقعہ پر ذکر کرنا (استخفاف ہے) لہٰذا اس پر ضرب شدید اور قید طویل واجب اور وہ فقیہہ جس نے اس کے اس قول کی تصویب کی تھی وہ اس قابل ہے کہ فقیہہ کے بالمقابل اسے فاسق کہا جائے پھر وہ ان کے سامنے لایا گیا اور آپ نے اس کو خوب جھڑکا اور آئندہ اس کا فتوی اور اس کی شہادت نا قابل قبول قرار دے دی کیونکہ اس کا اس میں مجروح ہونا اور بغض فی اللہ تعالیٰ ہونا ثابت ہو گیا تھا۔

ابو عمران رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے کہا اگر میرے خلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شہادت دیں (تو کیا ہے) تو اس سے اس نے ان کی شہادت مراد لی ہے۔ یعنی یہ ایسی شہادت ہے جو مثل ایک شہادت کے ہے جو اس معاملہ میں ایک پر حکم دینا جائز نہیں تو اس کہنے اور مراد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر اس کے سوا کچھ اور مراد لیا مثلاً تنقیص واہانت وغیرہ تو اسے خوب مار لگائی جائے۔ یہ کہ وہ ادھ مرا ہو جائے۔ اسے ازراہ روایت و حکایت بیاں کیا۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جس تحریر کا ارادہ کیا تھا اس میں ہمارے کلام کی یہاں انتہی ہے اور ہماری وہ غرض بھی پوری ہو گئی جس کا ہم نے قصد کیا تھا اور وہ شرط بھی مکمل ہو گئی جو ہمارا مدعا تھا اور جس کی آرزو تھی کہ اس کی ہر قسم کی خواہش مند کیلئے صاف صاف ہو

اور ہر باب، مقصود میں بطریق حجت واضحہ ہو۔

بلاشبہ میں نے اس میں وہ نکات نادرہ بیان کئے ہیں جو نہایت عجیب وغریب اور بدیع ہیں اور میں نے وہ اسلوب تحقیق اختیار کیا ہے جو اس سے پہلے اکثر تصانیف میں پسند کیا گیا۔ جسے بکثرت فصلوں میں ودیعت کیا گیا ہے۔ مجھے وہ شخص نہایت ہی محبوب ہوتا اگر وہ مجھ سے پہلے اس کلام کو شرح وبسط کے ساتھ جمع کرتا یا کوئی ایسا مقتداء ورہنما میسر آتا جو ایسے ارشادات سے مجھے فائدہ پہنچاتا تاکہ اس کی روایت پر اپنی روایت کو محمول کر لینا کافی ہوتا جسے میں بیان کر کے خود متکفل ہوا ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ ہی سے میری التجا ہے کہ وہ میری اس چیز کو قبول اور اپنی رضا کے ساتھ خاص فرمائے۔ جس کے ساتھ اس نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور جو اس میں بناوٹ، اور تصنع ہے اسے معاف فرمائے اور اپنے جمیل کرم وعفو سے ہمارے لئے اسے بخش دے۔ اس لئے جو کچھ ہم نے اس میں قلم بند کیا ہے وہ تیرے برگزیدہ اور حامل وحی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی شرافت و بزرگی میں ہے اور آپ ﷺ ہی کے فضائل حمیدہ کے تتبع کیلئے آنکھوں کو بیدار رکھا ہے اور آپ ﷺ ہی کے خصائص جلیلہ اور وسائل قویہ کے اظہار و بیان کیلئے اپنے دل ودماغ سے کام لیا ہے اور ہمارے تن من کو اپنی بھڑکتی ہوئی آگ سے مامون ومصون رکھے۔ اس لئے کہ ہم نے آپ ﷺ کی عزت وکرم کی حمایت کی ہے۔

اے خدا ہم کو اس زمرۂ صنحاء میں شامل فرما جو حضور کے حوض سے نہ دور کئے جائیں گے جب کہ دین میں تغیر وتبدل کرنے والے وہاں سے دھتکارے جائیں گے۔

اے خدا ہمارے لئے اور ہر اس شخص کیلئے جو اس کتاب کی کتابت (شائع) کرے اور اس سے فیض حاصل کرے ایسا سبب اور ذخیرہ بنادے جو ہم کو اس کے اسباب موصلہ کی جانب واصل کر دے۔ جسے ہم اس دن پائیں جس دن ہر جاندار اپنے عمل خیر کو موجود پائے گا۔ اسی سے ہم تیری رضا کے طلب گار ہیں اور تیرے اجر کے خواہش مند اور ہمیں ہمارے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی جماعت کے زمرہ میں خاص فرما اور ہمارا حشر جماعت اولی اور ان لوگوں کے ساتھ ہو جو حضور ﷺ کی شفاعت سے محفوظ ومامون دروازے والے ہیں۔ آمین۔

ہم اللہ تعالیٰ کی حمد اس پر کرتے ہیں کہ اس نے اس کتاب کے جمع کرنے کی ہدایت فرمائی اور جن حقائق کو ہم نے اس میں درج کیا ہے ان کے ادراک وفہم کیلئے ہماری بصیرت کو منکشف فرمایا اور ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی دعا سے جو مسموع نہ ہو اور ایسے علم کے جو نفع نہ دے اور ایسے عمل سے جو قبول نہ کیا جائے پناہ مانگتے ہیں۔ وہ بڑا ہی بخشش والا ہے کہ کسی امیدوار کو نامراد نہیں رکھتا اور جسے وہ

رسوا کرے اس کا کوئی حامی و ناصر نہیں۔ وہ طالبین کی دعا کو رد نہیں کرتا اور نہ وہ مفسدوں کے عمل کی اصلاح کرتا ہے۔

وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيْل وَصَلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ خَاتِمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَلَمِيْنَ۔ بِحَمْدِهٖ تَعَالٰى وَاِحْسَانِهٖ۔

تمت بالخیر

بعونہ تعالیٰ و بکرمہ ترجمہ کتاب مستطاب اَلشِّفَاءِ بِتَعْرِيْفِ حُقُوْقِ الْمُصْطَفٰى (صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ) مسمّی باسم تاریخی نعیم العطاء فی حدیث المجتبیٰ (۱۳۷۹ھ)

آج بتاریخ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۸۰ء بروز سہ شنبہ بعد نماز عشاء ۹ بجے اختتام پذیر ہوا۔ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ مَوْلٰى سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى اپنے فضل و کرم سے اسے مقبول اور مفید عام و خاص فرمائے اور ہمارے لئے حضرت علامہ صاحب تصنیف ہذا قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کو قبول فرمائے۔ میرے اور میرے والدین، مشائخ و اساتذہ بالخصوص سیدی و استاذی، مرشدی و مولائی صدر الافاضل استاذ العلماء سلطان العلوم حضرت مولانا مفتی حکیم حافظ محمد سیّد محمد نعیم الدین جلالی مراد آبادی قدس سرہ السامی کو اس کے اجر و ثواب سے بہرہ یاب کرے۔ آمین!

بِجَاهِ سَيِّدِنَا وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ آمِيْنَ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

غلام معین الدین نعیمی
سوادِ اعظم لاہور

فہرس المصادر

الآداب	للبیهقی	دارالکتب العلمیة۔ بیروت
الأدب المفرد	للبخاری	عالم الکتب۔ بیروت
ایضاح المکنون	اسماعیل باشا	دارالفکر۔ بیروت
البدایة والنهایة	لابن کثیر	دارالکتب العلمیة۔ بیروت
البدر الطالع	للشوکانی	دارالمعرفة۔ بیروت
تاریخ بغداد	للخطیب البغدادی	المکتبة السلفیة
تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف	المزی	المکتب الاسلامی
تذکرة الحفاظ	السیوطی	دار احیاء الترات۔ بیروت
تفیسر ابن جریر	لابن جریر الطبری	دارالمعرفة۔ بیروت
حسن المحاضرة	للسیوطی	عیسی البابیی۔ بیروت
حلیة الاولیاء	لابن نعیم	دارالکتاب العربی۔ بیروت
الدر المنثور	للسیوطی	دارالفکر۔ بیروت
الدیباج المذهب	لابن فرحون	دارالکتب العلمیة۔بیروت
دلائل النبوة	لابی نعیم	دارالنفائس۔ بیروت
دلائل النبوة	للبیهقی	دارالکتب العلمیة۔بیروت
الزهد	لاحمد بن حنبل	دارالکتب العلمیة۔بیروت
سنن ابن ماجة	لابن ماجة	دار احیاء التراث۔ بیروت
سنن ابی دائود	لابی داؤد السجستانی	دارالکتاب العربی۔ بیروت
سنن البیهقی	للبیهقی	دارالفکر۔ بیروت
سنن الترمذی	للترمذی	دارالفکر۔ بیروت
سنن الدار قطنی	للدار قطنی	عالم الکتب۔ بیروت
سنن الدارمی	للدارمی	دارالکتب۔ العلمیة۔ بیروت
سنن النسائی	للنسائی	فهرسة عبدالفتاح ابوغدة
شدرات الذهب	لابن العماد	دارالمیسرة۔ بیروت
الشفاء	للقاضی عیاض	مؤسسة علوم القرآن
الشمائل	للترمذی	جدة
صحیح ابن حبان	لابن	دارالکتب العلمیة۔ بیروت
صحیح البخاری	للبخاری	دارالکتب العلمیة۔ بیروت

صحیح مسلم	لمسلم	دار احیاء التراث۔ بیروت
الضوء اللامع	للسخاوی	مکتبة الحیاة۔ بیروت
طبقات ابن سعد	لابن سعد	دار صادر۔ بیروت
عمل الیوم واللیلة	للنسائی	موسسة الکتب الثقافیة۔ بیروت
غریب الحدیث	للخطابی	جامعة ام القری
الفیض القدیر	المناوی	دارالمعرفة۔ بیروت
الکامل فی الضعفاء	لابن عدی	دارالکفر۔ بیروت
کشف الاستار عن زوائد	البزار للهیثمی	موسسة الرسالة۔ بیروت
مجمع الزوائد	للهیثمی	دارالکتاب العربی۔ بیروت
مختصر تاریخ ابن عساکر	ابن بدران	دارالمسیرة۔ بیروت
المراسیل	لابی داود السجنستانی	
المستدرك علی الصحیحین	للحاکم	دارالفکر۔ بیروت
المستدرك علی معجم المؤلفین	کحالة	موسسة الرسالة۔ بیروت
مسند ابی یعلی الموصلی	لابی یعلی الموصلی	دارالمامون۔ بیروت
مسند احمد	لاحمد بن حنبل	دار صادر۔ بیروت
مسند الحمیدی	للحمیدی	دارالکتب العلمیة۔ بیروت
مسند الطیالسی	لابی داود الطیالسی	دارالمعرفة۔ بیروت
مسند الفردوس	للدیلمی	دارالکتب العلمیة۔ بیروت
المصنف	لابن ابی شیبة	بومبای۔ الهند
المصنف	لعبدالرزاق الصنعانی	المکتب الاسلامی۔ بیروت
المعجم الصغیر	للطبرانی	موسسة الکتب الثقافیة۔ بیروت
المعجم الکبیر	للطبرانی	الاوقاف۔ بغداد
المقاصد الحسنة	للسخاوی	دارالکتاب العربی۔ بیروت
مناهل الصفاء	للسیوطی	موسسة الکتب الثقافیة۔ بیروت
الموطا	الامام مالك	دارالآفاق۔ بیروت
النهایة فی غریب الحدیث	لابن الاثیر	دار احیاء التراث۔ بیروت
هدیة العارفین	اسماعیل باشا	دارالفکر۔ بیروت